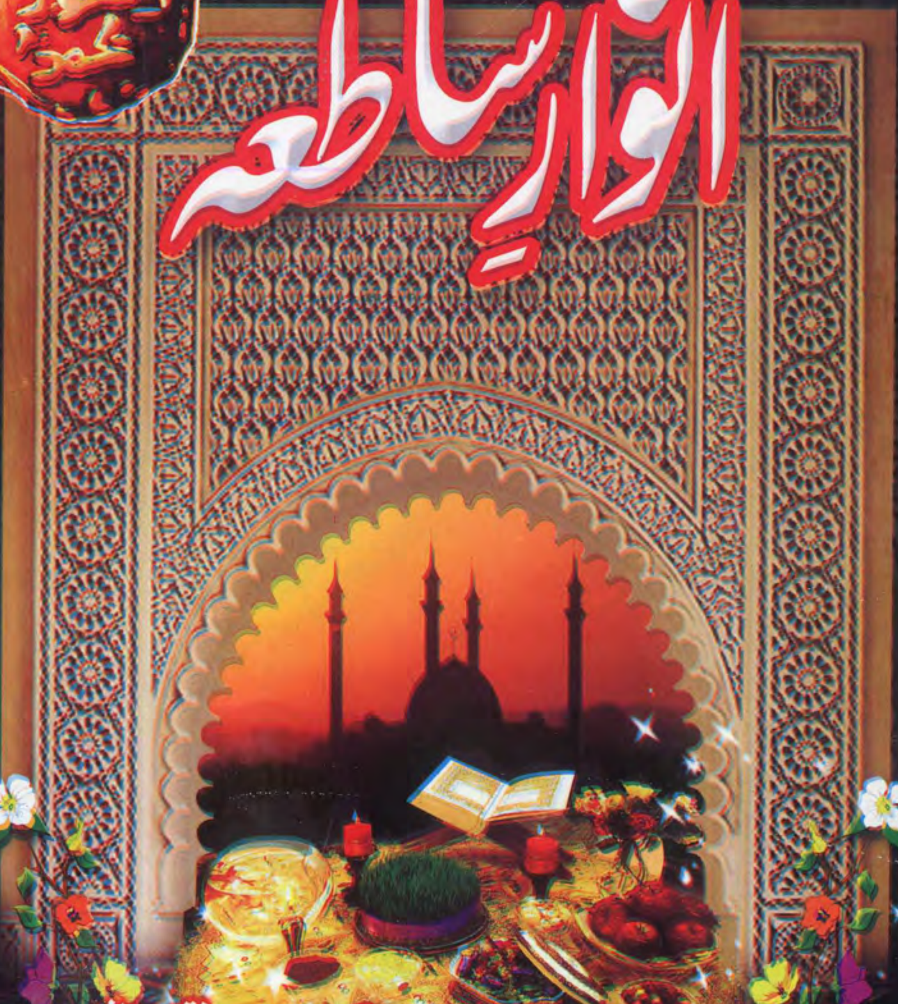


انوارِ ساطعہ



تصنیف لطیف

محقق دوراں مفتی زماں حضرت علامہ حافظ

محمد عبد السمیع سہارنپوری

۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء

خلیفہ مجاز حضرت مولانا حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی

۱۳۱۰ھ ۱۸۹۹ء علیہما الرحمۃ والرضوان

تسہیل و تجدید تخریج و تحقیق

محمد افروز قادری چریاکوٹی

فیض گنج بخش بک سنٹر

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَعْنًى وَّمِنْ كَلِمٖ

انوار ساطعہ

در بیان

مولود و فاتحہ

عقائد و معمولات اہلسنت خصوصاً میلاد و فاتحہ وغیرہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی نوعیت کی واحد کتاب

تصنیف لطیف

محقق دوراں مفتی زماں حضرت علامہ حافظ

محمد عبد السمیع سہارنپوری

۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء

خلیفہ مجاز حضرت مولانا حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی

۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء علیہما الرحمۃ والرضوان

تسہیل و تجدید تخریج و تحقیق

محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی کیپ ٹاؤن جنوب افریقہ

فیض گنج بخش بک سنٹر

دربار مارکیٹ داتا دربار لاھور

0321 4021 314



مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

نام کتاب: انوارِ ساطعہ (در بیان) مولود و فاتحہ

مصنّف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی کیپ ٹاؤن جنوب افریقہ

تاریخ اشاعت: جون 2012

مطبع:

ناشر: صاحبزادہ غلام محی الدین رضا

قیمت:

فیض گنج بخش بُک سنٹر

دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

0321 4021 314

بیاد

حضرت شیخ سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز جنہوں نے برصغیر ہند میں ۱۰۴۱ تا ۱۰۷۱ عیسوی میں اسلامی تعلیمات کو پھیلایا۔ ان کا درِ فیض آج بھی کھلا ہوا ہے۔ نیاز مندان داتا گنج بخش اپنے دامن میں گوہر مراد بھر کر لے جاتے ہیں اور اپنی زبان قال و حال سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

بفیضانِ نظر

لاہور کے مستور الحال درویش حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عشق رسول کا علم تھامے رکھا، محبت رسول کی شمع کو روشن رکھا، فکر رضا کو ایک عالمی تحریک بنایا، کتاب کی خوشبو کو پھیلا کر علم و عرفان کو عوام و خواص تک پہنچایا۔ فیض موسوی آج بھی جاری ہے۔ تلاش و جستجو کے متوالے ان کے مخزن علم سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما



فہرست مضامین

اداریہ

فیض گنج بخش بک سنٹر لاہور کی شروع دن سے یہ کوشش رہی کہ اپنے قارئین کیلئے معیاری اور وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کتب شائع کرے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اب تک ادارہ اپنے قارئین کے لئے علمی، تحقیقی، اخلاقی اور دیگر موضوعات پر کتب شائع کر چکا ہے۔ جن میں سیرت مصطفیٰ ﷺ، انگھوٹھے چومنے کی حدیث، مرنے کے بعد کیا بیتی، بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے چالیس حدیثیں، موت کیا ہے، وقت ہزار نعمت ہے اور ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ جیسی کتب شامل ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' حضرت علامہ شیخ حافظ محمد عبدالسمیع انصاری رام پوریؒ خلیفہ حضرت شاہ امداداللہ مہاجر مکیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں میلاد، فاتحہ، سوئم، چہلم اور دیگر مسائل کو نہایت خوبصورتی سے بیان اور ثابت کیا گیا ہے۔ ادارے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ''انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' کا جو نسخہ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ پہلی مرتبہ پاکستان سے شائع ہو رہا ہے۔ آج سے پہلے یہ کتاب اول تو ناپید تھی اور اگر کوشش بسیار سے تلاش ممکن ہوتی تو وہ بھی قلمی نسخے کی نقل کی صورت میں۔ اس کتاب میں جو تخریج کی کمی تھی وہ مولانا افراز قادری چریا کوٹی نے انتھک محنت کر کہ پوری کر دی۔ بلاشبہ ان کا جماعت پر یہ احسان عظیم قابل صد تحسین ہے۔ کتاب کی اشاعت میں مکمل طور پر احتیاط سے کام لیا گیا ہے مگر پھر بھی اگر کوئی بیشی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمادیں تاکہ ازالہ کیا جاسکے۔

آخر میں میں مولانا افروز قادری کا بے حد مشکور ہوں کی جنھوں نے کتاب شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ معاونین میں میاں زبیر احمد علوی ضیائی قادری گنج بخشی، ڈاکٹر پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری، ہمایوں سعیدی، سید محسن اعجاز، ثاقب رضا قادری اور حافظ غلام محی الدین رضا قادری کا احسان مند ہوں جن کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی۔

غلام معین الدین
Qadri@live.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

یہ ایک حقیقت ہے کہ عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت و جماعت خصوصاً میلاد و فاتحہ وغیرہ کے موضوع پر تحریر کی گئی اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' مدتوں سے موقوف الاشاعت رہی، اور اربابِ علم و دانش کے علاوہ عام لوگوں کی نگاہوں سے عرصہ سے اوجھل رہی۔ جائے افسوس ہے کہ اس کے جواب میں لکھی گئی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' تو ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد اڈیشنز کے چولے پہن کر منظرِ عام پر آئے، اور دلائل و تحقیقات کے اُجالے بکھیر دینے والی کتاب ''انوارِ ساطعہ'' گوشہ گمنامی میں پڑی رہے۔ اِسے اپنوں کی بے اعتنائی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔ لیکن الحمد للہ اب غفلت کے دھند ھلکے چھٹنے لگے ہیں اور انوارِ ساطعہ کی اشاعت کا مبارک سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ حال ہی میں دو خوبصورت نسخے حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں، ان میں ایک تو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نباضِ وقت باذوق طلبہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے، اور دوسرا جماعت کے ممتاز تصنیفی و تربیتی ادارہ ''المجمع الاسلامی'' کا۔ اللہ انھیں اُن کی خدمتوں کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' فاضل مصنف کے زمانے کی علمی، ادبی، تحقیقی اور ثقافتی بوقلمونیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب جہاں تفریق بین المسلمین کی تاریخ اور اس کے اسباب و عوامل پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے وہیں علمِ غیب، مسئلہ حاضر و ناظر اور دوسرے اہم علمی و فقہی مسائل و مباحث کی گرہیں بھی کھولتی ہے۔

ان موضوعات پر اب تک خدا معلوم کتنی کتابیں معرضِ اشاعت میں آچکی ہیں مگر ان میں حضرت رام پوری رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ استدلال، رنگِ تحقیق، اندازِ نگارش اور وطیرۂ بحث دل چھوتا اور خاصا اچھوتا ہے۔ علمائے حق اور اربابِ فقہ و بصیرت کی تحریروں کا جو طرۂ امتیاز ہوتا ہے وہ اس کتاب کی سطر سطر سے چھلکا پڑتا ہے، ان تحریروں میں صلح و مصالحت کا رنگ چڑھانے اور برادرانِ طریقت کے درمیان مفاہمت و مواخات کی سنہری فضا قائم کرنے میں مصنف نے پوری فیاضی اور دریا دلی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ فاضل مصنف نے منکرین کے بے سروپا اعتراضات کے شائستہ انداز میں نہایت معقول جوابات دیے ہیں۔ الزامی جواب کے التزام کے ساتھ ان گوشوں پر فقہی تحقیق و تدقیق کی نہریں بھی بہا دی ہیں۔

سچی بات بتاتا ہوں کہ اس کتاب سے میری دلچسپی صرف اسی حد تک تھی کہ میرے وطن مالوف کے ایک نامور ادیب، عالم و محقق 'مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی نے اس پر اپنی تقریظ بے بہا ثبت کی ہے اور بس، اس کتاب کو پڑھنے کی غلطی میں نے کبھی نہیں کی، مگر ہوا کچھ یوں کہ مصنف انوارِ ساطعہ سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے بھاری بھرکم تعریفی الفاظ اور توصیفی کلمات نے میرے سمندرِ شوق کو مہمیز لگا دیا اور اس طرح چیدہ چیدہ مقام سے ایک دفعہ پوری کتاب دیکھنے کا خیال پیدا ہوا،

لیکن مشکل یہ درپیش ہوئی کہ قریباً تین سو صفحات پر بکھری ہوئی یہ کتاب کوئی ایک ہی پیراگراف پر اختتام پذیر ہوگئی ہے تو پیراگراف ختم ہونے کے انتظار میں مجھے پوری کتاب مجبورانہ پڑھ ڈالنا پڑا لیکن اس کا تأثر یہ ہوا کہ اب میرے افقِ ذہن پر اس کتاب کی عظمت کا سورج پورا پورا خطِ نصف النہار پر آچکا تھا' اور اس پر کچھ کر گزرنے کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔

اس کتاب کے عوام وخواص ہر ایک کی خاطر یکساں مفید ہونے کے لیے ضروری تھا کہ یہ کتاب اپنا پیراہن کہن بدلے' اور اپنی افادیت میں اضافہ کرنے کے لیے تحقیق وتخریج کی قبا زیب تن کرے۔ مرشد گرامی قدر حضور سیدی علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری دام ظلہ النورانی بھی اس کی تسہیل وتخریج سے متعلق کئی بار اپنی نیک خواہشوں کا اظہار فرما چکے تھے۔ مگر یہ کارِ زہرہ گداز کرے کون؟

اسی دوران اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل فراواں سے مجھ ناکارۂ جہاں کے لیے دلاص یونیورسٹی' جنوب افریقہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کا ایک خوبصورت بہانہ کر دیا۔ تعطیل کلاں میں کچھ اس کتاب پر کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی مگر اوّل تو انوارِ ساطعہ ہی اپنے پاس نہ تھی اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ تحقیق وتخریج کے لیے ناگزیر کتابوں کی عدم فراہمی۔ انجام کار موسم کی یخ بستگی کے ساتھ میرے جذبات بھی ٹھنڈے پڑ گئے۔

پھر یکایک اسباب بہم ہونے شروع ہوئے' انٹرنیٹ کی وساطت سے انوارِ ساطعہ بھی مل گئی اور تحقیق وتخریج کے لیے انٹرنیٹ کی مدد سے ہزاروں سے زائد امہات الکتب کا انبوہِ کثیر بھی ہاتھ آ گیا۔ پھر کیا تھا ''چل مرے خامہ بسم اللہ'' کا وِرد کر کے ۱۴ر صفر مظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۴ر مارچ ۲۰۰۷ء کو میں نے تسہیل وتجدید اور تخریج وتحقیق کا عمل شروع کر دیا۔ اس دوران بعض مقامات پر سخت مایوسی کا سامنا بھی ہوا مگر پھر اُن کی تحلیل کی صورتیں بھی پیدا ہوتی گئیں۔ اس طرح کم وبیش ساڑھے تین ماہ کی جی توڑ کوششوں اور موٹی گاڑھی محنتوں کے بعد ۲۹ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۷ر جون ۲۰۰۷ء میں تسہیل وتحقیق کا یہ آہوئے پرشوق' حرم رسیدہ ہو گیا۔ فلِلّٰہ الحَمْدُ و المِنَّة۔

تحقیق وتخریج کے حوالے سے ایک ضروری عرض یہ ہے کہ حوالہ جات' مطبوعہ کتابوں سے نسبتاً کم اور انٹرنیٹ کی وساطت سے زیادہ درج کیے گئے ہیں' اس لیے حوالوں میں مطابع کتب کا کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے' تاہم کتب حدیث کے ساتھ حدیثوں کے نمبر اور کتب فقہ وغیرہ میں اَبواب کی تعیین کا اِلتزام کر کے اس ضرورت کی کسی حد تک تکمیل کرنے کی کوشش کر دی گئی ہے۔ میں کہ اپنے جیب وداماں زیورِ علم سے خالی پا کر تخریج وتحقیق کے اس اہم کام کے لیے کبھی ہمت نہیں جٹا سکا تھا مگر پروردگار عالم میرے اربابِ فیض وکرم پر اپنی عطا ونوال کے مینہ برسائے جنھوں نے ہر آڑے وقت پر اپنا علمی وفکری تعاون فرما کر میرے حوصلوں کو توانا رکھا۔ دینی علم وفکر سے اپاہج شہر میں بیٹھ کر اس طرح کے علمی کام سرانجام دینا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے' وہ صرف توفیق الٰہی ہی کا کمال ہے جس کی وجہ سے ایسا کچھ کر دینا میرے لیے ممکن ہو سکا۔

اس موقع پر میں جماعت کا سچا درد رکھنے والی اور اصلاحِ اُمت کے حوالے سے ہمہ وقت فکرمند رہنے والی حضور نعمانی صاحب قبلہ کی عبقری شخصیت کا کیسے شکر ادا کروں جنھوں نے کثرتِ کار اور ہجوم افکار کے باوصف پوری کتاب حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمائی' اور اپنی

گراں قدر اصلاحات وہدایات سے مجھے نوازا۔ میرے دیرینہ دوست ڈاکٹر مختار گل ہاشمی بھی میرے سپاس کے بھرپور سزاوار ہیں جنھوں نے ہر موقع پر اپنا دستِ تعاون دراز کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا' ساتھ ہی اپنے جملہ اساتذہ ومعاونین کے لیے بھی تشکر وامتنان کے جو جذبات درونِ دل چھپے ہیں شاید اُن کی تعبیر سے حرف وصوت آشنا نہ ہوسکیں' شکر وسپاس کے رسمی الفاظ کسی طور اُن حضرات کی خدمتوں کا صلہ نہیں ہوسکتے' ان کی بہترین خدمات کا بس اللہ ہی انھیں بہتر اَجر دے۔ آمین۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ انوارِ ساطعہ اپنی سلاست وسادگی' عبارت کی دل نشینی وپختگی اور تحقیق کی ندرت وعمدگی کے اعتبار سے آج بھی ایک مفید اور زندہ وتابندہ کتاب ہے۔ ہاں اس کے بعض الفاظ وفقرے ضرور تشریح طلب تھے' نیز فاضل مصنف کے زمانے کا طریق اِملا کچھ اور تھا' خصوصاً علامات اوقاف کے استعمال کا تو پہلے کوئی دستور ہی نہ تھا' پھر بعد میں طریق اِملا تدریجاً اصلاح پاتا رہا' لہٰذا ضروری تھا کہ قدیم طریق اِملا چھوڑ کر جدید رسم املا اختیار کیا جاتا اور جا بجا اوقاف لگادیے جاتے تاکہ عبارت عام فہم بن جائے اور کتاب کی افادی حیثیت بڑھ جائے۔ ہم نے بحمد اللہ اس کتاب کے اندر تحقیق وتخریج کی بابت جہاں عالم عرب کا اسلوب جدید اپنایا ہے وہیں تسہیل وتجدید کے سلسلے میں فاضل مصنف کے عہد کا طریق اِملا چھوڑ کر مروجہ طریق اِملا بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

☆ فاضل مصنف کے زمانے میں بعض الفاظ ملا کر لکھنے کا دستور تھا جیسے: ''جانکر'' ''تمکو'' وغیرہ' پیش نظر کتاب میں ہر لفظ جدا جدا لکھا گیا ہے۔ ''جان کر'' ''تم کو''۔

☆ فاضل مصنف کے دور میں ''ہو'' اور ''جائے'' کو' ''ہووے'' اور ''جاوے'' لکھا جاتا تھا۔ پیش نظر کتاب میں موجودہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ پوری کتاب میں جا بجا اوقاف لگادیے گئے ہیں تاکہ فقرے اور جملے ممتاز رہیں' اس سلسلے میں بعض مقامات سے ''اور'' یا اس قسم کے دوسرے الفاظ حذف کردیے گئے ہیں جو دراصل الٹے واوٗ (کاما) اور وقفہ (ڈیش) کا بدل تھے۔

ہمارے نزدیک ان میں سے کسی بھی چیز کو متن میں تبدیلی قرار نہیں دیا جاسکتا' اسے صرف طریق املا کا فرق کہنا چاہیے۔

☆ جن الفاظ یا فقرات کا مفہوم توضیح طلب تھا ان کی توضیح حاشیے میں کردی گئی ہے یا متن میں قوسین کے اندر ایک لفظ یا چند الفاظ بڑھادیے گئے ہیں۔

☆ جو احادیث متن میں جزوی طور پر نقل تھیں انھیں حاشیے میں مکمل کردیا گیا ہے' نیز حدیث کا اصل متن بھی لکھ دیا گیا ہے۔

☆ فاضل مصنف نے بعض آیات کے ترجمے میں صرف مطالب قرآنی اور اپنا مقصد پیش نظر رکھا ہے اور بعض چھوڑ دی ہیں' ہم نے ہر جگہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن کنز الایمان درج کردیا ہے۔

تسہیل وتجدید' تہذیب وتذہیب اور تخریج وتحقیق کی یہ حقیر کاوش آپ کے سامنے ہے۔ بساط بھر کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ سہل وآسان اور قلب ونظر کی جاذبیت کا سامان ہوجائے۔ اب اپنے مقصد میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ تو باذوق اہل علم ہی کریں گے۔ ہاں! اس سلسلے میں ملنے والی کامیابی کو ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل بے کراں کا کرشمہ تصور کرتے ہیں' اور کہیں فروگزاشت ہوئی ہو تو اسے اپنے فکر ونظر کی لغزش سمجھتے ہوئے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

ہماری اس کوشش کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ فاضل مصنف رحمہ اللہ کے اس اہم علمی اور تحقیقی کارنامے سے استفادے کا

دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے، اور امت مسلمہ پامردی کے ساتھ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر جادہ پیما ہو جائے کیوں کہ ہماری ہر کامیابی انھیں کے قدموں کی برکتوں کا استعارہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے ہمیں کتاب وسنت کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، کدورت ونفرت کے اندھیروں کو اُلفت ومحبت کے اُجالوں سے بدل دئے اور دارین کی سعادتوں والے کام سرانجام دینے کی توفیق ہمارے رفیق حال کردے۔

آمین بجاهِ حبيبك سيّد المُرسَلين
عليه أفضَل الصَّلٰوة وَأكرم التَّسْليم

ناکارۂ جہاں

محمد افروز قادری چریاکوٹی

پروفیسر: داؤص یونیورسٹی۔ کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ
ایڈیٹر: ماہنامہ چراغِ اُردو، کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ
۳؍ جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ، مطابق: ۱۹؍ جون ۲۰۰۷ء

تقریب

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم و علٰی اله و صحبه و حزبه اجمعین

''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' علامہ مولانا حافظ محمد عبدالسمیع بے دل رام پوری (سہارن پوری) علمائے ہند میں بڑے باعظمت عالم دین گزرے ہیں۔ حق آگاہ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلفاو مریدین میں بھی بلند مقام کے حامل تھے' لیکن چوں کہ اہل حق ہمیشہ مظلوم رہے ہیں آپ بھی اسی مظلومیت کا شکار ہو گئے کہ ''انوارِ ساطعہ'' جیسی جلیل القدر عظیم الشان اور علمی و تحقیقی کتاب کے مصنف ہونے کے باوجود آپ کا قرار واقعی تعارف نہ ہوسکا' نہ ہی آپ کی یہ کتاب مستطاب خاطر خواہ اشاعت پذیر ہوسکی' جب کہ کتاب کا موضوع ایسا ہے کہ اس کو بار بار اور خوب چھپنا چاہیے تھا' شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ کتاب خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے اور کہیں کہیں ایسی فنی بحثیں بھی ہیں جن کا سمجھنا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ہاں کتاب واقعاتِ میلاد پر ہوتی تو خوب چلتی اور بار بار چھپتی' جیسا کہ اسی عہد کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''میلادِ اکبر'' مصنفہ مولوی اکبر علی وارثی میرٹھی کا حال ہے کہ تا حال اس کے کتنے ایڈیشن نکلے اس کو جاننا بھی ایک امر دشوار ہے۔

میرے علم میں تقریباً 60 سال سے یہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہے۔ تقسیم ہند سے قبل حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ صاحب تفسیر خزائن العرفان نے اپنے مطبع نعیمی مرادآباد سے اسے شائع کیا تھا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس کا نہ ٹائٹل ہے نہ ہی اس پر کوئی تاریخ اشاعت۔ کتاب پورے 300 صفحات پر مشتمل ہے اور سائز متوسط سے کچھ بڑا ہے جو اس وقت کا مقبول عام سائز ہے۔

کتاب کیا ہے زر و جواہر سے پُر ہے' ایسے ایسے علمی نکات اس میں آفتاب کی طرح روشن اور انگوٹھی کے نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں کہ پڑھتے ہی ذہن و دماغ کی گرہیں کھل جائیں۔ اور دل بینا کی روشنی بڑھ جائے۔ وقت کے ایسے ایسے اکابر و اساطین کی تصدیقات و تقریظات اس پر ثبت ہیں کہ جن میں ہر ایک عظمت کا مینار کہے جانے کے لائق ہے۔ ذرا ایک نظر ان کے ناموں پر تو ڈال لیں

ابوالحسنات مولانا عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلّی (۱۳۰۴ھ)

مولانا فیض الحسن سہارن پوری (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)

پایۂ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (۱۳۰۸ھ)

مولانا مفتی محمد ارشاد حسین مجددی رام پوری (۱۳۱۱ھ)

مولانا غلام دستگیر قصوری (۱۳۱۵ھ)

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)

تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی	(۱۳۱۹ھ)
مولانا وکیل احمد حنفی سکندر پوری	(۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)
مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی	(۱۳۲۷ھ)
مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی	(۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)
مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی صاحب تفسیر حقانی	(۱۳۳۵ھ)
مولانا محمد عبدالمجید فرنگی محلی لکھنوی	(۱۳۴۰ھ)
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی	(۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

یہ سب چودہویں صدی کے وہ اساطین واکابر ہیں جن پر اعتماد کرنا ہمارے لیے باعث سعادت ہے، اور جن سے انحراف یقیناً گمراہی کا پیش خیمہ۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچایا جائے، اس پر عمل کیا جائے، اور اس کے دلائل کو ذہنوں میں بٹھایا جائے تاکہ کوئی ہمیں راہِ مستقیم سے ہٹا نہ سکے۔

زیرِ نظر کتاب ''انوارِ ساطعہ'' کے 2 ایڈیشن حال ہی میں طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور المجمع الاسلامی کی طرف سے شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اب یہ تیسرا ایڈیشن فاضل جوان عزیز گرامی قدر مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی زید مجدہ کی تخریج وتحقیق اور تسہیل وتجدید کے ساتھ منظر عام پر لایا گیا ہے جو سابقہ تمام نسخوں سے زیادہ اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔ تخریج میں مولانا نے جو محنت کی ہے وہ ہر مطالعہ کرنے والے پر عیاں ہے۔ احادیث اور فقہی عبارات کی تخریج تو بآسانی عمل میں آ گئی ہے البتہ بعض دیگر کتب ورسائل، دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تخریج کی گرفت سے رہ گئے ہیں۔ شاید آئندہ اُن کتابوں کی دستیابی کے بعد یہ کام بھی پایۂ تکمیل تک پہنچے گا ان شاء اللہ تعالیٰ مولا تعالیٰ موصوف کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے اور انھیں مزید اس قسم کے علمی ودینی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد عبدالمبین نعمانی قادری
دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو (یوپی)
۴؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ-۱۳؍مارچ ۲۰۰۸ء

تقدیم نفیس

صاحب انوارِ ساطعہ

حضرت علامہ شیخ محمد عبدالسمیع انصاری رام پوری علیہ الرحمۃ والرضوان

نام: محمد عبدالسمیع، تخلص، بے دؔل ہے۔ آپ اپنے وطن رام پور منیہاران، ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے جو سہارن پور، شاملی، دہلی برانچ لائن پر سہارن پور شہر سے تقریباً 38 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔(۱) آپ کا نسبی رشتہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے واسطے سے مشہور صحابیِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔(۲)

ابتدائی تعلیم پایۂ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (بانی مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، متوفی ۱۳۰۸ھ) سے حاصل کی(۳)۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۲۷۰ھ سے قبل قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا، اس مدرسہ سے سیکڑوں تشنگانِ علوم نے پیاس بجھائی، اسی مدرسے میں مولانا رام پوری نے مولانا کیرانوی سے تعلیم حاصل کی، ان کے علاوہ مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، مولانا سعادت علی سہارن پوری، مولانا شیخ محمد تھانوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی سے بھی تعلیم پائی۔(۴)

پھر ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرکز علم وادب دہلی کا رخ کیا، اور علمائے دہلی خصوصاً صدرالصدور حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی سے عربی علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ انہیں ایام میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو اردو کے مشہور شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ ''بے دل'' تخلص تھا۔ ابتدا میں طبیعت غزل کی طرف زیادہ مائل رہی۔ بعد میں اس رسمی شاعری کو چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ مذہبی علوم ومسائل پر محدود کر دی۔(۵)

حمد باری، نور ایمان، اور سلسبیل جیسے منظوم رسالے آپ کی شاعرانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان بھی ہے۔(۶)

---

(۱) البراہین النافعۃ، سید قمرالدین اشرف، علی گڑھ، ص ۲۷، تقسیم کار ڈی بی بلڈنگ، نوتنواں بازار، ضلع مہراج گنج یو۔ پی ۲۰۰۳ء

(۲) تذکرۂ علمائے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص: ۱۶۷، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۹۲ء

(۳) مولانا عبدالسمیع صاحب نے خود انوار ساطعہ میں اپنے آپ کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا شاگرد لکھا ہے اور انہیں بڑے گراں قدر علمی القاب سے نوازا ہے جس سے استاد کے ساتھ گہرے رشتے اور گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور خود مولانا رحمت اللہ صاحب نے انوار ساطعہ اور تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (مؤلفہ مولانا غلام دستگیر قصوری) پر اپنی تقریظات میں مولانا عبدالسمیع رام پوری کو اپنا شاگرد کہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے انوار ساطعہ وتقدیس الوکیل ص ۴۱۵، نوری بک ڈپو، دربار داتا صاحب، لاہور، پاکستان) اور مولانا محمد سلیم مکی، مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ نے انہیں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تلامذہ میں سرفہرست ذکر کیا ہے (دیکھئے ''ایک مجاہد معمار'' ص ۱۸، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، بحوالہ مقدمہ ''بائبل سے قرآن تک'' ص ۱۸۳، مطبوعہ حافظی بک ڈپو دیوبند)

(۴) براہین قاطعہ، ص: ۹، کتب خانہ امدادیہ دیوبند

(۵) مفتی صدرالدین آزردہ، از عبدالرحمن پرواز اصلاحی، ص ۱۲۹، مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع اول، جولائی ۱۹۷۷ء

(۶) (الف) مصدر سابق (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت از مولانا محمود احمد قادری، ص ۱۶۸ (ج) ''ایک مجاہد معمار'' بحوالہ بائبل سے قرآن تک'' ص ۱۶۷

مولانا رام پوری سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اپنے وقت کے مشہور مرشدِ طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا الحاج امداداللہ فاروقی چشتی تھانوی مہاجر مکی علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۷ھ) سے بیعت تھے۔ آپ کو حضرت حاجی صاحب موصوف سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، آپ نہایت محتاط، تقویٰ شعار، پرہیز گار اور کامل الاحوال بزرگ تھے۔

مشہور مخیّر رئیس حافظ عبدالکریم، رئیس لال کرتی میرٹھ نے اپنے لڑکوں کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ کو بارہ روپے اور روٹی پر مدرس رکھ لیا۔ مدرس ہونے کے بعد دونوں وقت انواع واقسام کے کھانے پہنچنے لگے، مگر آپ کا معمول یہ رہا کہ ان میں سے کچھ بھی تناول نہ فرماتے، صرف روٹی کھا کر پانی پی لیتے۔ حافظ عبدالکریم صاحب کو خبر ہوئی۔ بلا کر تحقیقِ حال کرنی چاہی اور پوچھا کہ کیا کھانا پسند نہیں آتا، کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ آپ نے بڑی سادگی سے دوٹوک جواب دیا "کھانے میں کوئی کمی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ معاملہ طے کرنے کے وقت صرف "روٹی" طے ہوئی تھی، اس لیے باقی چیزوں کے کھانے کا مجھے حق نہ تھا"۔(۱)

آپ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے ان خلفا میں تھے جنھیں حاجی صاحب نے ازخود خلافت دی تھی۔ آپ نے پوری طرح مذہب اہلِ سنت کے عقائد وافکار اور مشربِ صوفیہ کے وظائف ومعمولات میں اپنے شیخ ومرشد کی پیروی کی۔ اور مشائخ کے روحانی فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوئے۔

امدادُ المشتاق میں خود حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء کے بارے میں فرمایا میرے خلفائد دو قسم کے ہیں
"ایک وہ جنھیں میں نے ازخود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے"۔

جن خلفاء کو ازخود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ)، مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ)، مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ)۔

اور جن خلفاء نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)، مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔(۲)

اردو کے مشہور ادیب اور قلم کار مالک رام نے تلامذۂ غالب میں لکھا کہ مولانا رام پوری کی فارسی اور عربی کی استعداد بہت اچھی تھی۔(۳)

خود آپ کی کتاب "انوارِ ساطعہ" کا انصاف ودیانت کے ساتھ مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مذہبی علوم وفنون اور علومِ عقلیہ میں آپ کا پایہ بہت بلند اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، جیسا کہ ان کے بزرگوں اور معاصر علمائے کرام نے "انوارِ ساطعہ" پر اپنی تقریظات میں کھلے دل سے ان کے علمی تبحر وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ "انوارِ ساطعہ" میں مولانا نے اس عالمانہ اسلوب میں بحث کی ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھتی ہے، اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے لیے دعا نکلتی ہے۔

مولانا رام پوری علیہ الرحمہ نے اسّی، نوّے سال کے درمیان عمر پائی اور میرٹھ میں ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا اور

(۱) تذکرہ علمائے اہلِ سنت، ص ۱۶۷
(۲) صابری سلسلہ، از وحید احمد مسعود، بدایوں، ۱۹۷۱ء
(۳) مفتی صدرالدین آزردہ، از عبدالرحمان پرواز، ص ۱۲۹

وہیں قبرستان حضرت شاہ ولایت قدس سرہ میں مدفون ہوئے۔ مولانا حکیم محمد میاں آپ کے فرزند تھے ۱۹۴۰ء میں ان کی رحلت ہو گئی۔ حکیم صاحب کی اولاد میں صرف دولڑکیاں تھیں، اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔

مولانا عبدالسمیع رام پوری علیہ الرحمہ نے درج ذیل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں

(۱): نورایمان (منظوم) (۲): سلسبیل (منظوم) (۳): راحت قلوب (۴): بہارِ جنت

(۵): مظہرِحق (۶): حمد باری (۷): انوارساطعہ دربیان مولودوفاتحہ (۸): دافع الاوہام فی محفل خیرالانام

(۹): قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبی۔(۱)

انوارِ ساطعہ کا تاریخی پس منظر

میلا دالنبی اور فاتحۂ مروجہ کی اصل حدیثِ نبوی سے ثابت ہے، اسی لیے یہ ہمیشہ سے علماء ومشائخ ملت اور اکابرِ امت کا معمول رہا ہے۔ محفل میلا دالنبی کی اصل یہ ہے کہ سرورِکائنات، فخرِ موجودات، سید الانبیاﷺ کی ولادتِ طیبہ اور سیرتِ طیبہ کو بیان کیا جائے۔ جامع ترمذی جو صحاح ستہ میں سے مشہور اور معتمد کتاب ہے، اس میں ایک باب ہے "باب ماجاء فی میلا دالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" (ان احادیث کا بیان جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ طیبہ کے بارے میں آئی ہیں۔) اس باب میں ایک حدیث صحابیِ رسول حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ : وُلِدَتُّ أنا و رسولُ اللّٰهِ عَامَ الفِيلِ. قال: وسأل عثمانُ بنُ عفّان قباثَ بنَ أشيَمَ أخا بني يَعْمر بن ليث :أنت أكبرُ أم رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ؟ فقال: رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أكبَرُ مِنّي، وأنا أقدم منه في الميلاد.(۲)

انھوں نے کہا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال پیدا ہوئے جس میں اصحابِ فیل کا واقعہ پیش آیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انھوں نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں، اور میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔

اس حدیث کی روشنی میں جہاں یہ ثابت ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کا بیان نہ صرف جائز بلکہ صحابہ کا طریقہ ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہایت تعظیم وادب سے کرنا چاہیے، جس میں توہین وتنقیص کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو، کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سوال کا مقصد یہی تھا کہ اے قباث بن اشیم! عمر میں آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں؟ جس کا سیدھا سا جواب یہ تھا کہ "میں بڑا ہوں"۔ مگر اس میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کی بات تھی تو صحابیِ رسول کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اس لیے تعبیر بدل کر ایسا جواب دیا کہ ظاہر کے اعتبار سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کا شائبہ نہ ہو اور فرمایا کہ ولادت میں میں ان سے مقدم اور پہلے ہوں۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت

(۱) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۶۸

(۲) جامع ترمذی، ج:۲/ص:۲۰۲، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

" قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ " (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آ گیا) اور آیت کریمہ "وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِین" میں سرکار کی آمد کا ذکر ہے۔

اسی بنا پر سلفِ صالحین، علمائے دین، مشائخ طریقت اور اساطین امت محفل میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرتے رہے اور اس میں برابر شرکت کرتے رہے، حد یہ ہے کہ امام ابو شامہ استاذ امام نووی، امام ابن جزری، حافظ عماد الدین بن کثیر، حافظ زین الدین عراقی، امام ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی، علامہ عبد الباقی زرقانی مالکی، علامہ ملا علی قاری حنفی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ بے شمار اساطینِ امت بلا نکیر محفل میں شریک ہوتے رہے، بلکہ بہت سے علمائے کرام نے محفل میلاد کے لیے مستقل کتابیں لکھیں۔ صاحبِ انوار ساطعہ نے نورِ سوم کے لمعہ تاسعہ میں ان علماء و محدثین اور مشائخ طریقت کی ایک لمبی فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح فاتحہ اور ایصالِ ثواب بھی پوری امت مسلمہ میں رائج تھا۔

یہی حالات تھے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے تقریباً 20 سال بعد سہارن پور اور اس کے اطراف کے چند اسلاف بیزار مولویوں نے اس عملِ خیر اور مجلسِ خیر کے خلاف آواز اٹھائی اور دہلی کے غیر مقلد وہابی علماء سے یہ سوال کیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی و مدحت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردانِ خوش الحان گانے والے ہوں، اور زیب و زینت و شیرینی و روشنی ہائے کثیرہ ہو اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب و حاضر ہوں، جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام وقتِ ذکرِ ولادت جائز ہے یا نہیں؟ اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز عیدین پنج شنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی اور بھونے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ مع پنج آیت پڑھنا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا بحدیث نبوی جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔

اس سوال نامہ کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا۔

انعقادِ محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور علی ہذا القیاس بروز عیدین و غیر عیدین و پنج شنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابۃً عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے للہ مساکین و فقرا کو دے کر ثواب پہنچانا اور دعا اور استغفار کرنے میں امید منفعت ہے۔ اور ایسا ہی حال سوئم، دہم، چہلم وغیرہ، اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدعاتِ مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں "۔ اس فتویٰ پر دہلی کے 3 غیر مقلد علماء کے دستخط تھے۔ (۱) مولوی حفیظ اللہ (۲) مولوی شریف حسین (۳) الٰہی بخش۔ اور اُن کے علاوہ درج ذیل علمائے دیو بند و گنگوہ و سہارن پور کے تائیدی دستخط بھی تھے۔ (۱) مولوی محمد یعقوب، صدر مدرس مدرسہ دیو بند (۲) مولوی محمد محمود حسن، مدرس مدرسہ دیو بند (۳) مولوی محمد عبد الخالق دیو بندی (۴) مولوی رشید احمد گنگوہی۔

گنگوہی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے' اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے' ایسی مجلس میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے' اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوئم بھی' کہ یہ سنتِ ہنود کی رسوم ہے' التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیوداتِ لایعنی کے' ضلالت سے خالی نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

اس زمانے میں یہ محفل میلاد و فاتحہ وعرس کے خلاف پہلا فتویٰ تھا جو 4 ورقی تھا اور ۱۳۰۲ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا' اس کی سرخی تھی : فتویٰ مولود وعرس وغیرہ۔ پھر دوسرا فتویٰ مطبع ہاشمی میرٹھ ہی سے چھپا جس کا عنوان تھا : فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ۔ یہ 24 صفحے کا تھا اس میں محفلِ میلاد شریف کی بڑی مذمت کی گئی تھی اور پہلا چار ورقی فتویٰ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ان فتووں نے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا بیج بویا اور عوام اہلِ سنت کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا۔

اس علاقے کے لوگ زیادہ تر شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی چشتی تھانوی سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے' جو کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے ۱۲۷٦ھ/ ۱۸۵۹ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے' اور حاجی صاحب کے مرید باصفا اور خلیفۂ صادق عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد عبد السمیع بے دل رام پوری سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) اہلِ سنت و جماعت کے مرجع و مقتدا اور صبر و قناعت اور زہد و ورع میں اپنے پیر و مرشد کے آئینہ دار تھے' اس لیے حاجی صاحب کے مریدین اور دیگر اہل سنت نے آپ سے بصد اصرار فرمائش کی کہ آپ ان کا جواب لکھیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں میلاد و فاتحہ وعرس کا صحیح شرعی حکم واضح فرمائیں۔ اس لیے مولانا رام پوری نے قلم اٹھایا اور چند دنوں میں انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ کے نام سے ایک شاندار وقیع اور افراط و تفریط سے پاک کتاب تیار کر دی اور اس میں قرآن و حدیث اور اصول شریعت کی روشنی میں میلاد و فاتحہ کا جواز ثابت کیا اور تائید میں سلفِ صالحین' فقہا و محدثین اور مشائخِ طریقت کے اقوال و معمولات کو بھی پیش کیا۔(۱)

جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو اہل سنت و جماعت میں مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی' اور اسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں اس کے سارے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جب یہ کتاب دیوبند' گنگوہ اور سہارن پور کے وہابی علماء تک پہنچی تو انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی نظر آئی۔ آخر کار ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مطابق وہابی دیوبندی علماء کے سرگروہ مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھ کر اپنے مرید خاص مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴٦ھ) کے نام سے شائع کرائی' جس کا لمبا چوڑا 4 سطری نام اپنے خاص ذوق کے مطابق یہ رکھا: البراہین القاطعۃ علی ظلام الأنوار الساطعۃ' الملقب بالدلائل الواضحہ علی کراھۃ المروّج من المولود والفاتحۃ اور نیچے یہ عبارت لکھوائی: ''بامر حضرت بقیۃ السلف' حجۃ الخلف' رأس الفقہاء والمحدثین' تاج العلماء الکاملین جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی''۔(۲)

(۱) انوار ساطعہ

(۲) براہین قاطعہ گنگوہی صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکیم عبد الحئی رائے بریلوی نے اسے گنگوہی صاحب کی تصانیف میں شمار کرایا ہے اور خلیل احمد انبیٹھوی کی تصانیف میں اسے ذکر نہیں کیا۔ عبارت یہ ہے: له مصنفات مختصرة قليلة منها البراهين القاطعة في الردّ على الأنوار الساطعة للمولوي عبد السميع الرامفوري. طُبعَ باسم الشيخ خليل أحمد السهارنفوري۔ (نزہۃ الخواطر' ج:۸' ص:۱٦٦' مطبوعہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔)

اس کتاب میں گنگوہی صاحب اس قدر آپے سے باہر ہو گئے کہ نہ صرف میلاد و فاتحہ وعُرس کو بدعت و ناجائز لکھا' اور اسے کنھیا کے جنم' ہندووں کے سوانگ سے تشبیہ دی اور میلاد کرنے والے مسلمانوں کو کفار و ہنود سے بھی بدتر قرار دیا۔ (براہین قاطعہ) بلکہ بد حواسی میں یہ بھی لکھ مارا کہ

(۱) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (دیکھئے براہین قاطعہ' ص:۱۰)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں۔ (ایضاً' ص:۱۲)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شیطان اور ملک الموت سے کہیں کم ہے' شیطان اور ملک الموت کے علم کا وسیع ہونا نصوصِ قطعیہ اور دلائلِ یقینیہ سے ثابت ہے جب کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کا ثبوت کسی نص قطعی اور دلیلِ یقینی سے نہیں۔ اس لیے آپ کے لیے وسیع علم ماننا شرک ہے۔ (ایضاً' ص:۱۲۲)

(۴) سرکار کو اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں اور انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (ایضاً' ص:۱۲۱) (۵) فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردو علمائے مدرسہ دیوبند سے سیکھی۔ (ایضاً' ص:۶۳)

اس کے علاوہ اپنے پیر بھائی مولانا محمد عبد السمیع رام پوری کے خلاف اپنی افتادِ طبع کے مطابق فحش مغلظات بکنے سے بھی گریز نہیں کیا' اور لکھا کہ وہ کم فہم' جاہل' بے شرم' بے غیرت' بے سمجھ' کم عقل' دین سے بے بہرہ' ہوش وحواس سے قاصر' پھکڑ باز' قوتِ شہوانیہ سے محروم' کوڑ مغز اور تیلی کے بیل وغیرہ وغیرہ ہیں۔ گنگوہی صاحب نے خود کو لسانی محاسبہ اور ضابطۂ اخلاق سے بالاتر سمجھتے ہوئے جس جاگیردارانہ ذہنیت کا اظہار کیا ہے ان تمام ملفوظات شریفہ کو باضابطہ یک جا کر دیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو جائے' جو مغلظات نویسی اور سبّ وشتم میں گنگوہی صاحب کے پیشہ ورانہ کمال اور فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہوگا۔ (۱) مگر گنگوہی صاحب جیسے لوگوں سے اس کا کیا شکوہ؟ کیوں کہ جب اللہ و رسول کی شان بھی ان کے سمندر قلم کی منہ زوری سے محفوظ نہیں تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے؟۔

ادھر مولانا رام پوری علیہ الرحمہ کی کتاب انوار ساطعہ جب ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں مکہ مکرمہ پہنچی تو انھوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد مورخہ ۲۲ رشوال ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو مولانا رام پوری کو ایک خط لکھ کر کچھ اس طرح اظہارِ خیال فرمایا

درحقیقت کتاب کا اصل مضمون اس فقیر اور بزرگان فقیر کے مذہب ومشرب کے مطابق ہے' آپ نے خوب لکھا۔ جَزَاکَ اللّٰہ خیرًا ۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے)۔ (۲)

اور اسی کے ساتھ تیز قلمی اور غیظ نفسانی والی عبارتوں کو آئندہ ایڈیشن میں کتاب سے خارج کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مولوی خلیل الرحمٰن کے ذریعہ یہ بھی کہلوایا کہ جب دوبارہ کتاب انوار ساطعہ چھپے تو پانچ چھ نسخے میرے پاس ضرور بھیج دیے جائیں۔ (۳)

---

(۱) محترم سید قمر الدین اشرف (علی گڑھی) نے براہین قاطعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا گنگوہی کے مولانا رام پوری پر تمسخر اور استہزا کے ریمارکس اور مغلظات کی تفصیل اپنی کتاب البراہین النافعہ کے باب سوم میں ص:۱۳۶ سے ص:۱۶۸' تک صفحہ اور سطر کی نشاندہی کے ساتھ ذکر کی ہے جو میرے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ (دیکھئے البراہین النافعہ ڈی. بی بلڈنگ' نوتنواں بازار' ضلع مہراج گنج' یو. پی.)

(۲) پورا خط انوار ساطعہ پر فارسی زبان میں مطبوع ہو چکا ہے

(۳) دیکھئے انوار ساطعہ

ان کے علاوہ اس زمانہ کے ایک نامور عالمِ دین مصنف انوار ساطعہ کے استاذ پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے مولانا رام پوری کو بذریعہ خط لکھا کہ ''آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ جتنا دب سکے دبائیو اور ہرگز نہ بڑھائیو''۔(۱)

اس کے بعد مولانا بے دلؔ رام پوری صاحب نے انوار ساطعہ کے اس نسخہ پر ۱۳۰۶ھ میں نظر ثانی کی اور اپنے پیر و مرشد اور استاد کے حکم کے مطابق جو کچھ سخت الفاظ اور طنزیہ کلمات کتاب میں آگئے تھے انہیں یک سر کتاب سے خارج کر دیا اور لکھا

مجھ کو رضا جوئی حضرت مرشدی و مولائی کی بجان و دل منظور ہے' تعمیل ارشادِ مرشد میں قصور (کوتاہی) کرنا سراسر قصور ہے۔(۲)

یہ خیال رہے کہ صاحبِ انوار ساطعہ مولانا عبد السمیع رام پوری اور صاحبِ براہینِ قاطعہ مولوی رشید احمد گنگوہی دونوں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں' حاجی صاحب نے دونوں کو خوب خوب سمجھایا اور ان کے درمیان صلح و مصالحت کی بہت کوشش فرمائی۔ صاحبِ انوار ساطعہ نے تو اپنے پیر و مرشد کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مگر گنگوہی صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے' اور اپنے پیر و مرشد کی ایک نہ مانی۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ آج تک اسی انداز سے چھپ رہی ہے جیسی ابتدا میں لکھی گئی تھی۔ یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے تعلق سے چند حقائق حاضر خدمت ہیں' امداد المشتاق میں حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے خلفا کے بارے میں فرمایا

میرے خلفا دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔

جن خلفا کو از خود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ) 'مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) 'مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبد السمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) 'اور جن خلفا نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) 'مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔(۳)

اپنے خلفا کے درمیان مسلکی اختلاف کی اطلاع پا کر ان کے تصفیہ کے لیے حاجی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی جو (۱) مولود شریف (۲) فاتحہ (۳) عرس و سماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعتِ ثانیہ (۶) امکانِ نظیر (۷) امکانِ کذب کے مسائل میں اثباتِ مسلک اہل سنت پر مشتمل ہے۔ اس فیصلۂ ہفت مسئلہ کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اسے نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اس وقت تک مولانا اشرف علی تھانوی' حاجی صاحب کے مسلک سے کچھ قریب تھے' مگر بعد میں انھوں نے بھی انحراف کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہی شروع ہی سے اپنے پیر و مرشد کے مسلک و معمول کے برعکس خیالات رکھتے تھے۔ اب نذرِ آتش کرنے کا

(۱) حوالۂ سابق (۲) نفس مصدر' ص:۸

(۳) صابری سلسلہ از وحید احمد مسعود، ص: ۴۶، بدایوں ۱۹۷۱ء۔ بحوالہ انگریز نوازی کی حقیقت ص: ۳۸، از مولانا یٰسین اختر مصباحی، دار القلم دہلی طبع اول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

حادثہ خواجہ حسن ثانی نظامی (درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی) کی زبانی سنیے

نذرِ آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انھوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں، ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب ''خاموشی'' سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انھیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا ضروری تھا اس لیے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس موجود ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے، فوراً 2 آم اٹھا کر مجھے انعام میں دیے۔ (۱)

حضرت حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ حضرت مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی کے نام ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں مکہ مکرمہ سے ایک خط لکھ کر معلوم کیا کہ ہماری تحریر سے اختلاف کا کچھ تصفیہ ہوا یا نہیں؟ تو آپ نے تحقیقِ حال کر کے حاجی صاحب کو لکھا کہ علمائے دیو بند نے آپ کی تحریر کو نگاہِ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا، بلکہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذرِ آتش کر دیا۔ (۲)

ساتھ ہی جرأت و جسارت اور اپنے شیخ کے مقابلے میں سینہ زوری ایسی تھی کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی

جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں، باقی فرعیات کے امام ہم ہیں۔ حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ کر عمل کریں۔

اور مولوی قاسم نانوتوی نے کہا: ''ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے''۔

اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس اختلاف کو جائز قرار دینے کے لیے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی۔ مگر ساتھ ہی ازراہِ انصاف یہ بھی تحریر کیا کہ بقول شخصے ''تا نباشد چیز کے مردم نگویند چیزہا''۔ (۳)

بہر حال اس کتاب کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ تاریخی حقیقت ابھر کر سامنے آ گئی کہ اس وقت سنیت اور دیو بندیت کا اختلاف دراصل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلفاء کے مابین پیدا ہوا اور ان ہی کے درمیان پلا، بڑھا اور پروان چڑھا، اور اس میں دیگر علماء و مشائخ کی شرکت بہت بعد میں ہوئی۔ لہذا یہ کہنا کہ سنیت اور دیو بندیت کے درمیان اختلاف کا آغاز مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا، تاریخ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔

براہینِ قاطعہ کا ایک تاریخی پہلو یہ بھی ہے کہ جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی جن کے درمیان پہلے دوستانہ تعلقات تھے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد

(۱) ماہ نامہ منادی دہلی، جلد ۳۹، شمارہ ۱۲، ص: ۲۲، بحوالہ التقدیس الوکیل (حاشیہ) ص: ۷، نوری بک ڈپو لاہور

(۲) صابری سلسلہ، ص: ۴۷ (۳) حوالہ سابق

انبیٹھوی اس زمانے میں مدرسہ عربیہ ریاست بہاول پور (پاکستان) میں مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے اور علمائے اہل سنت کی ان تمام تحریروں پر ان کی تائیدات وتصدیقات ہوتی تھیں جو اعتقادی وفکری مسائل پر سامنے آتیں۔ ''ابحاث فرید کوٹ'' میں مولوی خلیل احمد صاحب ان تمام اعتقادی مسائل کو تصدیقی مہروں سے مزین فرما چکے تھے جو علمائے اہل سنت کے اعتقادی نظریات پر مبنی تھے۔ براہینِ قاطعہ چوں کہ انبیٹھوی صاحب کے نام سے چھپی تھی اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور وہ بہ نفسِ نفیس بھاول پور پہنچے اور اپنے دیرینہ دوست سے براہِ راست گفتگو کر کے صورتِ حال معلوم فرمائی اور انہیں سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی، مگر انبیٹھوی صاحب کو اپنی ضد پر قائم پاکر حیرت زدہ رہ گئے۔ جب انھوں نے افہام وتفہیم کی تمام تدبیروں کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو انبیٹھوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ انبیٹھوی صاحب اپنے ساتھ چھ دیوبندی علماء لے کر حاضر ہوئے اور مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھ 6 علمائے اہل سنت کے ہمراہ تشریف لائے۔ شوال ۱۳۰۶ھ میں بمقام بہاول پور، نوابِ بہاول پور کی نگرانی میں ان مسائل پر مناظرہ ہوا جو انوارِ ساطعہ اور براہینِ قاطعہ میں زیرِ بحث آچکے تھے۔ اس مناظرہ کے حکم اور فیصل والی ریاست بہاول پور کے پیرو مرشد شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید، چاچڑاں شریف تھے۔ مناظرہ میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کو شکستِ فاش ہوئی اور حَکم مناظرہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ ''انبیٹھوی صاحب مع اپنے معاونین کے وہابی، اہل سنت سے خارج ہیں''۔ اس فیصلہ کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب کو بہاول پور سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔

اس مناظرہ کی تفصیلی روداد مولانا قصوری علیہ الرحمہ نے ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' کے نام سے لکھی، پھر اس کے مباحث کا عربی ترجمہ کر کے علمائے حرمین طیبین سے اپنے موقف کے حق ہونے اور انبیٹھوی صاحب کے موقف کے باطل ہونے پر تصدیقات وتقریظات لکھوائیں اور انہیں بھی کتاب میں شامل کر کے شائع کیا۔(۱) ان تصدیقات وتقریظات میں شیخ الدلائل مولانا محمد عبدالحق الہ آبادی (متوفی ۱۳۳۳ھ)، شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اساتذۂ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ کے علاوہ پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی صفحات پر مشتمل طویل تقریظ وتصدیق ہے جس کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں

(الف) میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا، مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ (یعنی نارشید) جس طرف آئے اس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

(ب) پھر مولوی رشید احمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (امام حسینؓ) کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کی شہادت کے بیان کو بڑی شدت سے محرم کے دنوں میں، گو کیسا ہی روایتِ صحیح سے ہو، منع فرمایا۔ حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے جناب مولانا اسحاق مرحوم تک عادت تھی کہ عاشورے کے دن بادشاہِ دہلی کے پاس جاکر روایاتِ صحیح سے بیان حالِ شہادت کرتے تھے۔

(ج) پھر حضرت رشید نے جو نواسے کی طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کر کے خود ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کنھیا کے جنم اشٹمی ٹھہرایا اور اس کے بیان کو حرام بتلایا، اور کھڑے ہونے کو، گو کوئی کیسے ذوق وشوق میں ہو بڑا منکر فرمایا۔

(۱) تقدیس الوکیل ص: ۱تا۱۳، نوری بک ڈپو لاہور، پاکستان

(د) پھر ذات نبوی ﷺ میں اس پر بھی اکتفانہ کر کے اور امکانِ ذاتی سے تجاوز کر کے چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے۔

(ہ) اور امکانِ ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی' اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا۔

(و) اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت محمد ﷺ کا علم شیطانِ لعین کے علم سے کہیں کم تر ہے۔ اور اس عقیدے کے خلاف کو شرک ٹھہرایا۔

(ز) پھر اس توجہ پر جو ذاتِ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اکتفانہ کیا' ذاتِ اقدسِ الٰہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے' اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں' بلکہ امکان جھوٹ بولنے کو اللہ کی بڑی صفت کمال کی فرمائی۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات۔

(ح) میں تو ان امور کو ظاہر و باطن میں بہت برا سمجھتا ہوں' اور اپنے محبین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید کے اور ان کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں۔ (۱)

اب اس کے بعد ان اکابر علمائے ہند کے اجمالی احوال قارئینِ کرام کے سامنے رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنھوں نے انوار ساطعہ کی تائید و تصدیق کی اور اس پر گراں قدر تقریظات لکھیں۔ ان علماء و مشائخ کی تعداد 24 ہے۔

انوارِ ساطعہ کی تصدیق و تائید کرنے والے معاصر علمائے ہند

(۱): حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

پلکھنہ ضلع علی گڑھ (یو۔ پی) میں ۱۲۴۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی' والد کا نام اسد اللہ بن فیض اللہ ہے' مقامی معلّموں سے ابتدائی درسیات پڑھنے کے بعد مدرسہ فیضِ عام' کان پور میں مفتی عنایت احمد کاکوروی (متوفی ۱۲۷۹ھ) سے مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کان پور اور مدرسہ جامعہ مسجد' علی گڑھ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد والیِ ریاست حیدر آباد کی دعوت پر حیدر آباد گئے اور وہاں دار العلوم کے صدر المدرسین اور پھر مفتیِ عدالت کے عہدے پر تقرر رہوا' مولانا شاہ احمد حسن کان پوری' نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارت ہی کی بنا پر کثیر علماء نے آپ سے استفادہ کیا اور ''استاذ العلماء'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کان پور میں قیام کے دوران غیر مقلد عالم اسماعیل علی گڑھی سے تحریری مناظرہ کیا۔ (۲)

(۲): حضرت مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)

سہارن پور کے ایک زمین دار گھرانے میں مولانا حافظ علی بخش بن خدا بخش قریشی کے یہاں ۱۸۱۶ء/۱۲۳۲ھ آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور مروجہ عربی وفارسی کی کتابیں گھر ہی پر اپنے والد سے پڑھیں' پھر مفتی صدر الدین آزردہ' شاہ احمد سعید مجددی' علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ سے معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھیں' مولانا امام بخش صہبائی' حکیم مومن خان مومن' مرزا اسد اللہ خاں غالب اور

(۱) تقدیس الوکیل: ص: ۴۱۵ تا ۴۲۲' نوری بک ڈپو لاہور پاکستان

(۲) تذکرۂ علمائے اہلِ سنت' ص: ۲۲۰' مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ' فیصل آباد' پاکستان ۱۹۹۲ء۔ نزہۃ الخواطر' ج: ۸' ص: ۴۰۳' مطبوعہ لکھنؤ

خاقانیِ ہند ابراہیم ذوق دہلوی کی شعری اور ادبی محفلوں میں شریک رہے۔ معقولات وادبیات میں خصوصی استفادہ علامہ خیر آبادی سے کیا اور شاعری میں امام بخش صہبائی کے شاگرد ہوئے، فراغت کے بعد انقلاب ۱۸۵۷ء تک دلی میں درس وتدریس کا کام کیا۔ اوائل ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں استاذ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزاری ۔عربی زبان وادب میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔تصنیفات میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیۂ تفسیر جلالین، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، شرح دیوان حماسہ، شرح سبع معلقات وغیرہ ہیں۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔(۱)

(۳): حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری (متوفی ۱۳۱۵ھ)

محلّہ چلہ بیبیاں، اندرون موچی گیٹ، لاہور میں آپ کی پیدائش ہوئی ۔ والد کا نام مولانا حسن بخش ہاشمی صدیقی تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری خلیفہ شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہم شیر تھیں ۔ مولانا قصوری نے تمام تعلیم وتربیت اپنے ماموں ہی سے پائی، اس طرح آپ کو مولانا غلام محی الدین قصوری علیہ الرحمہ کا شاگرد، خواہرزادہ، داماد، مرید باصفا اور خلیفہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف سے خاص شغف تھا اور ان تمام علوم میں کامل مہارت اور بصیرت رکھتے تھے۔ آپ پنجاب کے ان اکابر اور ممتاز علماء ومشائخ میں تھے جنھوں نے دیوبندیت، وہابیت، شیعیت، رافضیت، چکڑالویت، قادیانیت اور عیسائیت کا زبردست مقابلہ کیا۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سے براہینِ قاطعہ کے غیر اسلامی مندرجات پر ریاست بھاول پور میں مناظرہ کیا، شمس المشائخ حضرت مولانا خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ اس مناظرے کے حکم تھے، انبیٹھوی صاحب کو اس مناظرہ میں شکستِ فاش ہوئی ۔ اور خواجہ صاحب نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ براہینِ قاطعہ کے مؤلف مع اپنے معاونین کے وہابی، اہل سنت سے خارج ہیں، اور پھر ریاست بھاول پور سے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے اخراج کا حکم بھی صادر ہوا۔ مولانا قصوری نے اس مناظرہ کی روداد تقدیس الوکیل کے نام سے مرتب کی، اور پھر اس کا عربی میں ترجمہ کر کے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور علمائے حرمین شریفین سے اس کی تائید وتصدیق حاصل کر کے شائع کی ۔ تصانیف درج ذیل ہیں :(۱) عمدۃ البیان في اعلان مناقب النعمان (میاں نذیر حسین دہلوی کی کتاب معیار الحق کا جواب) (۲) تحفۂ دستگیریہ بجواب اثناعشریہ (۳) مخرج عقائد نوری بجواب نغمہ طنبوری (ردِ عیسائیت میں) (۴) ہدیۃ الشیعتین (شیعہ اور خوارج کے نظریات کا مدلل جواب) (۵) توضیح دلائل وتصریح ابحاث فرید کوٹ (۶) عروۃ المقلدین (۷) ظفر المقلدین (۸) نصرۃ الابرار فی جواب الاشتہار (یہ چاروں کتابیں ردِ غیر مقلدین میں ہیں) (۹) رجم الشیاطین علی اغلوطات البراہین (۱۰) تحقیقات دستگیریہ در ردِ ہفواتِ براہینیہ (۱۱) فتح رحمانی بہ دفع کید قادیانی (یہ تینوں کتابیں قادیانی کے رد میں ہیں) (۱۲) جواہر مضیہ ردِ نیچریہ (۱۳) تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل ۔ وغیرہ ۔ (۲)

(۱) (الف) نزھۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۸۹ (ب) مفتی صدر الدین آزردہ، از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی ص:۱۰۷ تا ۱۱۰

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: (الف) تقدیس الوکیل، از مولانا غلام دستگیر قصوری۔ (ب) لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں۔
(ج) تذکرہ علمائے اہلِ سنت، از مولانا محمود احمد قادری

(۴): حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ)

آپ ۱۴/صفر ۱۲۴۸ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام احمد حسین بن غلام محی الدین ہے، حضرت خواجہ محمد یحییٰ خلف اصغر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے نسبی تعلق تھا، علماء رام پور ولکھنؤ سے درسی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مولانا محمد نواب خاں مجددی سے تکمیل کی۔ دہلی جا کر حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی سے مرید ہوئے، محبوبیت و مرادیت کا بلند مقام پایا، اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ کے بلند پایہ خلفا میں ہوتا تھا۔ آپ حافظِ قرآن، محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، درویش، مدبّر تھے غرض کہ کمالات ظاہری وباطنی کے مخزن تھے۔ آپ اپنے زمانے کے بزرگ ترین عالمِ دین، مرشدِ طریقت اور مصلحِ قوم وملت تھے۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں، والیِ رام پور سے زمانۂ طالب علمی سے ہی محبت ومودت تھی، نواب صاحب والیِ تخت وتاج ہونے کے بعد آپ کا بے حد اعزاز واکرام کرتے تھے۔ امورِ سلطنت میں بھی آپ سے مشورہ لیتے تھے، اور اوراد ووظائف، حلقۂ ذکر اور درس وتدریس سے آپ کے اوقات معمور تھے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے جو بڑا پر اثر ہوتا، ذوق وشوق اور گریہ وبکا سے مجلسِ وعظ، حشر کا نمونہ ہوتی۔ مسلمانانِ اہلِ سنت پر حد درجہ شفقت فرماتے اور باطل پرستوں اور بدمذہبوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کی کتاب معیار حق کے جواب میں انتصار الحق لکھی، مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا ظہور الحسین رام پوری، مولانا عبد الغفار خاں رام پوری وغیرہ آپ کے مشہور شاگرد ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی رام پور میں آپ سے فقہ کا درس لیا۔ تصنیفات میں انتصار الحق، ارشاد الصرف اور ترجمہ کتاب الحیل فتاویٰ عالم گیری ہے۔ (۱)

(۵): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء)

آپ ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ/ جون ۱۸۵۶ء کو صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ذہانت وفطانت اور ولایت کے آثار آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں قادری بریلوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) سے بریلی ہی میں کی۔ ۱۲۸۶ھ میں تیرہ برس کی مختصر سی عمر میں ہی درسیات کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ خاتم الاکابر حضرت مولانا شاہ آلِ رسول مارہروی سے بیعت ہوئے۔ اسی وقت اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ ۱۲۹۵ھ میں پہلی بار والد ماجد کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ شیخ عبد الرحمٰن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ نے فقہ کی اور شیخ الاسلام علامہ احمد زینی دحلان نے حدیث کی اجازت وسند دی۔ مولانا حسین صالح شافعی امام مسجد حرام بغیر کسی سابقہ تعارف کے مقام ابراہیم میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو تھامے ہوئے: إِنِّي لَأَجِدُ نُورَ اللّٰهِ فِي هٰذَا الْجَبِينِ فرماتے رہے، اور ضیافت کے بعد صحاح ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت وسند دے کر رخصت کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حج وزیارت کے موقع پر علمائے حرمین شریفین نے آپ کا حد درجہ اعزاز واکرام کیا، بڑے بڑے علماء ومشائخ نے آپ سے علمی استفادہ کیا، اجازت وخلافت حاصل کی، اور آپ کے علمی تبحر اور فقیہانہ بصیرت وژرف نگاہی کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ عظیم حنفی عالم علامہ صالح کمال مکی کے علم

(۱) (الف) تذکرۂ کاملان رام پور، ص: ۳۰ تا ۳۳، مطبوعہ خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۶ء۔ (ب) تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص: ۲۴-۲۵، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۹۲ء۔ (ج) نزہۃ الخواطر، ج: ۸، ص: ۵۷-۵۸

غیب نبوی سے متعلق پانچ علمی سوالات کے جواب میں بغیر مراجعتِ کتب تین دن کی مختلف نشستوں میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں ''الدولۃ المکیہ'' نامی کتاب عربی زبان میں تصنیف کی۔ اوردوسرے بعض علمائے مکہ ہی کے سوال کے جواب میں ''**كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم**'' لکھی جس میں کرنسی نوٹ کے متعلق احکام ومسائل کو فصیح عربی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا۔ پوری زندگی تحریر وتقریر اور تصنیف وافتا کے ذریعہ مذہب اہل سنت کی خدمت اور تائید وحمایت کرتے رہے' اور ہر باطل فرقہ اور غیر اسلامی تحریک سے قلمی جہاد فرمایا۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں اکابر علمائے اہلِ سنت نے آپ کے مجدد ہونے کا اعلان واعتراف کیا۔ عربی' اردو اور فارسی زبانوں میں سیکڑوں کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ ۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں آپ کا وصال ہوا۔(۱)

(۶): تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ)

آپ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے فرزند اصغر ہیں' ۱۷؍رجب ۱۲۵۳ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا جان مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ العزیز نے تاریخی نام ''مظہر حق'' تجویز فرمایا' ''عبدالقادر'' اصل قرار پایا۔ استاذ العلماء مولانا نور احمد بدایونی (متوفی ۱۳۰۱ھ) سے تحصیل علم شروع کی۔ اَلوَر اور دہلی میں رہ کر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی سے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

علامہ خیر آبادی آپ کے بڑے مداح تھے' آپ پر ناز فرماتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ ''صاحب قوتِ قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے' وقتاً بعدَ وقتٍ اور عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ یہ ہیں''

علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ) کے شاگردوں میں استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (متوفی ۱۳۲۶ھ)' مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ)' مولانا عبدالحق خیر آبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ) اور حضرت تاج الفحول عناصر اربعہ سمجھے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ''یہ تینوں علماء کسی خاص فن میں یکتائے روزگار ہیں مگر مولانا عبد القادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم وفنون میں ہے''۔ تعلیم سے فارغ ہونے بعد اپنے والد ماجد سے حدیث کی سند حاصل کی اور ان ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

۱۲۷۹ھ میں پہلے سفر حج وزیارت کے موقع پر شیخ جمال عمر مکی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۲۹۰ھ میں بغداد شریف کا سفر کیا اور حضرت نقیب الاشراف نے آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا۔ شروع میں آپ کو درس وتدریس سے خصوصی شغف تھا' بڑی توجہ اور انہماک سے تعلیم دیتے تھے۔ آخر میں مصروفیات کی کثرت کے باعث تدریس کا مشغلہ ترک کر دیا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) آپ کا بڑا احترام فرماتے تھے۔ مولانا محبّ احمد بدایونی' مولانا فضل احمد بدایونی' مولانا فضل مجید بدایونی اور حافظ بخاری مولانا سید عبدالصمد چشتی جیسے نامور علماء آپ کے شاگرد ہیں۔

(۱) (الف) تذکرہ علمائے اہلِ سنت' ص: ۴۲-۴۶ (ب) اور تفصیل کے لیے دیکھیے حیات اعلیٰ حضرت' از ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری

پوری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اپنی تقریر وتحریر سے مذہب اہل سنت کی نصرت وحمایت فرماتے رہے۔ اپنے زمانے کے چند نام ور اکابر علمائے اہلِ سنت میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ فارسی، عربی اور اردو میں متعدد تصانیف اور شعری دیوان آپ کی یادگار ہیں۔(۱)

(۷): حضرت مولانا شاہ محمد عبیداللہ مکی بدایونی (متوفی ۱۳۱۵ھ)

آپ حضرت مولانا شیخ عبدالکریم مکی کے فرزند ارجمند ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن ردولوی، مولانا آل احمد پھلواروی، شیخ جمال الدین مکی مفتی احناف مکہ مکرمہ اور کبار علمائے حرمین شریفین سے علم حاصل کیا۔ پھر ہندوستان آئے اور علامہ شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ محمدیہ، جامع مسجد بمبئی کے مدرس مقرر ہوئے۔ تیس سال تک مختلف علوم فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ایک خلقت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ علامہ فضل رسول بدایونی سے بیعت تھے، شیخ ومرشد کی محبت میں اس قدر شیدا تھے کہ اپنے کو ''بدایونی'' لکھتے تھے۔ بڑے متقی، پرہیز گار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی آپ کے شاگرد رشید اور مولانا سید شاہ غلام حسین جونا گڑھی آپ کے نامور خلیفہ تھے۔ بمبئی میں انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔(۲)

(۸): حضرت مولانا صوفی سید عمادالدین رفاعی سورتی گجراتی (متوفی ۱۳۱۰ھ)

مولانا سید عمادالدین رفاعی بن شاہ جہاں بن زین العابدین رفاعی، ۱۲۴۶ھ کو گجرات کے مشہور شہر سورت میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پلے، بڑھے اور پروان چڑھے، اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء سے علم حاصل کیا۔ فقہ، عقائد، نحو وصرف اور علوم عربیہ میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، اور اُس زمانے کے نام ور علماء میں شمار کیے جاتے تھے، سورت سے نقل مکانی کر کے بھنڈی بازار بمبئی میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ۴؍صفر ۱۳۱۰ھ کو وصال فرمایا۔(۳)

(۹): حضرت مولانا وکیل احمد حنفی سکندر پوری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)

مولانا وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم، حضرت شاہ محمد عبدالعلیم آسی رشیدی علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۵ھ) کے چچازاد بھائی تھے۔ ۹؍ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ میں اپنے گاؤں سکندر پور، ضلع بلیا (یو.پی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی کا شہرہ سن کر جون پور پہنچے۔ مولانا فرنگی محلی نے نور الانوار کا حاشیہ قمر الاقمار آپ ہی کے لیے لکھا تھا۔ ۱۲۷۶ھ میں درس نظامی کی کتابوں سے فراغت ہوئی۔ لکھنؤ میں حکیم نور کریم دریا آبادی لکھنوی سے طب پڑھی، کچھ عرصہ مطب بھی کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں حیدر آباد دکن گئے، اور سرکارِ آصفیہ کے صوبۂ شرقی کے نائب مقرر ہوئے۔ بڑے ذہین، طباع اور باصلاحیت تھے، قوتِ حافظہ بڑے غضب کی تھی۔ مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) کے

(۱)　(الف) اکمل التاریخ حصہ دوم　(ب) تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص: ۱۲۵-۱۲۷

(۲)　(الف) اکمل التاریخ، ج ۲، ص　(ب) تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص ۱۸۱

(۳)　نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۳۲۱-۳۲۲

درمیان جب مشہور تحریری مناظرہ ہوا تو آپ مولانا فرنگی محلّی کے دوش بدوش تھے اور نواب کے رسالۂ منظوم کا جواب نظم میں بعنوان دیوانِ حنفی دیا اور نثر کا جواب نثر میں دیا۔ اپنے زمانے کے مشہور اکابر علمائے اہلِ سنت سے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت علامہ شاہ احمد رضا بریلوی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ سلسلۂ عالیہ میں حضرت مولانا شاہ میر اشرف علی بن مولانا میر سلطان علی قدس سرہما سے بیعت تھے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ آپ نے مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں جن کی تعداد نوے تک پہنچتی ہے۔(۱)

(۱۰): حضرت مولانا نذیر احمد خاں رام پوری (م ۱۳۲۳ھ)

والد کا نام مولوی محمد خاں تھا، رام پور میں ولادت ہوئی، علمائے رام پور، پھر علمائے دہلی سے علومِ دینیہ وعقلیہ کی تعلیم حاصل کی فنِ طب بھی حاصل کیا، عربی زبان وادب میں بڑا کمال حاصل تھا، تحریکِ ندوہ کے سخت مخالف تھے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کی کفری عبارت پر سب سے پہلے ۱۳۰۹ھ میں فتویٔ تکفیر صادر فرمایا، جو خیر المطابع میرٹھ سے طبع ہوا تھا۔ آپ بڑے متقی، پرہیز گار اور صاحبِ عرفان بزرگ تھے۔ مدرسہ طیبہ احمد آباد، گجرات میں مدرس تھے، اس علاقے میں آپ کے علم وفضل کا بڑا شہرہ تھا۔ تمام علوم وفنون میں کامل دست گاہ تھی، طب میں بھی بڑی مہارت تھی۔ ۱۳۲۳ھ میں احمد آباد ہی میں انتقال ہوا۔ درج ذیل کتابیں آپ کی تصانیف ہیں:
(۱) رسالہ النذیر الاحمد (تحریکِ ندوہ کا رد) (۲) اِمطار الحق (غیر مقلدین کے رد میں) (۳) السیف المسلول علی منکر علم غیب الرسول (۴) البوارق اللامعہ علی من أراد إطفاء الأنوار الساطعہ۔(۲)

(۱۱): حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (م ۱۳۲۷ھ)

آپ قاضی علی اکبر بن قاضی عطائے رسول عباسی چریا کوٹی کے فرزندِ اصغر تھے۔ چریا کوٹ ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے بڑے بھائی قاضی عنایت رسول عباسی چریا کوٹی (م ۱۳۲۰ھ) سے علومِ عقلیہ ونقلیہ کی کتابیں پڑھیں، علمِ ہیئت مولانا رحمت اللہ فرنگی محلّی (م ۱۳۰۵ھ) سے غازی پور میں اور علمِ فقہ واصولِ فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلّی (م ۱۲۸۲ھ) سے مدرسہ امامیہ حنفیہ، جون پور میں حاصل کیا اور حاشیہ زاہدیہ بر شرح ملا جلال مولانا ابوالحسن منطقی سے پڑھا۔ مختلف مقامات پر تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ فارسی وعربی زبان وادب میں بڑی مہارت تھی، ۱۰ر شوال ۱۳۲۷ھ کو انتقال ہوا۔(۳)

(۱۲): حضرت مولانا محمد عبد المجید فرنگی محلّی (م ۱۳۴۰ھ)

یہ مولانا عبد الحلیم بن عبد الحکیم بن عبد الرب بن بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنوی فرنگی محلّی کے صاحب زادے ہیں۔ لکھنؤ ہی میں ولادت اور نشو ونما ہوئی۔ کچھ دن اپنے چچا مولانا محمد نعیم فرنگی محلّی (م ۱۳۱۸ھ) سے تعلیم پائی۔ پھر ابوالحسنات مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلّی (م ۱۳۰۴ھ) سے اکثر درسی کتابیں پڑھیں۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی (م ۱۳۴۳ھ) سے تعلیم مکمل کی، پھر حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین کا سفر کیا۔ واپسی کے بعد کیننگ کالج، لکھنؤ میں بحیثیت

(۱) (الف) تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص ۲۵۶ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۵۴۳-۵۴۵
(۲) (الف) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی)، از رحمان علی، ص ۲۰۷-۲۱۰ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۴۷۶، ۴۷۷
(۳) (الف) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی)، از رحمان علی، ص ۲۰۷-۲۱۰ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۴۷۶، ۴۷۷

استاذ مقرر ہو گیا۔ فقہ' اصولِ فقہ اور علومِ عقلیہ میں ماہر تھے' متواضع اور خوش اخلاق تھے' اسی لیے لوگوں کے محبوبِ نظر اور فقہ و افتا کے مرجع تھے' اور عیدگاہ کے خطیب بھی۔ ۱۳۴۰ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (۱)

(۱۳): حضرت مولانا عبدالحئ لکھنوی فرنگی محلّی (م ۱۳۰۴ھ)

کنیت ابوالحسنات اور والد کا نام مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر انصاری لکھنوی فرنگی محلی ہے۔ آپ کا نسب سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ۱۲۶۴ھ میں بمقام باندہ (یو. پی.) آپ کی ولادت ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں علومِ نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ درسِ نظامی کی ساری کتابیں اپنے والدِ گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہ (م ۱۲۸۵ھ) سے پڑھیں' اور علمِ ہیئت کی بعض کتابیں اپنے والد کے ماموں مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ فرنگی محلی سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک حیدر آباد (دکن) میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے' پھر اپنے وطن فرنگی محل لکھنؤ چلے آئے' اور یہیں مدرسہ نظامیہ میں تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ آپ پوری زندگی درس و افادہ اور خدمتِ دین میں مصروف رہے۔ دو بار حج و زیارت کی سعادت پائی۔ پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ' اور دوسری بار ۱۲۹۶ھ میں جب کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کو علمائے مکہ میں سے علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی اور مفتی محمد بن عبد اللہ حنبلی سے اور علمائے مدینہ منورہ میں سے شیخ محمد بن محمد غربی شافعی اور شاہ عبدالغنی بن ابوسعید حنفی دہلوی سے حدیث کی سند حاصل تھی۔ مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں تحریر کیں۔ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی کی تردید میں رسالے لکھے۔ ۳۸ر برس کی مختصر عمر میں بے شمار دینی و علمی کارنامے انجام دیے۔ ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۰۴ھ بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر' باغ مولوی انوار لکھنؤ میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے بہت سے لوگ محوِ استراحت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا سید عین القضاۃ حیدر آبادی لکھنوی جیسے نامور علمائے اہلِ سنت آپ کے شاگرد ہیں۔ (۲)

(۱۴): حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری (م ۱۳۲۵ھ)

آپ کی ولادت قصبہ نارہ' ضلع الہ آباد میں ۱۱ر ربیع الآخر ۱۲۴۱ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام ''غلام نعیم'' تھا' چھ سال کی عمر میں اپنے والد شیخ محی الدین بخش بن کریم بخش کے پاس فتح پور آئے جہاں وہ منصف تھے۔ اور یہاں کے علماء سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں' بیس سال کی عمر میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی (متوفی ۱۲۸۱ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعلیم مکمل کی۔ حضرت کشفی نے ۱۰ر ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ کو تعلیم سے فراغت کے بعد سندِ فضیلت سے نوازا۔ ۱۲۸۲ھ میں علامہ سید احمد دحلان مکی نے سندِ حدیث بھیجی جس میں آپ کو ''قدوۃ العلماء الأعلام'' کے لقب سے یاد کیا جس کے آپ صحیح مصداق تھے۔ ۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ میں قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز اخوند دہلوی (متوفی ۱۲۹۶ھ) سے دہلی میں بیعت ہوئے اور اسی مجلس میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ ۲۱ر محرم الحرام ۱۲۹۷ھ میں حضرت شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ (متوفی ۱۳۲۴ھ)

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۳۲۹

(۲) (الف) علمائے اہلِ سنت' ص ۱۴۴ (ب) نزہۃ الخواطر' ج ۸/ص ۲۵۰-۲۵۶ (ج) تذکرہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی (از راقم سطور نفیس احمد مصباحی) مشمولہ مقدمہ ہدایہ ج ۱' مطبوعہ مجلسِ برکات' جامعہ اشرفیہ مبارک پور' اعظم گڑھ

نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ کان پور میں اپنے استاذ شاہ سلامت اللہ کشفی کی مسند پر بیٹھ کر پوری زندگی تدریس، افتا اور خدمت دین میں گزاری۔ ۹رذوالحجہ ۱۳۲۵ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ حضرت کشفی علیہ الرحمہ کی مزار کے پاس مدفون ہوئے۔ مشہور قاری حضرت مولانا ضیاء الدین ناروی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۵۸ء) آپ کے نواسے تھے۔ آپ کی تصانیف میں تنزیہ الفؤاد عن سوء الاعتقاد بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب وہابیوں کے رد میں ہے۔ (۱)

(۱۵): حضرت مولانا عبدالحق حنفی دہلوی، صاحب تفسیر حقانی (م ۱۳۳۵ھ)

والد کا نام محمد میر تھا، آپ کی پیدائش گمتھلہ، ضلع انبالہ (پنجاب) میں ۲۷رجب ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی، پھر کانپور آئے اور کچھ کتابیں مولانا عبدالحق بن غلام رسول حسینی کانپوری (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے اور بیش تر استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ) سے پڑھیں، پھر مرادآباد میں مولانا عالم علی نگینوی سے صحاح ستہ کا درس لیا اور دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی (غیر مقلد) سے بھی حدیث پڑھی۔ پھر فتح پور مسجد دہلی کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور ایک زمانہ تک درس و تدریس کا کام کرتے رہے۔ وہیں شادی کر کے مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پھر تدریس کا مشغلہ ترک کر کے تصنیف وتالیف میں مصروف ہو گئے۔ ریاست حیدرآباد (دکن) سے وظیفہ جاری ہو گیا، آخر عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پانچ سو روپے ماہانہ پر تقرر ہو گیا، انگریزی حکومت سے "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔ ۱۲رجمادی الاولی ۱۳۳۵ھ کو انتقال ہوا۔ تصنیفات میں التعلیق النامی علی الحسامی (عربی)، عقائد الاسلام (اردو)، البرھان فی علوم القرآن (اردو) اور فتح المنان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر حقانی (اردو) مشہور ہیں۔ (۲)

(۱۶): حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد کریم اللہ دہلوی (م ۱۳۰۴ھ)

ولادت اور نشو ونما دہلی میں ہوئی۔ اپنے والد مولانا کریم اللہ دہلوی (متوفی ۱۲۹۱ھ) سے تعلیم حاصل کی، اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) مولانا رشید الدین خاں دہلوی (متوفی ۱۲۴۹ھ) اور مولانا محمد کاظم دہلوی کے شاگرد اور حضرت مولانا سید آل احمد اچھے میاں مارہروی (متوفی ۱۲۶۲ھ) کے مرید وخلیفہ تھے، والد گرامی کے انتقال کے بعد درس وتدریس اور تذکیر وارشاد میں ان کے جانشین ہوئے، اپنے زمانے میں تدریس وافتا میں بہت مشہور تھے، اہلِ شہر کے محبوبِ نظر اور مرکزِ نگاہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقبولیت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ ۹ر ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو دہلی میں انتقال ہوا، اور خواجہ عبدالباقی نقش بندی کے مقبرہ میں اپنے والد کے پاس مدفون ہوئے۔ (۳)

(۱۷): پاسبانِ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م ۱۳۰۸ھ)

آپ کا نسبی تعلق قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو. پی.) کے معروف عثمانی خانوادے سے ہے، والد کا نام خلیل الرحمٰن بن نجیب اللہ تھا۔ کیرانہ ہی میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔

(۱) (الف) تذکرۂ علمائے اہل سنت ص: ۱۱۲-۱۱۳ (ب) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی) ص: ۲۷۵ (ج) نزھۃ الخواطر ج: ۸، ص: ۴۶۲-۴۶۳

(۲) نزھۃ الخواطر ج: ۸، ص: ۲۴۱-۲۴۲

(۳) (الف) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی) ص: ۱۷۲ (ب) نزھۃ الخواطر ج: ۸، ص: ۵۴۹

پھر دہلی گئے جہاں ان کے والد مہاراجہ ہندوراؤ بہادر کے میر منشی تھے۔ وہیں مولانا محمد حیات پنجابی اور مولانا عبدالرحمن چشتی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی' مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی' فراغت کے بعد اپنے وطن قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس سے سیکڑوں تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی' انوار ساطعہ کے مصنف مولانا عبدالسمیع بے دل رام پوری نے اسی مدرسہ میں آپ سے تعلیم پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں' پادری فانڈر عیسائیوں کا سرگروہ تھا مولانا کیرانوی نے اکبرآباد آگرہ میں ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ/ ۱۰ر اپریل ۱۸۵۴ء کو اس سے مناظرہ کیا' دو دن تک مناظرہ چلتا رہا' بالآخر تیسرے دن پادری فانڈر مناظرہ کے لیے نہیں آیا۔ پھر اس کے بعد اسی سبب سے انگریز آپ کے مخالف ہو گئے' یہاں تک کہ آپ ہندوستان سے ہجرت کے لیے مجبور ہو گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور شیخ العلماء علامہ سید احمد زینی دحلان مکی علیہ الرحمہ سے گہرے روابط پیدا کیے جس کے نتیجے میں آپ کو مسجدِ حرام میں درس دینے کی باقاعدہ اجازت مل گئی۔ آپ مولانا سید احمد زینی دحلان سے بہت متاثر تھے' اپنی کتاب اظہار الحق کے مقدمہ میں ان کا ذکر بڑی عقیدت و محبت سے بلند پایہ آداب و القاب کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب کو عربی زبان میں لکھنے کا اصل سبب علامہ سید احمد زینی دحلان مکی کا حکم ہی ہے۔ پھر ۱۲۹۰ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ ہی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کا نام ''مدرسہ صولتیہ'' رکھا' جو کلکتہ کی ایک مخیّر اور فیاض خاتون محترمہ صولت النساء کے نام سے منسوب ہے' جنھوں نے اپنی جیبِ خاص سے مکہ مکرمہ کے محلّہ خندریسہ میں مدرسے کے لیے ایک جگہ خرید کر اپنی نگرانی میں اس کی تعمیر کرائی تھی۔ اس مدرسہ میں دینی علوم و فنون کے علاوہ مولانا نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم کیا تھا جس میں مہاجرین اور عرب طلبہ کو صنعت اور دست کاری بھی سکھائی جاتی تھی۔

آپ نے تین بار قسطنطنیہ کا سفر فرمایا' پہلا سفر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کی دعوت پر ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ہوا' جب کہ دوسرا سفر سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کی دعوت پر ۱۳۰۱ھ میں ہوا' اور اسی موقع پر سلطان کی طرف سے آپ کو ''پایۂ حرمین شریفین'' کا لقب ملا۔ اور تیسرا سفر ۱۳۰۳ھ میں موتیابند کے علاج کے لیے سلطان کی دعوت پر کیا۔ مولانا کیرانوی کا شمار اپنے دور کے اکابر علمائے اہلِ سنت میں ہوتا ہے۔ وہ تمام عقائد و معمولات میں مذہبِ اہلِ سنت کے ناصر و حامی اور اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہے' جس کا ثبوت زیرِ نظر کتاب انوارِ ساطعہ اور تقدیس الوکیل مؤلفہ مولانا غلام دستگیر قصوری پر آپ کی شان دار تقریظات و تائیدات ہیں۔ ہم ثبوت کے لیے اسی مقدمہ میں تقدیس الوکیل پر آپ کی تقریظ کو نقل کریں گے۔

اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی و عملی خدمات کے بعد آپ نے پچہتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ر رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہدا کے قریب مدفون ہوئے۔ اس چھوٹے سے احاطہ میں پانچ مزارات ہیں جن میں مولانا کیرانوی کے علاوہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا عبدالحق الٰہ آبادی شیخ الدلائل (مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں: ازالۃ الاوہام (فارسی)' ازالۃ الشکوک (اردو)' اعجازِ عیسوی (اردو)' اوضح الاحادیث' بروق لامعہ' معدل اعوجاج المیزان' تقلیب المطاعن' معیار الحق' اظہار الحق (عربی)۔ یہ ساری کتابیں عیسائیوں کے رد میں ہیں۔ آخر الذکر کتاب مولانا کیرانوی کی ردِ عیسائیت پر آخری اور سب سے گراں قدر اور مدلل کتاب ہے' امام احمد رضا لائبریری' جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں موجود ہے' راقم نے اس کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ (۱)

(۱) (الف) مقدمہ بائبل سے قرآن تک ج ا/ص ۱۷۹-۲۱۸' مطبوعہ حافظی بک ڈپو دیوبند (ب) نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۱۶۰-۱۶۲ (ج) انوارِ ساطعہ (د) تقدیس الوکیل از مولانا غلام دستگیر قصوری' ص ۴۱۵' مطبوعہ نوری بک ڈپو لاہور (ہ) انگریز نوازی کی حقیقت' از مولانا یٰسین اختر مصباحی' ص ۳۸' مطبوعہ دار القلم' دہلی' ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

(۱۸): شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ چشتی تھانوی مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ)

شیخ المشائخ مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی، دوشنبہ کے دن ۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ میں نانوتہ ضلع سہارن پور (یو. پی.) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی، حصن حصین اور مثنوی مولانا جلال الدین رومی، مولانا قلندر بخش جلال آبادی، شاگرد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے پڑھیں، پھر دہلی گئے اور مولانا نصیر الدین شافعی کے درس میں پابندی کے ساتھ حاضر رہ کر طریقت وتصوف کی تعلیم پائی۔ ان کے انتقال کے بعد قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر آ کر سکونت اختیار کر لی۔ پھر لوہاری آئے اور میاں جی شیخ نور محمد جھنجھانوی چشتی سے طریقت وتصوف کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور ان ہی سے بیعت ہو گئے، اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ایک زبردست شیخ ومرشد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل آپ کی جانب موڑ دیے اور آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا، عوام وخواص جوق درجوق آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور آپ کی ذات سے برصغیر میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ پھر جب آپ نے ہندوستان کے حالات اپنے حق میں ناموافق پائے تو حجازِ مقدس ہجرت کر گئے اور ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور ابتدائی ایام سخت تنگی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بسر کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا آپ کے قدموں پر ڈال دی اور تنگ دستی خوش حالی میں بدل گئی۔ اور وہیں ۱۲/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ میں چہارشنبہ کے دن اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: (۱) ضیاء القلوب (۲) فیصلۂ ہفت مسئلہ (۳) ارشادِ مرشد (۴) مثنوی تحفۃ العشاق (۵) بیان وحدۃ الوجود (۶) غذائے روح (۷) گل زارِ معرفت (۸) دردِ غمناک (۹) جہادِ اکبر (۱۰) نالۂ امدادِ غریب۔ آپ پورے طور پر اہلِ سنت کے عقائد وافکار اور مشائخِ طریقت کے معمولات ومراسم پر کاربند اور عمل پیرا تھے، جس پر آپ کی تصانیف گواہ ہیں، خصوصاً ضیاء القلوب، فیصلۂ ہفت مسئلہ، بیان وحدۃ الوجود، کیوں کہ اول الذکر کتاب میں مشائخ چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ وسہروردیہ کے اوراد ووظائف اور اشغال واذکار ومراقبات کو بیان کیا ہے، اور آخر الذکر کتاب میں نظریۂ وحدۃ الوجود کا بیان ہے اور فیصلۂ ہفت مسئلہ میں میلاد شریف، فاتحہ، عرس وسماع، ندائے غیر اللہ، جماعتِ ثانیہ، امکانِ نظیر اور امکانِ کذب جیسے سات مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں خاص طور سے میلاد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولود میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں، اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (۱)

ان کے علاوہ زیر نظر کتاب انوار ساطعہ در بیان مولود فاتحہ از مولانا عبد السمیع رام پوری تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل، از مولانا غلام دستگیر قصوری (م ۱۳۱۵ھ)، اور الدر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم، از شیخ الدلائل مولانا محمد عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی (م ۱۳۳۳ھ) وغیرہ کتبِ اہلِ سنت پر آپ کی تقریظات اور تصدیقات وتائیدات بھی اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ آپ

(۱) فیصلۂ ہفت مسئلہ، مشمولہ کلیات امدادیہ، ص ۱۰۵، مکتبہ تھانوی، دیوبند

کے افکار ونظریات اور عقائد ومعمولات وہی تھے جو علماء ومشائخِ اہل سنت کے افکار وعقائد اور نظریات ومعمولات ہیں۔(۱)

آپ کے مریدین و خلفاء میں درج ذیل حضرات مشہور ہیں:(ا)استاذ العلماء مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی (م۱۳۳۴ھ)، (۲)استاذِ زمن مولانا احمد حسن کانپوری (م۱۳۲۲ھ)، (۳)حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی (م۱۳۲۲ھ)، (۴)مولانا عبدالسمیع رام پوری، سہارن پوری، مصنفِ انوارِ ساطعہ (م۱۳۱۸ھ)، (۵)مولانا محمد انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی (م۱۳۳۶ھ) مصنف انوار احمدی (در بیان میلاد النبی)، (۶)مولوی محمد قاسم نانوتوی (م۱۲۹۷ھ)، (۷) مولوی رشید احمد گنگوہی (م۱۳۲۲ھ)، (۸)مولوی اشرف علی تھانوی (م۱۳۶۲ھ)، (۹)مولوی محمد یعقوب نانوتوی (م۱۳۰۲ھ)۔(۲)

یہ کل اٹھارہ علمائے کرام ومشائخ عظام ہیں جن کے حالات میں نے یہاں درج کیے جب کہ درج ذیل سات علمائے کرام نے بھی انوارِ ساطعہ کی تائید وتصدیق کی ہے

(ا): مولانا محمد اعجاز حسین رام پوری۔ (۲): مولانا محمد ابوالبرکات غازی پوری۔ (۳): مولانا سعید الدین رام پور، ضلع سہارن پور۔ (۴): مولانا محمد عبدالغفور، بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ۔ (۵): مولانا محمد عبدالحق سہارن پوری (رُڑکی)۔ (۶): مولانا ابو محمد صادق علی مداح، میرٹھ۔ (۷): مولانا محمد عبداللہ، صدر المدرسین مدرسہ اکبر آباد، آگرہ۔

لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے ان کے حالات دستیاب نہ ہوسکے۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔**

انوار ساطعہ کی زبان اپنے دور کے لحاظ سے بہت عمدہ، سلیس اور فصیح وبلیغ ہے، مگر ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر بیس پچیس سال کے بعد لاشعوری طور پر زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں، کچھ قدیم الفاظ کو دیس نکالا ملتا ہے اور ان کی جگہ جدید الفاظ کو شہریت ملتی ہے۔ یہ تبدیلی مفردات میں بھی ہوتی ہے اور مرکبات میں بھی۔ انوار ساطعہ کا زیر نظر نسخہ ۱۳۰۷ھ کی تصنیف ہے، اس لحاظ سے اس کی زبان وبیان ممکنہ لسانی تبدیلیوں کے کئی ادوار سے گزر چکی ہے۔ اب بہت سے وہ الفاظ ومفردات جو اُس زمانے میں فصیح وبلیغ سمجھے جاتے تھے اِس دور کے لحاظ سے فصاحت وبلاغت کا جامہ اُتار چکے ہیں، الفاظ کی نشست وبرخاست، استعمال میں تقدم وتأخر اور الفاظ کے زیروبم میں بھی گوناگوں تبدیلیاں آچکی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے اِس زبان کے لسانی پایہ اور اَدبی قیمت میں کمی نہیں آئی، کیوں کہ ہر تحریر کی ادبی قدر وقیمت اس کے دور کے ادبی ولسانی معیار کے مطابق ہوتی ہے، مگر زمانہ کی تبدیلی سے بعد کے ادوار کے قارئین تک معنی ومفہوم کی ترسیل کی قوت اور تاثیر ضرور متاثر ہوتی ہے، کیونکہ ان کا ذوق اپنے دور کے ادبی محاسن سے آشنا اور انھیں کا خوگر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے دور کی ادبی کسوٹی پر پوری اترنے والی تحریروں کے پڑھنے میں جو مزہ آتا ہے وہ مزہ اس وصف سے خالی تحریروں کے پڑھنے میں نہیں آتا، اور استدلال کی جو قوت اور معنی کی جو تاثیر وہ اپنے زمانے کی عمدہ اور معیاری تحریروں میں محسوس کرتے ہیں دوسرے ادوار کی تحریروں میں انھیں اسکا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ املا اور رسم الخط کے اصول وضوابط بھی کچھ نہ کچھ بدلتے ہیں۔ اس لیے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے (الف) انوار ساطعہ (ب) تقدیس الوکیل، ص۴۴۴۔ (ج) الدر المنظم، ص۱۴۶، ناشر صاحب زادہ محمد ابوبکر نقشبندی، شرق پور شریف، شیخوپورہ، پاکستان

(۲) (الف) نزہۃ الخواطر، ج۸/ص (ب) انگریز نوازی کی حقیقت: ص۳۷، دار القلم، دہلی

اب ضرورت تھی کہ انوار ساطعہ کی زبان بھی ممکنہ حد تک عصر حاضر کے معیار کے مطابق کی جائے اور اس کی کتابت اور کمپوزنگ میں بھی موجودہ دور کے اصول املا اور قواعد رسم الخط کا لحاظ کیا جائے۔

خدا بھلا کرے فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی زید مجدہ کا کہ انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں اپنے قیام کے دوران اس ضرورت کو محسوس کیا اور کسی حد تک کام کا آغاز بھی کر دیا تھا' پھر جب خدمت دین متین کے لیے ساؤتھ افریقہ گئے تو وہاں پوری محنت' جاں فشانی اور جتن و لگن کے ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا' اور بجا طور پر یہ انھیں کا حق تھا۔

مولانا موصوف ماشاء اللہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے حسن صوری کے ساتھ جمال معنوی سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔ بہترین عالم دین' شان دار قاری' باذوق قلم کار' نکتہ رس ادیب اور اچھے شاعر تو ہیں ہی' اس پر مستزاد یہ کہ ان کا مزاج تعمیری' فکر صالح اور روش عالمانہ اور دین دارانہ ہے۔ عمر کے لحاظ سے تو ابھی جواں سال ہیں لیکن تحریر ایک تجربہ کار' منجھے منجھائے پختہ عمر قلم کار کی طرح پختہ' بے جھول' شستہ اور رواں دواں ہوتی ہے۔ مولانا کا وطن مالوف مشرقی اتر پردیش کا مردم خیز قصبہ چریا کوٹ' ضلع مئو ہے جو عہد ماضی میں اہل علم و اَدب کا مرکز رہ چکا ہے۔ مولانا موصوف سر دست' سیاسیات کے حوالے سے کیپ ٹاؤن' ساؤتھ افریقہ کی مشہور یونیورسٹی ''دلاص'' میں مذہب مالکی اور زبانِ اُردو کی تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں' ساتھ ہی ساؤتھ افریقہ کی تاریخ میں ''چراغِ اُردو'' کے نام سے پہلا مستقل ماہانہ اُردو اخبار نکال کر اپنی تحریری سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مقام حیرت و مسرت ہے کہ افریقہ کی سرزمین صدیوں سے ارباب علم و فضل کی آماجگاہ رہی ہے مگر کبھی بھی وہاں کوئی اُردو اخبار اشاعت پذیر نہ ہوا' شاید یہ سعادت بھی انھی کے حصے میں آنا تھی۔ مولانا کی یہ کوشش انقلاب آفریں اور تاریخ ساز کہی جائے گی' اس کے لیے وہ نہ صرف مجھ سے بلکہ پوری اُردو داں برادری سے بندھائیوں کے مستحق ہیں۔ اب تک اُن کے اشہبِ قلم سے درج ذیل کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں' اور درجنوں زیر ترتیب ہیں

(۱): چند لمحے ام المومنین کی آغوش میں (سیرت عائشہ)
(۲): بزم گاہِ آرزو
(۳): اے میرے عزیز
(۴): برکات الترتیل
(۵): مرنے کے بعد کیا بیتی؟
(۶): بولوں سے حکمت پھوٹے
(۷): چالیس حدیثیں
(۸): وقت ہزار نعمت ہے
(۹): موت کیا ہے

انوار ساطعہ کے زیر نظر نسخہ میں مولانا موصوف نے عبارت کی تسہیل و تجدید اور تذہیب و تہذیب کے ساتھ آیات کریمہ' اَحادیث طیبہ' اور عربی و فارسی عبارتوں کی تخریج و تحقیق کا کام بھی کیا ہے' ساتھ ہی جن عربی و فارسی عبارتوں کو مصنف نے بلا ترجمہ ذکر کیا تھا ان کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے' اور ہر طرح سے کتاب کو سہل' عام فہم اور مفید عام و خاص بنانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہیں اسے باذوق قارئین دورانِ مطالعہ خود محسوس کریں گے۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولا تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اسے شرفِ قبول سے نوازے، اور مولانا موصوف کو دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور انھیں بیش از بیش خدمات جلیلہ ومقبولہ کی توفیق بخشے۔ آمین بجاه حبيبه سيد المرسلين. وصلى الله على خير خلقه محمّد و آله وصحبه أجمعين.

نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، الہند
مورخہ: ۶ / جمادی الاولیٰ: ۱۴۲۸ھ / ۲۳ / مئی ۲۰۰۷ء بروز چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب کی وجہ تالیف

اے حقیقی انعام فرمانے والے تیرا ہزار ہا ہزار شکر کہ تو نے ایک ایسا مقبولِ جہاں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمایا کہ جس کا وجود باجود اہل ایمان کے لیے نور ساماں اور باعث آرامِ جاں ہے۔

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (۱)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

پھر لاکھوں کروڑوں درود وسلام اس امام رُسل اور ہادیِ سُبل کی روح پرفتوح پر کہ جس کی تعلیم وہدایت کے فیضان سے آج ہر زندہ دل اپنے مرحومین کی روحوں کے لیے فاتحہ ودرود کے ذریعہ راحت رسانی کا سامان کر رہا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (۲)

اے ہمارے رب، ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب، بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

امابعد، امیدوارِ فضل کردگار احقر العباد عبدالسمیع انصاری عرض گزار ہے کہ اہل اسلام کو اپنی اس نازک صورت حال پر رونا چاہیے کہ اختلافِ بے جا کی زہرآفرینیوں سے مذہب اسلام کسی گل پژمردہ کی طرح کملایا جاتا ہے، اور کسی طوفانی ہوائے شدید کی طرح عناد وفساد چہار سو سے اُٹھا چلا آتا ہے، نہ تو زبانیں سچی رہیں اور نہ ہی سینے صاف۔ سیکڑوں فتنے اور ہزاروں اختلاف۔ کوئی جناب باری تعالیٰ کی ذات والاصفات پر امکانِ کذب کا دھبہ لگا رہا ہے، حالانکہ اس کی شان تو یہ ہے

وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا . (۳)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

اور وہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا

اَيُّكُمْ مِثْلِيْ . (۴)

یعنی تم میں میری طرح کون ہے؟

مزید فرمایا

---

(۱) سورۂ توبہ ۹/۱۲۸ (۲) سورۂ حشر ۵۹/۱۰

(۳) سورۂ نساء ۴/۸۷

(۴) صحیح بخاری: ۷/۱۷ حدیث: ۱۸۲۹-۲۱/۳۵ حدیث: ۶۳۴۵-۲۲/۲۰۱ حدیث: ۷۰۰۶، صحیح مسلم: ۵/۴۰۰ حدیث: ۱۸۴۶، سنن بیہقی: ۴/۲۸۲، سنن نسائی: ۲/۲۴۲، معجم کبیر طبرانی: ۱۹/۱۵۶ حدیث: ۳۸۵، معجم اوسط طبرانی: ۳/۲۸۸ حدیث: ۱۳۲۷ مستخرج ابی عوانہ: ۶/۱۱۰ حدیث: ۲۲۴۱، مسند شامیین: ۸/۲۸۳ حدیث: ۲۸۴۷، مسند جامع: ۴۱/۳۳۴ حدیث: ۱۳۴۴۹

إِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ . (۱) میں تم سا نہیں یعنی تم میں کا کوئی ایک بھی میری طرح نہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا' آپ کی ازواجِ مطہرات نے وہ شان والا پائی ہے کہ جن کی بابت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ . (۲) اے نبی کی بیبیو' تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

پھر اس دور میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ہے یہ بک رہا ہے کہ ''رسول اللہ میرے بھائی ہیں''۔

واضح ہونا چاہیے کہ بھائی جتنے بھی ہوں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس جملہ سے معاذ اللہ حضور فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعویٰ برابری کا وہم ہوتا ہے۔

کس کس اختلاف کو بیان کیا جائے' کوئی کہتا ہے کہ نمازِ وتر ایک رکعت پڑھنی چاہیے' تین رکعت کوئی ضروری نہیں۔ اور تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں بدعت اور آٹھ (۸) سنت ہیں۔ ہمارے ملک میں عہدِ قدیم ہی سے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح پر اجماع واتفاق تھا مگر اب اس میں پھوٹ ڈالی جا رہی ہے' اور ایک یہی نہیں بہت ساری باتوں میں طرح طرح کی شاخیں نکالی جا رہی ہیں۔

وہ محفلِ میلاد' جس کے بارے میں عالم عامل' محدث کامل اور فقیہ فاضل حافظ ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہلِ اسلام دنیا کے ہر خطہ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اور اس کے ذریعہ عظیم وجلیل برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ مگر اس دور میں کوئی اسے کفر و شرک تو کوئی بدعت سے تعبیر کر رہا ہے (نعوذ باللہ منہا)۔

یوں ہی وہ اُداس و حزیں مردے جو ایک تنگ و تاریک غار میں پڑے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کاش' میری اولاد مجھے کچھ دے (یعنی کچھ صدقہ و خیرات کرے)' یا بھائی بہن فاتحہ و درود بھیجیں۔ تو اب کچھ لوگ دھڑلے سے فتوے چھوڑ رہے ہیں کہ یہ سب کے سب بدعت کے کام اور حرام ہیں۔ عوام جو کہ تاریخیں متعین ہونے کی وجہ سے کچھ کر گزرتے تھے اب بالکل شترِ بے مہار (بے لگام اونٹ سے) ہو گئے۔ بدعت کا نام کیا سنا کہ نیکیوں کے کام سے یکسر دست بردار ہو گئے' مردوں کے لیے خیرات و امداد بند ہو گئی۔

تیرہویں صدی کے لوگوں کے احوال ہی کیا کم غضب تھے اور اب تو چودھویں صدی شروع ہو گئی ہے دیکھیے کیا کیا قیامتیں ٹوٹتی ہیں' اور دین و دنیا میں کیا کچھ خرابیاں در آتی ہیں۔

دہلی کے تین غیر مقلد علماء اور دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کے عالموں کی حسنِ توجہ نیز مطبع ہاشمی میرٹھ کی کوشش سے چار ورق پر مشتمل ایک فتویٰ ۱۳۰۲ھ (1884ء) میں شائع کر کے اکثر علاقوں میں پھیلایا گیا' جس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔ (فتویٰ مولود و عرس وغیرہ)۔ اس کتاب میں جہاں اس فتوے کا ذکر آئے گا' وہاں ''فتویٰ اوّل انکاری'' لکھا جائے گا۔

(۱) سنن ترمذی: ۳/ ۲۵۵ حدیث: ۷۰۹' سنن نسائی: ۶/ ۳۷۴ حدیث: ۱۷۳۲' مسند احمد: ۱۰/ ۵۸ حدیث: ۴۵۲۲' مشکوۃ المصابیح: ۱/ ۴۴۸ حدیث: ۱۹۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۲۷۴ حدیث: ۶۹۳۱' سنن نسائی: ۲/ ۲۴۲' معجم طبرانی: ۱۸/ ۳۱۴ حدیث: ۲۰۸۳۷' سنن دارمی: ۵/ ۲۰۱ حدیث: ۱۷۵۷' مسند ابی یعلی موصلی: ۳/ ۴۲۱ حدیث: ۱۳۷۷' مسند حمیدی: ۷/ ۱۴ حدیث: ۲۹۰۱' صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۱۴۷ حدیث: ۳۶۴۳' صحیح ابن خزیمہ: ۷/ ۴۰۴ حدیث: ۳۰۱۷' مسند اسحٰق بن راہویہ: ۵/ ۱۹۲ حدیث: ۲۳۲۰' التوحید ابن مندہ: ۱/ ۱۵۱ حدیث: ۱۱۷' منتقٰی ابن جارود: ۱/ ۴۴۷ حدیث: ۳۸۱' کنز العمال: ۸/ ۵۱۴ حدیث: ۲۳۹۰۰' مجمع الزوائد: ۲/ ۲۲۲' المسند الجامع: ۱۴/ ۵۸ حدیث: ۴۳۷۳

(۲) سورۂ احزاب: ۳۳/ ۳۲

اس فتوے کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ محفل میلاد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بدعت وضلالت ہے' یوں ہی ہندوستان میں مردوں کے لیے جو فاتحہ و درود کا رواج ہے وہ بھی حرام اور کارِ گناہ ہے۔

ابھی کچھ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ چوبیس صفحے کا ایک دوسرا فتویٰ اسی مطبع ہاشمی سے چھپ کر شائع ہوا جس کی پیشانی پر یہ لکھا گیا ''فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود معہ دیگر فتاویٰ'' اس فتویٰ کا اس کتاب میں جہاں ذکر آئے گا' وہاں ''فتویٰ ثانی انکاری'' لکھا جائے گا۔ اس فتوے میں زیادہ تر میلاد شریف کی مذمت کی گئی ہے' ساتھ ہی وہ پہلا چار ورقی فتویٰ بھی اس میں شائع ہوا ہے۔

مجھ سے بعض پیر بھائیوں نے تاکید تمام کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ ان فتووں کی وجہ سے کچے دل لوگ شک وشبہہ میں پڑے جاتے ہیں اور دشمنانِ دین جگہ جگہ ان فتاوے کو نہ صرف دکھاتے ہیں بلکہ پڑھ پڑھ کر مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے چڑھاتے ہیں' اور نفس کی پیروی میں فتنہ وفساد کی آگ ہر طرف بھڑکاتے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر آپ کو چاہیے کہ آپ ان کی خبر لیں اور افراط وتفریط سے ہٹ کر اس سلسلہ میں خالص سچی بات رقم فرمادیں ورنہ کچے دل عوام گمراہی کے بھنور میں پھنس جائیں گے اور پھر کبھی انھیں ساحل ہدایت نصیب نہ ہوگا۔

پھر کیا تھا حق وصواب کی توفیق دینے والے پروردگار نے (کہ جس کے قبضہ قدرت میں بنی آدم کا دل ہے) میرے دل میں بھی وہی بات ڈال دی کہ اس سلسلہ میں ضرور بالضرور کوئی حکم فیصل لکھ دینا چاہیے تا کہ عوام کے شکوک وشبہات دور ہوں اور وہ جنگ ودنگے سے بچ جائیں۔ تب میں نے ''انوارِ ساطعہ دربیان مولود وفاتحہ'' نامی یہ رسالہ لکھا۔ اس کے اندر چار انوار ہیں۔

نور اول میں پانچ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ میں مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں نقل ہیں۔

لمعہ ثانیہ میں انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ بیان ہوئی ہے۔

لمعہ ثالثہ میں براہین قاطعہ کا حال مذکور ہے۔

لمعہ رابعہ میں علماء ومشائخ اور مسلم الثبوت مفتیانِ فتاویٰ انکاری کا ذکر ہے۔

لمعہ خامسہ میں بدعت حسنہ کی تحقیق' حدیث خیر القرون کی تشریح اور اس سلسلے میں علمائے کرام کے اقوال کچھ ان چیزوں کا بیان کہ جن میں باہم انکار واختلاف پایا جاتا ہے مثلاً اذانِ جمعہ اور اعرابِ قرآن وغیرہ' عقلی ونقلی دلیلوں کی روشنی میں بدعت حسنہ کا ثبوت' حدیث من أحدث في أمرنا' اور کچھ دیگر احادیث بدعت کی تشریح' اثر عبداللہ بن مسعود کی تشریح اور صحابہ کرام کی ایجاد کردہ کچھ نئی چیزوں کی وضاحت کچھ ان چیزوں کا بیان جو کہ زمانۂ رسالت میں نہ تھیں مثلاً عیدگاہ کا منبر' جمعہ کی پہلی اذان' رجع القہقریٰ' طواف رخصت۔ مقام حیرت وتعجب ہے کہ جو شخص مشائخ کا مقلد اور ان کے معمولات پر عمل پیرا ہے آخر فاتحہ ومیلاد شریف کو وہ غلط کیسے کہتا ہے' من سن في الإسلام سنة حسنة کی تحقیق اور بدعت حسنہ کے اثبات میں فقہا ومحدثین کے اقوال۔

نور دوم میں چھ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ میں جوازِ فاتحہ اور انکاریوں کے دلائل کا جواب مذکور ہے۔

لمعہ ثانیہ میں جمعرات کی فاتحہ کا بیان ہے۔

لمعہ ثالثہ میں عیدین، شب براءت اور عشرۂ محرم میں فاتحہ کا جواز ہے۔
لمعہ رابعہ میں تیجے کی فاتحہ کا ثبوت ہے۔
لمعہ خامسہ میں چالیسویں، بیسویں اور دسویں کی فاتحہ، نیز مسجدوں میں نمازیوں کی امداد کی نیت سے گھڑوں کے بھیجنے کا ذکر ہے۔
لمعہ سادسہ میں اموات کے سلسلہ میں کچھ نصیحتیں مذکور ہیں۔

نور سوم میں نو لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ میں مذہب جمہور کے مطابق محفل میلاد مبارک کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔
لمعہ ثانیہ میں خاندانِ عزیزیہ کے مشائخ کرام کا ذکر ہے جو کہ محفل میلاد شریف میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور میرے مرشد و مولا حضرت حاجی شاہ امداداللہ صاحب عم فیوضہ بھی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا کرتے ہیں۔
لمعہ ثالثہ میں یہ اعتراض اور پھر اس کا جواب نقل ہے کہ محفل میلاد شریف کو کنہیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے۔
لمعہ رابعہ میں یہ اعتراض و جواب مذکور ہے کہ محفل میلاد بدعت سیئہ ہے۔ نیز مولوی اسماعیل کے مقرر کردہ اصول کے مطابق محفل میلاد کے سنت ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے، کیوں کہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر و مثل بھی۔
لمعہ خامسہ میں یہ اعتراض و جواب منقول ہے کہ محفل میلاد خاص بارہویں ربیع الاول کو کیوں منعقد کرتے ہیں اور ہر سال کیوں مناتے ہیں۔ نیز چند دلیلوں سے دن متعین کرنے اور دائمی عمل کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔
لمعہ سادسہ میں یہ اعتراض و جواب تحریر ہے کہ قیام، شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا بھی شرک۔ پھر روحوں کے چلنے پھرنے کا قوی دلیلوں سے اثبات۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد شریف سے باخبر ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کی تحقیق بھی کہ قیام کی تعیین اس لیے نہیں کہ روح مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام کی نظیریں چند وجوہ سے شریعت میں پائی گئی ہیں۔
لمعہ سابعہ میں یہ اعتراض بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں۔ اور حاضر کے الفاظ ان کے لیے بولنا کفر ہے۔ پھر ٹھوس دلیلوں سے اس کا جواب، ساتھ ہی عہد صحابہ سے لے کر اب تک ''ندائے یا رسول اللہ'' کا ثبوت۔
لمعہ ثامنہ میں متفرق اعتراضات نقل کرنے کے بعد اس کے جواب دیے گئے ہیں۔
لمعہ تاسعہ میں ان عالی مرتبت فقہا و محدثین کے اسمائے گرامی نقل کیے گئے ہیں جنھوں نے محفل میلاد مبارک کے جواز کا قول فرمایا ہے۔

نور چہارم

معاصرین علمائے کرام اور فضلائے عظام کی روشن روشن تقریظوں اور کچھ شفقت ناموں کا تذکرہ ہے۔
مولف کتاب، اہل اسلام کی خدمت میں بصد التجا عرض پرداز ہے کہ میں ایک مریض و ناتواں اور عدیم الفرصت آدمی ہوں، دم مارنے کی مہلت نہیں، جنگ و جدال اور ضیاع وقت سے بچتا ہوں کیوں کہ میں کوئی وارستہ مزاج لا اُبالی نہیں۔ محض اصلاحِ دین کے لیے اپنے کاروبار کو چھوڑ کر یہ رسالہ ترتیب دے رہا ہوں۔ لہٰذا اہل اسلام سے گزارش ہے کہ وہ اللہ واسطے اسے انصاف کی نظر سے

دیکھیں' نفسانیت کو ہرگز دخل نہ دیں' اگر حق سمجھ میں آجائے تو فوراً قبول کرلیں اور اپنے پرانے قول سے رجوع کو بالکل کسر شان نہ سمجھیں' اور اگر ایسا کرنے پر دل رضامند نہ ہو تو اتنا ضرور کریں کہ دوسرے گروہ کو برا بھلا کہنے سے اپنی زبان روک رکھیں۔ ع:

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

جو لوگ سلف صالحین کی اتباع میں ان امورِ حسنہ کے قائل ہیں ان کے پاس اپنی تقویت کے حوالے سے بہت دلائل ہیں اور ان کے جملہ شرعی مسائل' دلیلوں سے ثابت ہیں۔

نوراول میں پانچ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ' مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں

قال :(وہ کہتے ہیں کہ) محفل میلاد کا انعقاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونا قرون ثلاثہ (تیسری صدی) سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔ یوں ہی عیدین اور عیدین کے علاوہ جمعرات وغیرہ کو جو ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کرنے کا رواج ہے' اس کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں میت کے لیے دعائے مغفرت اور دن خاص کیے بغیر میت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے فقرا و مساکین (کو کچھ صدقہ وغیرہ دے کر) اگر یہ امور محض اللہ کے لیے انجام دیے جائیں تو نفع کی امید ہے۔ اور یہی حال تیجہ' دسواں' چہلم وغیرہ' پانچ آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا بھی ہے کہ حدیث اور دینی کتابوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ نو پیدا اور خود ایجاد کردہ بدعتیں ہیں جسے شریعت پسند نہیں کرتی۔

(مولوی حفیظ اللہ صاحب)' (مولوی شریف حسین صاحب)' (مولوی الٰہی بخش صاحب)' (مولوی محمد یعقوب صاحب' مدرس اول مدرسہ دیوبند)' (مولوی محمد محمود صاحب' مدرس مدرسہ دیوبند)۔

یہ عبارت فتویٰ اول انکاری کے صفحہ ۳ اور فتویٰ ثانی انکاری کے صفحہ ۱۶ پر رقم ہے۔

قال: سبھی جوابات صحیح ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعة ضلالة و کل ضلالة في النار۔ فقیر محمد عبدالخالق دیوبندی عفی عنہ (فتوی اول انکاری صفحہ ۳ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قال: ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے' اور فخر عالم علیہ السلام کو حاضر و ناظر جان کر خطاب کرنا کفر ہے' ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ و تیجہ بھی خلاف سنت ہے کہ یہ ہنود کا طریقہ ہے' البتہ بلا کسی قید کے مردوں کو ایصال ثواب کرنا درست ہے اور کوئی حرج بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد عفی عنہ (فتویٰ اول انکاری صفحہ ۴ فتوی ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قال: چراغاں' قیام' تقسیم شیرینی اور لایعنی قیدوں کے بغیر مجلس میلاد کا التزام بھی گمراہی سے خالی نہیں ہے اور یہی حال تیجہ اور کھانے پر فاتحہ کا بھی ہے کہ یہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے۔ (فتویٰ اول انکاری صفحہ ۴ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

قـــال : مجلس مولود جیسا کہ اس زمانہ میں اپنے مخصوص و مشہور طریقہ پر رائج ہے یعنی ایک جگہ جمع ہونا' چھوٹوں' بڑوں بلکہ عورتوں اور امرد لڑکوں کا خلط ملط ہونا' راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا' بالکل موضوع اور بے اصل روایتیں پڑھنا۔ بے دین اور دنیا کے طلبگار لوگوں نے روپیہ کمانے اور عوام الناس کی تسخیر کے لیے ان کو گڑھ کر اپنی باتوں کو چکنی چپڑی کرنا چاہا اور ہر کس و ناکس کو اس

میں دعوت دینا خواہ ان کے لباس اور پہناوے خلاف شرع ہوں اور ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہوں۔(فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۸)

قال: یا یہ کہ یہ قیام روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے ہے جو کہ عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی تو بھی محض حماقت ہے' کیونکہ اس بنیاد پر قیام کرنا صرف ولادت شریف ہونے کے وقت ہونا چاہیے'اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہورہی ہے'لہٰذا یہ ہر روز ولادت کا اعادہ تو بالکل ہندوؤں کی طرح ہوا جو کہ ہر سال سانگ کنہیا کا یوم ولادت مناتے ہیں یا رافضیوں کی مانند ہوا جو ہر سال اہل بیت کی شہادت کی نقل اُتارتے ہیں۔معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور یہ خود قابل مذمت وملامت حرکت ہے جو کہ فسق وحرام ہے بلکہ یہ لوگ تو اس قوم سے بھی بڑھ کر ہوئے کہ وہ تو تاریخ متعینہ پر کرتے ہیں مگر ان کے یہاں کوئی قید نہیں جب چاہیں یہ فرضی خرافات بناتے رہتے ہیں۔(فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۴)

قال: میں اس مجلس مولود کی کتاب وسنت میں کچھ اصل نہیں جانتا اور نہ ہی پیشوائے دین علمائے امت میں کسی سے منقول ہے' جو کہ اسلاف کے آثار پر چلنے والے ہیں' بلکہ یہ بدعت ہے' جسے بیہودہ لوگوں نے ایجاد کیا اور خواہش نفسانی ہے جسے ٹکڑ گدوں' پیٹ کے کتوں اور بہت کھانے والوں نے (رائج کیا) نجانا اللّٰہ منہم و أعاذنا اللّٰہ من شرورھم ۔اللہ ہمیں ان سے بچائے اور ان کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔آمین۔(فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۸)

مولوی محمد حسین صاحب (لکھتے ہیں کہ) فقیر اگرچہ اس فتویٰ میں شریک نہیں مگر میلاد شریف کی بہت کچھ مذمت کرتا ہے' وہ اس فتویٰ سے بہت پہلے شائع شدہ اپنے "حربۂ فقیر" میں لکھتے ہیں۔

عجیب نفس کی لذت ہے محفل میلاد ◉ ہزاروں فاسق وفاجر ہیں جمع محفل میں
کہ اس کے زیر حکومت ہے محفل میلاد ◉ جو چشم دل بھی ہے بینا تو دیکھ شیطاں کو
قضائے جملہ حاجت ہے محفل میلاد ◉ حرام فعل ہو یا ہو حلال ان کے لیے
بھری انھیں سے بکثرت ہے محفل میلاد ◉ چڑھی ہے داڑھی تو مونچھے بڑھی ہیں اکثر کی
یہ مشرکوں کی علامت ہے محفل میلاد ◉ بہت ندائے رسولِ خدا میں شاغل ہیں

اگرچہ یہ عبارتیں اس لائق نہ تھیں کہ اس کتاب میں درج کی جاتیں لیکن اس معذرت کے لیے لکھی گئی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہوسکے کہ میں نے ان مقالات پریشانی سے تنگ آکر قلم اٹھایا ہے۔ارباب عدل وانصاف مجھے معذور رکھیں۔

لمعہ ثانیہ'انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ

واضح رہے کہ جب مانعین حضرات کی درازنفسی بڑھی' میلاد شریف منانے والوں کو ٹکڑ گدے اور پیٹ کے کتے لکھا' ہندوؤں سے بھی بدتر ٹھہرایا اور میلاد شریف کو خرافات اور سانگ بتایا (یہ سارے کلمات لمعہ اولیٰ میں فتاویٰ مطبوعہ ہاشمی صفحہ نمبر کی تعیین کے ساتھ نقل ہو چکے ہیں) ان کے علاوہ بعض منکرین کے ناشائستہ الفاظ سے بھرے رسالے بھی دیکھنے میں آئے' تو اسی وجہ سے میں نے ۱۳۰۲ھ (1884ء) میں مطبوعہ "انوار ساطعہ" کے اندر کہیں کنایۃً بطورِ ظرافت اور کہیں صراحۃً بطورِ ملامت کچھ کلمات لکھ دیے ہیں مگر ان کی برابری نہیں کی ان سے کم ہی لکھا ہے اور وہ بھی اس لیے' چوں کہ شرعی طور پر ہم اس انتقام کے مجاز ہیں۔سورۂ شوریٰ میں ہے

وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا . (۱) اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے۔

بخلاف ان لوگوں کے کہ جنھوں نے پہلے تو اپنا سلیقہ زبان درازی ظاہر فرمایا اور اس پیش دستی کی ان کے پاس ہرگز کوئی شرعی دلیل نہیں، اس کے جواب میں میں نے جو کچھ لکھا وہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ بھی میرے طرز کے خلاف تھا کیونکہ طعن و تشنیع میری عادت نہیں اور ہر کسی سے مہر و سلامتی کا رَویہ رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ (1884ء) میں مطبوعہ "انوارِ ساطعہ" پر میں نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن بالآخر لوگوں میں اور شہر بہ شہر خود بخود اس کا چرچا ہو گیا یہاں تک کہ ملک عرب میں بھی میرا ہی نام ظاہر ہوا۔ (چنانچہ) مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً سے جناب مرشدی و مستندی، سیدی و ملتجدی، ملاذیومی و غدی، نعیم روحی وجسدی، مرشد العلماء و الفضلا، شیخ العرفا و الکملا، شریعت آگاہ، طریقت پناہ، معرفت دست گاہ، حقیقت اکتناہ المولیٰ الحافظ المهاجر فی سبیل اللہ شیخنا المدعو بحاجی شاہ امداد اللہ مدظلہ العالی مدی الایام و اللیالی کا ۱۳۰۴ھ (1886ء) میں یہ ارشاد موصول ہوا کہ "انوارِ ساطعہ" کے مسائل و دلائل مجھے پسند آئے لیکن خلاف مرضی بات یہ ہے کہ آپ نے معاصر و ہم قافلہ علماء کے بارے میں کچھ نامناسب الفاظ لکھ دیے ہیں اور یہ اربابِ تحقیق (کی شان) سے بعید ہے۔ میں نے یہ عذر پیش کیا کہ آغاز اُدھر ہی سے ہوا تھا لیکن قبول نہ ہوا اور ہوتا بھی کیوں کر کہ آپ تو اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ ہی سے نصیحت فرمائیں گے یعنی خودی کو مٹائے ہوئے، اپنے نفس پر جابر و قاہر، لوگوں کی ایذاؤں پر صابر و شاکر۔ آیت وَ الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (۲) آپ کا دستور و شیوہ اور زبان پر یہ آیت کریمہ جاری۔ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۳)

الحاصل، میں نے حضرت کا فرمان مان لیا اور مولوی خلیل الرحمٰن کو ایک خط لکھا جو ان دنوں وہیں قیام پذیر ہو کر حضرت سے مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے، جس کا مضمون یہ تھا کہ حضرت سے عرض کر دیں کہ جو تیز و تند الفاظ کسی کی نسبت لکھ دیے گئے ہیں انھیں میں نکال دوں گا، اور فریق ثانی جو کچھ زبان درازی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اس پر صبر کر کے انتقام نہ لوں گا۔ اس کے جواب میں حضرت مرشدی کا جو کرامت نامہ و تقدس شمامہ صادر ہوا، اسے نقل کرتا ہوں

عزیزی و محبی مولوی عبدالسمیع صاحب دام محبتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے ازدیادِ علم و اخلاص مکشوف باد کہ باطلاع مضمون خط شما کہ بہ خلیل الرحمٰن نوشتہ بودید نہایت محظوظ شدم چوں کہ آخر کار معاملہ بخدائے علیم بذات الصدور افتادنیست لازم آں کہ از کتاب انوار ساطعہ خود کلامے کہ دراں تیز قلمی وغیظ نفسانی شدہ باشد کہ ایں از طرز تحریر اصحاب تحقیق و ارباب تہذیب بعید است و اسماے برادران طریقت خود و عبارت و اسمائے دیگر کہ از فور نفسانی صادر شدہ باشد اخراج نمایند و مضمونے کہ فیما بینکم و بین اللہ تعالیٰ باخلاص و برائے اظہار امر حق باشد باقی دارند انشاء اللہ تعالیٰ مقبول خواہد شد و اگر کسے بتر دید آں چیزے نویسد شما درپے تحریر جواب الجواب نشوید چرا کہ قصد شما اظہارِ حق بود و ظاہر شد و بس و فی الحقیقت نفس مطلب کتاب موافق مذہب و مشرب فقیر و

(۱) سورۂ شوریٰ ۴۲ / ۴۰ (۲) آل عمران: ۳ / ۱۳۴ (۳) شوریٰ: ۴۲ / ۴۳

بزرگانِ فقیر است خوب نوشتید (جزاکم اللہ خیر الجزاء) اللہ تعالیٰ ما وشما و جمیع مومناں را در ذوق و محبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کند۔ آمین۔

علم و اخلاص کی بے پایاں برکتوں سے حصہ وافر عطا ہونے کے بعد آپ پر یہ بات آشکار ہونی چاہیے کہ خلیل الرحمٰن کے نام مرسلہ آپ کے مکتوب کے مضمون کو پڑھ کر میں کافی محظوظ ہوا۔ چوں کہ آخر کار معاملہ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے اس لیے انوار ساطعہ کے اندر جو کچھ تیز کلامی اور غیظ نفسانی کے پہلو در آئے ہیں جو اصحاب تحقیق اور ارباب تہذیب کے شایان شان نہیں نیز اس کے اندر ہوائے نفسانی کی وجہ سے جو کچھ اپنے برادران طریقت کے اسما، عبارتیں اور بعض دیگر نام بھی مندرج ہو گئے ہیں انھیں اس سے خارج کر دینا چاہیے۔ اور صرف وہی مضامین باقی رکھنے چاہئیں جو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اظہار حق کی خاطر قلم بند ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ۔ اس کی برکت سے قبولیت عامہ نصیب ہوگی، اور اگر کوئی اس کی تردید میں کچھ پیش کر دے تو آپ اس کے جواب الجواب کے پیچھے نہ پڑیں کیوں کہ آپ کا مقصد اظہار حق تھا اور وہ حاصل ہو گیا اور بس۔ سچی بات یہ ہے کہ کتاب کا نفس مفہوم و مطلب آپ نے فقیر اور بزرگان دین کے مذہب و مشرب کے موافق خوب قلم بند کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے، اور ہمیں آپ کو اور جملہ مومنین کو اپنی سچی محبت اور ذوق و شوق میں مگن رکھ کر حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

الراقم الآثم :

فقیر امداد اللہ عفی عنہ

محررہ: ۲۲؍شوال ۱۳۰۴ھ از: مکہ معظّمہ محلّہ حارۃ الباب

ایک خط اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کا مکہ معظّمہ سے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ حضرت مرشدی ارشاد فرماتے ہیں کہ "انوارِ ساطعہ" کی جب دوبارہ طباعت ہو تو پانچ یا چھ کاپی ہمارے پاس ضرور روانہ کر دیں۔

الحاصل حضرت مرشدی و مستندی کا صحیفہ مبارکہ آ جانے کے بعد مجھے نظر ثانی کی فرصت نہ ملی۔ اسی وجہ سے یہ بات ملتوی رہی۔ لیکن جب چاروں طرف سے "انوارِ ساطعہ" کے مطالبے کے خطوط آنے لگے تو مجبور ہو کر یہ ٹھہرا کہ اب دوبارہ اس کی طباعت ہو جانی چاہیے۔ چنانچہ ۱۳۰۶ھ (1888ء) میں نظر ثانی شروع کر دی۔

مکہ معظّمہ سے بعض آنے والوں کی زبانی، حضرت مرشدی و مولائی کا ارشاد (محض) چار پانچ مقام (کی تصحیح) کے لیے تھا مگر میں نے یہ کیا کہ ہر مقام سے جس لفظ کو ملال کا باعث یا بارِ ساعت سمجھا اس کو نکال دیا یہاں تک کہ مانعین کی طعن سے بھری ہوئیں عبارتیں جوابوں کے ساتھ خارج کر دی گئیں یعنی نہ تو بعینہٖ ان کے الفاظ "انوارِ ساطعہ" میں نقل کیے جائیں گے اور نہ ہی ان کے ترکی بہ ترکی دیے گئے جواب کی عبارتیں ہی۔ ہاں، صرف اس پر اختصار ہوا ہے کہ فریق ثانی کی بعض عبارتوں کو بغیر جواب کے لمعہ اولیٰ میں نمونہ کے طور پر نقل کر دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت مرشدی و مولائی کی رضا جوئی مجھے بہ دل و جاں منظور ہے، اور مرشد کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرنا سراسر قصور ہے۔

مجھے حیرت ہے ان لوگوں پر جنھوں نے شہر میرٹھ کے مطبع حدیقۃ العلوم سے ایک اشتہار شائع کیا کہ فلاں فلاں عالم نے

جناب حاجی صاحب (حضرت مرشدی ومستندی) سے صرف سلسلہ تصوف میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔ الیٰ آخرہ۔

اگر وہ لوگ یہ گفتگو اپنی ذات ہی تک محدود رکھتے تو میں بھی خاموشی اختیار کر لیتا لیکن جب یہ بات چھپ کر مشہور ہوگئی اور کسی صاحب نے اس کی تلافی بھی نہیں کی تو (مجھے اپنی صفائی کے لیے) اس کا دفعیہ کرنا ضروری ہوا۔

واضح ہونا چاہیے کہ تصوف کی چار منزلیں ہیں: شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت۔

جب تصوف میں بیعت مان لی تو گویا چاروں میں بیعت مان لی، پھر ایک منزل سے خارج ہونا عجیب فسانہ ہے۔

إنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ. (۱) بے شک یہ عجیب بات ہے۔

(میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ لوگ) حضرت کی بیعت شریعت سے کیوں انکار کرتے ہیں، جب کہ حضرت تو اتباعِ شریعت کا بڑا اہتمام کرتے اور اہل سنت کے اصولی وفروعی مسائل میں پوری تحقیق فرماتے تھے، اور پھر وہ عارف بھی ہیں اور عالم بھی۔ اور عالم شریعت ہونے کے لیے علم فلسفہ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر حضرت کو منطق ومعقولات میں مشق ومزاولت نہیں تو کیا ہوا؟ منطق ایک آلہ ہی تو ہے، جس سے انسان خطائی الفکر سے محفوظ رہتا ہے۔

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے خود صراحت فرمائی ہے کہ وہ نفوس قدسیہ جنھیں تائید الٰہی حاصل ہوتی ہے اور حقیقتوں کے علم میں فکر ونظر کے محتاج نہیں ہوتے۔ یعنی انھیں منطق سے کوئی کام نہیں ہوتا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے ذہن میں حدس (دانائی) پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ بلا فکر ونظر، یکلخت آغاز سے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ جس کو اس کی آزمائش درکار ہو اُسے حضرت کے مثنوی شریف کے درس میں شرکت کرنی چاہیے، اس پر یہ آشکار ہو جائے گا کہ جن مطالب میں بڑے بڑے اہل عقل وخرد حیران وسرگرداں ہیں اسے آپ ایک اشارہ میں حل فرما دیتے ہیں۔ سچی بات یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کو علم شریعت وطریقت کا جامع بنایا ہے۔ اور یہ ناتواں، شریعت وطریقت بہر طور حضرت سے (سچی) عقیدت رکھتا ہے، اسی لیے حضور کے حکم کی تعمیل وبجا آوری ضروری سمجھی، اور نظر ثانی کر کے اس کتاب سے طعن وتشنیع والی عبارتیں نکال دیں۔ لیکن جب برائے ترمیم اس وجہِ خاص کے لیے قلم اٹھایا تو پھر ایسا بھی ہوا کہ کچھ وہ چیزیں جو ہمارے اصلی مطلب سے ہٹ کر تھیں (مثلاً مسجد دیوبند کی تعمیر اور سماع وحقہ وغیرہ کے مسائل) گھٹا دی گئیں اور کچھ ایسے فوائد جن سے اپنے مطلوب ومقصود کی تائید ہو رہی تھی بڑھا دیے گئے اور بعض مضامین جن کی عبارت، مانعین کی سمجھ میں نہ آتی تھی وہ دوسرے طریقے سے انھیں سمجھائی گئیں۔ و اللّٰه ولي التوفيق و بيده أزمة التحقيق.

لمعہ ثالثہ، براہین قاطعہ کے احوال

واضح رہے کہ جب ۱۳۰۲ھ (بمطابق 1884ء) میں ''انوارِ ساطعہ'' طبع ہو کر چاروں طرف پھیلی، تو دور دور سے طالبانِ حق نے کچھ قیمتاً اور کچھ ہدیۃً منگا کر اس کا مطالعہ کیا، اور دور دراز شہروں سے شکریے کے بہت سے مضامین یوں لکھے آئے کہ الحمد للہ، ہمیں اس کتاب کے ذریعہ بہت سے شکوک وشبہات، اوہام اور مغالطوں سے نجات وامان ملی۔

پھر دو سال بعد یعنی ۱۳۰۴ھ (1886ء) میں ''براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ'' نامی ایک کتاب مطبع ہاشمی میرٹھ سے اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ یہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حکم سے چھپی ہے۔ دیباچہ میں جہاں کہ مولف کا نام لکھا

(۱) سورۂ ص: ۳۸/۵

جاتا ہے‘ ان کے مرید مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کا نام لکھا تھا اور کتاب کے اختتام پر تصدیق جواب اور تائید و تحسین کتاب کے طور پر مولوی رشید احمد صاحب موصوف کی تقریظ زیبِ قرطاس ہے۔

میرے کچھ احباب نیز دہلی و پنجاب وغیرہ کے بعض علماء نے خطوط لکھے کہ تم ''براہین قاطعہ'' کا جواب کیوں نہیں لکھتے۔ یعنی اس کتاب میں تحقیق حق تو اپنی جگہ صرف دلی بخار نکالا کیا گیا ہے‘ نہ تو کوئی دلیل ہی معقول ہے اور نہ کوئی جواب ہی موزوں و درست ہے‘ صرف غیر شائستہ اور بے ڈھنگے کلمات سے پوری کتاب بھر دی گئی ہے۔ غلیظ ترین الفاظ میں شاید کوئی ایسا لفظ ہو جس کا استعمال اس کتاب میں نہ ہوا ہو‘ اگر ساری کتاب کا (دیانت داری سے) انتخاب کیا جائے تو غالباً آدھی کتاب گالی گلوچ اور غیظ و غضب سے بھری ملے گی۔ (اس لیے) اس کا جواب لکھنا بہت ضروری ہے۔ میں نے کہا چند وجوہ کے باعث میرے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ خواہ اس کتاب یا کسی اور بے ڈھنگے رسالے کا جواب الجواب لکھنے سے باقتضائے رفع نزاع (میرے لیے) حضرت مرشدی جناب حاجی صاحب ادام اللہ ارشادہ (کی ذات) مانع ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت کا رقعہ مبارکہ لمعہ ثانیہ میں منقول ہو چکا ہے۔ مزید برآں یہ کہ **علامہ ذی جاہ المشتہر بالالسنة والافواہ استاذنا الحاج المہاجر مولانا رحمت اللہ الہندی الکیرانوی ثم المکی خصہ اللہ بانعامہ الجلي والخفي** نے بھی ایک رحمت نامہ کچھ اسی مضمون کا روانہ فرمایا جسے بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے

مولوی صاحب شفیق عالم مولوی عبدالسمیع صاحب سلامت‘ سلام مسنون کے بعد آپ سے دیرینہ محبت اور بے تکلفی کی بنیاد پر اپنا مقصد (نگارش) ظاہر کر رہا ہوں کہ آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد کو پہنچ گئی اور تحریر بھی اب بڑی سخت ہو گئی ہے‘ اس لیے مدرسہ فقیر۔ کے مدرس دوم حافظ عبداللہ صاحب کو سرکار چھتاری کے ذریعہ مقرر کردہ وظیفہ (جو دو سال سے وصول نہیں ہوا) لینے کے لیے دہلی سے چھتاری بھیجنا ضرور تھا‘ اور ان کو تاکید کی گئی ہے کہ جاتے یا آتے آپ سے میرٹھ میں ملاقات کریں‘ تو وہ آپ سے مل کر زبانی بھی کہیں گے کہ اس مقدمہ کو جتنا ہو سکے دبایا جائے ہرگز بڑھاوا نہ دیا جائے۔ فقط والسلام

راقم آثم:

محمد رحمت اللہ از: مکہ معظمہ

تو جب پیر اور استاد‘ دونوں کا ایک ہی ارشاد‘ قابل ادب و احترام ملک عرب سے آئے تو بھلا بندہ اس باب میں اب کیسے قلم اُٹھائے!۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع میں جب مانعین نے میلاد شریف کرنے والوں کو احمق‘ گمراہ اور کنہیا کا جنم دن منانے والوں سے بھی بڑھ کر لکھا اور اس کی چوٹ دور دور یعنی روم و شام‘ مصر و یمن‘ حرمین شریفین اور بیت المقدس وغیرہ کے علماء و مشائخ‘ اگلے پچھلے احیاء و اموات غرضیکہ تمام ذوات قدسیہ تک پہنچتی تھی‘ تو ان سب کی براءت اور مذہب حق کی نصرت کے لیے میں نے یہ رسالہ ''انوارِ ساطعہ'' لکھا تھا‘ اور اسی اخلاصِ نیت اور امدادِ حق کے باعث یہ طالبانِ حق میں کافی مشہور و مقبول ہوا‘ اور دور دور تک اس کی شہرت ہو گئی۔

اب (اس کے جواب میں) یہ جو "براہین قاطعہ" چھپی ہے، وہ پوری کی پوری لعن طعن سے بھری پڑی ہے۔ نہ تو مضمون ہی سنجیدہ نہ ہی تقریر موزوں۔ تاحدنگاہ خاص میری ذات ہی کی توہین وتحقیر۔ لیکن میں اپنی ذات کا انتقام لینے نہیں اُٹھا نہ ہی ان کے بھونڈے الفاظ کا جواب دینے چلا ہوں۔ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب تک بندہ اپنی برائیوں کو سن کر چپ رہتا ہے، فرشتے اس کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور جب یہ خود جواب دینے لگتا ہے تو وہ انتقام والا فرشتہ خاموش ہو کر اپنی راہ لے لیتا ہے۔ اس لیے مجھے منظور نہیں کہ میں بذات خود اپنے نفس کا انتقام لوں اور اب بہتر یہی ہے کہ ان کے جواب سے اپنے قلم کو تھام لوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب "براہین قاطعہ" چھپ کر ادھر ادھر شائع ہوئی اور اس کے مقلدین نے "انوار ساطعہ" کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے اپنا رسالہ "انوارِ ساطعہ" علمائے عصر کی خدمت میں بھیج دیا تا کہ وہ اسے شروع سے اخیر تک حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمائیں، اگر مضمون درست اور دلیل ٹھوس پائیں تو اپنی تصدیق وتقریظ سے اسے مزین فرمائیں۔ چناں چہ بڑے بڑے شہروں کے نامور اکابر فضلا اور دور دور کے مشاہیر علماء نے اس کتاب کو بالاتفاق پسند کیا اور اپنی (گراں قدر) تقریظ رقم فرما کر اس نحیف کو سر بلند کیا۔ ان کی تقریظوں سے ہویدا ہوا کہ "انوارِ ساطعہ" کا دعویٰ ودلیل سب درست و بجا ہے۔ وہ تقریظیں انشاء اللہ ہم نورِ چہارم میں درج کریں گے اور اہل نظر ان کے فصیح وبلیغ مضامین پر مطلع ہوں گے۔ تو اب ہمیں "براہین قاطعہ" کا جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمارے مضامین پر سلف وخلف اور معاصر علمائے ذی شرف کا کثرت سے اجماع واتفاق کافی حجت ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے بہت سے مضامین ایسے لکھ دیے ہیں جس سے اکثر اہل اسلام کو وحشت ونفرت سی ہو گئی ہے۔

مثلاً براہین قاطعہ کے صفحہ ۳ پر ہے

جو کوئی یوں کہے کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے، اس پر طعن کرنا جہالت ہے۔

صفحہ ۴ پر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ بنی آدم کے بھائی ہیں۔ الی آخرہ۔

قید ایمان کی بھی شرط نہ رکھی، جو کہ بعض لوگ آیت کریمہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ سے ثابت کرتے ہیں۔

اسی پر ہے

وتر کی ایک رکعت کو قوت ہے۔

صفحہ ۵ پر ہے

جو کوئی تراویح کی بیس رکعت کی بجائے آٹھ رکعت کو سنت جانے وہ قابل اعتراض نہیں۔

صفحہ ۲۶ پر ہے

دیوبند کے عالموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندی کلام کرنا آ گیا۔

صفحہ ۱۸ پر ہے

حرمین شریفین کے علماء کو رشوت دے کر جو چاہو فتویٰ لکھوالو۔ الیٰ آخرہ۔

تو گویا وہ آیت کریمہ: وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ (۱) کے مصداق ہیں۔

صفحہ ۹۹ پر ہے

عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا۔ الیٰ آخرہ۔

یعنی سب لا مذہب ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر عوام ہیں اور جو خواص ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خود بصیرت حاصل ہے جیسا کہ فرقہ غیر مقلدین کی زبان پر جاری ہے' تو خواص اپنی علمیت اور عوام اپنی ناواقفیت کے باعث تقلید سے نکل گئے تو تقلید ائمہ' جس پر مدت سے اجماع چلا آ رہا ہے' کدھر گئی۔ ایسا مسئلہ ایسے فتنہ وفساد کے وقت میں لکھنا مخلوق میں آگ لگانا ہے۔

صفحہ ۱۳۲ پر ہے

مسئلہ اختلافی بلا ضرورت بھی جائز ہے۔

یعنی ایک امام کی تقلید واجب نہیں جس کا جی چاہا بلا ضرورت کسی امام کا مسئلہ لے لیا۔

صفحہ ۲۷۰ پر ہے

جس کو ایک نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔

مکار اور حیلہ جو آدمیوں کے لیے اچھی دستاویز لکھ دی' وہ کہہ دیا کریں گے کہ ہم سے جہاز اور اونٹوں کے سفر میں بے شک نماز ادا نہ ہوگی' تو اس بنیاد پر ہم کو حج کے لیے جانا ضروری نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ ایک فرض ادا کرنے کو جائیں اور دوسرا قضا ہو جائے۔

صفحہ ۱۲۷ پر ہے

ہندوستان کے لوگ مردوں (کی طرف سے) صدقہ رسماً ادا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ صفحہ ۱۳۴ پر لکھا

الریاء شرک .الخ.

تو ان کے صدقہ کو رسمی اور ریائی بتا کر ان کو مشرک ٹھہرایا۔

صفحہ ۱۰۹ پر ہے

اور ہندوستان کے لوگ تاریخ کے تعین میں ہندوؤں سے مشابہت کرتے ہیں۔

تشبہ کو دوسری جگہ صفحہ ۱۱۳ پر لکھا کہ

(ایسا کرنا) کفر ہے۔

گویا تیجہ وچالیسواں کرنے والے کافر ٹھہرے۔ یہ کیسی بے انصافی اور زور زبانی ہے کہ سب کے متعلق رسم وریا اور تشبہ بالہنود کا حکم دے دیا۔

(۱) اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (سورۂ مائدہ' ۵/۴۴)

صفحہ ۱۴۱ پر ہے

محفل مولد شریف کرنے والے کنہیا کا جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں' وہ تو سال بھر میں ایک بار کرتے ہیں اور یہ جب چاہتے ہیں فرضی خرافات اور ولادت کا سانگ کر لیتے ہیں۔

الحاصل' بہت سے مقامات پر ایسی ایسی دل آزار تقریریں رقم کیں کہ جس سے اہل اسلام' علماء اور غیر عالم سبھی کبیدہ خاطر ہو گئے۔ کوئی قلم سے کوئی زبان سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ان کے مسائل کی تردید کر رہا ہے۔ جب اس کتاب کی یہ حالت ہے تو مجھے جواب لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ ہاں' براہین قاطعہ کے جس کسی شبہہ کا ازالہ ضروری سمجھا جائے گا تو چونکہ انوارِ ساطعہ پر نظر ثانی ہو ہی رہی ہے' اس کا حل بھی پیش کر دیا جائے گا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ کو اگرچہ بظاہر میرے مسائل و دلائل پر شدت سے انکار ہے مگر اسی انکار میں خاص اقرار (کے پہلو بھی نظر آ رہے ہیں) چنانچہ صفحہ ۲۳ کی سولہویں سطر میں انوارِ ساطعہ کی مندرجہ روایات کی بابت آپ لکھتے ہیں :

آپ کی سب روایات منقولہ مسلّم ہیں۔

صفحہ ۱۸ کی اٹھارہویں سطر (پر لکھا)

جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں۔ الیٰ آخرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اور کھانا کھلانے میں جمع بین العبادتین ہی تو ہے۔

صفحہ ۸۶ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

ہر روز ثواب پہنچانا درست ہے (حتیٰ کہ) عیدین اور شب براءت کو بھی۔ الیٰ آخرہ۔

پھر ان ایام میں کھانا و فاتحہ' ایصال ثواب کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۱۹ کی پہلی سطر (میں لکھا)

جو فقرا کے واسطے بطور صدقہ ہو تو فقرا کو نفس طعام مباح ہے' اگرچہ دن متعین کرنا بدعت ہے۔ الخ۔

صفحہ ۱۲۹ کی چودہویں سطر (پر لکھا)

اگرچہ طعام صدقہ ہے اور اس کا ثواب پہنچے گا مگر یہ کام تعیین کی وجہ سے مکروہ ہو گا۔ الیٰ آخرہ۔

صفحہ ۷۰ کی بارہویں سطر پر لکھا

مانعین اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ اس کے کہ ثواب نہیں پہنچے گا۔

دیکھیے ہندوستان میں رائج تعیین (ایام) میں بھی ایصالِ ثواب ہو جانا تسلیم کیا اور تعیین کو بدعت کہا' جس کو ہم بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اس پر دلائل اس کتاب میں مذکور ہیں۔

صفحہ ۱۳۳ کی تیرہویں سطر (پر لکھا)

طرز اشغال گو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آتے ہیں اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے۔ الیٰ آخرہ۔

فاتحہ اموات اور محفلِ میلاد شریف میں ہمارا یہی جواب ہے کہ اصلِ مطلق واحد ہے گو رنگ اور طریقہ بدل گیا ہے۔

صفحہ ۱۷۳ کی چودہویں سطر (پر لکھا)

مانعین نہ فرحت میلاد کو برا کہیں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحسن ہیں۔ الی آخرہ۔

صفحہ ۱۷۸ کی نویں سطر (پر لکھا)

سچ ہے کہ فرحت، ولادتِ فخر عالم میں جس قدر کی جائے بوجہ مشروع وہ تھوڑا ہے۔ الیٰ آخرہ۔

صفحہ ۱۹۶ کی ساتویں سطر (پر لکھا)

بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اس کو باعتبار ظہور اور شیوع کے کہا جاتا ہے۔ الیٰ آخرہ۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کھانے پر فاتحہ اور میلاد شریف دونوں سنت ہیں کیونکہ ان کی اصلیں قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہیں گو کہ ان امور کا اس انداز میں ظہور و رواج بعد میں ہوا۔ تو بس اس ظہورِ خارجی اور شیوع کے سبب ان کو بدعت حسنہ کہنا چاہیے نہ کہ بدعت وضلالت۔

صفحہ ۱۹۱ کی پندرہویں سطر (پر لکھا)

کھانے اور شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص و تاکد مروج سے کراہت پیدا ہوئی۔

یہ ذکر ہے کھانے اور محفل میلاد شریف کی شیرینی کا۔

صفحہ ۲۰۰ کی دوسری سطر (پر لکھا)

قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلا کی تقیید و تخصیص اور عوام کے سنت اور وجوب سے بدعت ہوا تھا۔

صفحہ ۲۰۰ کی چوتھی سطر (پر لکھا)

اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے۔ (یعنی قیام مولد شریف کو) تو اصل مطلق کے فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قید اور تاکد کا نہ ہوا تھا بخلاف ہمارے زمانے کے۔ الخ۔

صفحہ ۲۴۲ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

تاویل حلبی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے اور وہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا۔

دیکھیے قیام کو بھی مان لیا باقی یہ بات کہ اب مکروہ ہو گیا تو ان حضرات کے اجتہاد سے مکروہ ہوا، جس کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔

دوسرے وہ جو بعض اشعار وقصائد میں ''ندائے یارسول اللہ'' ہوتی ہے، اس کی بابت براہین قاطعہ کے صفحہ ۲۲ کی سولہویں سطر میں لکھا

اگر ذات فخر عالم کو حاضر وناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمن صلاۃ وسلام میں ہے تو ملائک آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدون اس کے ہے وقت عرض اعمال کے پیش ہو جائے گا۔ الخ۔

دیکھیے کہ انھوں نے انوارِ ساطعہ کے سارے مطالب تسلیم کر لیے ہیں اور وہ جو ہر ایک بات میں تسلیم کے باوجود کچھ کچھ انکار کی شاخ بھی درج کی ہے تو اس کی حقیقت طالبانِ حق انوارِ ساطعہ میں ملاحظہ کریں۔ ہر حجت کی کیفیت اپنے اپنے مقام پر کھول کر رکھ دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اہل عقل و دانش بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ شاخ اس لیے نکالی گئی ہے کہ جب انوارِ ساطعہ کی تردید کا نام لیا جارہا ہے تو کچھ تو شاخ نکالیں گے ہی وہ، ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ کیسا ردلکھا ہے کہ ہر بات کو مان لیا ہے۔

براہین قاطعہ سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اکثر ناواقف لوگ مجھ سے الجھا کرتے تھے کہ میلا دسرورِ کائنات علیہ افضل التسلیمات نیز مردوں کی فاتحہ، بدعت ہے۔ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو بدعت ہے وہ ضلالت ہے اور جو ضلالت ہے، جہنم جانے کا ذریعہ ہے۔ ہر چند ہم ثبوت دیتے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بدعت سیئہ مذمومہ اور دوسری حسنہ محمودہ، لیکن وہ کسی قیمت پر ماننے کو تیار نہ تھے۔ جب میں نے انوارِ ساطعہ میں بدعت کی تقسیم کا قاعدہ شرعی دلیلوں کی روشنی میں رقم کیا تو مولف براہین قاطعہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ صفحہ ۳۰ کی تیرہویں سطر پران کی عبارت یوں ہے۔

جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو خواہ مذموم یعنی اس کے جواز کی دلیل، شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دو قسم کرتے ہیں قسم اول محمود کہ جس کی دلیلِ جواز، شرع میں ہے اور دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس قسم اول کا بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں اور دوسری قسم بدعت ضلالت ہے۔ الخ۔

واضح ہو کہ اگرچہ مولف براہین قاطعہ یعنی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا اس قاعدہ کو فی نفسہ تسلیم کرنا ان کی ذات وصفات کو دیکھتے ہوئے (مخالفین یا موافقین میں) کسی بشر کے نزدیک قابل اعتماد واستناد نہ تھا لیکن چونکہ ان کا یہ سارا مسودہ، درحقیقت ان کے پیرومرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے افادات وافاضات کا عکس وآئینہ ہے، اور پھر آخر کتاب میں جملہ مسائل ودلائل کی تصدیق کرتی ہوئی ان کی تقریظ بھی جلوہ گر ہے، لہٰذا اُس کتاب کے ہر مضمون کو مشہور قاعدہ "نور القمر مستفاد من نور الشمس" کی روشنی میں مولوی رشید احمد صاحب ہی کا مضمون سمجھنا چاہیے کہ (ان کی ذات) ہمارے اضلاع ونواح میں جملہ مانعین کے نزدیک مستند ومعتبر ہے۔ الحمد للہ، مانعین کو اپنے ایک ایسے مسلم الثبوت کی زبانی ہمارے قاعدہ کی کامل تصدیق ہوگئی، اور ہمیں ان کی لایعنی سمع خراشی سے نجات بھی مل گئی۔

براہین قاطعہ سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بعض اصحاب علم ونظر اگر تقسیم بدعت کے قائل بھی ہوتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ بدعت حسنہ اگر ہے تو بس قرونِ ثلاثہ تک کی ایجاد، درست اور لاکلام ہے ورنہ ان صدیوں کے بعد کی ایجاد بالکل ہی ضلالت وحرام ہے۔ میں نے انوار ساطعہ میں اس کا نہ صرف ردِ کامل کیا بلکہ شرعی دلیلیں بھی بطور ثبوت پیش کی ہیں کہ بھلائی وسعادت کے کام ایجاد کرنا جائز ہے گرچہ قرونِ اولیٰ کے بہت بعد ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے مولف نے اسے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ صفحہ ۲۹ کی پہلی سطر میں یہ عبارت ہے

جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے اس صدی میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے۔ الیٰ آخرہ۔

پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر کے بعد لکھتے ہیں

دیکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں موجود ہے گو اس کا وجودِ خارجی کبھی ہو، اس سے ہم کو بحث نہیں۔ الیٰ آخرہ۔

پھر چار سطر کے بعد لکھا

لہٰذا با تعیین تقلید شخصی کے وجوب لغیرہ کا وجود قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوا اگرچہ اس کا وجود شرعی قرونِ ثلاثہ میں ثابت تھا۔ الیٰ آخرہ۔

دیکھیے مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر اقرار کرلیا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس امر کا وجود خارجی قرون ثلاثہ میں نہ ہوا ہو وہ منع ہو بلکہ دلیل جواز کے لیے قرونِ ثلاثہ میں صرف اس کا وجود پایا جانا کافی ہے۔ جس امر کی دلیل کا وجود اُن قرون میں پایا گیا پھر وہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے، خواہ کسی زمانہ قریب یا بعید میں موجود ہو تو وہ سب کا سب سنت ہے۔

صفحہ ۱۹۶ میں لکھا

بدعت حسنہ، سنت ہی ہوتی ہے اس کو بدعت اس کے ظہور وشیوع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

چنانچہ اوپر بھی یہ عبارت نقل ہو چکی ہے۔ تو وہ جو بعض ناواقف منکرین جھگڑا کرتے تھے کہ محفل میلاد شریف نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منعقد فرمائی نہ کسی صحابی وتابعی نے اور نہ تابعین کے اَتباع نے اس بنیاد پر یہ محفل بدعت سیئہ ہے تو ان کے اس دعویٰ ودلیل اور سب قیل وقال کی براہین قاطعہ کی اس تقریر سے بالکل تردید ہوگئی اس لیے کہ اس محفل کا وجودِ خارجی کے ساتھ ان صدیوں میں موجود ہونا کچھ ضروری نہیں، صرف دلیل جواز کا پالیا جانا کافی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کوئی تھوڑی سمجھ کا آدمی دلیل کا معنی یہ نہ سمجھے کہ اگر اس فعل خاص کا نام صراحۃً اور اس کی کل کیفیات کا بیان بعینہٖ تشریحاً قرون ثلاثہ میں ہوگا تب وہ فعل ان صدیوں کے بعد جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔ تو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہرگز مراد نہیں، اور اس کا تصفیہ بھی مولف براہین قاطعہ نے کردیا ہے۔ کیونکہ انوارِ ساطعہ میں یہ مضمون لکھا گیا ہے کہ تعمیر مدرسہ کو بھی تم بدعت حسنہ یعنی ملحق بالسنہ اور سنت حکمیہ مانتے ہو تو پھر ایسے ہی محفل میلاد شریف اور فاتحہ اموات بھی ہے۔ اگر یہ امور اُن صدیوں میں اس ہیئت کے ساتھ ثابت نہیں تو تعمیر مدرسہ بھی مروجہ ہیئت وکیفیت کے ساتھ قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں۔

تو اس کا جواب براہین قاطعہ کے صفحہ ۱۸۵ کی تیسری سطر میں یہ دیا

تعمیر مدرسہ کی مثال محض کم فہمی ہے، صفہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقرائے مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا، نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے ہاں مکان کی ہیئت تبدیل ہوگئی۔ الیٰ آخرہ۔

اب ہم صاحب براہین قاطعہ کی دلیل کا پول کھولتے ہیں۔ واضح ہو کہ صفہ، مسجد نبوی میں ایک سایہ دار مکان تھا اور اس کی اصل یہ تھی کہ تحویل قبلہ سے پہلے مسجد شریف کی شمالی جانب قبلہ تھا، تحویل قبلہ کا حکم ہو جانے کے بعد قبلہ اولیٰ کی دیوار قائم رکھی گئی تاکہ بے گھر فقیر ومسکین یہاں رہا کریں۔ ''جذب القلوب'' میں ذہبی کے حوالے سے یوں ہی مذکور ہے۔

''منتخب اللغات'' میں ہے

جمعے از غریبان اہل اسلام کہ خانہ نہ داشتند در موضعے از مسجد کہ بالائش پوشیدہ بود ندمی گزرانند۔

بے خانماں غربائے اہل اسلام کا ایک گروہ مسجد کے اندر ایک چھت دار جگہ پر زندگی گزارتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب کہیں سے صدقات آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو بھیج دیتے۔ مشکوٰۃ کے باب ''فضل الفقراء'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ستر اصحاب صفہ (اس حال میں) دیکھے کہ کسی کے پاس اوپر اوڑھنے کے لیے چادر بھی نہ تھی، بس ایک ایک کپڑا تھا، کسی کے پاس نیچے باندھنے کو فقط ایک تہبند تھا، کسی کے پاس اوپر اوڑھنے

کوایک کملی جسے وہ گلے میں باندھ لیتے تھے کملی یا تہبند کسی کی آدھی پنڈلی تک پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک۔ وہ لوگ اپنے کپڑوں کو سجدہ وغیرہ کی حالت میں سمیٹ لیا کرتے تھے کہ کہیں ستر عورت کھل کر دوسروں کو نہ نظر آ جائے۔ انتہیٰ۔

قرآن میں ان کا کام یہ بیان ہوا ہے۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ .(۱) رضائے رب کی خاطر وہ اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں

مفسر قتادہ نے کہا کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی ہے وہ ایک نماز پڑھ کر بیٹھے رہتے کہ اب دوسری نماز پڑھیں گے۔ اس صورت میں یدعون ربھم کے معنی یہ ہوئے کہ نماز پڑھتے ہیں اور حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یدعون ربھم سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں۔ اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کو یاد کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر اور معالم التنزیل میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سورۂ انعام میں مذکورہ بالا آیت کے لیے یہی معنی اختیار کیے ہیں فرماتے ہیں

مناجات می کنند پروردگار خویش را بامداد و مسامی طلبند روے اورا۔ انتہیٰ۔

وہ اپنے رب سے صبح وشام مناجات کرتے ہیں خاص اس کی رضا کی خاطر۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام چاہتے ہیں اس کا منہ۔ انتہیٰ۔

صبح وشام سے مراد دوام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مناجات الٰہی میں لگے رہتے اور اللہ کو پکارتے ہیں۔

اب مدرسہ کا مسئلہ معلوم کرنا چاہیے کہ فی زمانہ سبھی علماء مدرسے کی تعمیر کو جائز فرماتے ہیں کسی نے اپنی اصطلاح کے موافق سنت حکمیہ اور ملحق بالسنہ کہا اور کسی نے بدعت حسنہ قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صفہ کو اس کی نظیر اور دلیل ٹھہراتے ہیں اب اصحاب عدل وانصاف خیال فرمائیں کہ اصحاب صفہ کی حقیقت اور ان کے کام اور طلبہ مدرسہ کی کیفیت اور ان کے کاموں میں کتنا کچھ فرق ہے۔ اور اسی طرح مقام صفہ اور تعمیر مدرسہ میں حقیقۃً صفۃً اور وضعاً کس قدر خلاف ہے کسی چیز میں اشتراک نہیں نہ نام نہ تعمیر مکان اور نہ ان کے کاموں ہی میں بجز اس کے کہ صفہ بھی ایک مکان تھا جس میں مسلمان طالب دین رہتے تھے اور مدرسہ بھی ایک مکان ہے جس میں مسلمان طالب دین رہتے ہیں اور دونوں میں یہی ایک مشترکہ علت دیکھ کر موافق ومخالف تمام علمائے مدرسہ کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی علت وبنیاد پر مولف براہین قاطعہ اور ان کے مرشد وتقریظ نگار نے تعمیر مدرسہ کا جواز مسلم رکھا۔ تو ثابت ہو گیا کہ کسی نئے اور نیک کام کی ایجاد کے جواز واستحسان کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے۔ جیسے آج کل کے مدارس کی ہیئت وکیفیت کے جواز کے لیے صفہ کا وجود دلیل کافی سمجھا گیا گو ہیئت کی تبدیلی بدرجہ کمال ہے۔ جب یہ قاعدہ صاحب براہین قاطعہ نے اس تشریح وتوضیح سے خود تسلیم کر لیا تو اب ہم کو ان کی کتاب کے رد وجواب کی کیا حاجت رہی۔

ہماری ''انوارِ ساطعہ'' کا مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی دو چیزیں ہیں: محفل سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اور فاتحہ اموات۔ اور یہ دونوں مسئلے مولف براہین قاطعہ کی تقریر سے ثابت ہو گئے۔

(۱) سورۂ انعام ۶/۵۲ - سورۂ کہف ۱۸/۲۸

ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اموات، دسویں اور چالیسویں وغیرہ کے طور پر ایصالِ ثواب ہی تو ہے۔ اور محفل میلاد شریف، روایت معجزات ہی تو ہے گو ہیئت تبدیل ہوگئی اور نام بدل گیا۔ جس طرح مدرسہ، مولف براہین قاطعہ کے اقرار کے مطابق صفہ ہی تو ہے گو ہیئت بدل گئی اور نام بدل گیا۔

نادان لوگ ہیئت کذائیہ ہی میں بلاوجہ سمع خراشی کیا کرتے تھے، مولف براہین نے صفہ کے نام و ہیئت کی تبدیلی، مدرسہ کے باب میں تسلیم کر کے ہم کو اس قسم کے جھگڑالوؤں سے نجات بخش دی کہ پرانی ہیئت کی تبدیلی اور ہیئت کذائیہ کا الحاق کسی نزاع کا باعث نہیں۔ اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بغور دیکھا جائے تو براہین قاطعہ درحقیقت ہمارے مخالف نہیں بلکہ ہمارے مدعا کے عین موافق ہے، اور ہم نے جن اصول و دلائل اور نظیروں کو انوارِ ساطعہ کے دعوؤں کے اثبات کے لیے جابجا قائم کیا ہے، اہل نظر بلا تأمل ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہماری ہر دلیل، دلیل صفہ کی دلیل سازی سے کہیں بلند و اعلیٰ ہے۔

معلوم رہے کہ اس کتاب میں جہاں "براہین قاطعہ" کا نام آئے گا تو فصل اور تمیز کے لیے اسے، مولوی رشید احمد گنگوہی کے چھپوانے اور شائع کرنے کی وجہ سے "براہین قاطعہ گنگوہی" لکھا جائے گا۔ اس لیے کہ براہین قاطعہ کے نام سے ایک اور رسالہ بھی ہے جس کا جواب "دلائل ساطعہ قاطعہ براہین قاطعہ" ہے۔

لمعہ رابعہ، مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مسلم الثبوت علماء و مشائخ کا تذکرہ

واضح رہے کہ ان فتاویٰ کے (لکھنے والے) مفتیان کرام ہیں وہ ان دو عالموں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے معتقد ہیں، بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ درواسطہ رابطہ شاگردی حاصل ہے، بعضوں کو مریدی وطالبی، اور بعضوں کو محض تقلید اور پیروی۔ تو مولوی اسماعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہیں اور وہ شاہ عبد العزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کی طرف خاندانِ مجددیہ میں یوں چلتا ہے کہ وہ اپنے باپ شاہ عبد الرحیم صاحب کے مرید ہیں اور وہ سید عبد اللہ سے اور وہ سید آدم بنوری سے اور وہ امام ربانی مجدد الف ثانی سے۔ الخ۔

اپنے دوسرے سلسلہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے "انتباہ" میں یہ لکھا ہے

اس فقیر نے شیخ ابو طاہر سے علم حدیث لیا، خرقہ تصوف پہنا اور خلافت پائی اور انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انھوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی ابن عبد القدوس سے اور انھوں نے شیخ عبد الوہاب شعراوی سے اور انھوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انھوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام ابو الخیر ابن الجزری شیخ القرا و المحدثین سے۔ الیٰ آخرہ۔

الحاصل، یہ اوپر سلاسل مذکورہ میں درج ہوئے، بزرگواران، مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مقتدا اور پیشوا ہیں، اور ہم نے ان اسماء کو ان کے مسلم الثبوت مشائخ کی کتابوں مثلاً "انتباہ" اور "قول جمیل" وغیرہ سے نقل کیا، اور یہ اس لیے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو یا تو خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوگی یا ان بزرگواروں کی مسلم الثبوت کتابوں میں ہوگی۔

لمعہ خامسہ' بدعت حسنہ کا اثبات

واضح ہو کہ یہ مسئلہ اصول دین متین سے ایک اصل عظیم ہے' اگر یہ ثابت ہو گیا تو سمجھ لیں کہ اکثر اختلافی مسائل طے ہو گئے۔ اس بنیاد پر پہلے ہم (اللہ کی قوت ومدد سے) اسی سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اے حق کے طلب گار' بیدار دل ہو کر سنو کہ بدعت حسنہ کے متعلق چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ جو امر قرونِ ثلاثہ یعنی صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں ایجاد ہوا وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد ہوا وہ بدعت' اور ہر بدعت' گمراہی ہے۔

یہ مولوی اسماعیل صاحب کے مقلدوں کا قول ہے جو بارہا اپنے اعتراضوں میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور رسالہ ''تذکیر الاخوان'' میں مولوی اسماعیل صاحب نے جو نظیر کی قید لکھی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسی رسالہ کے ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ نظیر کا سمجھنا مجتہد کا کام ہے۔ تو اگر کوئی کام از روئے نظیر ومثل ان مجتہدین مطلق کے وقت میں ایجاد ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مفتیانِ فتاویٰ انکاری میلاد وفاتحہ کو بدعت ٹھہرا چکے ہیں اور ان کی عبارتیں لمعہ اولیٰ میں نقل ہو چکی ہیں کہ محفل میلاد کا انعقاد اور قیام چونکہ قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا' لہٰذا یہ بدعت ہے۔ (فتویٰ انکاری ثانی: ۱۷)

مولوی اسحٰق صاحب کے ''مائۃ مسائل'' کے پندرہویں سوال میں ہے

معہٰذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ ایں امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز آں مختلف شدہ اند۔ انتہیٰ۔	اس کے ساتھ یہ بھی کہ مولود کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ (جس کی بہتری کی شہادت ودلیل موجود ہے) میں یہ امر رائج العمل نہیں تھا' قرون ثلاثہ کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے' اسی بنیاد پر اس کے جواز کے بارے میں علماء' اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جو علماء میلاد شریف سے منع کرتے ہیں وہ اس کام کے ان صدیوں میں نہ ہونے کے باعث منع کرتے ہیں نہ کہ نظیر نہ پائی جانے کی وجہ سے۔

''تحقیق الحق'' کے صفحہ ۳۷ میں ''تفہیم المسائل' قرۃ العیون'' سے نقل کیا ہے

جو چیز ان تینوں صدی کے بعد ایجاد ہوئی وہ بدعت سیئہ' سراسر ظلمت اور موجب ضلالت ہے۔

''نصاب الفقہ'' میں ہے۔

ہر آنچہ بدعت حسنہ مجتہدان قرار دادہ اند ہماں صحیح است اگر دریں زمان چیزے را بدعت حسنہ قرار دہند خلاف ست زیرا کہ در مصفی گوید کل بدعت ضلالۃ۔ انتہیٰ۔	ہر وہ بدعت حسنہ جو مجتہدین کی متعین کردہ ہے وہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس دور میں جس چیز کو بدعت حسنہ قرار دیا جائے تو وہ اس مقررہ قاعدے کے خلاف ہے کیوں مصفی میں کہا گیا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ مضمون مانعین کے چند رسائل میں موجود ہے۔ الحاصل' یہ لوگ ''تذکیر الاخوان'' کا مطلب اسی طرف پھیرتے ہیں کہ

مجتہدین اربعہ تک جو ہو گیا، ہو گیا، آگے سب بدعت ضلالت ہے اور راقم الحروف کے نزدیک ''تذکیر الاخوان'' کی عبارت کے معنی وہ ہیں جو لمعہ رابعہ میں میلاد شریف کے مباحث میں لکھے جائیں گے، لیکن یہاں گفتگو اس سلسلے میں کی جاتی ہے جو ان کے مقلدین کا فی زمانہ قرارداد ہے۔ اور بعض لوگ اس گروہ کی یہ بات بھی زبان پر لاتے ہیں کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو چیز بدعت ہوئی اس میں حسن کہاں؟ یہ بات ''رسالہ قنوجیہ'' وغیرہ میں درج ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز صحابہ اور تابعین کے بعد نکالی جائے وہ بدعت اور نامشروع ہے۔ یہ ''مائۃ مسائل'' کے ۸۴ ویں سوال میں لکھا ہے

امریکہ منقول نہ باشد از آں حضرت وصحابہ وتابعین غیر مشروع است۔ الیٰ آخرہ۔

ہر وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔

تمامی مسئلہ ہذا میں لکھا ہے

عدم نقل از حضرت وصحابہ وتابعین دلالت بر بدعت و کراہت فعل دارد۔ الیٰ آخرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اس کا نقل نہ ہونا اس کی بدعت اور کراہت کی دلیل ہے۔

پہلے قول میں تبع تابعین تک کی بات سنت معلوم ہوتی تھی اور اس قول میں صرف تابعین تک، کا قول مستند ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہ کا فعل تو سنت میں داخل ہے لیکن صحابہ کے بعد جو قول وفعل حادث ہو وہ بدعت اور ضلالت ہے چنانچہ ''مکتوبات مجددیہ'' کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۸۶ میں ہے

ہر چہ در دین محدث ومبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفاے راشدین او نہ بودہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را باجمعے کہ با او ہستند گرفتارِ عمل آں محدث بگرداند۔

ہر وہ چیز جس کی دین میں نئی ایجاد و ساخت ہوئی مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں رائج نہ تھی گرچہ وہ چیز سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو تو ایک بڑے گروہ کے اس پر عمل پیرا ہونے کے باوجود وہ عمل، محدث ہی شمار کیا جائے گا۔

اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے

فعليكم بالاقتصار على متابعة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والاكتفاء على اقتداء أصحابه الكرام .

تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور صحابہ کرام کی اقتدا پر اکتفا کرنا چاہیے۔

اب دیکھیے، اگر اس کلام سے استدلال کیا جائے تو تابعی کا قول وفعل بھی نامستند اور واجب الاجتناب رہے گا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہ کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک بدعت کے معنی یہ ہیں

البدعة ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱)

بدعت وہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ رہی ہو۔

(۱) الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف: ۱/۱۸

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں تو ان علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے اور غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔(۱)

تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' میں ہے کہ سنت خلفائے راشدین سے ایسا طریقہ مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق ہو اور قواعد شریعت سے (یہ بات) معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو (حق) نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے سوا کوئی طریقہ ایجاد کرے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

''مفاتیح اسرار التراویح'' میں ہے

سنۃ الخلفاء سے ان کی وہی سنت مراد ہے جس میں وہ سنت نبوی کے متبع اور موافق ہیں نہ کہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں۔ الیٰ آخرہ۔

پس ان بزرگواروں کے نزدیک بعض امور زائد کرنے کی وجہ سے تو صحابہ کرام بھی بدعتی ٹھہرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب ''مصابیح التراویح'' میں لکھتے ہیں

منکرین گیارہ رکعت کو سنت جانتے ہیں اور بیس کو بدعت۔

اب طالبانِ حق غور سے سنیں کہ یہ چاروں بیان کیے گئے اقوال بعض علماء کے نزدیک شاذ اور مختلف فیہ ہیں۔ چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے تیسرے کو دوسرا اور دوسرے کو پہلا۔ اور پہلا قول جو ہمارے معاصرین پیش کیا کرتے ہیں اور زیادہ تر اسی کو مستند ٹھہراتے ہیں تو اس میں جو خلل ہے اب اس عاجز سے اس کا بیان سنیے۔

واضح ہو کہ متقدمین و متاخرین میں کسی نے سنت کی تعریف یہ نہیں لکھی کہ سنت وہ شے ہے جو قرونِ ثلاثہ میں پائی جائے یا یہ کہ جو قرونِ ثلاثہ میں حادث ہو وہ سب سنت ہے۔ اور نہ کسی نے حدیث یا قول صحابہ یا تابعین و تبع تابعین سے یہ بات صراحۃً ثابت کی ہے۔ ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر کوئی ایسی معتبر حدیث ہم کو دکھا دو جس میں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہوگی اور جو عین قرون ثلاثہ میں ایجاد ہوگی وہ سنت ہوگی اور اگر حدیث نہ ملی تو خاص یہی الفاظ جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کی زبانی معتبر اسناد اور معتمد کتاب سے ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ اس لیے کہ تمہارے نزدیک اعتماد و استناد قرون ثلاثہ پر ہی منحصر ہو گیا ہے چنانچہ براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۱۴۱ کی دوسری سطر میں اس کی تصریحی عبارت یوں ہے

یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود بزمان ہے بعد قرون ثلاثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ ہر حال میں مردود ہوگا۔ انتہیٰ۔

(۱) علیکم بسنتي وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ (نصب الرایۃ لاحادیث الهدایہ: ۱/۲۴۸ فصل فی البئر، کشف الخفاء: ۲/۲۰۶، تلخیص حبیر: ۵/۴۹۸، تخریج احادیث الاحیاء: ۹/۱۶ حدیث: ۴۰۱۶، مشکل الآثار طحاوي: ۳/۱۸۳ حدیث: ۹۹۸، الاوسط لابن منذر: ۱/۱۶۵ حدیث: ۱۲۸، السنۃ محمد بن نصر مروزی: ۱/۵۸ حدیث: ۵۷، الشریعۃ آجری: ۳/۲۹۲، جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر: ۳/۱۴۶ حدیث: ۱۰۸۰، غریب الحدیث ابراہیم حربی: ۴/۳۵۲ حدیث: ۱۳۶۵

اسی لیے تو ہم قاعدہ کا بھی خاص قرونِ ثلاثہ ہی سے ثبوت مانگتے ہیں کہ طبقات مذکورہ میں سے کس طبقہ میں یہ قاعدہ جاری کیا گیا' اور اگر بعد میں یہ قاعدہ ایجاد ہوا یا اسی دور میں ہوا اور اس پر نکیر بھی واقع ہوئی تو یہ قاعدہ تمہاری قرار داد کے مطابق بدعت سیئہ ہوا جاتا ہے' اور تم: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌ کے مصداق ہوئے جاتے ہو۔

الغرض' بارہا دلیل کا مطالبہ کیا گیا لیکن کوئی نہ لا سکا یہاں تک کہ مولف براہین قاطعہ بھی اس مقام پر ظاہری جوش وخروش دکھا کر حرف مدعا میں خاموش ہو گئے اور اپنی نئی پرانی کسی کتاب سے حسب شرائط مطلوبہ کوئی سند نہ لا سکے' اور لائیں بھی تو کہاں سے کہ سب کے سب فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ .(۱) سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس سے لگا ہوا پھر اس سے لگا ہوا۔

(۱) التلخيص الحبير في تخريج احاديث الرافعي الكبير:۶/۴۲حدیث:۲۶۶۴

اس مفہوم کی دوسری حدیثیں یوں ہیں

- خير كم قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(بخاری:۹/۱۳۲حدیث:۲۴۵۷' مسند احمد:۸/۴۹۴حدیث:۳۹۵۹' سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۲۴۷' سنن کبریٰ نسائی:۳/۱۳۵حدیث:۴۷۵۱' معجم کبیر طبرانی:۱۳/۱۴۸حدیث:۱۴۹۸۵' دلائل النبوۃ بیہقی:۸/۳۵حدیث:۲۹۳۹' مستخرج ابوعوانہ:۱۲/۴۸۹حدیث:۵۱۸۰' مشکل الآثار:۵/۴۴۳حدیث:۲۰۵۲' مسند ابن راہویہ:۱/۲۵' مسند شاشی:۲/۳۲۳حدیث:۲۶۷' مسند ابن الجعد:۳/۱۹۱حدیث:۱۰۵۳' المقاصد الحسنۃ:۱/۱۳' کنز العمال:۱۱/۵۲۷حدیث:۳۲۴۵۷' مسند جامع:۳۳/۲۶۹حدیث:۱۰۹۰۵' تحفۃ الاشراف:۱۰/۳۰حدیث:۱۰۸۲۷)
- خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔(بخاری:۹/۱۳۲حدیث:۲۴۵۸' صحیح مسلم:۱۲/۳۵۸حدیث:۴۶۰۱' سنن ترمذی:۸/۱۶۰حدیث:۲۱۴۷' مشکوٰۃ المصابیح:۲/۳۵۷حدیث:۳۷۶۷' مسند احمد:۷/۴۴۸حدیث:۳۴۱۳' سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۱۲۲' بغیۃ الحارث:۱/۳۱۰حدیث:۱۰۴۰' سنن کبریٰ نسائی:۳/۴۹۴حدیث:۶۰۳۰' مستدرک:۱۱/۱۹۸حدیث:۴۸۵۹' معجم کبیر طبرانی:۲/۴۱۳حدیث:۲۱۴۳' صحیح ابن حبان:۲۷/۴۹۵حدیث:۶۸۵۱' مسند عبد بن حمید:۱/۴۳۷حدیث:۳۸۶' معرفۃ الصحابہ:۵/۱۵۷حدیث:۱۵۶۸' مشکل الآثار:۵/۴۴۵حدیث:۲۰۵۴' موارد الظمآن:۱/۵۶۹' مسند بزار:۵/۱۸۵حدیث:۱۵۷۷' اخلاق وآداب السامع:۴/۸۰حدیث:۱۳۷۳' الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی:۱/۱۱۴حدیث:۹۹' مسند شاشی:۲/۳۲۴حدیث:۲۲۷' المطالب العالیہ:۱۲/۴۲حدیث:۴۲۶۰' تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ ابونعیم اصبہانی:۱/۶حدیث:۴' مسند الحارث:۴/۱۳۸حدیث:۱۰۲۳' معجم ابن الاعرابی:۱/۱۳۵حدیث:۱۳۴' معجم الصحابہ:۱/۴۱۸حدیث:۲۴۹' معرفۃ علوم الحدیث:۱/۸۱حدیث:۶۷' مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳' المقاصد الحسنۃ:۱/۱۱۳' نظم المتناثر:۱/۱۹۹حدیث:۲۴۰' کنز العمال:۱۱/۵۲۶حدیث:۳۲۴۴۹' مسند جامع:۱۰/۱۴۰حدیث:۳۱۹۰' تحفۃ الاشراف:۹/۸۷حدیث:۹۴۰۳)
- خير الناس قرني الذى أنا فيه ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(مسند احمد:۳۷/۳۸۲حدیث:۱۷۷۰۱' مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳' کنز العمال:۱۱/۵۲۶حدیث:۳۲۴۵۲)
- خير أمتي القرن الذى أنا فيه ثم الذين يلونهم۔(تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ ابونعیم اصبہانی:۱/۳حدیث:۱)
- خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(بخاری:۱۱/۴۸۱حدیث:۳۳۷۷' مسند ابویعلی موصلی:۱۵/۲۲۷حدیث:۲۵۴۷' مسند طیالسی:۱/۳۰۸حدیث:۲۹۳' اخبار اصبہان:۵/۳۸حدیث:۱۲۷۹' الامثال رامہرمزی:۱/۶۷حدیث:۳۷' الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی:۱/۱۱۲حدیث:۹۷' مسند ابن الجعد:۳/۱۹۲حدیث:۱۰۵۵' مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳' کنز العمال:۱۱/۵۳۵حدیث:۳۲۴۹۹' مشکوٰۃ المصابیح:۳/۳۰۸حدیث:۶۰۰۱) >>

اس استدلال کا حال یہ ہے۔

اولا: اس حدیث کے راوی حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ عنہ شک بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرن بیان فرمائے ہیں یا تین۔ صحیح مسلم میں ہے

قَالَ عِمْرَانُ فَلاَ أَدْرِي أَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً .(۱)

حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صدی کے بعد دو یا تین صدیوں کا ذکر فرمایا۔

بخاری شریف میں بھی یوں ہی ہے

مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے بھی اس حدیث کی روایت آئی ہے اور اس میں بھی شک ہے

قَالَ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ فَلاَ أَدْرِيْ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ (۲)

وہ جو ''پھر اس کے بعد والے'' کا ذکر آیا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ تیسری صدی تک کہا یا چوتھی صدی تک۔ پھر فرمایا کہ کچھ ایسے لوگ ہوں گے

بقیہ: صفحہ نمبر 52

- خير أمتي القرن الذين يلوني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(صحیح مسلم:۱۲/۳۵۶ حدیث:۴۵۹۹ مسند ابویعلی موصلی:۱۰/۳۶۱ حدیث:۴۹۷۵ صحیح ابن حبان:۲۹/۴۷۶ حدیث:۶۳۴۷ معجم ابن الاعرابی:۵/۴۳ حدیث:۲۰۳۵ مسند جامع:۲۸/۳۲۷ حدیث:۹۳۹۰)
- خير أمتي القرن الذى بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(صحیح مسلم:۱۲/۳۵۹ حدیث:۴۶۰۲ سنن ابوداؤد:۱۲/۲۶۲ حدیث:۴۰۳۸ سنن ترمذی:۸/۱۶۱ حدیث:۲۱۴۸ مسند احمد:۱۴/۳۶۷ حدیث:۶۸۲۶ مصنف عبد الرزاق:۱۱/۸۷ حدیث:۱۹۹۹۶ معجم کبیر طبرانی:۱۳/۱۷ حدیث:۱۴۹۳۱ معرفۃ الصحابہ:۱/۴۲ حدیث:۳۱ مسند طیالسی:۲/۴۳۳ حدیث:۸۸۲ مشکل الآثار:۵/۴۴۴ حدیث:۲۰۵۳ امالی بن بشران:۱/۳۵۶ حدیث:۳۳۷ مسند بزار:۸/۴۴۸ حدیث:۳۰۴۵ تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ ابونعیم اصبہانی:۱/۴ حدیث:۲ مسند ابن ابی شیبہ:۱/۲۲۴ حدیث:۲۱۴ معرفۃ علوم الحدیث:۱/۸۷ حدیث:۲۷ مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳ نظم المتناثر:۱/۱۹۹ حدیث:۲۴۰ کنز العمال:۱۱/۵۳۴ حدیث:۳۲۴۹۴ مسند جامع:۶/۵۰۰ حدیث:۱۹۱۳ تحفۃ الاشراف:۱۰/۲۹ حدیث:۱۰۸۲۴)
- إن خيركم قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔(صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰ حدیث:۴۶۰۳)
- خير هذه الأمة القرن الذى بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(مسند احمد:۳۷/۳۰۷ حدیث:۱۷۶۲۶ معجم کبیر:۱۳/۱۱۸ حدیث:۱۴۹۳۲ مسند رویانی:۱/۶۳ حدیث:۵۵)
- خير هذه الأمة قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ۔(معجم کبیر طبرانی:۹/۷ حدیث:۱۰۱۸۳ مشکل الآثار:۵/۴۴۸ حدیث:۲۰۵۷ مسند شاشی:۲/۳۲۶ حدیث:۷۲۹)

(۱) صحیح بخاری:۹/۱۳۲ حدیث:۲۴۵۷-۱۱/۴۸۱ حدیث:۳۳۷۷ صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰ حدیث:۴۶۰۳ سنن بیہقی:۱۰/۱۲۳ سنن نسائی:۳/۱۳۵ حدیث:۴۷۵۱ مستخرج ابی عوانہ:۱۲/۴۸۹ حدیث:۵۱۸۰ مسند شاشی:۲/۳۲۷ حدیث:۷۳۰ مسند ابن جعد:۳/۱۹۱ حدیث:۱۰۵۳ مسند جامع:۳۳/۲۶۹ حدیث:۱۰۹۰۵

(۲) مسلم شریف:۱۲/۳۵۸ حدیث:۴۶۰۱

اس سلسلہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی شک ہے۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلاَ أَدْرِي مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاثاً . مجھے نہیں معلوم کہ حضور نے ایسا دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر محدثین بھی شک بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرون بیان فرمائے یا تین۔ جب اپنے بعد تین قرن بیان فرمانے کا شک ہے تو چار قرن کا احتمال بھی صحیح روایتوں سے پیدا ہو گیا (تو چاہیے تو یہ تھا کہ) چار قرن تک کی بات اس فریق کے نزدیک سنت ہو پھر قرون اربعہ کے بعد جو پیدا ہو وہ بدعت ضلالت وسیئہ ہو۔ لہٰذا قرونِ ثلاثہ کا قاعدہ صحیح روایتوں کی روشنی میں مشکوک ٹھہرا۔

ثانیا: یہ کہ اس حدیث میں لفظ قرن واقع ہوا ہے اور یہ کئی معنوں میں مشترک ہے۔ قرن، سید القوم کو بھی کہتے ہیں (کذا فی القاموس)

بعضوں نے کہا کہ قرن مطلق زمانہ کو کہتے ہیں۔

بعض نے کہا مقید زمانہ کو کہتے ہیں۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے دس برس یا چالیس برس یا ستر برس یا سو برس یا ایک سو بیس برس۔ شرح مسلم میں ہے

قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرِه : الْقَرْنُ عَشْر سِنِينَ ، وَ قَتَادَةُ سَبْعُونَ ، وَ النَّخَعِيُّ أَرْبَعُونَ ، وَ زُرَارَةُ بْنُ أَبِي أَوْفىٰ مِائَة وَ عِشْرُونَ ، وَ عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ عُمَيْرِ مِائَة ، وَ قَالَ ابْنُ الأَعْرَابِيُّ : هُوَ الْوَقْتُ . انتهىٰ.(١)

حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ صدی بیس سال کی ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ستر سال کی۔ نخعی نے چالیس سال فرمایا ہے۔ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک صدی کے ایک سو بیس سال شمار کیے ہیں۔ عبد الملک بن عمیر نے سو سال۔ اور ابن الاعرابی نے وقت ہی کو صدی قرار دیا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے اہل زمانہ مراد ہیں۔ قرن ایک طبقہ کے آدمیوں کو کہتے ہیں

أَنَّ الْقَرْنَ كُلّ أُمَّةٍ هَلَكَتْ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا أَحَدٌ .(٢) یعنی مکمل ایک طبقہ کے لوگ قرن کہلاتے ہیں۔

اس تقریر پر بعضوں نے کہا کہ حدیث میں "قرني" سے اصحاب "الذين يلونهم" سے ان کی اولاد اور دوسرے "الذين يلونهم" سے اولاد کی اولاد مراد ہیں۔

بعض نے کہا کہ اول وہ جنھوں نے آپ کا جمال باکمال دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا۔

بعض نے کہا کہ اس لفظ سے اول صحابہ مراد ہیں، دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ یہ سب اقوال شرح مسلم میں موجود ہیں، تو لفظ قرن معانی کثیرہ میں مشترک ٹھہرا، اور لفظ مشترک قطعیت اور یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اور اس کا حکم توقف ہے جیسا کہ علم اصول میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔

ثالثا: یہ کہ لفظ مشترک میں غور و خوض کر کے متعدد معنوں میں سے کسی ایک معنی کو جب دلائل و قرائن کے ذریعہ ترجیح دے

(١) شرح نووی علی مسلم: ۳۱۴/۸

(٢) شرح نووی علی مسلم: ۳۱۴/۸

کر عمل کے لیے لے لیا کرتے ہیں تو اس کا حال بھی مختلف ہوتا ہے کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے کوئی کسی کو۔ مولوی عبد الجبار اور امداد علی صاحب اپنے رسائل میں عینی شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں

هذا إنما كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم و الخلفاء الراشدين إلى انقضاء القرون الثلاثة وهي تسعون سنة و أما بعد فقد تغيرت الأحوال و كثرت البدع .إلى آخره.

قرون ثلاثہ یعنی نوے ہجری ختم ہونے تک، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں ایسا ہی تھا، پھر اس کے بعد حالات بدل گئے اور بدعتوں کی بہتات ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سن نوے ہجری پر قرون ثلاثہ کی نوبت تمام ہو چکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''ازالۃ الخفاء'' مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷۵ میں لکھتے ہیں

و أما ما يستدل به على خلافتهم من حديث القرون الثلاثة فقد أخرج أحمد عن إبراهيم عن عبيدة عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يأتي بعد ذالک قوم تستبق شهادتهم ايمانهم و ايمانهم شهادتهم . وبنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آن ست قرن اول از زمان ہجرت آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم تا زمان وفات وے صلی اللہ علیہ وسلم و قرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق رضی اللہ عنہما و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است۔ انتہی ۱۲۔

یعنی خلافت راشدہ کے سلسلے میں حدیث خیر القرون سے جو استدلال کیا گیا ہے تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ امام احمد نے ابراہیم، عبیدہ اور عبد اللہ کے حوالے سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر زمانہ تو میرا زمانہ ہے، پھر اس سے ملا ہوا پھر اس سے ملا ہوا، اور اس کے بعد پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان کی شہادتیں ان کی قسموں پر اور ان کی قسمیں ان کی شہادتوں پر بازیاں لے جائیں گی۔ اس استدلال کی بنیاد صحیح توجیہ پر ہے کہ اکثر حدیثیں اس پر روشنی ڈالتی ہیں کہ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر وصالِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ قرن اول، خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات تک کا زمانہ قرن ثانی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ قرن ثالث کہلاتا ہے اور ہر زمانہ قریباً بارہ سال کی مدت پر محیط رہا ہے۔

مجمع البحار کی جلد سوم صفحہ ۵۴۶ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے متعلق لکھا ہے

وَ قُتِلَ لِثَانِي عَشَرَ مِنْ ذِی الْحِجَّة لِسَنَةِ خَمْسٍ وَّ ثَلاثِيْنَ .

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ (654ء) میں شہید کیے گئے۔

لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر کے مطابق ۳۵ ہجری میں قرون ثلاثہ کا خاتمہ ہوگیا۔

جناب مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارن پوری فرماتے تھے کہ خیر القرون کے یہ معنی نہایت موزوں اور

چسپاں ہیں۔اسلام کی شوکت جبھی تک خوب رہی' پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی' اورقرون ثلاثہ کی خیریت کم ہوگئی۔
تکملہ مجمع البحار کے صفحہ ۱۴۴ میں ہے

و قد ظهر أن مدة ما بين البعثة إلى آخر من مات من الصحابة مائة و عشرون سنة بالتقريب و إن اعتبرت وفاته كان مائة و اما قرن التابعين فإن اعتبر من سنة مائة كان نحو سبعين و اما من بعدهم فان اعتبر من سنة مائة كان نحو خمسين فظهر أن عدة القرن يختلف باعتبار أعمار أهل كل زمان و اتفق أن آخر أتباع التابعين من عاش إلى عشرين و مائتين .الىٰ آخره.

یہ بدیہی بات ہے کہ بعثت رسول سے لے کر آخری صحابہ کی وفات تک کا زمانہ قریبا ۱۲۰سال پر محیط ہے۔ اوراگر وفات کا اعتبار کرلیا جائے تو سوسال مزید۔اورتابعین کے دور کا اگر سن ۱۰۰ سے اعتبار کیا جائے تو قریباستر سال پر محیط ہوگا پھر ان کے بعد اگر سن ۱۰۰ سے مانا جائے تو قریباپچاس سال ہوگالہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیوں کا شمار ہر دور کے لوگوں کی عمروں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔اور یہ متفقہ بات ہے کہ تبع تابعین کا سلسلہ ۲۲۰ میں ختم ہوا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرون ثلاثہ کی مدت ۲۲۰ ہجری کے بعد تمام ہوئی۔

اب دیکھیے کہ قول اول کے مطابق تو یہ چاہیے تھا کہ جن چیزوں کو مجتہدین بدعت حسنہ قرار دے کر بقیاس واجتہاد جائز فرما چکے ہیں وہ بھی سب بدعت ضلالت اور سیئہ ٹھہریں کیونکہ مجتہدین اربعہ کا افتا واجتہاد نوے سال کے بعد شائع ہوا ہے اس سے پہلے نہیں۔ اورقول ثانی کے موافق خود صحابہ کرام کی باتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے بعد بدعت ٹھہرتی ہیں۔اورقول ثالث کے موافق اکثر مذاہب مبتدعین مثلا روافض وخوارج' مرجیہ وقدریہ اور معتزلہ سب سنت میں داخل ہوئے جاتے ہیں کیوں کہ یہ سب مذاہب دوسوبیس (۲۲۰) سال سے پہلے ایجاد ہو چکے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو' سنت ہے تو ان سب مبتدعین کی بدعتیں سنت ہوئیں۔

اعتــراض: بعض لوگ ان اعتراضات سے بچنے کے لیے جو یہ قید لگاتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ میں بلانکیر رائج ہوئی وہ سنت ہے اور جس پر انکار ہوا وہ بدعت۔

جـــواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس فقرہ کی سند بھی ہم قرون ثلاثہ سے طلب کرتے ہیں۔حدیث صحیح یا جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے دلیل لاؤ کہ کس نے یہ فقرہ روایت کیا ہے؟۔

اولاً: تمہارا یہ فقرہ ہی بالکل غیر مستند اور غیر مسلم ہے۔

ثانیاً: اگر تم اس کو مان لوگے تو تمہاری بہت ساری چیزیں جن کو تمہارے پیشوا' مقتدا' واعظین' مدرسین اور محدثین استعمال کرتے چلے آرہے ہیں' بدعت ضلالت اور سیئہ مظلمہ ہو جائیں گی۔

اب لیجیے دو چار باتیں سنتے چلیے۔

شرح بخاری میں ہے کہ جدید اور محدث چیزوں میں سے کتابی شکل میں احادیث کا جمع کرنا' قرآن کی تفسیر کرنا' مسائل فقہ کو جمع کرنا' اور اعمال قلوب سے متعلق چیزوں کو جمع کرنا بھی ہے' تو پہلی بات پر عمر' ابوموسیٰ اور ایک جماعت رضی اللہ عنہم نے انکار کیا مگر

اکثر نے اس کی اجازت دی۔ دوسری بات پر تابعین شعبی وغیرہ کی ایک جماعت نے انکار کیا۔ اور تیسری بات پر امام احمد اور ایک جماعت نے انکار کیا۔ الیٰ آخرہ۔

اب قرآن کریم کی کتابت میں اختلاف دیکھیے۔ احیاء العلوم وغیرہ میں ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین انکار کرتے تھے کہ قرآن شریف میں تخمیس وتعشیر لکھے جائیں۔ اور شعبی و ابراہیم زبر زیر لکھنے کو مکروہ جانتے تھے' اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ زبر زیر لکھنے کو ہمارے جملہ ائمہ متقدمین مکروہ جانتے تھے۔

شرح بخاری میں سند صحیح کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود انکار فرماتے تھے کہ **قل أعوذ برب الفلق** اور **قل أعوذ برب الناس** قرآن میں لکھی جائیں' اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ جہاں لکھی دیکھتے تھے' ان دونوں سورتوں کو چھیل دیتے تھے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ حضرت امام اعظم' ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین قرآن' حدیث اور فقہ کی پڑھائی کو درست نہیں جانتے تھے' یوں ہی اجرت پر وعظ اور اذان وامامت بھی۔

جس وقت مدرسہ (با قاعدہ) معین ہوا تو اس پر علماء نے انکار کیا۔ ''کشف الظنون'' میں ہے کہ جب علمائے ماوراء النہر کو خبر پہنچی کہ بغداد میں مدرسے قائم ہو گئے ہیں تو وہ بہت غمگین ہوئے کہ اب تک ابرار طالب آخرت (متقی و پرہیز گار لوگ) خالصاً للہ پڑھتے پڑھاتے تھے' نتیجتاً ان میں کچھ کاملین نکل آتے تھے' اب جب کہ اُجرت متعین ہو گئی تو علماء دنیا کے طلب گار ہو بیٹھے۔

مواہب وغیرہ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا

الأذان الأول يوم الجمعة بدعة. بروز جمعہ پہلی اذان بدعت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف وہی ایک اذان تھی جو خطبہ سے پہلے کہی جاتی تھی اب جو اس کے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ ہو گیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو بدعت فرمایا۔

تفسیر عزیزی پارۂ الم میں ہے کہ ابراہیم نخعی' اعمش' ابو موسیٰ اشعری' حسن بصری' سعید بن میسب' عبداللہ بن عمر' امیر المومنین عمر فاروق' اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی بیع کو برا جانتے تھے اور اس پر نکیر فرماتے تھے۔

الحاصل' صحابہ وتابعین کے اختلاف اور نکیر کو کہاں تک شمار کیا جائے۔ اگر یاروں کا گڑھا ہوا یہ قاعدہ صحیح مان لیا جائے تو تمام روئے زمین پر کوئی آدمی سنی نہ نکلے گا کسی نہ کسی بدعت میں ضرور گرفتار ہو گا کیوں کہ ایسی باتیں بہت کم ہیں جن پر کسی کا انکار نہ ہوا ہو' اور چند باتیں جو ہم نے اوپر لکھی ہیں وہ محض ایک جھلک ہیں۔ لباس وطعام' نکاح ومعاملات اور مسجد وفرش کی تعمیر سے متعلق بہت ساری چیزیں ہیں جن پر انکار ہوا ہے مگر منکریں اب انھیں بلا انکار استعمال کیے جا رہے ہیں۔

یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ منکرین اس بات کو مان چکے ہیں کہ ایک آدمی کا انکار بھی معتبر ہے اور اجماع کو توڑ دیتا ہے۔ پھر منکرین میلاد اپنی عبادات ومعاملات میں سوائے متفق علیہ فرائض کے دکھادیں کہ ان کی کون کون سی بات ایسی اجماعی ہے کہ جس میں کسی ایک کا بھی قرون ثلاثہ میں اختلاف وانکار نہ ہوا ہو۔ لہٰذا واضح ہونا چاہیے کہ اس فقرہ اور اس قاعدہ کے ماننے میں تمام اہل اسلام کے عقائد واعمال درہم برہم ہوئے جاتے ہیں۔

رابعا

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے یہ قاعدہ سمجھ جاتے تو تینتین صدیوں تک کسی چیز کی ایجاد پر ہرگز انکار نہ فرماتے۔ حالانکہ صحابہ نے اپنے زمانہ میں بہت ساری ایجادات پر انکار فرمایا ہے۔ اس حدیث خیر القرون کے راوی عبد اللہ بن مسعود بھی ہیں (جیسا کہ صحیحین میں ہے) تو اب دیکھیے کہ انھوں نے جہر کے ساتھ ذکر اللہ کرنے والی ایک جماعت کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا ہے۔ کتب فقہ وحدیث میں یہ روایت موجود ہے حالانکہ وہ لوگ ان کے ہم عصر تھے یا صحابہ تھے یا تابعین' اس حدیث کے موافق ان کا یہ فعل اگر سنت ہوتا تو اس حدیث کے راوی عبداللہ صحابی ان کو کیوں منع فرماتے۔

خامسا

صحابہ اور تابعین اس حدیث کے یہ معنی کس طرح سمجھتے' وہ تو کلام کا مغز سمجھنے والے تھے' استدلال کا کوئی قاعدہ اس حدیث شریف سے نہیں بن پڑتا اس لیے کہ مراد شارع سمجھنے کے لیے قواعد یہ ٹھہرے ہیں کہ مدعا یا عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے ثابت ہوگا اور عبارۃ النص کے اندر یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ مدعا کے الفاظ ظاہر ہوں اور کلام اسی مدعا کے لیے واقع ہوا ہو۔

منار میں ہے

و أما الاستدلال بعبارة النص فهو العمل بظاهر ما سيق الكلام له .(۱)

عبارت النص سے استدلال کے لیے کلام و مدعا' ظاہر ہونے چاہئیں۔ یہاں ظاہر ہے کہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے

سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي .(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں کون سے آدمی اچھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میری صدی کے۔

یہاں لوگوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کس کی ایجاد بدعت ہوگی اور کس کی سنت۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اس قاعدہ کو یہاں بیان فرمایا۔ کم سے کم پڑھا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ احکام ومعانی' الفاظ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث میں بدعت' سنت اور احداث کے الفاظ کہاں ہیں۔ لہٰذا یہ استدلال' عبارۃ النص سے نہ ہوا۔ اور اقتضاء النص سے بھی نہیں کیوں کہ اقتضا کی تعریف تلویح کے صفحہ ۱۳۵ پر یہ ہے

دلالة اللفظ على معنى خارج يتوقف عليه صدقُه أو صحتُه. إلى آخره.(۳)

لفظ کی دلالت ایک ایسے معنی خارجی پر ہو رہی ہو جس پر اس کا صدق اور اس کی صحت موقوف ہو۔

تو قرون ثلاثہ کی ''خیریت'' کے صدق وصحت کے لیے یہ بات کب لازم ہے کہ اگر ان کی ایجاد سنت ہو جائے تو ان کی 'خیریت' بھی ثابت ہو جائے' اور نہیں تو نہیں۔ لہٰذا یہ اقتضاء النص بھی نہ ہوا۔

---

(۱) منار: ۱۵۰' کشف الاسرار: ۱/۱۸۱۔ الاستدلال بعبارۃ النص

(۲) صحیح بخاری: ۲۰/۳۴۵ حدیث: ۶۱۶۶' صحیح مسلم: ۱۲/۳۵۷ حدیث: ۴۶۰۰' سنن بیہقی: ۱۰/۴۵' معجم طبرانی: ۸/۹ حدیث: ۱۰۱۸۴' مسند ابو یعلی موصلی: ۱۰/۴۰۱ حدیث: ۵۰۱۵' صحیح ابن حبان: ۱۸/۱۵۷ حدیث: ۴۴۰۵' معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۱/۴۱ حدیث: ۳۰

(۳) تلویح علی التوضیح: ۲/۳۵۔ التقسیم الرابع فی کیفیۃ دلالۃ

اب رہی بات دلالۃ النص اور اشارۃ النص کی، تو اگر ''خیر القرون'' کے لفظ ''خیر'' سے یہ بات ثابت کرنا چاہیں تو یہ قاعدۂ شرعی پیش کریں کہ اچھا (اگر کوئی) آدمی اصول شرع کے مطابق یا غیر موافق جو کچھ ایجاد واحداث کر دیا کرے تو کیا وہ سب کچھ خیر ہوتا ہے؟ حالانکہ یہ بالاتفاق غیر مسلم ہے۔ عنقریب قرون ثلاثہ کے چند ایسے واقعے قول پنجم (بدعت) میں ہم بیان کریں گے کہ وہ کسی کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ مراد شارع جاننے کے وہ چاروں طریقے یہاں نہیں چل پائیں گے اور جہاں پر ان چار طریقوں سے سوا استدلال کیا جائے تو اس کی بابت ''نور الانوار'' میں لکھا ہے

فهو من الاستدلالات الفاسدة .

ایسے سارے استدلال فاسد اور باطل قرار پائیں گے۔

اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ اگر لفظ خیر سے ان کا استدلال ہے کہ جب وہ لوگ خیر ہیں تو ان کی ایجاد بھی خیر ہی ہوگی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ لفظ ''خیر'' تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ مثلاً عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا أَسْلَمْنَا وَ جَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَ لَمْ يَرَوْنِيْ . (۱)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بھلا کوئی ہم سے بھی اچھا ہوسکتا ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کیے۔ آپ نے جواب دیا: ہاں، تمہارے بعد تم سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لے آئیں گے۔

مشکوۃ کے اندر موجود اس حدیث کو احمد اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

اب دیکھیے کہ اس میں خیر القرون کی طرح لفظ ''خیر'' موجود ہے تو چاہیے کہ بعد کے آدمیوں کا نکالا ہوا فعل بھی سنت ہو اور بدعت میں داخل نہ ہو۔

ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

طُوْبٰى لِمَنْ رَآنِيْ وَ طُوْبٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ لِّمَنْ لَمْ يَرَنِيْ وَ آمَنَ بِيْ . (۲)

خوش حالی ہو اسے جسے میری زیارت نصیب ہوئی اور ان لوگوں کو سات بار خوشحالی نصیب ہو جنھوں نے مجھے دیکھا تو نہیں مگر مجھ پر ایمان لائے۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح:۳/۳۷۲ حدیث:۶۲۹۱، مسند احمد:۳۴/۳۳۷ حدیث:۱۶۳۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۴/۳۳۶ حدیث:۱۶۳۶۲، مستدرک حاکم:۱۶/۳۱۳ حدیث:۷۰۹۳، معجم طبرانی:۴/۱۲ حدیث:۳۴۵۷، سنن دارمی:۸/۴۲۱ حدیث:۲۸۰۰، مسند ابی یعلی موصلی:۴/۱۰۵ حدیث:۱۵۲۶، مسند حمیدی:۴/۱۰۵ حدیث:۱۵۲۶، مشکل الاثار طحاوی:۵/۴۴۰، معجم الصحابہ:۲/۳۸ حدیث:۳۲۰، معرفۃ الصحابہ:۱۹/۴۹۷ حدیث:۶۱۲۸، کنز العمال:۱۴/۴۶ حدیث:۳۷۸۹۵، المسند الجامع:۱۱/۷۷ حدیث:۳۲۴۸، روضۃ المحدثین:۳/۴۶۳ حدیث:۱۲۳۸

(۲) مشکوۃ المصابیح:۳/۳۷۲ حدیث:۶۲۸۱، مسند احمد:۴۵/۱۸۲ حدیث:۲۱۱۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ:۴۵/۱۸۲ حدیث:۲۱۱۸۷، معجم طبرانی:۷/۲۹۸ حدیث:۷۹۳۴، مسند ابی یعلی موصلی:۷/۴۱۱ حدیث:۳۲۹۷، مسند حمیدی:۷/۴۱۱ حدیث:۳۲۹۷، مسند عبد بن حمید:۲/۳۸۸ حدیث:۱۷۷، مسند طیالسی:۳/۳۱۵ حدیث:۱۲۱۵، الاحادیث المرفوعہ من التاریخ الکبیر بخاری:۱/۲۶۳ حدیث:۳۶۲، کنز العمال:۱/۶۷ حدیث:۲۴۷

یہ حدیث بھی مشکوٰۃ کے اندر موجود ہے۔

حدیث میں آیا ہے

مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لاَ يُدْرَىٰ أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ . (١) — میری امت کی مثال مینہ کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر۔

محدثین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ میری پوری کی پوری امت خیر ہے جیسے مینہ اول سے آخر تک اچھا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان احادیث کے سبب چاہیے کہ آخر امت کی ایجاد بھی سنت ہو جس طرح خیر القرون کی ایجاد کو سنت کہتے ہو۔ اور اگر افضلیت سے خیریت جزئی نہیں بلکہ خیریت کلی مراد لو گے تو صحابہ کی خیریت کلی صرف تابعین اور تبع تابعین ہی پر ہونی چاہیے کہ بعد کی دو مفضول صدی کی ایجاد بھی جائز نہ ہو۔ اور اگر عام مراد لیتے ہو کہ خیریت خواہ کلی ہو خواہ جزئی تو خیریت جزئی میں وہ سب افراد شامل ہیں جن کی نسبت احادیث میں لفظ خیر وارد ہوا ہے تو چاہیے کہ ان کی ایجاد بھی درست ہو۔

واضح ہو کہ یہاں تک کلام ان کے جملہ اولیٰ کہ (جو امر قرون ثلاثہ میں ہوگا وہ سنت ہے) پر تھا۔ اب ہم ان کے دوسرے جملہ پر کلام شروع کرتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوگی وہ سب بدعت اور ضلالت ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ہی بے اصل ہے۔

اوّلاً: اس لیے کہ یہ حدیث، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابواب شہادت میں عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں

خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْماً يَخُونُونَ وَ لاَ يُؤْتَمَنُونَ وَ يَشْهَدُونَ وَ لاَ يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يُنْذِرُوْنَ وَ لاَ يَفُونَ وَ يَظْهَرُ فِيهِم السِّمَنُ . (٢)

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود سے ہے جس میں ثم الذین یلونھم کے بعد یہ ہے

ثُمَّ يَجِيْءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ . (٣)

یہ دونوں روایتیں بخاری کے باب فضائل اصحاب میں بھی ہیں

صحیح مسلم میں ثم الذین یلونھم کے بعد ہے

ثُمَّ يَجِيْءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ . (٤)

---

(١) سنن ترمذی: ١٠/٩٦ حدیث: ٢٧٩٥، سنن نسائی: ١٠/٩٦ حدیث: ٢٧٩٥، مسند احمد: ٢٤/٤٢٤ حدیث: ١١٨٧٨، مصنف ابن ابی شیبہ: ٢٤/٤٢٤ حدیث: ١١٨٧٨، معجم طبرانی: ٩/٢٥٩ حدیث: ٤٢٠٦، مسند ابو یعلی موصلی: ٨/٢٤٣ حدیث: ٣٦١٧، مسند حمیدی: ٨/٢٤٣ حدیث: ٣٦١٧، صحیح ابن حبان: ٢٩/٤٨٢ حدیث: ٣٤٩٧، مسند شہاب قضاعی: ٥/٣٧ حدیث: ١٢٤٥، مسند طیالسی: ٢/٢١٦ حدیث: ٦٧٥، مشکوٰۃ المصابیح: ٣/٣٧١ حدیث: ٦٢٧٧، مجمع الزوائد: ٤/٣٥٦، المقاصد الحسنہ: ١/١٩٩، الدرر المنتثرہ من الاحادیث المشتہرہ: ١/١٧، کشف الخفا: ٢/١٩٧ حدیث: ٢٢٦٦، کنز العمال: ١٢/١٦٢ حدیث: ٣٤٤٨٥، المسند الجامع: ٥/٧٠ حدیث: ١٥٤١، تحفۃ الاشراف: ٣/١٠٤ حدیث: ٣٩١

(٢) صحیح بخاری: ٩/١٣٢ حدیث: ٢٤٥٧، صحیح مسلم: ١٢/٣٦٠ حدیث: ٤٦٠٣

(٣) صحیح بخاری: ٩/١٣٣ حدیث: ٢٤٥٨، صحیح مسلم: ١٢/٣٥٧ حدیث: ٤٦٠٠

(٤) صحیح مسلم: ١٢/٣٥٧ حدیث: ٤٦٠٠

اس کی دوسری روایت یہ ہے

ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ. (۱)

اس کی تیسری روایت میں ہے

ثُمَّ يَخْلِفُ قَوْمٌ يُحِبُّونَ السَّمَانَةَ يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَشْهَدُوا .

چوتھی روایت میں ہے

ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَ لا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يُنْذِرُوْنَ وَ لَا يَفُونَ وَ يَظْهَرُ فِيهِم السِّمَنُ .(۲)

نسائی کے باب الوفاء بالنذر میں بھی اسی طرح ہے۔اور ابوداؤد کے باب فضائل میں ہے

ثُمَّ يَظْهَرُ قَوْمٌ. الى آخره . وَ يَفْشُو فِيهِمُ السِّمَن . (۳)

ترمذی کے باب فضائل میں یہ الفاظ ہیں

ثُمَّ يَأْتِي قَوْمٌ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ تَسْبِقُ أَيْمَانُهُم شَهَادَاتِهِمْ أَوْ شَهَادَاتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ. (۴)

ابن ماجہ کے ابواب شہادت میں ہے

ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَبْدُرُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ . (۵)

اس کی دوسری روایت یہ ہے

ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَ مَا يُسْتَشْهَدُ وَ يَحْلِفُ وَ مَا يُسْتَحْلَفُ. (۶)

یہ حدیث کی چھ مشہور و معروف کتابوں ''صحاح ستہ'' کی روایتیں ہیں۔جن کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ان قرون خیر کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ گواہی دینے پر بڑے حریص ہوں گے اور انھیں کوئی پروانہ ہوگی کبھی قسم سے پہلے گواہی اور کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے' اپنا بدن موٹا کرنا پسند کریں گے' خیانت کریں گے' کوئی انھیں امانت دار نہ جانے گا' وعدے کر کے پورے نہیں کریں گے اور ان کا جھوٹ ظاہر و باہر ہوگا' بلا گواہی طلب کیے وہ گواہی دیں گے اور قسم کھانے کا مطالبہ کیے بغیر قسمیں کھائیں گے۔

دیکھیے' ان روایتوں میں کہیں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں۔ یہ بات آخر کس طرح سمجھ میں آئی ؟ ان لوگوں کا قاعدہ ایسا جامع و مانع کلیہ ہے کہ جس کے سبب اہل اسلام میں پھوٹ' خانہ جنگی' تفسیق و تضلیل' سب و شتم' غیبت و کینہ اور فساد باہم ڈال رکھا ہے' پھر اس حدیث میں کسی راوی نے لفظ بدعت و احداث روایت نہیں کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ دانائے لغت اور حکم شریعت (کھول کر) بیان کرنے والے تھے' جو بدعتوں سے بچنے کے لیے جابجا لفظ کل بدعۃ' وکل محدثۃ' ومن أحدث فی أمرنا اور من ابتدع بدعۃ ضلالۃ وغیرہ الفاظ ظاہرہ منصوصہ فرماتے تھے' اس حدیث میں انھوں نے لفظ صریح منصوص نہ فرمایا۔ اگر یہ قاعدہ ایسا زبردست امتیاز دینے والا' سنت و بدعت کے درمیان خط فاصل کھینچنے والا اور حقیقت سنت و بدعت کی تعریف و تشریح کرنے والا ہوتا تو ضرور

(۱) صحیح مسلم:۱۲/۳۵۸ حدیث:۴۶۰۱ (۲) صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰ حدیث:۴۶۰۳

(۳) سنن نسائی:۱۲/۱۳۲ حدیث:۳۷۴۹ (۴) سنن ترمذی:۱۲/۳۵۷ حدیث:۳۷۹۴

(۵) سنن ابن ماجہ:۷/۱۷۵ حدیث:۲۳۵۳ (۶) سنن ترمذی:۸/۲۷۰ حدیث:۲۲۲۵

بالضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا راویانِ حدیث صحابہ میں سے کوئی تو احداث و بدعت کا نام صراحۃً بیان فرمادیتا، تعجب ہے کہ یہاں تو اس کا نام بھی نہیں اور ان حضرات نے دھوم مچا کے رکھ دی۔

ثانیاً: اگر لفظ کذب سے استدلال کریں جو گرچہ صرف ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ صحیحین وغیرہ کی بہت ساری ایسی روایتیں ہیں جن میں لفظ کذب نہیں آیا (جیسا کہ اوپر روایتیں گزریں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محاورہ داں جانتا ہے کہ کذب کے معنی جھوٹ ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات۔ پھر کہاں جھوٹ بولنا اور کہاں نئی بات۔

تعجب کی بات ہے مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں

بدعتی، بدعت کو ثواب کا باعث جانتے ہیں تو یہ کذب ہوا۔ الخ۔

دیکھیے یہ کیسی بڑی جرأت ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولوی اسحٰق صاحب تک فقہا و محدثین تو بدعت حسنہ کو مسلم رکھتے آئے (جسے عنقریب بیان کیا جائے گا) پھر یہ سب لوگ معاذ اللہ اس قول کے موافق جھوٹ کے مرتکب ہو کر ان کے نزدیک کذّاب ٹھہرے کہ انھوں نے بدعت کو حسن اور مستحسن قرار دیا، کسی نے فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ . (۱) کیسی عمدہ ترین بدعت ہے یہ۔

کسی نے فرمایا

بدعة حسنة . (۲)

کسی نے فرمایا

من البدعة ما يكون واجبا و منها ما يكون مستحبا و مستحسنا . بدعتوں میں کچھ بدعتیں ایسی ہیں جو کبھی واجب اور کبھی مستحب و مستحسن ہوتی ہیں۔

اس مقام پر براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۸ کی عبارت یوں ہے۔

بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے، کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے۔

---

(۱) موطا امام مالک: ۱/۳۴۰ حدیث: ۲۳۱، صحیح بخاری: ۷/۱۳۵ حدیث: ۱۸۷۱، معجم طبرانی: ۱۱/۵۴ حدیث: ۱۳۳۸۷، شعب الایمان: ۷/۱۷۲ حدیث: ۳۱۲۲، الصیام فریابی: ۱/۱۵۷ حدیث: ۱۴۸، المدخل: ۱/۱۹۱ حدیث: ۱۹۰، فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۲۷۴ حدیث: ۲۲۴، فوائد محمد بن مخلد: ۱/۶ حدیث: ۵، قیام رمضان مروزی: ۱/۲۰ حدیث: ۱۶، نصب الرایہ: ۳/۲۲۸، تلخیص حبیر: ۲/۱۲۲ حدیث: ۵۵۱، تحفۃ الاشراف: ۹/۴۵۴ حدیث: ۱۰۵۹۴، روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰

نعم البدعة هذه کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۲/۴۹۳۔ مصنف عبدالرزاق: ۴/۲۵۹ حدیث: ۷۷۲۴، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۲۴۷ حدیث: ۱۰۳۶، معرفۃ السنن والآثار: ۴/۲۰۶ حدیث: ۱۴۴۲، کنز العمال: ۸/۴۰۸ حدیث: ۲۳۴۶۶)

(۲) فیض القدیر: ۳/۷۷ حدیث: ۴۳۶۴، جامع العلوم والحکم: ۲۸/۲۸، حاشیہ ردمحتار: ۱/۴۲۰، درمختار: ۵/۳۰۵، درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۱/۲۸۳، البحر الرائق: ۳/۹۳، رد المحتار: ۳/۲۰۲، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل: ۳/۳۱۰، الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید قیروانی: ۲/۲۳۰، حاشیۃ الدسوقی: ۲/۲۲۰، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۱/۴۲۳، اعانۃ الطالبین: ۲/۸۶، حواشی الشروانی: ۴/۱۰۸، حاشیتا قلیوبی وعمیرہ: ۴/۷۹، تحفۃ المحتاج: ۱۵/۲۱۹، نہایۃ المحتاج: ۷/۱۱۴، حاشیۃ الجمل: ۵/۷۵، حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب: ۱/۳۶۳، حاشیۃ البجیرمی علی المنہج: ۴/۱۰۷، کشف الخفاء: ۱/۹۴ حدیث: ۲۵۳، سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲

میں کہتا ہوں کہ اس قول پر بھی وہ اعتراض سابق بحال رہا کہ صحابہ سے لے کر آج تک بدعت حسنہ کو جائز کرنے والے علماء کذب میں داخل رہے، اور ایک دوسرا تیشہ بھی بے خبری سے اپنے پاؤں میں مارلیا یعنی آپ نے عام خاص کا لفظ جما کر یہ چاہا کہ حدیث میں: **یفشوا الکذب** اور **یظهر الکذب** کے معنی یہ ہوجائیں کہ **یظهر البدعة** حالانکہ اس میں تو بالکل اپنے ہاتھ قلم کر چکے، کیونکہ جب کذب کو عام مان لیا تو عام کا وجود خاص کو مستلزم نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ ہر عاقل کے نزدیک مسلم الثبوت ہے تو جھوٹ ظاہر ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ خاص بدعت ہی میں ظاہر ہو، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ افراد خیانت اور دروغ حلفی وغیرہ میں ظاہر ہوجائے۔ اور مولف براہین اس قاعدہ کو جانتا ہے، چنانچہ صفحہ ۵۵ کی بارہویں سطر میں اس کی عبارت یوں ہے۔

عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے مثلاً حیوان بغیر انسان کے۔ اس کو ہر عاقل جانتا ہے۔ الیٰ آخرہ۔

اب آپ دیکھیں کہ حضرت جی کی زبانی خود ثابت ہوگیا یعنی آپ صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں کہ کذب عام ہے اور بدعت خاص۔ اور یہاں یعنی صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں کہ عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے، لہٰذا یہ نتیجہ نکل آیا کہ کذب کا وجود بدعت کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد کذب شائع ہو مگر بدعت نہ ہو۔ تو انہی کی زبانی ان کا مدعا غلط ثابت ہوگیا۔

یہ لوگ اس وقت اپنے مطلب میں کامیاب ہوسکتے تھے جب کہ کذب اور بدعت میں مساوات و ترادف کی نسبت ثابت کرتے تو کذب کا ثبوت بدعت کو مستلزم ہوجاتا۔ و إذ لیس فلیس. (اور جب ایسا نہیں تو حکم بھی ایسا نہ ہوگا)۔

ثالثا: یہ کہ محدثین کے درمیان یہ بات متفقہ ہے کہ بعض حدیثیں بعض کی شرح ہوتی ہیں۔ جس روایت میں لفظ کذب واقع ہوا ہے کہ پھر جھوٹ ظاہر ہوگا تو اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین وغیرہ کی حدیث میں گزری کہ وہ لوگ خیانت و بدعہدی کریں گے، بلا قسم کھلائے قسم کھانے کو تیار ہوں گے اور بلا گواہی طلب کیے گواہی دینے کو تیار ہوں گے۔ اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ دین میں نئی باتیں نکالا کریں گے، تو لازم ہوا کہ جھوٹ سے یہی باتیں مراد لی جائیں نہ کہ بدعت۔

رابعا: یہ کہ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ پر کہ (جو چیز بعد قرون ثلاثہ پیدا ہوگی وہ بدعت ضلالت ہوگی) اِس حدیث کو بطورِ سند پیش کرتے ہیں، تو اس صورت میں مانعین کے دعویٰ کے مطابق حدیث کے اندر لفظ **یظهر** کے معنی ظہورِ وجودی کے ہوں گے یعنی پھر تین صدی کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا تو اس کا منشا یہ ہے کہ اس سے پہلے نہ ہوگا حالاں کہ بدعتوں کا وجود عین انھیں قرون میں ہوا ہے۔ یعنی معتزلہ اور قدریہ و مرجیہ (بدعتی فرقے) قرون ثلاثہ گزرنے کے پہلے ہی پیدا ہوگئے تھے۔ پھر اگر کذب سے بدعت مراد لیں اور **یظهر** اور **یفشو** سے **یوجد**، پھر تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث واقعہ کے مطابق نہیں قرار دی جاسکتی۔

خامسا: یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد اہل اسلام میں جو یونانیوں کا علم فلسفہ رائج ہوا تو اس کو پڑھنے اور اس میں غور و خوض کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے۔ سلف کے عقیدوں کے برخلاف لوگوں میں فلسفیانہ عقائد جڑ پکڑ گئے، معتزلی وغیرہ بدعتیوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی، اور مبتدعین اور اہل سنت کے درمیان اعتقادی مباحثے پھیل گئے۔ بھلا اگر کوئی لفظ حدیث ثم یظهر الکذب سے یہ مراد لے تو بھی صحیح ہوسکتا ہے کیوں کہ فلسفیانہ مسائل جھوٹے ہوتے ہیں، مگر کہاں فلسفیانہ دلائل اور یونانیوں کے مجادلے اور کہاں محفل میلاد شریف اور مردوں کا درود و فاتحہ۔ بھلا فلسفیوں کے مسائل کو ان اعمال سے کیا علاقہ؟ اور

بدعتوں کے وجود کا حصر گرچہ فلسفیانہ عقائد میں نہیں لیکن صدق حدیث کے لیے ان افراد میں وجود کذب پایا جانا بس (کفایت) کرتا ہے۔ یہ کہاں سے لازم آیا کہ حدیث شریف کی تصدیق اسی وقت پوری ہو جب کہ قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہونے والا ہر ہر فرد بدعت اور ضلالت ہو جائے۔

سادساً: یہ لوگ جو مطلب ثابت کرتے ہیں یہ اس وقت ثابت ہوتا جب کہ حدیث کے الفاظ یہ ہوتے: **ثم لا یظهر إلا الكذب**. یعنی قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوگا۔ یا یہ ہوتے کہ: **ثم كل شيء يظهر فيكون كذبا** یعنی جو کچھ بھی ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن حدیث میں ایسے الفاظ تو نہیں، نہ تو کوئی کلمہ مفید حصر ہے اور نہ ہی مفید کلیت۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوگئے: **ثم یظهر الكذب** یعنی پھر جھوٹ کا ظہور ہوگا۔ تو جھوٹ کے ظہور کو سچ ہونے کے لیے بعض افراد محدثات میں کذب کا پایا جانا کافی ہوگا، یہ کیا ضروری ہے کہ پھر جو چیز ظاہر ہو وہ سب جھوٹی ہی ہو۔

لہٰذا حدیث کا اصل مطلب یہ ہوا کہ لوگوں میں سب سے اچھے میری صدی کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے۔ اور پھر ان کے بعد کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگا یعنی جس طرح قرون ثلاثہ میں اچھائی غالب تھی اسی طرح بعد میں چل کر جھوٹ غالب ہوگا۔ لیکن غلبہ خیر کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرون اولیٰ میں جو کچھ ہوگا سب خیر ہی ہوگا اس لیے کہ قدریہ و مرجیہ اور خارجی ورافضی وغیرہ فرقوں کی تمام بدعتیں قرون ثلاثہ ہی میں ظاہر ہوئیں اور خیر القرون میں ہونے کے باوجود کوئی اہل سنت و جماعت ان کو خیر نہیں کہتا۔ پھر اسی طرح اس کے مقابلہ میں قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کا حال بھی سمجھنا چاہیے یعنی بعد میں جھوٹ ظاہر ہونے کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی ہوگا جس طرح ایسا نہ ہوا کہ جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو وہ سب خیر ہو۔

اس تقریر سے یہ بھی صاف ظاہر ہوگیا کہ بعض چیزیں جن کو خدا کے نیک بندے قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد کریں درست اور صحیح ہوں گی، اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ بری اور گمراہی کا سبب ہوں گی، جس طرح عین قرون ثلاثہ کی نکلی ہوئی بعض بدعتیں خراب اور ضلالت ہیں۔ مذہب منصور اور قول جمہور یہی ہے۔

شیوع وظہور کذب میں یہ بھی ضرور نہیں کہ اس کا تحقق، بدعت کے شائع ہونے ہی سے ہو بلکہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ خیانت کار پہلے اگر ایک تھا تو اب لاکھوں ہیں، جھوٹی قسمیں اٹھانے والے قرون اولیٰ میں اگر دو چار ہوں گے تو اس وقت کروڑوں ہیں۔ اسی طرح اور گناہوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہر ہر گناہ اب زوروں پر ہے، اور قرونِ ثلاثہ میں پیدا ہونے والے بدعتی لوگ اب بہت زیادہ بلکہ اضعافاً مضاعفۃ (کئی گنا) ہو کر پھیل گئے ہیں، تو مذکورہ بالا صحیح حدیثوں کے سچ ہونے کے لیے اتنا افشا وظہور کافی ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جب بعد کے صالحین کے تمام نیک کاموں کو کذب میں داخل کر و تب ہی حدیث کا مضمون صحیح ہو (حاشا وکلا) انصاف شرط ہے۔ و اللّٰہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۲ اور ۳۳ میں جو یہ بات لکھی ہے

بدعت کے سلسلہ میں یہ چارہوں اقوال گزشتہ اور قول پنجم (جو آیا چاہتا ہے) پانچوں قول ایک ہیں۔ الی آخرہ۔

یہ ایک عجیب افسانہ ہے۔ ذرا مرد دانا خیال کر کے دیکھیے کہ تیسرے قول کو جو لوگوں نے حضرت مجدد کے قول سے استدلال کیا ہے کہ جو چیز خلفاے راشدین کے وقت میں نہ تھی خدا ہم کو اس بدعت میں گرفتار نہ کرے یہ دوسرے اقوال کے ساتھ کس طرح

جمع ہوسکتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مجدد کے مکتوبات مطبوعہ دہلی جلد ثانی کے صفحہ ۳۸ مکتوب نمبر ۲۳ میں یہ عبارت، اقوال باقیہ کے خلاف ہے

گزشتگان دربدعت حسنیٰ دیده باشند که بعض افراد آں را مستحسن داشته اند اما ایں فقیر دریں مسئله باایشاں موافقت ندارد وهیچ فردبدعت راحسنه نمی داند.

پہلے دور کے لوگوں نے جب بدعت حسنہ کو دیکھا تو بعض افراد نے اس کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن فقیر کا موقف اس سلسلے میں اس کے موافق نہیں اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں سمجھتا۔

دیکھیے کہ وہ خود اپنے منہ سے فرما رہے ہیں کہ جو علماء بدعت حسنہ کو مستحسن کہتے ہیں میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا پھر پانچوں قول آخر کس طرح باہم موافق ہوں گے؟

پھر مکتوب مذکور میں آٹھ سطر کے بعد لکھتے ہیں

ایں جا فتوئ متقدمین و متاخرین متمشی نباید ساخت چه هر وقت راا حکام علاحده است .الیٰ آخره.

اس سلسلہ میں متقدمین ومتاخرین کے فتاوے قابل قبول نہ سمجھے جائیں کیونکہ ہر دور میں احکام کے تقاضے مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں۔

دیکھیے کہ یہاں خود اپنی زبان سے بدعت حسنہ کے جواز پر تمام متقدمین ومتاخرین کا فتویٰ تسلیم فرما کر فرماتے ہیں کہ اب وہ فتویٰ نہیں چل سکتا کیوں کہ ہر زمانے کا حکم جدا ہوتا ہے۔ بھلا اگر تمام متقدمین ومتاخرین مفتیانِ دین کا قول حضرت مجدد کے موافق ہوتا تو اختلاف زمانہ کا یہ عذر کیوں پیش فرماتے۔ نہیں نہیں، ناانصافی کا کوئی علاج نہیں۔ حق یہی ہے کہ پانچوں قول جدا ہیں ہر ایک عالم نے اپنے نزدیک زمانے کی کچھ مصلحت سمجھ کر ایک قول اختیار کیا لیکن فتویٰ، جمہور علمائے اہل سنت کے قول کے سوا عمومی طور پر نہ دیا جائے گا۔ (اس کا بیان عنقریب آرہا ہے)۔

بعض لوگوں کا یہ فرمانا کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں۔ تو یہ عقلی ونقلی دلیلوں کے بالکل خلاف ہے۔ خلاف عقل اس لیے کہ دو مفہوم کلی یا تو دونوں متساوی ہوں گے جیسے انسان اور ناطق یعنی جسے ناطق کہیں گے وہی انسان ہوگا اور جس کو انسان کہیں گے وہی ناطق ہوگا۔ یا وہ دونوں متباین ہوں گے جیسے انسان اور پتھر کہ جو چیز پتھر ہوگی اس کو انسان نہ کہا جائے گا اور جو انسان ہوگا اسے پتھر نہ کہیں گے تو دونوں بالکل جدا جدا ہیں یہ کچھ اور ہے اور وہ کچھ اور۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص مطلق ہوں گے جیسے حیوان وانسان کہ حیوان تو ہر جاندار کو کہہ سکیں گے خواہ وہ انسان ہو یا گھوڑا، ہاتھی یا اونٹ وغیرہ مگر انسان، آدمی کے سوائے کسی کو نہیں کہہ سکتے تو انسان خاص مطلق ہوا اور حیوان عام مطلق۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص من وجہٍ ہوں گے جیسے کبوتر اور سفید رنگ، اس میں تین مادے ہوتے ہیں دو افتراق کے اور ایک اجتماع کا، افتراق کا اس طور پر کہ جیسے قلعی میں سفید رنگ موجود ہے لیکن کبوتر سفید نہیں، اور سرمئی کبوتر میں کبوتر تو موجود ہے لیکن سفید رنگ نہیں، اور سفید رنگ کے کبوتر میں دونوں موجود، کبوتر بھی اور سفید رنگ بھی۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ

جس نے اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف کوئی بری چیز ایجاد کی تو اس کے اوپر اس کے اپنے گناہ کے علاوہ ان لوگوں

ُذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيئاً .(۱) کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا جو اس کی ایجاد کردہ چیز پر عمل پیرا ہیں اور ان کے گناہ سے کچھ کم بھی نہ کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ لفظ حدیث: بدعۃ ضلالۃ کی روایت' صیغہ اضافت کے ساتھ ہم کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔

اسی طرح مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارنپوری نے اپنے مطبع کی کتابوں یعنی مشکوٰۃ شریف مطبوعہ ۱۲۷۱ھ (1854ء) اور ترمذی شریف مطبوعہ ۱۲۸۲ھ (1865ء) میں ضبط کیا ہے۔

صاحب مجمع البحار نے بھی تکملہ کے صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے

يُروى بالإضافة و يجوز نصبها على النعت . 'بدعة ضلالة' کی اضافت کے ساتھ بھی ایک روایت کی گئی ہے' اور اس کو منصوب پڑھنا بھی درست ہے موصوف ہونے کی بنیاد پر۔

دیکھیے کہ اگر چہ موصوف کو بھی جائز رکھا لیکن اصحاب حدیث کی روایت کو اضافت کے ساتھ ہی لکھا' جب بدعت اور ضلالت میں اضافت ثابت ہوگئی تو اب اضافت کا قاعدہ سمجھنا چاہیے۔ بدعت ضلالت میں اگر یہ اضافت بیانی ہے (جیسا کہ فریق ثانی اکثر بیان کرتے ہیں) تب تو ہمارا عین مدعا ثابت ہے اس لیے کہ اضافت بیانی میں عموم خصوص من وجہٍ ہوتا ہے

قال المولى الجامي في بيان الإضافة : و إما بمعنى من البيانية في جنس المضاف الصادق عليه و على غيره بشرط أن يكون المضاف أيضا صادقا على غير المضاف إليه فيكون بينهما عموم و خصوص من وجه . بیان اضافت کے سلسلہ میں مولانا جامی فرماتے ہیں 'یعنی اضافت یا تو من بیانیہ کے معنی میں ہوگی جب کہ مضاف الیہ اس جنس مضاف سے ہو جو خود مضاف اور اس کے سوا دوسری چیزوں پر صادق ہو' اس شرط کے ساتھ کہ خود مضاف بھی مضاف الیہ کے علاوہ پر صادق ہو تو اس طرح مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

اوپر بیان ہو چکا کہ عموم خصوص من وجہٍ میں دو مادّے افتراق کے اور ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت بھی ہو اور ضلالت بھی جیسے مذہب قدریہ و جبریہ وغیرہ' اور کوئی شے ایسی ہوگی جو ضلالت تو ہو مگر بدعت نہ ہو جیسے کفر وارتداد معاذ اللہ اور کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت تو ہو مگر ضلالت نہ ہو جیسے مدرسہ' محفل میلاد شریف وغیرہ اور جلائے قلب وصفائے باطن کے لیے مشائخ کرام کے ایجاد کردہ اذکار۔ ایسی ہی چیزوں کا نام بدعت حسنہ ہے۔

دوسری تقریر یہ کہ بدعت اور ضلالت دو مفہوم کلی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باہم متباین نہیں کیوں کہ ضلالت' بدعت پر محمول ہوتی ہے۔ اور متساوی بھی نہیں کیوں کہ شرک و کفر پر بھی ضلال کا اطلاق جا بجا قرآن میں موجود ہے۔

(۱) سنن ترمذی:۹/۲۸۸حدیث:۲۶۰۱' مشکوٰۃ المصابیح:۱/۳۶حدیث:۱۶۸' کنز العمال:۱/۱۸۰حدیث:۹۰۸' مسند جامع:۳۳/۱۱۵حدیث:۱۰۸۱۳۔ مگر سنن ترمذی اور مسند جامع کے الفاظ ذرا سا مختلف ہیں

من ابتدع بدعةَ ضلالةٍ لا تُرضِي اللهَ و رسولَه كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلک من أوزار الناس شيئا .

وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِيْداً (١)　اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِيْداً . (٢)　اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو، تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔

یہاں شرک و کفر پر لفظ ضلال کا اطلاق ہوا ہے، حالاں کہ یہاں کوئی بدعت نہیں کیوں کہ بدعت کی حقیقت اور ہے اور کفر کی کچھ اور۔ بدعت، سنت کا مقابل ہے جب کہ کفر، ایمان کا مقابل۔ اور بدعت عام مطلق بھی نہیں ورنہ كل بدعة ضلالة کا کلیہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح كل حيوان إنسان صحیح نہیں، اور خاص مطلق بھی نہیں اس لیے کہ خاص مطلق کی عام مطلق کی طرف اضافت ممتنع ہے۔ کتب نحو، شرح جامی اور مسالک بہیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے یعنی ایسا کہنا جائز نہیں کہ: سبت اليوم اور فقه العلم، بلکہ یوں کہا جائے گا، يوم السبت اور علم الفقه تو من ابتدع بدعة ضلالة کی اضافت صحیح نہیں ٹھہرتی۔

اب باقی رہی نسبت عام خاص من وجہ، تو اس میں وہی دو مادے افتراق کے ہوں گے اور ایک اجتماع کا (جیسا کہ پہلی تقریر میں ہم ثابت کر چکے ہیں) تو ایک بدعت ایسی نکلے گی جو ضلالت نہیں لہٰذا ایسی بدعت اگر ضابطہ اباحت میں داخل ہو تو مباح ہوگی، اور کلیہ استحباب میں شامل ہو تو مستحب ہوگی، اور اگر قاعدۂ ایجاب کے تحت مندرج ہو تو واجب ہوگی، انھیں تین قسم کی بدعتوں کو بدعت حسنہ کہتے ہیں کیونکہ واجب، مستحب اور مباح وہی چیزیں ہو سکتی ہیں جن میں رنگ حُسن موجود ہو اور اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفت حسنہ نصیب ہوئی ہے۔

وہ جو صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ يجوز نصبها على النعت تو اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے ایسی بدعت ضلالت نکالی۔ الی آخر۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں بھی بدعت حسنہ کا ثبوت ہے اس لیے کہ نکرہ کو نکرہ کے ساتھ صفت کرنے کے سلسلہ میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے، تو صفت ضلالت نے اپنے موصوف، بدعت کو (جو عام یعنی ضلالت وہدایت دونوں کو شامل تھا) خاص کر دیا اور بعض افراد یعنی بدعت ضلالت کو بعض افراد یعنی بدعت ہدایت وحسنہ سے تمیز دے دی۔ جیسے رجل عالم میں صفت عالم نے رجل کو غیر عالم سے تمیز دے دی۔

نعت وصفت کی صورت میں دو وجہ سے یہ معنی کرنے ضروری ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اصل توصیف نکرہ میں افادۂ تخصیص ہونا نحو کا قاعدہ مطرد ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت کے ساتھ پڑھنا روایت اضافت کے مطابق ہو جائے جو اصحاب حدیث میں شائع ہے، تو جس طرح روایت اضافت میں لفظ بدعت عام من وجہ رہا تھا اسی طرح صفت ونعت میں بھی عام من وجہ رہے۔ اثبات بدعت حسنہ کے سلسلہ میں یہ تقریر عاجز کو اپنے بعض اساتذہ سے پہنچی ہے۔ تغمدهم الله بغفرانه۔

اب ہم دوسری تقریر شروع کریں یعنی بدعت حسنہ کو لاشی محض قرار دینا اور اس کے وجود کا انکار کرنا نقل کے مخالف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کرامت مہد میں سابق کی بہ نسبت کیفیت نماز تراویح میں جب کچھ زیادہ لحوق

(١) سورہ نساء، ۴/۱۱۶　(٢) سورۂ نساء، ۴/۱۳۶

ہوا تو آپ نے اسے پسند کیا اور فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ . (۱) کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

زبان عرب میں لفظ نعمت افعال مدح سے مانا گیا ہے اس سے وہ کسی چیز کی تعریف کیا کرتے تھے تو آپ نے قدر سابق پر اس کیفیت زائدہ کی تعریف فرمائی کہ یہ نئی بات اچھی ہے۔

دیکھو حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جن کی اقتدا کا حکم ہمیں ازروے حدیث ہے۔ انھوں نے بدعت کو اچھا فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ بدعت محمود بھی ہوتی ہے۔

ایسے ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو جس طرح صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھا اور لوگوں نے اس کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا

إِنَّهَا مُحْدَثَةٌ وَ إِنَّهَا لَمِنْ أَحْسَنِ مَا أَحْدَثُوا . (۲) بلاشبہ یہ ایک نئی چیز ہے لیکن کیا ہی عمدہ اور بہترین چیز ہے۔

تو امر محدث اور بدعت کو حسنہ کہنا قول صحابی کے نص سے ثابت ہے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک صحابہ کرام کی اقتدا میں تمام مجتہدین اعلام اور ائمہ اسلام جملہ محدثات حسنہ کو جائز رکھتے اور بدعت حسنہ فرماتے چلے آئے ہیں (اس سلسلہ میں اقوال فقہا و محدثین کی نقلیں عنقریب آنے والی ہیں) لہٰذا عقلاً اور نقلاً ہر طرح ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ کا وجود ثابت ہے اور بدعت حسنہ کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔

پانچواں قول مذہب جمہور

واضح ہو کہ جملہ علمائے اہل تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی ایسا نہیں کہ قرون ثلاثہ کے اندر جو کچھ خیر و شر ہو گیا وہ سب سنت اور مقبول ہے اور جو کچھ بھلا یا برا قرون ثلاثہ کے بعد ہوا وہ سب برا اور مردود ہے (جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے) صرف ایک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

پہلا قصہ

حضرا میر المومنین عمر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نہانے کی حاجت والے (جنبی) کو تیمّم سے منع فرماتے تھے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۱ میں موجود ہے۔ اب دیکھیے کہ یہ صحابی کا حکم ہے اور صحابی بھی کیسے خلفاے راشدین سے۔ لیکن ائمہ مذاہب سے کسی نے اس قول پر عمل نہ کیا۔

دوسرا قصہ

(۱) موطا امام مالک: ۱/۳۴۰ حدیث: ۲۳۱' صحیح بخاری: ۷/۱۳۵ حدیث: ۱۸۷۱' معجم طبرانی: ۱۱/۵۴ حدیث: ۱۳۳۸۷' شعب الایمان: ۷/۲۷۱ حدیث: ۳۱۲۲' الصیام فریابی: ۱/۱۵۷ حدیث: ۱۴۸' المدخل: ۱/۱۹۱ حدیث: ۱۹۰' فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۲۷۴ حدیث: ۲۲۴' فوائد محمد بن مخلد: ۱/۶ حدیث: ۵' قیام رمضان مروزی: ۱/۲۰ حدیث: ۱۶' نصب الرایہ: ۳/۲۲۸' تلخیص حبیر: ۲/۱۲۲ حدیث: ۵۵۱' تحفۃ الاشراف: ۹/۴۵۴ حدیث: ۱۰۵۹۴' روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰

(۲) فتح الباری ابن حجر: ۴/۳/۱۷۳۔ صلاۃ الضحیٰ فی السفر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے جن کا بیٹا یزید طبقہ وسطی تابعین سے تھا یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا کذا فی التقریب خیر القرون کے اس تابعی نے دیکھیے کہ کیسا سعادت مندی کا کام کیا (خدا کسی کو نصیب نہ کرے) کہ امام حسین رضی اللہ عنہ پر مظالم (ڈھانے کا بوجھ) اس کی گردن پر ہے۔

تیسرا قصہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے اور ان کا شاگرد واصل بن عطا تبع تابعین سے تھا جو مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کرے اسے نہ تو مومن کہنا چاہیے اور نہ کافر بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ایک درجہ ہے۔ یہ عقیدہ اس نے اہل سنت و جماعت کے بالکل خلاف ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کی صرف دو قسم فرمائی ہے

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَ مِنكُم مُّؤْمِنٌ . (۱) تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان۔

کوئی تیسری قسم نہیں فرمائی۔ تو جب واصل بن عطا نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تو ان کے استاد حضرت امام حسن بصری نے ارشاد فرمایا

قد اعتزل عنا (۲) اب یہ ہم سے الگ ہو گیا۔

تو اُسی دن سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ وہ سخت قسم کے بدعتی ہیں مگر اپنا نام "اصحاب العدل والتوحید" رکھتے ہیں (شرح عقائد وغیرہ میں یوں ہی مذکور ہے)۔

یہ تین قصے قرون ثلاثہ کے بیان کیے گئے ہیں اور ایسے بہت سے قصے ہیں۔ غرض کہ ان مثالوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا مدار شریعت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر ہے اپنے اس دعویٰ پر بھی دو صحیح حدیث لکھے دیتا ہوں۔

حدیث اول

قال نبینا الآمر الناهي علیه و علیٰ آله الصلوٰة و السلام مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . (۳)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین سے نہیں یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔

---

(۱) سورۂ تغابن: ۶۴/۲

(۲) شرح عقائد نسفیہ: ۶

(۳) صحیح بخاری: ۹/۲۰۱ حدیث: ۲۴۹۹، صحیح مسلم: ۹/۱۱۸ حدیث: ۳۲۴۲، سنن ابوداؤد: ۱۲/۲۱۰ حدیث: ۳۹۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱/۱۷ حدیث: ۱۴، مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۱ حدیث: ۱۴۰ - مسند احمد: ۵۲/۴۹۷ حدیث: ۲۴۸۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۳/۲۸۲ حدیث: ۲۵۱۲۴، سنن بیہقی: ۱۰/۱۱۹، مستخرج ابوعوانہ: ۱۲/۴۸۳ حدیث: ۵۱۷۵، سنن دارقطنی: ۱۰/۳۳۴ حدیث: ۴۵۹۰، صحیح ابن حبان: ۱/۵۰ حدیث: ۲۶، معرفۃ السنن والآثار: ۱۰/۸۷ حدیث: ۳۷۵۷، مسند شہاب قضاعی: ۲/۹۷ حدیث: ۳۴۵، الاعتقاد بیہقی: ۱/۲۳۳ حدیث: ۲۰۸، سنن صغیر بیہقی: ۸/۴۴۷ حدیث: ۳۲۸۰، الفوائد الشہیر بالغیلانیات: ۳/۱۰ حدیث: ۹۵۶، منتقی ابن جارود: ۳/۸۳ حدیث: ۹۷۴، کنز العمال: ۱/۲۱۹ حدیث: ۱۱۰۱، المسند الجامع: ۵۱/۲۱۰ حدیث: ۱۷۱۰۴، تحفۃ الاشراف: ۱۴/۴۷ حدیث: ۱۷۴۵۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۱/۱۸۵ حدیث: ۱۸۵

یہ صحیحین کی حدیث ہے۔
شارحین حدیث نے لفظ ما لیس منہ کی شرح میں لکھا ہے

فیہ إشارۃ إلی أن إحداث ما لا ینازع الکتاب و السنۃ لیس بمذموم . | اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب وسنت سے نہ ٹکرائے تو اس کی ایجاد مذموم نہیں ہے۔

محدث دہلوی نے لفظ ما لیس منہ کی شرح میں لکھا

مراد چیزے ست کہ مخالف ومغیر دین باشد۔ | اس سے ایسی چیز مراد ہے جو خلاف دین اوراس کو بدل دینے والی ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوۃ شریف میں لکھا ہے

لفظ ما لیس منہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کا نکالنا برا نہیں۔

عربی وفارسی اور اردو کی ان شرحوں کی ایک ایک نظیر بس کرتی ہے۔ ان شارحین حدیث کو اس طرح کا معنی بیان کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ ابوداؤد میں ہے

مَنْ صَنَعَ أمراً عَلیٰ غَیْرِ أمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ .(۱) | جس نے کوئی کام ہمارے طریقہ کار کے علاوہ کیا تو وہ رد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو کتاب وسنت ہے۔ اور کتاب وسنت کے غیر وہی طریقہ ہو گا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کو بدل دینے والا ہوگا۔ الحاصل، اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ مَــن ارشاد فرمایا، یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں کسی قرن کی قید نہیں یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی پہلی صدی، دوسری صدی، تیسری صدی یا بالکل آخری زمانہ میں کوئی نئی بات نکالے بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس نکالی ہوئی نئی بات کا مردود ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ بس کتاب وسنت کے مخالف ہو، اور یہی ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ امور محدثہ کا حسنہ اور سیئہ ہونا کتاب وسنت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر موقوف ہے نہ کہ زمانے پر۔ اور یہ مسئلہ اصول میں طے شدہ ہے کہ جب کسی امر مقید پر کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے، اس حدیث میں فھو ردٌّ حکم ہے لہٰذا یہ اصل احداث کی طرف نہیں بلکہ اس کی قید مالیس منہ کی طرف لوٹے گا یعنی جو نئی بات دین کے مخالف اور اس کو بدل دینے والی ہو وہ رد ہے، نہ یہ کہ جو کوئی عمدہ نیک اور اصول دین کے موافق بات نکالی جائے وہ بھی رد ہے۔

دیکھو! اب قاعدۂ اصول کے مطابق معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کی ایجاد کرنا برا نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداث کو لفظ مـا لیـس منہ کے ساتھ مقید نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے: من أحدث في أمرنا فھو رد لفظ ما لیس منہ بڑھانے کی کیا حاجت تھی۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۲۱۰/۱۲ حدیث: ۳۹۹۰، مسند احمد: ۴۶۷/۴۹ حدیث: ۲۳۳۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶۷/۴۹ حدیث: ۲۳۳۱۱۔ کنز العمال ۲۲۰/۱ حدیث: ۱۱۰۹

شرح جواہر التوحید میں ہے

و من الجهلة من يجعل كل أمر لم يكن في زمن الصحابة بدعة مذمومة و إن لم يقم دليل على قبحه تمسكا بقوله صلى الله عليه وسلم إياكم و محدثات الأمور و لا يعلمون المراد بذلک أن يجعل في الدين ما هو ليس منه .انتهىٰ.

اس تقریر سے ان لوگوں کا جواب حاصل ہو گیا جو بلا سمجھے بوجھے حدیثیں پڑھا کرتے ہیں کہ شر الأمور محدثاتها اور پڑھا کرتے ہیں: و إياكم و محدثات الأمور و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة حصول جواب کی وجہ یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشادِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں وہ باہم مخالف نہیں ہو سکتیں، جب مقام مذمت میں احداث کو آپ ماليس منه کے ساتھ مقید فرما چکے، یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کہ طریقہ اسلامی کے علاوہ ہو اور مخالف ہو تو جس قدر منع اور بدعت کی حدیثیں ہوں گی وہ احداث و بدعت، مخالف اسلام کی طرف لوٹیں گی نہ کہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف۔ اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ . (١)

اس لیے کہ جو بدعت مخالف سنت ایجاد ہوگی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی ''مظاہر الحق'' میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے

نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت کے ہو۔

دیکھیے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے مستند علماء سے خاص اسی بدعت کی برائی ثابت ہوئی جو مخالف سنت ہو۔ باقی رہی حدیث

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلىٰ ثَلاثٍ وَّ سَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُم فِي النَّارِ إلَّا وَاحِدَةٍ قَالُوا وَ مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي .(٢)

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک کے سوا سب جہنمی ہوں گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ نجات یافتہ لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا: جس ملت پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔

(١) مسند احمد: ۳۲۵/۳۴ حدیث: ۱۶۳۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۵/۳۴ حدیث: ۱۶۳۵۶، الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۲۳۸/۱ حدیث: ۲۳۲، مجمع الزوائد: ۱۱۴/۱، کنز العمال: ۲۱۹/۱ حدیث: ۱۰۹۸، المسند الجامع: ۱۴۱/۳۴ حدیث: ۱۱۱۰۳۔ اور سنن دارمی وغیرہ میں یوں بھی آیا ہے: مَا ابْتَدَعَ قَومٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِم إلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِن سُنَّتِهِم مِثْلَها ، ثُمَّ لا يُعِيدُها إلَيْهِم إلىٰ يَومِ القِيامَة .

(٢) سنن ترمذی: ۲۳۵/۹ حدیث: ۲۵۶۵، سنن نسائی: ۲۳۵/۹ حدیث: ۲۵۶۵، ابانۃ الکبریٰ: ۲۸۱/۱ حدیث: ۲۷۴، مستدرک: ۴۳۰/۱ حدیث: ۴۰۸۔ یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ کئی طریقوں سے مروی ہے۔ مشتے از خروارے ملاحظہ فرمائیں

❁ تفترق هذه الأمة على ثلاث و سبعين فرقة ، كلهم في النار إلا واحدة قالوا و ما تلک الفرقة؟ قال ما أنا عليه اليوم و أصحابي . (معجم اوسط: ۱۱۳/۱۱ حدیث: ۵۰۴۳)

❁ إن بني إسرائيل افترقوا على إحدى و سبعين فرقة ، و النصارىٰ على ثنتين و سبعين فرقة كلهم على الضلالة إلا السواد الأعظم ، قالوا يارسول الله! و من السواد الأعظم؟ قال من كان على ما أنا عليه و أصحابي . (معجم کبیر: ۱۶۴/۷ حدیث: ۵۵۳، الابانۃ الکبریٰ: ۴۱/۲ حدیث: ۵۳۱) >>

- افترقت بنو إسرائيل على إحدى و سبعين ملة ' و لن تذهب الليالي و لا الأيام حتى تفترق أمتي على مثلها أو قال عن مثل ذلك و كل فرقة منها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (مسند عبد بن حمید:۱/۱۵۹حدیث:۱۵۰' الابانۃ الکبریٰ:۱/۲۸۲حدیث:۲۷۵' مسند سعد بن ابی وقاص:۱/۸۲حدیث: ۲۷' مسند الجامع:۱۳/۲۷۷حدیث:۴۱۶۵)

- إن بني إسرائيل افترقت على إحدى و سبعين فرقة و إن أمتي ستفترق على ثنتين و سبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (سنن ابن ماجہ:۱۱/۴۹۴حدیث:۳۹۸۳)

- إن أهل الكتاب افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة و إن هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعنى الأهواء كلها في النار إلا واحدة وهي الجماعة . (مسند احمد:۳۴/۲۹۲حدیث:۱۶۳۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ:۳۴/۲۹۲حدیث:۱۶۳۲۹' معجم طبرانی:۱۴/۳۰۲ حدیث:۱۲۵۰' دلائل النبوۃ بیہقی:۸/۱۲حدیث:۲۹۲۳' مسند الشامیین:۳/۲۶۷ حدیث:۹۷۹' السنۃ لابن ابی عاصم:۱/۴حدیث:۲' مسند الجامع:۲۱/۳۶ حدیث:۱۱۶۷۷)

- سئل النبي صلى الله عليه وسلم كم تفرقت بنو إسرئيل؟ فقال: على واحدة–أو اثنين– و سبعين فرقة قال و أمتي أيضا ستفترق مثلهم أو يزيدون واحدة ' كلها في النار إلا واحدة . (مصنف عبد الرزاق:۱۰/۱۵۶حدیث:۱۸۶۷۵)

- سيأتي على أمتي ما أتى على بني إسرائيل مثلا بمثل حذو النعل بالنعل ' و إنهم تفرقوا على اثنين و سبعين ملة ' و سيفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة تزيد عليهم واحدة كلها في النار إلا واحدة ' قيل يارسول الله و ما تلك الواحدة؟ قال هو ما نحن عليه اليوم أنا و أصحابي . (الابانۃ الکبریٰ:۱/۳حدیث:۱)

- إن بني إسرائيل افترقوا على بضع و سبعين ملة ' ثم إن أمتي ستفترق على (أو عن) مثلها كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (الابانۃ الکبریٰ:۱/۲۷۹حدیث:۲۷۲)

- ستفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة ' كلها في النار إلا واحدة ما أنا عليها اليوم و أصحابي . (الابانۃ الکبریٰ:۱/۲۸۰حدیث:۲۷۳)

- إن أهل الكتاب تفرقوا في دينهم على اثنين و سبعين ملة ' و تفترق هذه الأمة على ثلاث و سبعين كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (مستدرک:۱/۴۳۸حدیث:۴۰۷)

- ان بني إسرائيل افترقت على موسى سبعين فرقة كلها ضالة إلا فرقة واحدة الإسلام و جماعتهم ' ثم إنها افترقت على عيسى بن مريم على إحدى و سبعين فرقة كلها ضالة إلا واحدة الإسلام و جماعتهم ' ثم إنكم تكونون على اثنين و سبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة الإسلام و جماعتهم . (معجم طبرانی:۱۱/۴۰۰حدیث:۱۳۳۸۱' مجمع الزوائد:۳/۳۰۲' نظم المتناثر:۱/۴۶)

- افترقت بنو إسرائيل على إحدى و سبعين فرقة ' و إن أمتي ستفترق على اثنين و سبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة ' قالوا يارسول الله و من هذه الواحدة؟ قال الجماعة . (تفسیر ابن ابی حاتم:۱۴/۱۴۹حدیث:۳۹۶۳' شرف اصحاب الحدیث:۱/۴۴حدیث:۳۵' مسند الجامع:۴/۱۵۳حدیث:۱۲۲۱)

- إن هذه الأمة ستفترق على إحدى و سبعين فرقة ' كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (السنۃ لابن ابی عاصم:۱/۷۶حدیث:۵۵)

- تفترق إمتي على ثلاث و سبعين فرقة ' كلها في النار إلا واحدة ' فقيل من هي الناجية؟ فقال ما أنا عليه و أصحابي . (الغرباء للآجری:۱/۱۰حدیث:۸)

- إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة و إن هذه الأمة ستفترق على ثلاث و سبعين ملة في الأهواء ' كلها في النار إلا واحدة و إنها الجماعة . (المذکر والتذکیر:۱/۱۶حدیث:۱۴)

<<

تو اب اس حدیث کی مراد یہ نہیں کہ اگر کوئی جزئی عمل خصوصی طور پر آپ نے یا آپ کے اصحاب نے نہ کیا تو اس کا کرنے والا جہنمی ہوگا اس لیے کہ یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ مدرسہ نہ تو آپ نے بنایا اور نہ آپ کے اصحاب نے' تو چاہیے یہ کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ مدرسہ کی تعمیر کرنے والا مستحق نار ہو معاذ اللہ بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے اصول کے خلاف جو ہوگا وہ فی النار ہوگا' اور بدعت حسنہ کی ایجاد مخالف اصول نہیں بلکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے: من سن في الإسلام سنة حسنة فرما کر اعمال حسنہ کی ایجاد کی ترغیب دی ہے جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ

یوں ہی بہت سے ایسے امور خیر جو کہ زمانہ نبوت میں نہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایجاد فرمائے' اور ان پر احداث حسن اور نعمت البدعة وغیرہ کا اطلاق کیا۔ تو جو لوگ میلاد شریف یا فاتحہ مروجہ طریقہ کے مطابق کرتے ہیں وہ اس احداث حسن میں خاصی طرح ما أنا عليه و أصحابي کے مصداق ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب نے احداث حسن کی اجازت دی ہے۔ اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل کر احداثات حسن کو جائز رکھتے ہیں۔ فيا أخي خذ ما آتيتک و کن من الشاکرين. (تو اے برادرِ عزیز! جو نعمت گراں بہا میں تجھے دے رہا ہوں' ہاتھ بڑھا کر لے لے اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔)

بعض مانعین کہتے ہیں کہ مخالف' احداث کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہی کام مخالف سنت' بدعت اور مکروہ ہے' اور اس کو ایجاد نہ کرنا چاہیے۔ اور صحابہ نے جن امور پر انکار کیا ہے وہ سب امورِ خیر تھے ان میں اس کے سوا کوئی اور بات نہ تھی کہ ان کی ہیئت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پائی گئی۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود نے ذکر کرنے والی ایک جماعت کو مسجد سے نکال دیا' یہ ہیئت خاصہ جدیدہ پر انکار تھا ورنہ اصل ذکر اللہ تو خود مامور بہ ہے۔

اور حضرت علی نے قبل نماز عید نفل پڑھنے سے منع فرمایا حالانکہ خود نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے نماز چاشت کو (جو ان کی شرطوں کے موافق نہ تھی) بدعت فرمایا۔ اور اسی طرح قنوت جو ان کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس کو بھی بدعت فرمایا۔ ان کی باتیں ختم ہوئیں۔

میں کہتا ہوں یہ تقریر اگرچہ قائلین قولِ چہارم کے مشرب کے مطابق ہے۔ لیکن بعض لوگ مزید بے خبری کے عالم میں یہ بات کہنے لگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو مخالف سنت' مکروہ اور بدعت کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جس سے نص شارع خاموش ہو اس کو مخالف شرع نہیں کہتے۔ دار قطنی نے ابو ثعلبہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں فرض فرمائی ہیں تو ان کو ضائع مت کرو' بعض چیزیں حرام فرمائیں تو ان کی حرمت نہ توڑو۔ اور کچھ حدیں مقرر فرمائی ہیں تو ان حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ اور بعض چیزوں سے دانستہ سکوت فرمایا ہے تو ان میں بحث نہ کرو۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے (باب الاعتصام) میں ہے۔

❁ إن بني إسرائيل افترقت على إحدى و سبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة فقيل يا رسول الله و ما هذه الواحدة ؟ فقبض يده و قال : الجماعة ' فاعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا. (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ۱/۱۵۲ حدیث: ۱۲۸)

❁ تفترق إمتي على ثلاث و سبعين فرقة كلهن في النار إلا واحدة قالوا و ما تلک الفرقة قال: ما أنا عليه اليوم و أصحابي. (مجمع الزوائد ومنبع الزوائد: ۱/۱۱۴)

❁ عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم تفترق إمتي على بضع و سبعين فرقة كلها في الجنة إلا واحدة و هي الزنادقة. (کشف الخفاء: ۱/۱۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے حلال کردیا وہ حلال ہے اور جو حرام کردیا وہ حرام اور جس میں سکوت فرمایا اور کچھ نہ بیان کیا وہ معافی میں ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ مشکوٰۃ کے (باب ما تحل اکلہ) میں ہے۔

ان احادیث سے علماء نے ایک اصل عظیم پیدا کی ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس چیز میں اللہ و رسول کی طرف سے سکوت ہو اس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت، مکروہ اور حرام۔

شاہ ولی اللہ صاحب کتاب ''مصفی شرح موطا'' مطبوعہ کے صفحہ ۷۸ پر ''تطوع قبل عید'' کے تحت لکھتے ہیں

ماخذ دیگراں استصحاب مشروعیت اصل صلوٰۃ است ونیا فتن دلیلے کہ دلالت کند بر منع زیرا کہ نکردن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں حال دلالت بر کراہت نمی نماید ترک فعل خیر نزدیک حضور دواعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد۔ انتہیٰ۔

دوسروں کا ماخذ اصل صلوٰۃ کی مشروعیت کا استدلال ہے اور ایسی دلیل کا نہ پانا جو اس کے عدم جواز پر دلالت کرے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کا نہ کرنا اس کی کراہت پر دلالت نہیں کرتا۔ کسی اچھے کام کے اسباب کے موجود ہونے کے باوجود چھوڑ دینا اس کی کراہت پر دلیل نہیں۔

اس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے کھول کر فرمادیا کہ دواعی موجود ہونے کے باوجود اگر کسی فعل خیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں تو یہ کراہت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اور وہ جو علمائے حنفیہ طلوع فجر کے بعد نوافل پڑھنے میں کراہت ثابت کرتے ہیں تو اس میں یہ علت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پر بہت حریص تھے۔ (آپ فرماتے ہیں)

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ .(۱) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

دیگر اوقات میں یہ بات دیکھی کہ نماز بعض وقتوں میں جائز اور بعض میں نہیں، تو اس بنیاد پر علماء نے اس حرص کے باوجود نوافل کا اس وقت میں پھر کبھی نہ پڑھنا، اس وقت کو وجہ کراہت ٹھہرایا۔ الحاصل، یہ بات علی العموم صحیح نہیں کہ جو فعل خیر آپ نے نہ کیا وہ بدعت اور مخالف سنت ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ بدعت اور مخالف سنت وہی کام ہوگا جو شارع علیہ السلام کے امر و نہی کے خلاف ہوگا اور اس طرح کا کام جو کوئی ایجاد کرے وہ اس ارشاد پاک میں داخل ہوگا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . (تخریج گزر چکی)

اور وہ فعل، مکروہ اور بدعت و ضلالت کہلائے گا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۲۷ پر ''اداب سماع'' کے تحت فرماتے ہیں

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۱۴۰ حدیث: ۵۲۶۱، مسند احمد: ۴/۲۸۷ حدیث: ۱۳۵۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۲۸۷ حدیث: ۱۳۵۲۶، مصنف عبد الرزاق: ۴/۳۲۱ حدیث: ۷۹۳۹، معجم کبیر طبرانی: ۱۵/۳۵۴ حدیث: ۱۷۳۸۸، تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۲/۱۳ حدیث: ۳۲۹۶، الآثار لابو یوسف: ۱/۲۸۷ حدیث: ۹، ۲۷، دلائل النبوۃ اصبہانی: ۲/۱۸۲، کنز العمال: ۷/۲۸۷ حدیث: ۱۸۹۱۲، روضۃ المحدثین: ۶/۳۶۷ حدیث: ۲۶۴۲، تخریج احادیث الاحیاء: ۶/۳۴۸ حدیث: ۲۶۹۹، سنن بیہقی: ۷/۷۸، سنن نسائی: ۵/۲۸۰ حدیث: ۸۸۸۸، المقاصد الحسنہ: ۱/۹۹، مسند الجامع: ۱/۴۵۳ حدیث: ۳۰۰، تحفۃ الاشراف: ۳/۸۷ حدیث: ۲۷۹

و قول القائل : إن ذلک بدعة لم يكن في الصحابة ؟ فليس كل ما يحكم بإباحته منقولا عن الصحابة رضي الله عنهم و إنما المحذور ارتكاب بدعة تراغم سنة مأثورة و لم ينقل النهي عن شيء من هذا. (١)

واضح ہو کہ حجۃ الاسلام نے اس مقام پر یہ بیان فرمایا ہے کہ جب صوفی وجد صادق کی حالت میں کھڑا ہو جائے تو ضروری ہے کہ جماعت بھی اس کی موافقت میں کھڑی ہو جائے اور اگر اسی طرح یہ عادت جاری ہو جائے کہ صاحب وجد کا عمامہ اتر جائے تو سب لوگ اپنا عمامہ الگ کر دیں، اس کا کپڑا بدن سے الگ ہو جائے تو لوگ بھی اس کی موافقت میں اپنے کپڑے بدن سے الگ دیں تو یہ باتیں البتہ حقوقِ صحبت اور حسن معاشرت میں داخل ہیں، اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو بدعت ہے اور صحابہ سے منقول بھی نہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ بہتیری مباح باتیں صحابہ سے منقول نہیں۔ ممنوع و محذور وہی بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کو مٹا دے، اور ان اشیاے مذکورہ کے لیے کوئی ممانعت نقل نہیں ہوئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اسی احیاء العلوم کے صفحہ ۹۲ میں ہے، ملاحظہ فرمائیں

و أما مجرد السواد فليس بمكروه، لكنه ليس بمحبوب إذ أحب الثياب إلى الله تعالىٰ البيض . و من قال إنه مكروه و بدعة أراد به أنه لم يكن معهودا في العصر الأول ، و لكن إذا لم يرد فيه نهي فلا ينبغي أن يسمى بدعة و مكروها و لكنه ترک للأحب . (٢)

حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ محض سیاہ لباس پہننا مکروہ نہیں لیکن محبوب بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب سفید لباس ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ مکروہ اور بدعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ عصر اول میں اس کا کوئی دستور نہ تھا لیکن جب کہ اس میں شارع علیہ السلام سے کوئی نہی وارد نہیں تو اس کو بدعت و مکروہ نہ کہنا چاہیے۔ ہاں اسے چھوڑ دینا بہت بہتر ہے یعنی اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند سفید لباس ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کی دونوں مقام کی تقریریں صاف بیان کر رہی ہیں کہ صدر اول میں دستور نہ ہونا یا منقول نہ ہونا بدعت و کراہت کا سبب نہیں ہو سکتا جب تک کہ شارع علیہ السلام سے صریح نص موجود نہ ہو۔ تو جملہ اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث: من أحدث في أمرنا کے ذیل میں جو شارحین حدیث لکھ رہے ہیں کہ ایسی چیز کی ایجاد جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو بری نہیں، اس کا صاف معنی یہی ہے کہ جس چیز کی نہی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں موجود نہیں اس کا نکالنا برا نہیں اور جس کی نہی موجود ہے وہ ایجاد و احداث مردود ہے۔

اور وہ صحابہ کی نظیریں جنھیں معارضین پیش کرتے ہیں تو ان میں یہی بات تھی کہ صحابہ نے اپنے نزدیک ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کے مقابل سمجھا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کا انکار فرمانا تو اس میں دو طرح کی روایتیں ہیں ایک اس طرح

أخرج الطبراني بسنده عن قيس بن أبي حازم قال : ذُكِرَ لابنِ مَسْعُودٍ قَاصٌّ يَجْلِسُ بِاللَّيْلِ وَ يَقُولُ لِلنَّاسِ قُولُوا كَذَا . الحديث. (٣)

(١) احیاء علوم الدین: ۲/۱۴۱۔ باب ما تحمد من آثار الوجد و ما یذم (٢) احیاء علوم الدین: ۲/۱۷۱۔ فمن ذالک منکرات المساجد

(٣) معجم کبیر طبرانی: ۸/۳۰ حدیث: ۵۵۱

اس روایت میں لفظ قاص ہے۔ یعنی ایک قصہ گو آدمی رات کے وقت قصہ کہنے بیٹھتا تھا اور قصہ گوئی کے دوران لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ ایسا کہو ایسا کہو۔ یہ خبر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس کو دھمکایا کہ تم نے یہ کیا بدعت نکال رکھی ہے!۔

واضح ہو کہ یہ انکار کرنا ہیئت جدیدہ کے عارض ہونے کے سبب نہ تھا بلکہ قصہ گوئی کے لیے اس کا وہ مجمع کرنا جو خلاف شرع تھا، گو ذکر اللہ بھی کبھی کبھی درمیان میں ہوتا ہو۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قصہ گویوں کو جو بے اصل قصے بیان کرتے ،مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ آداب تذکیر قول جمیل میں فرماتے ہیں

و لا یذکر القصص المجازفة فإن الصحابة أنكروا على ذلک أشد الإنكار و أخرجوا أولئک من المساجد و ضربوهم .

بے بنیاد قصے نہ بیان کیے جائیں کیوں کہ صحابہ کرام نے سختی سے اس کا انکار فرمایا ہے بلکہ ایسوں کو مارا بھی اور مسجد سے نکال بھی دیا ہے۔

''نصاب الاحتساب'' میں ہے

و القصص عندهم بدعة و كانوا يخرجون القصاص من الجامع .

ان کے نزدیک قصے بدعت ہیں اور وہ قصہ گویوں کو جامع مسجد سے نکال بھگاتے تھے۔

حضرت پیرانِ پیر ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں

و كان ابن عمر و غيره من الصحابة رضى الله عنهم يخرجون القصاص من الجامع

ان قرینوں سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاص ایسا ہی قصہ گو تھا اور اگر وہ مرد واعظ حقانی ہوتا اور وعظ کرتے کرتے درمیان میں لوگوں سے ذکر اللہ بھی کراتا جاتا تو ایسا ہرگز منع نہ تھا۔

قاضی خان میں ہے

العالم إذا قال في المجلس صلوا على النبي عليه الصلوة و السلام فإنه يثاب على ذلک ، و كذا الغازي إذا قال كبروا يثاب عليه .

جب کوئی عالم کسی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم کرتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یوں ہی غازی بھی کہ جب تکبیر پڑھنے کے واسطے کہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب پائے گا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ وہ لوگ جہراً ذکر اللہ کرتے تھے اس لیے ان کو نکال دیا تو اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر جہر کو مخالف شریعت سمجھتے تھے (جیسا کہ کتب فقہ میں روایت ملتی ہے) اور مانعین جہر، قرآن کی اس آیت کو بطور سند پیش کرتے ہیں

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً . (۱)

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

ساتھ ہی بخاری کے (کتاب الجہاد) میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت کردہ حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ وہاں صحابہ بلند آواز سے

(۱) سورۂ اعراف: ۵۵/۷

سے لاالہ الااللہ ،اللہ اکبر کہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لاَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَ لاَ غَائِباً إِنَّهُ مَعَكُمْ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ .(۱)

اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے یا غائب سے نہیں دعا کر رہے ہو، وہ تو ہمہ وقت تمہارے ساتھ ہے اور تمہیں سنتا ہے۔

اس سے بعض صحابہ یہ سمجھ گئے کہ ذکر جہر منع ہے۔اسی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرمادیا۔ چنانچہ حموی میں ہے

في فتاوىٰ القاضي الجهر بالذكر حرام ، و قد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا في مسجد يهللون و يصلون عليه الصلوٰة و السلام جهرا فراح إليهم و قال ما عهدوا ذلک على عهده عليه الصلوٰة و السلام و ما أراكم إلا مبتدعين فما زال يذكر ذلک حتى أخرجهم من المسجد .

فتاویٰ قاضی میں مذکور ہے کہ جہراً ذکر کرنا حرام ہے۔اور حضرت ابن مسعود سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو مسجد میں اکٹھا ہو کر زور زور سے تہلیل کرتے اور درود و سلام پڑھتے دیکھا تو ان کی طرف گئے اور کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہوا کرتا تھا، اس سلسلے میں میں تمہیں بدعتی پا رہا ہوں ۔تو یہ لوگ ایسا ہی ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو صرف احداث ہیئت جدیدہ کے لیے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ ان کا یہ ذکر جہر کرنا نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو احداث شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ منع ہے، اور جو مخالف نہیں وہ منع نہیں۔ چنانچہ یہی ذکر جہر جن لوگوں کے نزدیک مخالف نہیں وہ سب جائز کہتے ہیں۔

عمدۃ الفقہا والمحدثین جناب مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی حدیث پڑھی ہے) اپنے رسالہ ''دلائل الاذکار'' مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يجهر مع الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين بالأذكار و التهليل و التسبيح بعد الصلوٰة .انتهى

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ جہراً تسبیح و تہلیل اور اذکار فرمایا کرتے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۰/۱۶۹ حدیث: ۶۷۷۰، صحیح مسلم: ۱۳/۲۲۰ حدیث: ۴۸۷۳، مسند احمد: ۴۰/۹۷ حدیث: ۱۸۷۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰/۹۷ حدیث: ۱۸۷۸۰، سنن بیہقی: ۲/۱۸۴، مصنف عبد الرزاق: ۵/۱۶۰ حدیث: ۹۲۴۶، سنن نسائی: ۴/۳۹۸ حدیث: ۷۶۷۹، مسند ابو یعلی موصلی: ۱۵/۶۲ حدیث: ۷۰۹۳، مسند حمیدی: ۱۵/۶۲ حدیث: ۷۰۹۳، مسند طیالسی: ۲/۹ حدیث: ۴۸۹، مشکل الآثار طحاوی: ۱۲/۴۹۲ حدیث: ۵۰۶۰، الاسماء والصفات بیہقی: ۱/۳۷ حدیث: ۶۳، مسند بزار: ۷/۴۷۷ حدیث: ۲۵۸۹، التوحید لابن خزیمہ: ۱/۶۷ حدیث: ۵۷، التوحید لابن مندہ: ۱/۴۲۱ حدیث: ۳۱۱، الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۱۴۶ حدیث: ۱۲۵، الناسخ والمنسوخ نحاس: ۱/۴۶۵ حدیث: ۳۷۲، عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی: ۲/۴۹۸ حدیث: ۵۲۰، مسند رویانی: ۲/۱۳۲ حدیث: ۵۲۹، کنز العمال: ۲/۹۱ حدیث: ۳۲۸۷، مسند الجامع: ۲۷/۱۸۶ حدیث: ۸۸۸۲

❁ یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے >>

درمختار کے حاشیہ شامی میں ہے

أجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة في المساجد و غیرها إلا أن يُشوِّش جهرُهم علی نائم أو مصلٍّ أو قارئ . انتهیٰ. (۱)

اسلاف واخلاف سبھی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجد اور غیر مسجد کے اندر جماعت کے ساتھ ذکر مستحب ہے، جب کہ ان کا جہراً ذکر کرنا کسی قاری، نمازی اور سونے والے کے لیے باعث خلل نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کے استحباب پر علماء کا اجماع ہے۔ اور یہ علماء حدیث بخاری کی نہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چوں کہ وہ موقع جہاد تھا، وہاں کفار سے اپنا حال چھپانا منظور تھا اس لیے جہر کو آپ نے منع فرمایا نہ اس لیے کہ جہر منع ہے۔ اور اسی طرح آیت میں بھی ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

دوسرا انکار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز عید سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ واضح ہو کہ یہ منع فرمانا صرف اسی وجہ سے نہ تھا کہ اس وقت نماز آپ سے منقول نہیں اور جب منقول نہیں تو بدعت ٹھہرے جیسا کہ فریق ثانی اس مغالطہ میں پڑا ہوا ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا منع فرمانا ایک دلیل ہے جس پر علمائے حنفیہ کا عمل ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نہی موجود ہے۔

شرح مجمع میں ہے

روي أنه علیه السلام قَالَ لاَ صَلوٰةَ فِي الْعِیدَیْنِ قَبْلَ الإمَامِ .

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کہ آپ نے فرمایا: عیدین کی نماز میں، جماعت سے پہلے کوئی نماز نہیں۔

بس یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ احداث اس شے کا منع ہے جو شارع علیہ السلام کے امر و نہی کے مخالف ہو۔ تو جن لوگوں تک شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی پہنچ گئی انھوں نے عید سے پہلے نفلی نماز پڑھنے کو منع کر دیا لیکن جن تک نہیں پہنچی تو انھوں نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کرنے کے سبب منع کا حکم نہیں دیا، اور یہ کہا کہ

ترک فعل خیر نزدیک حضورِ دواعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد۔

دواعی موجود ہونے کے باوجود کسی فعل خیر کو ترک کرنا اس کی کراہت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ (جیسا کہ مصفی شرح موطا سے اوپر نقل ہوا)

تیسرا انکار نماز چاشت پر حضرت عبداللہ بن عمر کا ہے تو یہ انکار مانعین کے لیے فائدہ مند نہیں اس لیے کہ وہ اس کو بدعت حسنہ فرماتے تھے۔

مواہب لدنیہ اور خاتم المحدثین زرقانی کی شرح مواہب کے صفحہ ۱۳ پر شعبی سے روایت ہے کہ

❁ یاأیها الناس غضوا من أصواتکم فإنکم لا تدعون أصم و لا غائبا إن الذي تدعون دون رکابکم۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۲/۴ حدیث: ۱۳۰۵، شعب الایمان: ۲۲۳/۲ حدیث: ۶۸۱، کنز العمال: ۸۳/۲ حدیث: ۳۲۴۴)

❁ یاأیها الناس إنکم لا تدعون أصم و لا غائبا إن الذي تدعون بینکم و بین أعناق أکتافکم. (مشکل الآثار طحاوی: ۴۹۳/۱۲)

(۱) ردالمحتار: ۹۳/۵ (فروع افضل المساجد)

سمعت ابن عمر يقول ما ابتدع المسلمون أفضل من صلوٰة الضحىٰ و روي ابن أبي شيبة بإسناد صحيح عن الحكم بن عبد الله بن اسحٰق بن الأعرج قال سألت ابن عمر عن صلوٰة الضحىٰ فقال بدعة و نعمت البدعة و روي عبد الرزاق بإسناد صحيح عن سالم عن أبيه قال لقد قتل عثمان و ما أحد يسبحها و ما أحدث الناس شيئا أحب إلى منها و روي سعيد بن منصور عن مجاهد عن ابن عمر انها محدثة و انها لمن أحسن ما أحدثوا. (۱)

میں نے ابن عمر کو کہتے سنا کہ مسلمانوں نے نمازِ چاشت کی شکل میں کیسی عمدہ ترین بدعت ایجاد کی ہے۔ابن ابی شیبہ سندِ صحیح کے ساتھ حکم بن عبداللہ بن اسحٰق بن اعرج سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے نمازِ چاشت کی بابت ابن عمر سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بدعت ہے مگر بہترین بدعت ۔عبد الرزاق صحیح سندوں کے ساتھ سالم اور ان کے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کو شہید کردیا گیا اس وقت تک لوگ چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔اور میرے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی چیز لوگوں نے نہیں ایجاد کی ۔سعید بن منصور نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ نمازِ چاشت بلاشبہ ایجاد کردہ چیزوں میں ہے لیکن وہ بہترین ہے ان چیزوں میں جو لوگوں نے ایجاد کی۔

سعید بن منصور کی یہ آخری روایت شرح بخاری، فتح الباری وغیرہ میں بھی موجود ہے۔(۲)

لہٰذا بدعت حسنہ ثابت کرنے والوں کا مدعا ثابت اور رد کرنے والوں کا باطل ہوگیا۔اور بعض علماء نے یہ خیال کیا ہے کہ ان کا انکار اصل نماز پر نہ تھا کیوں کہ وہ تو ان کے نزدیک بدعت حسنہ اور افضل واحسن کام تھا، اس پر وہ انکار کس طرح فرماتے، بلکہ اگر انھوں نے انکار کیا ہے تو اس بات پر کہ چونکہ لوگ اس کو نماز فرائض کی طرح مسجدوں میں جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ بات خلاف اصل تھی کیوں کہ صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے

فَعَلَيْكُم بِالصَّلوٰةِ فِي بُيُوتِكُم فَإِنَّ خَيْرَ صَلوٰةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ . (۳)

تمھیں اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھنی چاہیے کیوں کہ فرض نماز کے علاوہ ایک انسان کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ادا کی جائے۔

---

(۱) مواہب لدنیہ:۴/۲۱۵۔مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکاتِ رضا

(۲) روضۃ المحدثین:۱/۵۰۰ حدیث:۵۰۰، فتح الباری ابن حجر:۴/۱۷۳۔صلاۃ الضحیٰ فی السفر

(۳) صحیح بخاری:۱۹/۰۷ حدیث:۵۶۴۸، صحیح مسلم:۴/۱۸۳ حدیث:۱۳۰۱، سنن ابوداؤد:۴/۲۳۷ حدیث:۱۲۳۵، مسند احمد:۴۴/۱۱۲ حدیث:۲۰۶۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ:۴۴/۱۱۲ حدیث:۲۰۶۴۵، معجم کبیر طبرانی:۵/۶۱ حدیث:۴۷۶۳، سنن دارمی:۴/۱۸۲ حدیث:۱۴۱۷، مستخرج ابوعوانہ:۵/۵۴ حدیث:۱۷۶۹، مشکل الآثار طحاوی:۲/۹۰ حدیث:۵۰۳

یوں بھی یہ حدیث آئی ہے

❁ أفضل الصلوٰة صلوٰتكم في بيوتكم إلا صلوٰة المكتوبة . (موطا امام مالک:۱/۳۷ حدیث:۲۶۷، سنن نسائی:۱/۴۰۹ حدیث:۱۲۳۹، مشکل الآثار طحاوی:۲/۹۱ حدیث:۵۰۴)

>>

یہ بھی صحیح حدیث ہے

صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ . (١)　　اے لوگو! اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کے سوا اور نوافل آدمی کو گھر میں پڑھنا چاہیے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ نفل نماز گھر میں پڑھنے کی روایتیں حضرت عمر، جابر، ابوسعید، ابوہریرہ، ابن عمر، عائشہ، عبداللہ بن سعید اور زید بن خالد سے روایت کی گئی ہیں۔ تو ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر کے اجتہاد کا یہ تقاضا ہو کہ نفل نمازوں کے لیے حکم یہ ہوا ہے کہ: صلّوا في بيوتكم (اپنے گھروں میں پڑھو) اور یہاں لوگوں نے یہ کیا کہ دائمی طور پر مسجد ہی میں پڑھنے لگے اور یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ٹھہرا۔

بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جملہ فرائض ونوافل چونکہ ایک دوسرے سے بخوبی جدا اور ممیّز نہیں ہوئے تھے، اس لیے مسجدوں میں اکٹھا ہو کر نماز چاشت پڑھنے سے لوگوں کو یہ شبہہ ہوتا کہ کہیں وہ اس کو بھی فرض وواجب نہ سمجھ بیٹھیں۔

چنانچہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہ ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں

و إنما أرادوا بذلک لئلا تشبه بصلاة الفرض　　ایسا اس لیے ہوا تاکہ اس پر فرض نماز کا شبہہ نہ ہو

فيعتقد الناس وجوبها .الیٰ آخره.　　اور لوگ اسے فرض وواجب نہ گمان کر بیٹھیں۔

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر نماز چاشت پر انکار ہوا ہے تو ایسا ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی مخالفت اور اشتباہ فرض ونفل کے اندیشے کے سبب تھا۔ لہٰذا معارضین کا یہ سمجھنا کہ یہ انکار فقط عدم ثبوت کے سبب تھا بالکل مخدوش اور ساقط الاعتبار ہو گیا۔

چوتھا انکار حضرت عبداللہ ابن عمر کا قنوت پر جو اُن کے زمانے میں لوگ پڑھتے تھے، آپ نے اس کو بدعت فرمایا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ایک مہینہ قنوت پڑھا تھا پھر چھوڑ دیا۔

❁ أفضل صلاتكم في بيوتكم إلا المكتوبة . (سنن ترمذی: ۲/۲۴۹ حدیث: ۴۱۲، سنن نسائی: ۲/۲۴۹ حدیث: ۴۱۲، صحیح ابن حبان: ۱۱/۳۷ حدیث: ۲۵۷۹، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۴۲۳ حدیث: ۱۱۳۹)

❁ اجعلوا من صلوتكم في بيوتكم . (موطا امام مالک: ۱/۳۸۷ حدیث: ۲۶۷، صحیح بخاری: ۲/۲۱۰ حدیث: ۴۱۴، صحیح مسلم: ۴/۱۷۸ حدیث: ۱۲۹۶، سنن ابوداؤد: ۳/۲۳۲ حدیث: ۸۷۹، مسند احمد: ۹/۴۶۰ حدیث: ۴۴۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۹/۴۶۰ حدیث: ۴۴۲۴، سنن بیہقی: ۲/۱۸۹، مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/۱۲۷ حدیث: ۴۷۴۲، مسند حمیدی: ۱۰/۱۲۷ حدیث: ۴۷۴۲، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۴۲۷ حدیث: ۱۱۴۱)

❁ فصلوا أيها الناس في بيوتكم فإن أفضل الصلوٰة صلوٰة المرء في بيته إلا المكتوبة . (صحیح بخاری: ۳/۱۶۵ حدیث: ۶۸۹، مسند احمد ۴۴/۶۷ حدیث: ۲۰۶۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۴/۶۷ حدیث: ۲۰۶۰۰، سنن بیہقی: ۲/۱۹۴، معجم کبیر طبرانی: ۵/۶۰ حدیث: ۴۷۶۱، شعب الایمان: ۷/ ۲۸۱ حدیث: ۳۱۳۲، مستخرج ابوعوانہ: ۵/۵۳ حدیث: ۱۷۶۸، صحیح ابن حبان: ۱۰/۴۵۹ حدیث: ۲۵۳۸، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۴۲۴ حدیث: ۱۱۴۰، مشکل الآثار ۲/۸۹ حدیث: ۵۰۲)

(۱) صحیح بخاری: ۳/۴۲۲ حدیث: ۸۵۰، صحیح مسلم: ۳/۴۸۴ حدیث: ۱۱۲۸، سنن ابوداؤد: ۳/۲۶۳ حدیث: ۹۰۰، سنن ترمذی: ۲/۲۵۰ حدیث: ۴۱۳، سنن نسائی ۲/۲۵۰ حدیث: ۴۱۳، مسند احمد: ۹/۳۱۸ حدیث: ۴۲۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۹/۳۱۸ حدیث: ۴۲۸۲، سنن بیہقی: ۳/۱۸۵، مصنف عبد الرزاق: ۱/ ۳۹۳، سنن نسائی: ۱/۴۰۸ حدیث: ۱۲۹۰، مستدرک: ۳/۵۹ حدیث: ۱۰۰۰، معجم کبیر طبرانی: ۵/۲۱۲ حدیث: ۵۱۴۱، مستخرج ابوعوانہ: ۳/۱۸۵ حدیث: ۱۰۲۳، مسند ابویعلی موصلی: ۲/۱۴ حدیث: ۶۶۱۵، مسند حمیدی: ۲/۱۴ حدیث: ۶۶۱۵، صحیح ابن خزیمہ: ۷/۵ حدیث: ۱۷۵۹

عن أنس أنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَنَتَ شَهْراً ثُمَّ تَرَكَهُ . (١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت فرما کر اسے ترک کر دیا۔

اب ائمہ دین میں اختلاف پڑ گیا بعض نے کہا کہ قنوت کا چھوڑ دینا بیانِ جواز کے لیے تھا نسخ ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا' اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

بعض نے کہا کہ جب آپ نے چھوڑ دیا تو منسوخ ہو گیا

و العمل بالمنسوخ لا يجوز اتفاقا .

حکم منسوخ پر عمل کرنا متفقہ طور پر درست نہیں۔

دارِ قطنی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا

إن القنوت في صلاة الفجر بدعة .(ذكره الزرقاني)

نماز فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں

و كان أحد من روي أيضا عن الرسول صلى الله عليه وسلم عبد الله ابن عمر رضي الله عنهما ثم أخبرهم ان الله عزوجل نسخ ذلك حتى أنزل على رسوله عليه السلام ليس لك من الأمر شيء (الآية) فصار ذلك عند ابن عمر منسوخا فلم يكن هو يقنت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم و كان ينكر على من يقنت .انتهى.

یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی روایت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی آتے ہیں ۔پھر انھوں نے بتایا کہ اللہ عزوجل نے اسے منسوخ فرما کر اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمادی ہے: لیس لک من الأمر شيء ۔تو گویا اس کا حکم حضرت عبد اللہ بن عمر کے نزدیک منسوخ ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت نہیں پڑھتے تھے بلکہ جو پڑھتا اسے منع بھی فرماتے تھے۔

گزشتہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ کے ہم عصر جو صحابہ یا تابعین قنوت پڑھا کرتے تھے' وہ بھی اپنے طور پر استدلال قائم کرتے تھے اور اسے منسوخ نہیں سمجھتے تھے' اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے جو اس قنوت کو منع کیا تو انھوں نے منسوخ سمجھا اور منسوخ پر عمل بالاتفاق خلاف شرع اور ناجائز ہے کیوں کہ وہ عمل پہلے مامور بہ تھا اب منسوخ ہونے کی وجہ سے منہی عنہ ہو گیا۔ اسی بنیاد پر حضرت ابن عمر کے نزدیک اسے مقابل نہی سمجھ کر اس کا پڑھنا بدعت ٹھہرا۔ اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ جو امر' شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کے خلاف ایجاد ہو گا وہی بدعت و ضلالت ہو گا ورنہ نہیں ۔اور اگر یہ لوگ اسی بات پر جم جائیں کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ہیئت سے نہیں کیا وہی مخالف سنت اور بدعت و ضلالت ہے تو بہت سے کام ان کو چھوڑنے پڑ جائیں گے۔ انہیں میں سے یہ کہ عید گاہ میں منبر بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۱) صحیح مسلم: ۳/۴۴۳ حدیث: ۱۰۹۲' سنن ابوداؤد: ۴/۳۴۴ حدیث: ۱۲۳۳' مسند احمد: ۶۸/۲۶ حدیث: ۱۲۵۲۱' مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۸/۲۶ حدیث: ۱۲۵۲۱' سنن بیہقی: ۲/۲۰۱' سنن نسائی: ۱/۲۲۷ حدیث: ۶۶۶' تہذیب الآثار طبری: ۶/۱۷۴ حدیث: ۲۶۸۲' سنن دار قطنی: ۴/۳۹۹ حدیث: ۱/۱۲۷' معرفۃ السنن والآثار: ۳/۲۰۰ حدیث: ۱۰۱۷' نصب الرایہ: ۳/۱۸۴' مسند الجامع: ۲/۵ حدیث: ۴۹۳

امام قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' میں ابن خزیمہ سے روایت کرتے ہیں

خطب علیہ الصلوٰۃ و السلام یوم عید علی رجلیہ هذا یشعر بأنه لم یکن في المصلیٰ في زمانه علیہ السلام منبر و وقع في المدونة للإمام مالک ان أول من خطب الناس في المصلی علی منبر عثمان بن عفان . (۱)

نبی کریم ﷺ نے روز عید اپنے قدموں پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے زمانے میں عیدگاہ کے اندر کسی مخصوص شکل کا کوئی منبر نہ ہوتا تھا۔ اور مدونہ میں حضرت امام مالک سے وارد ہوا ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر سب سے پہلے خطبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا۔

تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں منبر پر خطبہ نہ پڑھا اور نہ ہی خلیفہ اول ودوم نے پڑھا بلکہ حضرت عثمان کے دور میں ابن صلت نے اینٹ اور مٹی سے منبر تیار کیا جس پر آپ نے خطبہ پڑھا تو چاہیے کہ منکرین، عیدگاہ کے منبر کو بھی اُڑا دیں، اور چاہیے تھا کہ صحابہ بھی انکار فرماتے کہ اس ہیئت کا منبر عیدگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تو نہ تھا۔

یوں ہی چاہیے کہ مانعین، جمعہ کی اذانِ اول کو بھی بالکل موقوف کردیں کیوں کہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے صرف ایک اذان ہوا کرتی تھی یعنی جس وقت امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا اور یہی خلیفہ اول ودوم کے عہد میں بھی باقی رہا۔ مگر اس کے بعد جب لوگ زیادہ ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان زیادہ فرمادی اور حکم دیا کہ مقام زورا (جو خارج مسجد کے باہر بازار میں ایک اونچا مقام تھا) پر ایک اذان دی جایا کرے۔

شرح مواہب لدنیہ زرقانی کے صفحہ ۴۵۲ پر ہے کہ ہشام ابن عبدالملک نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی سال بعد حکم دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ یہ پہلی اذان مسجد کے اندر کہی جائے۔ چنانچہ اب تک یہی مروج ہے کہ اذانِ اول بھی مسجد میں کہی جاتی ہے۔ اور اذان ثانی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی وہ خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور خطبہ مکمل ہونے کے بعد تکبیر کہی جاتی ہے۔

پھر اگر یہی قاعدہ صحیح ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہی سنت ہے اور اس کے سوا سب بدعت وضلالت ہے تو چاہیے کہ یہ اذان بھی معاذ اللہ ضلالت ہو، حالانکہ یہ شرقاً غرباً اہل اسلام میں رائج ہے۔

اسی طرح طواف رخصت میں الٹے پاؤں پھرنے کا مسئلہ فتاویٰ اور کتب حنفیہ کے متون وشروح میں مندرج ہے کہ جب حاجی طوافِ رخصت کریں تو دعا کریں اور روتے ہوئے الٹے پاؤں پیچھے پھریں، حالانکہ یہ الٹے پاؤں پھرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ فقیہ شامی نے اسے ''باب الحج'' میں ذکر کیا ہے، اور علامہ زیلعی نے اس الٹے پاؤں ہٹنے کی دلیل یہ بیان کی ہے

و العادة جارية في تعظيم الأكابر و المنكر لذلک مکابر . (۲)

جب علامہ زیلعی حنفی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فعل کی دلیل نہ ملی تو آپ نے یہ کہا کہ تعظیم میں یوں ہی عادت جاری ہے کہ بزرگوں کے سامنے سے پیٹھ پھیر کر نہیں پھرا جاتا، تو بس بیت اللہ سے رخصت ہونے میں بھی پشت دے کر نہ پھرنا چاہیے، اور جو اس کا انکار کرے وہ جھگڑالو انسان ہے۔

(۱) مواہب لدنیہ: ۴/ ۲۴۰، ۲۴۱۔ مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا

(۲) ردالمحتار: ۸/ ۳۳۱ مطلب فی طواف الزیارۃ، تبیین الحقائق: ۴/ ۳۹۹ باب الاحرام، درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۳/ ۹۹ تقدیم الاحرام علی المواقیت

علامہ طرابلسی نے کہا

و قد فعله الأصحاب يعني أصحاب مذهبنا. (۱) ہمارے اصحاب مذہب نے ایسا ہی کیا ہے۔

تو فقہائے حنفیہ اپنے اصحاب مذہب کے فعل کی اتباع کا حکم دیتے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی اسناد نہیں پہنچتی۔

تعجب ہے کہ جو لوگ مشائخ صوفیہ کے اشغال و اعمال عمل میں لائیں' تقلید شخصی کو واجب اور حق کو چار امام میں منحصر جانیں' اور اجماع امت کو درست کہیں اور پھر یہ بات زبان پر لائیں کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو کچھ حادث ہوگا وہ بدعت و ضلالت اور فی النار ہوگا! معاذ اللہ۔

یہ نہیں جانتے کہ یہ جو کچھ حضرات صوفیہ کرام نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً حبس نفس' اذکار کی مخصوص کیفیتیں' دو ضربی' سہ ضربی' چہار ضربی' قیام و قعود وغیرہ کے مخصوص طریقے' رگ کیاس کا دبانا اور تصور شیخ کرنا۔ یوں اور بھی بہت سارے امور جن کی تصریح کتابوں میں ملتی ہے۔ یہ سب قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں

اگر چہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادب بآداب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشتہ۔ الیٰ آخرہ۔

اگر چہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ تو پاکیزہ نفس صوفیہ کا اول زمانے میں ربط و تعلق' صحبت و تعلیم' صالح ادب اور تہذیب نفس سے رہا ہے' بیعت و خرقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے میں رسم خرقہ جاری ہوئی اور پھر اس کے بعد بیعت کی رسم پیدا ہوئی۔

مولوی اسماعیل صاحب ''صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں

محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق را تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند۔ الیٰ آخرہ۔

ہر دور کے محقق اکابرین نے اشغال و وظائف کی تجدید میں کوششیں کی ہیں۔

حضرت مرشدی و مستندی ادام اللہ ارشادہ ''ضیاء القلوب'' میں فرماتے ہیں

و ذکر اسم ذات در لطائف ستہ از تجویز قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ است۔ انتہیٰ۔

لطائف ستہ میں اسم ذات کا ذکر' قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا تجویز کردہ ہے۔

پس گیارہویں صدی تک کی ایجاد تو مذکورہ عبارتوں سے ثابت ہوئی تو تیرہوی صدی تک کی سند بھی آگے دی جائے گی۔ اسی طرح تقلید کا مسئلہ کہ تقلید شخصی واجب ہے' اور حق' مذاہب اربعہ میں منحصر ہے' یہ بھی قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں

أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين یعنی چوتھی صدی ہجری کے لوگ تقلید خالص

(۱) ردالمحتار: ۸/۳۱۱ مطلب فی طواف الزیارۃ

على التقليد الخالص على مذهب واحد.(۱) کے سلسلے میں کسی ایک مذہب پر جمع نہیں ہوے تھے۔

اور تین سطر کے بعد لکھا

إذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفتي وجدوا من غير تعيين مذهب .

معلوم ہوا کہ چوتھی صدی تک لوگ تقلید خالص کے سلسلے میں مذہب واحد پر اکٹھا نہ ہوئے تھے، جب کوئی مسئلہ پیش آتا بلا تعیین مذہب کسی مفتی سے پوچھ لیتے۔ مولوی قطب الدین خاں صاحب ''تفسیر الحق'' میں تفسیر مظہری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں

أهل السنة و الجماعة قد افترق بعد القرون الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب . اہل سنت و جماعت تیسری یا چوتھی صدی بعد چار مذاہب میں تقسیم ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقسیم قرون ثلاثہ کے بہت بعد ہوئی اور چوتھی صدی تک بھی تقلید شخصی کے وجوب پر اجماع نہ ہوا تھا، جس مذہب والے سے چاہتے تھے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ چار اماموں میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان کی وفات ۲۴۱ھ (855ء) میں ہوئی اور وہ تبع تابعین میں نہیں، صاحب تقریب نے انھیں طبقہ عاشرہ (دسویں طبقہ) میں لکھا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر فتویٰ دینے والے اور حق کو چار میں منحصر کرنے والے ان سے بھی بعد میں ہوئے۔

اسی طرح اجماع کا مسئلہ کہ کسی اصولی نے تصریح نہ فرمائی کہ قرون ثلاثہ کے بعد کا اجماع، کذب و بدعت ہوگا۔ حضرت امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ ''تمہید'' میں لکھتے ہیں

إجمـاع الأمة معتبرة بالإجمال لا بالتفصيل بدليل قوله تعالىٰ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُم شَهِيْداً، و لم يفصل بين الصحابة رضي الله عنهم وغيرهم و الأمة اسم عام يتناول الكل من الأول إلى الآخر .

اجمال کے ساتھ اجماع امت معتبر ہے نہ کہ تفصیل کے ساتھ۔ اس پر دلیل اللہ رب العزت کا یہ قول ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُم شَهِيْداً (اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا تمام امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ) اور اس میں صحابہ یا غیر صحابہ کا کچھ امتیاز و فصل نہیں۔ کیونکہ لفظ 'امت' اسم عام ہے جو اول تا آخر ہر ایک کو شامل ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ سے لے کر آخر امت تک جس طبقہ کے اہل اسلام کسی بات پر اجماع کر لیں گے وہ معتبر ہو جائے گا اور اس کو بدعت و ضلالت نہ کہا جائے گا۔ لہٰذا جو لوگ قائل ہیں کہ جو کچھ قرون ثلاثہ کے بعد ہوگا وہ کذب اور ضلالت ہی ہوگا ان کے اوپر یہ مسائل اور ان کے سوا اور نظیریں سخت مشکل پڑیں گی۔ یہ کیا کہ جن مسائل کے خود قائل ہو رہے ہو (حالانکہ وہ بھی قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں) ان کو مستثنیٰ کر کے ان میں کسی کو واجب اور کسی کو مستحب کہہ رہے ہو۔ اور فاتحہ اموات اور میلاد شریف

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۷۷

کو معاذ اللہ ضلالت محض کہہ رہے ہو۔ یہ تو بڑی ناانصافی ہے۔
ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے کہ ہم ان سب امور کو بلا فرق تسلیم کر رہے ہیں کیوں کہ یہ امور شارع علیہ السلام کے کسی امر و نہی کے مخالف نہیں ہیں۔ ہمارے اصول کے مطابق بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں (جیسا کہ اوپر گزرا اور مزید آرہا ہے)۔
الحاصل، جتنی نظیریں اور مثالیں یہاں مذکور ہوئیں ان سب کا یہ خلاصہ ہے اور جس کی بصیرت قلبی پر تعصب و عناد کا پردہ نہیں پڑا اس دیدہ ور پر سپیدۂ صبح کی طرح واضح ہو گیا کہ حدیث شریف: **من أحدث في أمرنا** سے ایسی ایجادات مراد ہیں جو شارع علیہ السلام کے امر و نہی کے مخالف ہوں۔ اور اس سے زمانے کی کوئی قید ہرگز مراد نہیں۔
اب دوسری حدیث شریف، حق طلب ناظرین کے لیے پیش ہے

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَه مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ لَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيئٌ(۱)

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۳/۱۶۳حدیث: ۴۸۳۰، سنن ابن ماجہ: ۱/۲۴۰ حدیث: ۲۰۳، مسند احمد: ۳۹/۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۶۶ حدیث: ۲۱۰۲۵، معجم کبیر طبرانی: ۳/۷، حدیث: ۲۳۸۴، سنن دارمی: ۲/۶۶ حدیث: ۵۲۱، مشکل الآثار طحاوی: ۱/ ۲۵۱ حدیث: ۲۰۸، مسند الجامع: ۱۰/۸۸حدیث: ۳۱۴۸، تحفۃ الاشراف: ۱۱/۸۰حدیث: ۱۱۸۰۰

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے

- من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيىء. (صحیح مسلم: ۵/۱۹۸حدیث: ۱۶۹۱، مسند احمد: ۳۹/۱۶۶حدیث: ۱۸۳۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/۱۶۶حدیث: ۱۸۳۶۷، سنن بیہقی: ۴/۱۷۵، سنن نسائی: ۲/۴۰ حدیث: ۲۳۳۵، شعب الایمان: ۷/۳۲۱ حدیث: ۳۱۶۹، صحیح ابن حبان: ۱۴/۱۱۹حدیث: ۳۳۷۷، صحیح ابن خزیمہ: ۹/۹۷ حدیث: ۲۲۷۸، مسند طیالسی: ۲/۲۴۱ حدیث: ۶۹۸، مشکل الآثار طحاوی: ۱/۲۵۰ حدیث: ۲۰۷، کنز العمال: ۱۵/۸۰۷ حدیث: ۴۲۰۷۸، المسند الجامع: ۱۰/۸۴حدیث: ۳۱۴۷، مشکوۃ المصابیح: ۱/۴۵ حدیث: ۲۱۰)
- من سن سنة خيرٍ فاتُّبِع عليها فله أجره و مثلُ أجور من اتبعه غير منقوصٍ من أجورهم شيئا. (سنن ترمذی: ۹/۲۸۵ حدیث: ۲۵۹۹، سنن نسائی: ۹/۲۸۵ حدیث: ۲۵۹۹، مسند الجامع: ۱۰/۸۷، تحفۃ الاشراف: ۴/۳۷۱ حدیث: ۳۲۴۳)
- من سن سنة حسنة فعُمل بها كان له أجرها و مثل أجر من عمل بها لا ينقص من أجورهم شيئا . (سنن ابن ماجہ: ۱/۲۳۶ حدیث: ۱۹۹)
- من سن سنة هدى فاتُّبِع عليها كان له مثلُ أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيىء. (مسند احمد: ۲۱/۱۹۶حدیث: ۱۰۱۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/۱۹۶حدیث: ۱۰۱۵۲، مسند الجامع: ۴۴/۲۴۰ حدیث: ۱۴۵۴۷)
- من سن خيرا فاستُنَّ به كان له أجره كاملا . (مسند احمد: ۲۱/۳۷۵ حدیث: ۱۰۳۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/۳۷۵ حدیث: ۱۰۳۳۱، مشکل الآثار طحاوی: ۴/۸۷ حدیث: ۱۳۳۲، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/۱۰۰، کنز العمال: ۱۵/۸۹۷ حدیث: ۴۳۱۲۳، المسند الجامع: ۱۱/۱۵۴ حدیث: ۳۳۰۵)
- من سن سنة صالحة في الإسلام فعُمل بها بعده كان له مثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيىء. (مسند احمد: ۳۹/۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۶۶ حدیث: ۲۱۰۲۵، المسند الجامع: ۱۰/۹۰ حدیث: ۳۱۴۹)
- من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها في حياته و بعد مماته حتى يترک. (مسند الشامیین: ۷/۳۴۳ حدیث: ۲۵۰۰، کنز العمال: ۱۵/۷۹۰ حدیث: ۴۳۱۲۶)

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں' بلکہ مجمع البحار اور امام نووی کی شرح مسلم (جو کہ ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر و مستند ہیں) سے لکھ رہا ہوں۔اس حدیث کے معنی ان میں یہ لکھے ہیں

جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا' پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب لکھا جائے گا کہ جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا' اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے لامتناہی خزانہ سے ثواب عطا فرمائے گا۔اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا یا یہ کہ اس سے پہلے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود ہی اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا' اور وہ طریقہ خواہ کسی علم کی تعلیم ہو یا عبادت ہو یا کوئی ادب کا طریقہ۔(۱)

مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۷۔اور شرح مسلم کی جلد دوم صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون تحریر ہے' جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے۔اس حدیث کو پیش کرنے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے۔

ایک تو یہ کہ بدعت حسنہ کا برا ہونا تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعدۂ ثواب دیا ہے' اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد اللہ کی دوسری مخلوق اس پر عمل کرے گی تو اس کے مرنے کے بعد بھی ان سب کے برابر اس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت نے طرح طرح کے اصول و قواعد علم ظاہر دین کی تہذیب کے لیے ایجاد فرمائے' اور اولیائے طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات و اشغال' دل کی صفائی اور تزئین کے واسطے قرون ثلاثہ کے بعد پیدا کیے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین اسی لیے امام شامی نے جلد اول کے شروع ہی میں لکھا کہ یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے۔اور اس حدیث کے معنی ان الفاظ میں لکھے ہیں

و كل من ابتدع شيئا من الخير كان له مثلُ أجر كلّ من يعمل به إلى يوم القيامة . (۲)

جو بھی کوئی بہتر چیز ایجاد کرے اسے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے برابر اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

اس حدیث سے دوسرا مطلب یہ نکلا کہ اس بدعت حسنہ کی ایجاد میں بھی وہی لفظ ''مــن'' ارشاد فرمایا (جو عربی زبان میں ایک عام لفظ ہے) یہ نہ فرمایا کہ قرون ثلاثہ میں جو کوئی طریقہ حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو بعد میں کرے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور بدعتی و جہنمی ہوگا نعوذ باللہ منہا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب کبھی کوئی نیک طریقہ جاری کرے گا اس کا ثواب ملے گا۔چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سنّ سنة حسنة کے معنی وہی کلی عام کیے ہیں۔یعنی انھوں نے لکھا ہے: من ابتدع شيئا .إلى آخره.

مولوی اسحاق نے بھی ''مائۃ مسائل'' میں یہی لکھا ہے

سوال: بدعت حسنہ محدود داست بوقت من الاوقات یا غیر محدود دست الی یوم القیامۃ۔

جواب: غیر محدود داست عند القائل بہ تقسیم ہا لحدیث من سن فی الاسلام سنة حسنة۔الیٰ آخرہ

(۱) شرح النووی: ۹/۳۳۳ حدیث: ۴۸۳۰ (۲) ردالمحتار: ۱/۱۴۲ مقدمہ

دیکھو سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعت حسنہ کے لیے وقت یا زمانہ کی کوئی قید ہے کہ فلاں زمانہ تک تو بدعت حسنہ کی ایجاد جائز ہے اور فلاں زمانہ میں جائز نہیں۔ یا ایسا کہ اس کی کچھ قید نہیں بلکہ اس کی ایجاد قیامت تک کے لیے جائز ہے' کوئی ایجاد کرے اور کسی زمانے میں ایجاد ہو۔

تو مولوی اسحٰق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی اس میں زمانے کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بہ تقسیم ہا کی قید کیوں لگائی' تو یہ بات تین وجھوں سے کسی وحشت کا باعث نہیں۔

ایک تو یہ کہ جو بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں تو بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو تقسیم بدعت کا قائل ہوگا اور جو قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین کے پایۂ اعتبار میں ٹھہر گئی اور ان کے قول کی صحت مسلم ہو گئی۔

تیسری وجہ یہ کہ جب مولوی صاحب نے یہ فرمادیا کہ جو تقسیم بدعت کے قائل ہیں ان کے نزدیک قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے' اب ہم تمھیں بتلائے دیتے ہیں کہ بدعت حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان سب مفتیانِ دین کے نزدیک تا قیامت بدعت حسنہ جائز ہے' اور یہ کچھ قرون ثلاثہ پر منحصر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں فقہا و محدثین کے اقوال کہ سیئہ و ضلالت وہی بدعت ہے جو قرآن و حدیث اور اجماع کے مخالف ہے۔ اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔

سیرت حلبی وغیرہ کتب مشہورہ و معتبرہ میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو إجماعا أو أثرا فهو البدعة الضالة ' و ما أحدث من الخير و لم يخالف شيئا من ذلك فهو البدعة المحمودة . (۱)

اس روایت کو بیہقی نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ۔

مولوی اسماعیل صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' کے دوسرے حصہ مسمّٰی بہ ''تذکیر الاخوان'' میں فرمایا ہے

جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہیٰ۔

تو امام شافعی کا قول ضرور مسلم ہونا چاہیے کیوں کہ یہ مجتہد ہیں اور بقول مولوی اسماعیل صاحب' مجتہد کا نکالا ہوا حکم سنت میں داخل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ خیر القرون میں ہیں۔ تیسرے یہ کہ خاص عربی ہیں' لغت عرب' صحابہ و تابعین کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات (اچھی طرح) جاننے والے ہیں۔ اس بنیاد پر بدعت کی مذمت میں جتنی حدیثیں آتی ہیں انھیں امام شافعی کی اس تفسیر کے مطابق ان بدعتوں پر محمول کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ اور محققین علمائے محدثین اور فقہائے دین نے اسی پر عمل کیا اور فتویٰ دیا ہے۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے جسے حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا

(۱) اعانۃ الطالبین: ۱/۳۱۳' سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲

و إنمـا المحذور بدعة تراغم سنة مأثورة . (١)

وہی بدعت منع ہے جو کسی ایسی سنت کو مٹاتی ہو جس کے قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

''احیاء العلوم'' کی جلد اول میں ہے

و لا يمنع ذلک من كونه محدثا فكم من محدث حسن . (٢)

نئی بات ہونے کی وجہ سے اسے منع نہ کیا جائے گا کیوں کہ بہت سی نئی باتیں عمدہ اور نیک ہیں۔

علامہ امام صدر الدین شافعی نے فرمایا

هذه بدعة لا بأس بها و لا تكره البدع إلا إذا راغمت السنة ' و أما إذا لم تراغمها فلا يكره . (٣)

ایسی بدعت میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بدعت اسی وقت مکروہ ہوتی ہے جب کسی سنت سے متصادم ہو ورنہ نہیں۔

شمنی وغیرہ محققین نے بدعت سیئہ مذمومہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويما و صراطا مستقيما .

دیکھیے کہ اس میں مخالفت کی قید ہے اور کسی زمانہ' قرون اور غیر قرون کو نہیں لیا بلکہ یہ قرار دیا کہ ہم کو جو شرعی دلائل کتاب وسنت اور اجماع و قیاس وغیرہ امور حقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں ان کے خلاف اور ان کو مٹانے والی جو چیز ایجاد ہو گی وہ بدعت سیئہ ہے' بشرطیکہ وہ مخالف بات شبہہ کے باعث ایجاد ہو۔ یہ اس لیے کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے

اگر کوئی براہِ عناد اَدلہ قطعیہ کے خلاف کچھ ایجاد کرے تو وہ قطعاً کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف ایجاد ہو گی وہی بدعت سیئہ ہے (مخالفت کی تحقیق ہم اوپر کر چکے) اور جو نئی چیز مخالف نہیں وہ حسنہ ہے' خواہ کبھی ایجاد ہو۔

علامہ ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' میں لکھا ہے

الابتداع إن كان في خلاف ما أمر الله به و رسوله فهو في حيز الذم و الإنكار و إن كان واقعا تحت عموم ما ندب إليه و حض عليه رسوله فهو في حيز المدح و إن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود و السخاء و فعل المعروف فهذا فعل من الأفعال المحمودة لم يكن الفاعل قد سبق إليه و لا يجوز أن يكون ذلک في خلاف ما ورد الشرع به لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جعل له في

یعنی کسی شے کی ایجاد اگر اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہو تو وہ مذموم اور بری ہے ورنہ اگر اس امر عام کے تحت داخل ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور اس پر (لوگوں کو) آمادہ کیا ہے تو وہ قابل ستائش ہے' اگر چہ اس کی مثال موجود نہ ہو' جیسے جود وسخاوت اور کارِ خیر کی کوئی صورت ' کیونکہ یہ ان افعالِ محمودہ سے ہے جنھیں پہلے کسی نے انجام نہیں دیا۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ شریعت میں وارد ہونے والے حکم کے خلاف ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں

(١) احیاء علوم الدین: ٢/١٣١' وما تحمد من آثار الوجد وما يذم (٢) احیاء علوم الدین: ١/٢٨٦' وهي عشرة (٣) سبل الهدیٰ والرشاد: ١/٣٦٥

ذلک ثوابا فقال من سن سنة حسنة كان له أجرها و أجـر من عمل بهـا و قال في ضده من سن سنة سيئة كـان عليه وزرها ووزر من عمل بها و ذلک إذا كان في خلاف ما أمر الله به و رسوله. إلى آخره.

اجرو ثواب رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: جس نے کوئی اچھی راہ نکالی تو اسے اس کی ایجاد ساتھ ہی اس پر عمل کرنے والے کا بھی ثواب ملے گا۔ اور اس کی ضد میں فرمایا کہ جس نے کوئی بری راہ نکالی تو اسے اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا گناہ بھی دیا جائے گا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی ایجاد اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہو۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جو چیز مخالف شرع' ایجاد ہو وہ بدعت سیئہ اور جو مخالف نہ ہو وہ بدعت محمودہ اور حسنہ ہے۔
فتاویٰ عالم گیری کی جلد خامس میں ہے

و کـم مـن شيـيء كان إحداثا و هو بدعة حسنة. (۱)

یعنی بہت ساری چیزیں نئی ایجاد ہوئیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے ''کتاب القواعد'' کے اخیر میں فرمایا

البـدعة امـا واجبة كتـدويـن أصـول الـفقـه و الكلام في الجرح و التعديل و اما محرمة كمذهب الجبرية و القدرية و اما مندوبة كإحداث المدارس و كـل إحسان لم يكن في عهد الأول و اما مكروهة كـزخـرفة الـمسـاجـد يعنى عند الشافعي و أما عند الـحـنـفية فـمبـاح و أمـا مبـاحة كـالتوسع في لذيذ المآكل و المشارب.

یعنی بدعت کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں کبھی واجب ہوتی ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح وتعدیل۔ کبھی حرام ہوتی ہے جیسے جبریہ وقدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور ہر اس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مسجدوں کی تزئین وآرایش جب کہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ اور کبھی بدعت مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بدعت کی یہ تقسیم کہ بعض بدعتیں واجب ہیں، بعض حرام، بعض مستحب (یعنی مستحق ثواب) بعض مکروہ، اور بعض مباح ہیں (یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب ہے اور نہ عذاب) تو گویا بدعت کی یہ تقسیم علامہ برکلی نے ''طریقہ محمدیہ'' مناوی نے ''شرح جامع صغیر'' ملاعلی قاری حنفی نے ''مرقات'' شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ''اشعۃ اللمعات'' سید جمال الدین محدث نے ''حواشی مشکوۃ'' علامہ ابن حجر نے اور علامہ ابن عابدین نے ''شرح درمختار'' میں بحث امامت میں 'پانچ قسم پر مسلم اور قائم رکھی۔
جب یہ قاعدہ مسلم ہو چکا تو اب ایک دو مسئلہ جو اس قاعدہ پر متفرع ہوتے ہیں لکھتا ہوں۔

مسئلہ اولیٰ

علامہ شرنبلالی نے فقہ حنفی کے حاشیہ درر غرر میں لکھا ہے کہ نماز کی نیت اصل دل میں ہوتی ہے، منہ سے ادا کرنا مستحب ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے

(۱) الفتاویٰ الہندیہ: ۳۴۳/۲/۷، آداب المسجد

(و التلفظ بها مستحب) يعنى طريق حسن أحبه المشائخ لا أنه من السنة ' لأنه لم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق صحيح و لا ضعيف و لا عن أحد من الصحابة و التابعين و لا عن أحد من الأئمة الأربعة بل المنقول انه صلى الله عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلوٰة كبر فهذه بدعة حسنة . (۱)

نماز کی نیت زبان سے کر لینا مستحب یعنی اچھا طریقہ ہے' مشائخ نے، جو اسے پسند فرمایا ہے' تو اس لیے نہیں کہ یہ سنت ہے کیوں کہ صحیح وضعیف کسی طور پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں' نہ کسی صحابی وتابعی سے' اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے۔ بلکہ منقول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے تھے۔ تو یہ بدعت حسنہ ہے۔

اب علامہ شرنبلالی کی یہ تقریر غور سے دیکھنی چاہیے کہ یہ بات مان کر کہ زبان سے نیت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے' صحابہ وتابعین اور مجتہدین سے ثابت نہیں اس کے باوجود حکم دیا کہ یہ بدعت حسنہ اور مستحب ہے۔

واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں جنھوں نے تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم سیکھا (کما فی التقریب) جب تلفظ بالنیۃ ان سے بھی منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرون ثلاثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا۔ اس کے قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ شرنبلالی نے تلفظ بالنیّۃ کی بابت لکھا کہ أحبّه المشائخ۔ اور مشائخ سے وہ متاخرین علماء مراد ہیں جو امام اعظم کے شاگردوں کا دور ختم ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔

درمختار میں زبان سے نیت کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ یہ طریقہ حسنہ ہمارے علماء کا ہے۔

اس سے بھی پتا چلا کہ ظہورِ تلفظ' قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہوا ہے۔

فقیہ حلبی نے شرح کبیر منیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ یہ ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اور پھر اس کے بعد لکھا

و هذه بدعة و لكن عدم النقل و كونه بدعة لا ينافي كونها حسنا .

اس پر نقل نہ ہونے اور اس کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو۔

اب دیکھیے کہ علمائے دین اس کو بدعت مان کر بھی اس کے حسن ونیک ہونے کا حکم صادر فرما رہے ہیں اور یہ علماء دونوں فریقوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے

فإن قصد و ذكر بلسانه كان أفضل .

یعنی دل میں نیت کرنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ زبان سے بھی کہہ لے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے

و ضم التلفظ إلى القصد أفضل . (۲)

یعنی زبانی طور پر بھی نیت کر لینا افضل ہے۔

(۱) دررالحکام شرح غررالاحکام: ۱/۲۸۳' باب شروط الصلوٰۃ

(۲) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ۱/۲۳۲' باب شروط الصلوٰۃ

ہدایہ میں ہے

و يحسن ذلک لاجتماع العزيمة . (۱)

زبان سے بھی نیت کر لینا بہتر ہے تا کہ مکمل قصد وارادہ پورے طور پر پالیا جائے۔

ایسا ہی کافی میں بھی ہے۔

درر شرح غرر میں ہے

و التلفظ بها مستحب . (۲)

زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔

یہ وہ کتابیں ہیں جو مذہب حنفی کے علماء کے نزدیک نہایت درجہ معتبر ہیں۔

اب شافعی مذہب (کے دلائل اس سلسلے میں) سننا چاہیے۔

علامہ قسطلانی شافعی ''مواہب لدنیہ'' میں بیان کرتے ہیں

و الذي استقر عليه أصحابنا استحباب النطق بها .

ہمارے اصحاب اس پر متفق ہیں کہ زبان سے نیت کہہ لینا مستحب ہے۔

غنیۃ الطالبین، حضرت غوث اعظم حنبلی کی تالیف ہے، بیانِ وضو میں وہ لکھتے ہیں

ينوي بطهارته رفع الحدث و محلها القلب فإن ذكر ذلک بلسانه مع اعتقاده بقلبه كان قد أتى بالأفضل .

الحاصل، زبان سے نیت کرنا ایسا عمل ہے جو تمام ہندوستان، فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے

قد استفاض ظهور العمل به في كثير من الأعصار في عامة الأمصار .(۳)

زبان سے نیت کرنے کا عمل ہر چہار جانب عام ہے۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۱۴ پر بھی تلفظ بالنیۃ کو مستحسن مان لیا ہے۔ عبارت یہ ہے

اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود تھی کہ حج میں تلفظ نسائی کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ الی آخرہ۔

اس استدلال کا حال تمام لوگوں کو محفوظ رکھنا کار آمد ہوگا اس لیے کہ حج میں جو تلفظ مامور بہ اور عند الفقہا معمول بہ ہے وہ یہ ہے

اللهم إني أريد الحج فيسره لي و تقبله مني . (۴)

یعنی اے اللہ، میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر دے، اور میری طرف سے اسے قبول فرما۔

---

(۱) تبیین الحقائق: ۱/ ۲۷۴، باب شروط الصلوٰۃ

(۲) درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۱/ ۲۸۳ (باب شروط الصلوٰۃ)، حاشیہ رد المحتار: ۱/ ۸۶۔ در مختار: ۱/ ۲۰۰، کتاب الطہارت　(۳) رد المحتار: ۳/ ۲۹۱، مطلب فی ستر العورۃ۔

(۴) الاختیار لتعلیل المختار: ۱/ ۱۱، حاشیۃ رد المحتار: ۱/ ۴۴۸، در مختار: ۲/ ۵۳۰، تحفۃ الفقہا: ۱/ ۱۲۵، المبسوط: ۴/ ۴۱۹، کتاب المناسک۔ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۲، فصل فی سنن حکم التکبیر۔ تبیین الحقائق ۴/ ۲۶۱، باب الاحرام۔ العنایہ شرح الہدایہ: ۳/ ۴۱۲، باب الاحرام۔ الجوہرۃ النیرہ: ۲/ ۸۲، کتاب الحج۔ فتح القدیر: ۵/ ۶۵، باب الاحرام۔ درر شرح غرر: ۳/ ۴۶، تقدیم الاحرام علی المواقیت۔ البحر الرائق: ۶/ ۳۹۴، استعمال الطیب فی بدنہ۔ مجمع الانہر: ۲/ ۴۰۹، فصل بیان الاحرام۔ رد المحتار: ۳/ ۲۹۲، مطلب فی ستر العورۃ

چنانچہ ہدایہ ووقایہ اور درمختار وغیرہ میں موجود ہے۔
پھر بعض علماء نے نماز میں بھی تجویز کیا کہ یہ کہا جائے

اللّٰهم إني أريد أن أصلي صلوٰة كذا فيسرها لي و تقبلها مني . (۱)
اے اللہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر اور میری طرف سے اسے قبول فرما۔

لیکن جمہور علماء نے اس کا رد فرمایا ہے کیوں کہ حج میں موانع اور صعوبتیں پیش آتی ہیں اس لیے اس میں ایسا مستحب ہے۔ لیکن نماز میں کیا صعوبت ہے کہ دعا کی جائے' یا اللہ میں نماز کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لیے سہل کر دے۔ اس بنیاد پر نیت نماز کے لیے ایسا کہنا مخدوش رہا جیسا کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے بلکہ یہ ٹھہرا کہ کہا جائے

نويت فجر اليوم و ظهر اليوم وغيره .
یعنی میں نے آج کی نماز فجر یا نماز ظہر کی نیت کی۔

اہل اسلام میں جو کثرت سے مشہور و مستفیض اور زبان زد خاص و عام ہے وہ یہ ہے جسے علامہ محمد بن احمد زاہد ملقب بالزین نے ''ترغیب الصلوٰۃ'' میں لکھا ہے

نويت أن أصلي فرض فجر الوقت ركعتين لله تعالىٰ و توجهت إلى الكعبة و اقتديت بهذا الإمام .

سنتوں کی نیت یوں کرے

نويت أن أصلي سنة الفجر ركعتين لله تعالىٰ متابعة للرسول و توجهت إلى الكعبة .

چنانچہ ہمارے اضلاع میں بھی اسی کے قریب عمل جاری ہے۔ فرض کی نیت میں کہتے ہیں
نیت کی میں نے دو رکعت نماز فجر فرض کی' اللہ تعالیٰ کے واسطے' منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اور سنتوں میں فرض کی بجائے سنت رسول اللہ کہتے ہیں' اور باقی بدستور۔

اب دیکھیے کہ قرون ثلاثہ سے نماز میں نہ تو یہ الفاظ اور نہ ان کے سوا اور کچھ الفاظ ثابت ہیں مگر محققین اہل سنت نے اس کو تسلیم کیا۔ اور مولف براہین نے اس طرح تسلیم کیا کہ ان الفاظ کی دلیل شرع میں موجود ہے۔ یعنی حج میں تلفظ پایا گیا۔ اب یہاں سے مانعین یہ یاد رکھیں کہ بدعت حسنہ کے جواز کے لیے ایسی دلیل بس ہوا کرتی ہے کہ اگر خاص نماز میں منقول نہیں تو حج میں سہی گو وہ عبادت اور ہے اور یہ اور۔ اور پھر تلفظ میں بھی مطابقت شرط نہیں کہ حج میں اور ہے اور نماز میں اور۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنی مانی ہوئی باتوں کے لیے ایسی ایسی دلیلیں تسلیم کریں اور ہم جو اثبات فاتحہ و میلاد شریف میں اس سے بہت اعلیٰ دلائل پیش کریں وہ غیر منظور ہوں۔ بجز اس کے کچھ علاج نہیں کہ حق سبحانہ اپنی قدرت کاملہ سے شانِ ہدایت کا جلوہ دکھائے۔

مسئلہ ثانیہ

آخر چھٹی صدی ہجری میں جو محفل میلاد شریف منعقد ہوئی' اس کو جلیل القدر علماء اور اکابر فضلا نے مستحسن سمجھا اور شریک بھی ہوئے۔ اور امام نووی کے استاد حضرت ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے بدعت حسنہ بھی قرار دیا اور مزید یہ فرمایا

(۱) البحر الرائق: ۳/۹۴' باب شروط الصلوٰۃ۔ بدائع الصنائع: ۲/۲۷' فصل فی سنن حکم التکبیر۔ تحفۃ الفقہا: ۱/۱۲۵' درمختار: ۲/۵۳۰

و من أحسن ما ابتدع في زماننا هذا ما يفعل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي صلى الله عليه وسلم من الصدقات و المعروف و إظهار الزينة و السرور. الى آخره.(۱)

ہمارے زمانے کی نوایجاد چیزوں میں یہ چیز کتنی خوبصورت ہے کہ لوگ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر صدقات وخیرات اور زینت ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

و عمل المولد و اجتماع الناس له كذلك أي بدعة حسنة. كذا في السيرة الحلبية. (۲)

میلاد النبی منانا اور اس کے لیے لوگوں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا سب کا سب بدعت حسنہ ہے۔ سیرت حلبیہ میں یوں ہی رقم ہے۔

مسئلہ ثالثہ

آٹھویں صدی کے آخر میں اذان کے بعد جو سلام کا رواج پڑا تو اس کی بابت درمختار میں ہے

التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبع مائة و إحدى و ثمانين و هو بدعة حسنة. (۳)

اذان کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کی بدعت (ربیع الآخر) ۷۸۱ھ (1379ء) میں ایجاد ہوئی، اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

درمختار کے شارح امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے تسلیم کیا اور مزید کنز الدقائق کی شرح، نہر الفائق اور قول بدیع سے نقل فرمایا ہے

و الصواب (من الأقوال) أنها بدعة حسنة. (۴)

سچی بات یہی ہے کہ اذان کے بعد سلام بدعت حسنہ ہے۔

آپ دیکھیں کہ آٹھویں صدی تو قرونِ ثلاثہ کے بہت بعد ہے، اس صدی میں پیدا شدہ نئی چیزوں کو بھی فقہا نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ اب فقہا کے ان اقوال کو امام شافعی کے قول کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، ان سب علماء نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ کے دوخانوں میں تقسیم کیا ہے، اور بدعت حسنہ کو خواہ وہ قرونِ ثلاثہ یا ان کے بعد ایجاد ہوئی ہو مستحب اور حسن مانا ہے، تو گویا مولوی اسحٰق صاحب کے فرمانے کے مطابق ان سب فقہا کے نزدیک بدعت حسنہ کی ایجاد تا قیام قیامت ثابت ہوئی کیوں کہ وہ کہتے ہیں

غیر محدود است عند القائل بہ تقسیم ہا۔

قائل کے نزدیک اس کی تقسیم کسی زمانے تک محدود نہیں۔

اور (دور کیوں جایئے) خود مولوی اسحٰق اور مولوی اسماعیل صاحبان کے بزرگ بھی بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں۔ (یہ دیکھیں) شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات عشرۂ محرم کے سوال اول کے جواب میں لکھتے ہیں

ساختن ضرائح وصورت قبور وعلَم وغیرہ ایں ہمہ بدعت ست وظاہر است کہ ایں بدعت حسنہ کہ دراں ماخوذ نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است وحالِ بدعت سیئہ ایں است کہ

یعنی تعزیہ اور پرچم وقبور کے نقشے وغیرہ بنانا بدعت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ یہ بدعت حسنہ نہیں کہ جس میں مواخذہ نہ ہو بلکہ یہ بدعت سیئہ ہے اور بدعت سیئہ کے سلسلے میں حدیث

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۵، سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲ (۲) سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲

(۳) درمختار: ۱/۴۲۰ (۴) ردمحتار: ۳/۲۰۳

درحدیث شریف واردست: شر الأمور محدثاتها و کل بدعة ضلالة. میں ہے کہ دین میں نئی چیزوں کی ایجاد برا کام ہے کیونکہ ہرنئی چیز گمراہی ہے۔

شاہ صاحب موصوف نے ''تحفہ اثناعشریہ'' میں بھی بدعت حسنہ کا ثبوت پیش کیا ہے (جسے مطبوعہ مطبع حسینی دہلی کے صفحہ ۵۹۷ پر دیکھا جاسکتا ہے) اور تفسیر عزیزی پارۂ الم (مطبوعہ مطبع ولی محمد لکھنوی) کے صفحہ ۲۱۲ میں قرآن شریف کی بیع کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ اب تیرہویں صدی میں مولوی اسماعیل صاحب کہ جنھوں نے ''تذکیرالاخوان'' میں یہ کلام کیا تھا کہ

جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت، گنتی، قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے۔

اللہ کا شکر کہ یہ قاعدہ ایجاد کر کے آخر کار خود اس سے مخالفت کی راہ اختیار کر لی اس کا ثبوت ''صراطِ مستقیم'' میں لکھی ان کی یہ عبارت ہے

اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد لہٰذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود۔

ہر وقت اور ہر دور کے اشغال و ریاضت الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے محقق اکابرین نے اشغال و وظائف کی تجدید میں کوششیں کی ہیں۔ اس بنیاد پر وقت و مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کتاب کے ایک باب کو وقت کی مناسبت کے مطابق خاص اشغال جدیدہ کے لیے متعین کر دیا جائے۔

اس عبارت میں قرونِ ثلاثہ کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ ہر صدی میں اشغال کی ایجاد اور مشائخ کے تعینات کو مسلم رکھا اپنی تیرہویں صدی کے واسطے ایک باب میں بذات خود کچھ نئے اشغال لکھے۔ اس باب میں دیکھیں کہ ذکر اللہ اور عبادت الٰہی میں کیا کچھ وقت، ہیئت و کیفیت اور عدد کی قیدیں ہیں۔ اور ''صراط مستقیم'' کے آخر ورق میں بھی لکھا ہے

تجدید اشغالے کہ ایں کتاب محتوی براں است فرمودند۔

مرشد صاحب نے نئے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انجام کاران کو بھی یہی بات حق و درست لگی کہ ''ایجاد بدعت حسنہ الی یوم القیامہ جائز است''۔ خیر اللہ تعالیٰ ان کی تقلید کرنے والوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔

اب اہل سنت و جماعت خوب غور و فکر سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہ جو فتویٰ انکاری کے مفتیوں نے میلاد شریف اور مردوں کی فاتحہ کو جمعرات اور عیدین وغیرہ میں ممنوع لکھا تھا اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے اور ہم اس دلیل کا ضعف اور ہلکا پن آپ کو بتا چکے اور جب ارباب تحقیق و اصحاب تدقیق کے اقوال کی روشنی میں ان کی دلیل گھٹنے ٹیک گئی تو یقیناً اب ان کے فتویٰ کی شکست فاش ہوگئی، اور وہ جملہ امور آج بھی یوں ہی مستحسن و مباح رہے۔ جس طرح پہلے تھے۔ لہٰذا مذہب صحیح اور مشرب اہل تنقیح یہی ہے جسے علامہ حلبی نے ''انسان العیون'' کی جلد اول میں لکھا ہے

و قد قال ابن الحجر الهيثمی ان البدعة الحسنة متفق علی ندبها. (۱)

حافظ ابن حجر ہیثمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مندوب و مستحب ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون: ۱/۱۲۲

یعنی محققینِ فقہا و محدثین، بدعت حسنہ کو بالاتفاق اور بالاجماع جائز و درست قرار دیتے، اور اسی کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ لہٰذا فتویٰ انکاری کے اندر مندرجہ جملہ امور یعنی میلاد شریف، عیدین، جمعرات اور مردوں وغیرہ کی فاتحہ، فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے محققین کے اجماع و اتفاق سے مستحسن و درست ٹھہرے نہ کہ برے۔ اور مخالفین و مانعین جو اپنی سخن پروری کی وجہ سے انکار کیے جاتے ہیں تو ان کے انکار سے کوئی حرج و فرق نہیں پڑنے والا۔

حضرت ابوشکور رحمۃ اللہ علیہ ''تمہید'' میں فرماتے ہیں

و اما خلاف الذين خالفوا لغرضهم لا يعد خلافا.

جو لوگ اپنے مقصد کی برآری کے لیے کوئی اختلاف کرتے ہیں تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

لہٰذا جو اپنی کسی غرض کے تحت (ان کے جواز کا) قول نہیں کرتے، تو ان کے اختلاف کر دینے کی وجہ سے ہمارے مستحسن و جائز امور میں کوئی قباحت کیوں آنے لگے

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ . (۱)

اے ہمارے رب، ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر، اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

نور دوم میں چھ لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ، کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کا جواز

جو عبادت، انسان کی زبان یا جوارح و ارکان سے صادر ہو اس کو عبادتِ بدنی کہتے ہیں۔ جیسے قرآن یا تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا۔

جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادتِ مالی کہتے ہیں جیسے روٹی گوشت، اور روپیہ پیسہ وغیرہ راہِ خدا میں خرچ کرنا۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ ان دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب اگر کسی کو بخشا جائے تو وہ اس تک پہنچتا ہے۔ علم فقہ کی حد درجہ معتبر اور مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے

إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة و الجماعة . (۲)

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک کارِ خیر مثلاً نماز و روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ایصال ثواب جائز ہے۔

عقائد کی مشہور و مستند درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے

و في دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم عنهم نفع لهم خلافا للمعتزلة . (۳)

زندوں کا مردوں کے لیے دعا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ان کے لیے نفع بخش ہے۔ مگر معتزلی ایسا نہیں مانتے۔

(۱) سورۃ الاعراف: ۸۹/۷

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۲۶۸/۴، حاشیہ ردالمحتار: ۲۶۳/۲، تبیین الحقائق: ۱۳۱/۵، فتح القدیر: ۱۳۱/۶، البحر الرائق: ۳۷۹/۷، ردالمحتار: ۴۰۴/۶

(۳) شرح عقائد نسفیہ: ۱۶۵

یہ مسئلہ حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ ''تذکرۃ الموتی'' میں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

لهٰذا جمهور فقها حكم كرده اند كه ثواب هر عبادت به ميت مى رسد.

یعنی ان حدیثوں کی روشنی میں فقہائے کرام نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

حضرت ملاعلی قاری ''شرح فقہ اکبر'' میں عبادتِ بدنیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

فذهب أبو حنيفة و أحمد و جمهور السلف إلى وصولها. إلى آخره.

امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جماہیر امت نے ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا ہے۔

لہٰذا اسی بنیاد پر اہل اسلام کی یہ عادت ہے کہ جب کسی میت کے نام سے کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد شریف اور درود پاک پڑھ کر اس میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا اور جو کچھ خیرات دی گئی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے، عوام میں اسی کا نام فاتحہ ہے۔ وہ (روزمرہ) یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔

دراصل فاتحہ، الحمد شریف کا نام ہے اور چونکہ الحمد شریف کی اس وقت تلاوت ہوتی ہے اس لیے اس پورے عمل کا نام ''فاتحہ'' قرار پایا۔ (اسی کو کہتے ہیں) تسمية الكل باسم الجزء یعنی کسی خاص جز کی مناسبت سے پورے کا وہی نام دے دیا جائے۔ اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ اس فاتحہ کے اندر جو کچھ دعا و درود اور الحمد شریف پڑھی گئی وہ عبادت بدنیہ ہے جو کہ ثابت الاصل ہے، یوں ہی جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دی جائے گی وہ عبادت مالیہ ہے اور یہ بھی حدیث وفقہ اور عقائد سے ثابت ہے، اور انھیں دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے۔ پھر منکرین کے اس انکار کا کیا معنی کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ جدا جدا کر دیا جائے کیوں کہ دونوں کا جمع کرنا ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں گوشت ہے اور گوشت حلال چیز ہے، برنج ہے وہ بھی حلال، اور زعفرانی رنگ ہے وہ بھی حلال ہے تو ان مباحات کا مجموعہ مباح ہے۔

اب اس کے جواب میں کوئی بے ہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جائے کہ صاحب، یہ سب جدا جدا تو بے شک ثابت ہیں لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر، قرآن یا حدیث میں دکھاؤ، یہ حرف کہاں لکھا ہوا ہے کہ بریانی کھانا درست ہے۔ تو جس طرح اس بے ہودہ کو اہل خرد، عقل کا یتیم اور ہنسے جانے کے قابل سمجھیں گے بالکل یہی معاملہ ان صاحبوں کی اس بات کا بھی ہے۔

علاوہ بریں جس طرح یہ لوگ صریح روایت کے وجود پر اثبات جمع کو موقوف رکھتے ہیں یوں ہی منع کو بھی وجودِ روایت پر موقوف رکھنا چاہیے، یعنی اگر عبادت مالیہ اور عبادت بدنیہ جمع کرنے کی ممانعت میں کوئی حدیث یا آیت وارد ہوئی ہو تو منع کریں ورنہ ان کو خاموش رہنا چاہیے۔ حالانکہ ہم دعوے سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جمع بین العبادتین (دو عبادتوں کو اکٹھا کرنے) کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی حدیث یا آیت نہیں آئی ہے اور اگر ہے تو انھیں پیش کرنا چاہیے۔ هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين۔

ہم جمع بین العبادتین کے لیے عقلی اور نقلی قاعدے از روے شرع دکھا دیں گے۔ ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو (اشیا

میں)اصل اباحت ہے۔دوسرے یہ کہ ایک بندے کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت میں لگا رہے۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الانْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ . (۱) اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

بعض عبادتیں زبان سے ہوتی ہیں، بعض بدن کے دوسرے حصوں سے اور بعض مال سے۔ (ظاہر ہے) جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا وہ صرف ایک عبادت کرنے والے کے مقابلے میں ضرور افضل ہوگا۔

معراج کی شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری میں ان الفاظ سے تحفہ گزارا

التحيات للّٰه و الصلوات و الطيبات .

مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو زبان سے اداہوں اور بدنی و مالی عبادتیں بھی ۔تو جب تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے لیے خاص ہوئیں تو اس شخص کے نصیبہ کا کیا کہنا جو اِن تینوں کو ادا کرے۔اور فاتحہ مرسومہ میں یہ باتیں حاصل ہیں۔ الحمد للّٰه ربِّ العٰلمين ، الرحمٰن الرحيم ، مٰلك يوم الدين کہنے سے حمد وثنا اور شکر الٰہی زبانی طور پر ادا ہوتی ہے۔اور اهدنا الصراط المستقيم سے لے کر اخیر تک یہ دعا ہوئی۔ نیز درود پڑھنا، عاجز و ذلیل بن کر اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھانا اور مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت بدنی اور لسانی ہوئی، اور شیرینی یا کھانا اللہ کے نام پر دینا عبادت مالی ہوئی۔تو نمازی جو پانچوں وقت اپنی نماز میں: التحيات للّٰه و الصلوات و الطيبات کہتا ہے، اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے۔تو زہے قسمت اس میت کی جس کو یہ 'عطر مجموعہ' پہنچے۔

تیسرے یہ کہ ''نصاب الاحتساب'' کے پندرہویں باب میں ''التجنيس والمزيد'' مولفہ امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے نقل کیا ہے

روي أن عليا رضي الله عنه تصدق بخاتم و هو في الركوع فمدحه اللّٰه تعالىٰ بقوله يؤتون الزكوٰة و هم راكعون .

یہ روایت تفسیر معالم التنزیل، مدارک، بیضاوی اور رازی وغیرہ میں بھی وارد ہے۔لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت مسجد نبوی کے اندر ایک آدمی نے سوال کیا، جب اس کو کچھ نہ ملا تو اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال کیا اور کسی نے کچھ بھی نہ دیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ حالت رکوع میں تھے، آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی خنصر انگلی جس میں انگوٹھی تھی سائل کی طرف کر دی، اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، آگے بڑھ کر علی کرم اللہ وجہہ کی انگشت سے انگوٹھی نکال لی۔انتہیٰ۔

اب دیکھیے، صدقہ ایک مالی عبادت ہے اور نماز بدنی عبادت۔اور صاحب ہدایہ کی عبارت تجنیس کے حوالے سے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع بین العبادتین کرنے پر سورۂ مائدہ میں تعریف فرمائی ہے۔اور کنز الدقائق کے مصنف، امام ابوالبرکات نسفیر رحمہ اللہ جو پایے کے حنفی عالموں میں سے ہیں اپنی تفسیر مدارک میں اس مقام پر فرمائے ہیں کہ یہاں فعل تو ایک کا ہے مگر صیغہ جمع کیوں

(۱) سورۂ الذاریات ۵۱/۵۶

فرمایا گیا؟ تو جواب دیا کہ اس میں تمام لوگوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ یہ ثواب کچھ ایک کے لیے خاص نہیں جو کوئی بھی اس قسم کا کام کرے گا اسے ایسا ہی ثواب ملے گا۔ عبارت یہ ہے

و ورد بلفظ الجمع و إن كان السبب واحدا ترغيبا للناس في مثل فعله لينالوا مثل ثوابه . (۱)

یہی مضمون علامہ قاضی بیضاوی شافعی نے بھی لکھا ہے۔ اور مدارک میں یوں ہے

و الآية تدل على جواز الصدقة في الصلوٰة . (۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حالت نماز میں صدقہ دینا جائز ہے۔

اس بنیاد پر عبادت مالی اور بدنی کا جمع کرنا نص قرآنی سے جائز بلکہ قابل مدح وثنا ہے۔ حالانکہ نماز ایک ایسی بدنی عبادت ہے کہ اس میں حرکت اجنبی سے جو متعلق نماز نہ ہو بچنا چاہیے تو جب نماز میں حرکت کے باوجود جمع بین العبادتین جائز ہوا تو خارج نماز (جو حرمت صلوٰۃ بھی مرد مکلّف کے ذمہ نہیں) بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ باقی رہا یہ اختلاف کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اور بعضوں کے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں یہ ہم کو مضر نہیں جب نص قرآنی میں **' و يُؤتُونَ الزَّكوٰةَ وَ هُمْ رَاكِعُوْنَ '** آ گیا۔

قال أبو البركات النسفي رحمه الله الواو للحال اى يؤتونها في حال ركوعهم . (۳)

حضرت ابوالبرکات نفسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر واو حالیہ ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ وہ حالت رکوع میں دیا کرتے ہیں۔

تو آیت کا مورد جو بھی ہو جمع بین العبادتین آیت سے ثابت ہے لیکن یہ جمع اس طرح ہے کہ اصل عبادت بدنی کرنا تھا اس میں مالی عبادت بھی عمل میں لایا ہم اس کی سند دیں کہ عبادت مالی کرنے میں بدنی عبادت بھی کی گئی ہے۔

محدث دارمی نے ''کتاب الاضاحی'' میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کیے جب ان کو ذبح کے لیے قبلہ رو لٹایا آپ نے یوں پڑھا

إنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَ الأَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اللّٰهُمَّ إنَّ هٰذَا مِنْكَ وَ لَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ أُمَّتِهٖ ثُمَّ سَمَّى اللّٰهَ وَ كَبَّرَ وَ ذَبَحَ . (۴)

پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیتیں پڑھیں پھر فرمایا' اے اللہ یہ قربانی تیرے فضل وکرم سے اور تیری ہی رضامندی کے لیے محمد اور اس کی امت کی طرف سے ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس کو ذبح فرمایا۔

---

(۱) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴ (۲) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴ (۳) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴

(۴) سنن ابوداؤد: ۷/۴۵۸ حدیث: ۲۴۱۳' سنن ابن ماجہ: ۹/۲۷۳ حدیث: ۳۱۱۲' مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۲۸ حدیث: ۱۴۶۱' مسند احمد ۳۰/۴۰ حدیث: ۱۴۴۹۱' سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۲۸۵' مستدرک حاکم: ۴/۲۶۱' شعب الایمان: ۱۵/۳۸۸ حدیث: ۷۰۸۹' سنن دارمی: ۶/۴۷ حدیث: ۱۹۹۸' صحیح ابن خزیمہ: ۱۰/۳۲۹ حدیث: ۲۶۸۰' معرفۃ السنن والآثار: ۱۵/۱۷۰ حدیث: ۵۸۷۵' الدعاء طبرانی: ۳/۳۰ حدیث: ۸۷۵' الدعوات الکبیر بیہقی: ۲/۳۸ حدیث: ۱۴۵۱' سنن صغیر بیہقی: ۴/۱۹۹ حدیث: ۱۴۲۵' نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۵/۳۳۲' باب الحج عن الغیر ۔' مسند جامع: ۹/۶۲ حدیث: ۲۷۳۵

مسلم شریف کی حدیث میں ایک دوسری قربانی کے موقع پر آپ سے یوں دعا مانگنا بھی آیا ہے

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ . (۱) اے اللہ محمد، آل محمد اور امت محمدیہ کی جانب سے اسے قبول فرما۔

لفظ أول المسلمين کی جگہ من المسلمين کی بھی روایت ہے۔ نیز لفظ حنيفا سے پہلے على ملة إبراهيم بھی مروی ہے۔ اور جس طرح احادیث میں آیا ہے یوں ہی آیتوں کا پڑھنا فقہائے کرام نے باب اضحیہ میں لکھا ہے۔ اور محمد بن احمد زاہد نے مزید یہ بھی لکھا ہے

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي هٰذِهِ الأُضْحِيَّةَ فَاجْعَلْهَا قُرْبَاناً لِوَجْهِكَ الكَرِيْمِ خَالِصاً وَ عَظِّمْ أَجْرِيْ عَلَيْهَا . یعنی اے اللہ، خالص اپنی رضا کے لیے اس قربانی کو میری طرف سے قبول فرما اور میرے اجر و ثواب کو بڑھا۔

کیا نہیں دیکھتے کہ اہل اسلام میں عقیقہ کے وقت یہ دعا پڑھنا شائع و ذائع ہے

اللّٰھُمَّ هٰذِهِ عَقِيْقَةُ ابْنِيْ فَلَانٍ دَمُهَا بِدَمِهٖ وَ لَحْمُهَا بِلَحْمِهٖ وَ عَظْمُهَا بِعَظْمِهٖ وَ جِلْدُهَا بِجِلْدِهٖ وَ شَعْرُهَا بِشَعْرِهٖ اللّٰھُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لِابْنِيْ مِنَ النَّارِ .

اس کے بعد وہی آیت مذکورہ إني وجهت وجهي تا من المسلمين پڑھ کر کہتے ہیں

اللّٰھُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَرُ .

اسے غور سے دیکھیں، یہ کیا ہے؟ آخر اسی عبادت بدنیہ اور مالیہ کا اجتماع ہی تو ہے۔ اور جمع بين العبادتين منع کیوں کر ہو!۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ . (۲) تو نیکیوں میں سبقت کرو۔

تفسیر روح البیان میں ہے

و المراد جميع أنواع الخيرات . (۳) ''خیرات'' سے ہر قسم کی نیکیاں مراد ہیں۔

کچھ ایسا ہی تفسیر عزیزی میں بھی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر قسم کی بدنی و مالی خیرات و عبادات جس سے جتنی بن پڑیں کرے کہ شرع نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور شاہ عبد القادر صاحب نے اس آیت کے فائدہ کے تحت لکھا ہے۔

بہتری اُسی کو ہے جو نیکیوں میں زیادہ ہو۔

اور ظاہر بات ہے کہ دو قسم کی عبادت کرنے والے ایک قسم کی عبادت کرنے والے سے (یقیناً) افضل ہوں گے۔ تو جمع بين العبادتين کرنے کے نتائج و دلائل یہ ہیں۔ اب اگر کسی نے ان سب کو ترک کر دیا اور بدعت کہہ کر چھوڑ دیا جیسے کہ یہ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو ان پر عوام الناس کی وہی مشہور مثل صادق آئے گی۔ ''مر گئے مردود فاتحہ نہ درود''۔

(۱) صحیح مسلم: ۱۰/۱۴۹ احدیث: ۳۶۳۷، سنن ابوداؤد: ۷/۴۵۵ حدیث: ۲۴۱۰، مسند احمد بن حنبل: ۵۰/۷ حدیث: ۲۳۳۵۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۰/۷ حدیث: ۲۳۳۵۱، سنن بیہقی: ۹/۲۶۷، مستخرج ابوعوانہ: ۱۵/۶/۲۳۶ حدیث: ۶۲۹۳، صحیح ابن حبان: ۲۴/۳۶۹ حدیث: ۶۰۱۴، معرفۃ السنن والآثار بیہقی: ۱۵/۱۳۸ احدیث: ۵۸۴۹، سنن صغیر بیہقی: ۴/۱۹۷

(۲) البقرہ، ۲: ۱۴۸- المائدہ، ۵: ۴۸ (۳) تفسیر روح البیان: ۱/۲۵۴ لبنان

صاحب ''سیف السنہ'' کا صفحہ ٦ کے اندر رَدِ فاتحہ کی دلیل میں یہ بات پیش کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے میں سوائے بسم اللہ پڑھنے کے اور کوئی چیز ثابت نہیں' بالکل ہی بے محل ہے' اس لیے کہ یہ بسم اللہ تو کھانا شروع کرنے سے پہلے اہل فاتحہ بھی پڑھتے ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہوا موجود ہو اور پھر انسان کچھ پڑھے' یہ ثابت ہے یا نہیں۔ تو ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ثابت ہے' (اور اس سلسلہ کی) چند حدیثیں مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات میں موجود ہیں۔

ان میں سے مسلم و بخاری سے مروی ام سلیم کی وہ حدیث بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ کا حال معلوم کر کے انھوں نے جو کی چند روٹیاں پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھ دیں (لمبا قصہ ہے یہ) آخر کار یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو ملیدہ کی طرح توڑوایا اور برتن میں جو کچھ گھی لگا ہوا تھا اس میں ٹپکا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعا کے کچھ الفاظ پڑھے' اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا' اَسّی آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کر کھلا دیا' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام سلیم کے جملہ اہل خانہ نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا۔ تو دیکھیے اس میں کھانا سامنے ہے اور اس پر دعا یا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا بھی ہے۔

انھیں میں سے بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت انس کی وہ حدیث' جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک بادیہ (کٹورے) میں کھجور' گھی اور اقط کی ترکیب سے بنا ہوا کھانا بھیجا۔

''اقط'' ایک ترش شے سی ہوتی ہے یا پکائی ہوئی چھاچھ کو خشک کر لیتے ہیں' عربی میں یہی اقط کہلاتی ہے۔ جیسے دودھ کو پنیر مایہ سے جما کر پنیر بناتے ہیں اور عربی میں اسے جُبن کہتے ہیں۔

الحاصل جب اس طرح کی دہی' کھجور اور گھی کا (بنا ہوا) کھانا آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا' پھر آپ دس دس آدمی کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے' قریباً 300 آدمیوں کو فارغ کر دیا اور مجھ سے فرمایا اے انس' اٹھا لے' تو جب میں نے اپنا بادیہ اٹھایا تو حیرت میں رہ گیا کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب پہلے سے زیادہ ہے۔

انھیں میں سے غزوۂ تبوک کی وہ حدیث بروایت مسلم' مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے کہ جب لوگوں کو بھوک لگی' تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرانی چاہی۔ آپ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا کہ جو کچھ جس کے پاس کھانا بچا ہوا ہے' لے آؤ' تو کسی نے مٹھی جوار' کسی نے مٹھی کھجور' اور کسی نے روٹی کا ٹکڑا یعنی جو جس کے پاس تھا لا کر ڈال دیا' اور نہایت معمولی سا ذخیرہ جمع ہوا' پھر آپ نے اس پر دعا فرمائی اور (اعلانِ عام) فرمایا کہ تم سب اپنے برتنوں کو بھر لو' سب نے اپنے پاس موجود تمام برتن بھر لیے اور خوب (سیر ہو کر) کھایا' اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھا' تو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس بات پر شاہد تھے کہ کھانا سامنے رکھے ہوئے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا مانگی جو آپ کو ضرورت تھی' اور صاحب فاتحہ وہ دعا کرتا ہے جس کی اسے حاجت ہوتی ہے مگر دعا ہونے میں تو دونوں برابر ہیں یعنی دعا کے معنی شریعت میں یہ ہیں۔

السوال من اللہ الکریم .

اور یہ دونوں جگہ ایک ہیں۔ ان مقامات میں یہ بات کسی راوی نے روایت نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرنے میں

ہاتھ نہیں اٹھائے بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب بھی دعا کرتے ہاتھ اٹھا کر کرتے تھے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''جامع صغیر'' میں نقل کیا ہے

كَانَ إِذَا دَعَا جَعَلَ بَطْنَ كَفَّيْهِ إِلَى وَجْهِهِ . (۱)   آپ جب دعا کرتے تھے تو ہاتھ اٹھانے میں ہتھیلی منہ کی طرف کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ جب تم سوال کرو تو ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی پھیلا کر سوال کرو۔ لہٰذا احادیث فعلیہ وقولیہ ہر طرح سے کھانے کی موجودگی میں دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہوا۔ اب اہل انصاف کو چاہیے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب غور وخوض اور حق کی پیروی کریں ورنہ (کم از کم) اتنا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو صلوات نہ سنائیں۔

ع : مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

تنبیہ

ہاں، اگر کوئی کم سمجھ، عوام میں ایسا ہو کہ وہ عبادت مالی کے ثواب کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا تو اس عقیدہ کو غلط کہنا چاہیے اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا چاہیے کیوں کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق فرمان کو اعتقاداً مقید کر دیا لیکن لوگوں کا برتاؤ اور طور طریقہ دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا اپنا عقیدہ نہیں۔ اس لیے کہ جب میت کی طرف سے کچھ کپڑے یا روپے مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو اس پر فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے۔ ہاں، ہندوؤں کی رسم یہ ہے کہ وہ کھانا یا کپڑا یا جو کچھ میت کے لیے کرتے ہیں ان سب پر سنکلپ کرتے ہیں۔ چنانچہ ''تحفۃ الہند'' مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ پر ہے

جب اہل اسلام نے ایسا نہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب بغیر کچھ پڑھے پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں یا قبرستان میں جا کر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس صورت میں یہ لازم نہیں سمجھتے کہ اس وقت کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عبادت بدنی کا ثواب بغیر عبادت مالی کے پہنچ جاتا ہے۔ جب عقیدہ یہ ٹھہرا تو بعض صورتوں میں (مثلاً کھانا کھلانے اور تقسیم شیرینی وغیرہ) ان کے حق میں فاتحہ پڑھنا کچھ نقصان دہ نہیں۔ اسی لیے بزرگانِ دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے (ہم عنقریب اسے نقل کریں گے) باقی رہی یہ بات کہ بعض لوگ جو زیادہ احتیاط برتتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ مکان میں قبلہ رو بیٹھتے ہیں تو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ اس کے آداب سے ہے۔

---

(۱) مسند احمد: ۳۳/۳۳۲ حدیث: ۱۵۹۶۸، معجم اوسط: ۱۱/۲۶۲ حدیث: ۵۳۸۴، کنز العمال: ۲/۷ حدیث: ۱۸۰۱۵

یوں بھی آیا ہے

❁ كان إذا دعا جعل ظاهر كفيه مما يلي وجهه و باطنها مما يلي الأرض . (مسند احمد: ۳۳۸/۲۴ حدیث: ۱۷۹۳، مسند ابو یعلی موصلی: ۵۴/۸ حدیث: ۴۴۴۰، مسند جامع: ۲۵۶/۲ حدیث: ۵۴۳)

❁ أنه كان إذا دعا جعل راحتيه إلى وجهه . (معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۴۵۲/۹ حدیث: ۳۰۶۳، الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۲۵۱/۷ حدیث: ۲۲۸۳، فوائد تمام: ۳۴/۳۷ حدیث: ۱۳۷۲)

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود و فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں ہوئے سوالات عشرۂ محرم میں فرماتے ہیں

فاتحہ و درود فی نفسہٖ درست ست لیکن دریں قسم جائے نوعے بے ادبی می شود زیرا کہ نجاست معنوی دارد و فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری و باطنی۔

فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہٖ درست ہے ہاں نجاست معنوی کی شکل میں یہاں بے ادبی کا ایک پہلو پایا جاسکتا ہے اور فاتحہ و درود ایسی جگہ پڑھے جائیں جو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیے۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب ''صراطِ مستقیم'' میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعلیم کے مطابق لکھتے ہیں

اول طالب را باید کہ باوضو دوزانو بطور نماز بنشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بہ جناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید۔ الی آخرہ۔

یعنی پہلے طالب ارادت کو چاہیے کہ باوضو اور نماز کی طرح دوزانو ہو کر بیٹھ جائے اور اس سلسلہ کے بزرگان دین یعنی خواجہ معین الدین سجزی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ کے نام فاتحہ پڑھ کر پھر ان بزرگان دین کے توسط سے پروردگار عالم کی بارگاہ میں التجا کرے۔

تو پاک مکان میں قبلہ کی طرف منہ کر کے آداب کے ساتھ فاتحہ پڑھنا ان بزرگواروں کے کلام سے ثابت ہو گیا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد شریف کو ایصال ثواب کے لیے کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد شریف کو تمام سورتوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔ سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے

اگر سورۂ فاتحہ کو ترازو کے ایک پلہ میں اور پورا قرآن دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو فاتحہ یعنی الحمد شریف غالب آجائے گی۔ (سات حصہ)

تفسیر روح البیان میں ہے

جس نے الحمد شریف پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ کل قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا اور گویا اس نے جملہ مومنین و مومنات پر صدقہ کیا۔ انتہی۔

اس لیے اہل اسلام میں یہ رسم پڑھ گئی کہ جب کوئی اپنی میت کے لیے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے اس کے پڑھنے کا ثواب یہ ہوتا ہے گویا کہ تمام مومنین و مومنات پر صدقہ کیا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ اصحاب فاتحہ (فاتحہ پڑھ کر) کن کن درجات کو پہنچ رہے ہیں اور منکرین اس فعل سے منع کر کے کیا کیا خیرات جاریہ بند کرا رہے ہیں۔

اب رہا مسئلہ ہاتھ اُٹھانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاتحہ میں چوں کہ دعا بھی کی جاتی ہے اور نماز کے باہر جو دعا کی جاتی ہے اس میں ہاتھ اُٹھانا مستحب ہے۔

حصن حصین میں ہے

''یعنی دونوں ہاتھوں کو پھیلانا دعا کے آداب سے ہے'' یہ روایت ترمذی اور حاکم کی ہے۔ اور صحاحِ ستہ میں ہے کہ

دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا بھی آدابِ دعا ہی میں شامل ہے۔
مشکوٰۃ شریف میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے

إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْا بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ . (۱)

جب تمہیں اللہ سے سوال کرنا ہو تو ہاتھوں کی ہتھیلیاں اُٹھا کر سوال کیا کرو۔

نیز اسی میں یہ حدیثِ رسول بھی ہے

إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْراً . (۲)

بے شک اللہ شرم و کرم والا ہے، بندہ جب اس کی جناب میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے تو اسے خالی پھیر دینا اس کی شانِ کریمی کو گوارا نہیں ہوتا۔

تو چونکہ فاتحہ، میت کی امداد ہے اس لیے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حدیث شریف کے مضمون کے مطابق ان ہاتھوں کو مرادوں سے بھر دے اور انھیں خالی نہ پھیرے۔

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' کے ۲۳ ویں مسئلے کہ میت کی تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے

اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہراً جواز

وقت تعزیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز ہے

(۱) سنن ابوداؤد: ۴/۲۸۵ حدیث: ۱۲۷۱، اخبار اصبہان: ۹/۱۸۷ حدیث: ۱۷۹۰، المطالب العالیہ: ۹/۴۴۰ حدیث: ۳۴۳۰، صلاۃ الوتر مروزی: ۱/۱۱۲ حدیث: ۷۵، معجم الصحابہ ابن قانع: ۶/۹۳ حدیث: ۱۵۷۸، کنز العمال: ۲/۸۴، ۸۵ حدیث: ۳۲۵۴، ۵۵، مسند جامع: ۴/۳۵۷ حدیث: ۱۱۳۳۳، تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱۶۳ حدیث: ۱۱۲۰۹، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۷/۶۹ حدیث: ۲۱۷۷، مستدرک: ۵/۱۹ حدیث: ۱۹۲۴، معجم طبرانی: ۹/۱۹۷ حدیث: ۱۰۶۲۸، مسند عبد ابن حمید: ۲/۳۳۳ حدیث: ۷۱۷، معرفۃ الصحابہ ابونعیم اصبہانی: ۱۷/۲۵۲ حدیث: ۵۴۴۱، مسند الشامیین طبرانی: ۵/۲۶۱ حدیث: ۱۶۱۲۔

یوں بھی یہ حدیث آئی ہے۔

❁ سلوا اللّٰه ببطون أكفكم ولا تسالوه بظهورها فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم . (سنن ابوداؤد: ۴/۲۸۴ حدیث: ۱۲۷۰، الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۲۰۰ حدیث: ۱۷۲، مجمع الزوائد: ۴/۲۲۳، کنز العمال: ۲/۸۰ حدیث: ۳۲۲۹-۱۶/۴۰ حدیث: ۴۳۸۴۴، مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹، نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۵/۱۴۲، تلخیص حبیر فی تخریج احادیث الرافعی: ۱/۴۹۱، المسند الجامع: ۲۱/۱۸۸، تحفۃ الاشراف: ۷/۱۹۳ حدیث: ۶۴۴۸، سنن بیہقی: ۲/۲۱۲)

دوسرے الفاظ میں بھی یہ حدیث ملتی ہے مثلاً

❁ اذا دعوت اللّٰه فادع اللّٰه ببطون كفيك ولا تدعه بظهورهما، فإذا فرغت فامسح بهما وجهك . (الاوسط لابن منذر: ۸/۲۵۰، ۲۵۱ حدیث: ۲۶۷۷، صلاۃ الوتر مروزی: ۱/۱۱۱ حدیث: ۴۷، تلخیص حبیر فی تخریج احادیث الرافعی: ۱/۴۹۱ حدیث: ۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۱۱/۳۲۹ حدیث: ۳۸۵۶)

(۲) سنن ابوداؤد: ۴/۲۸۷ حدیث: ۱۲۷۳، سنن ترمذی: ۱۱/۴۶۸ حدیث: ۳۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۱۱/۳۲۸ حدیث ۳۸۵۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۲۱۱، مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۵۱ حدیث: ۳۲۵۰، معجم کبیر طبرانی: ۶/۶۹ حدیث: ۶۰۲۵، مسند ابویعلی موصلی: ۴/۳۳۴ حدیث: ۱۸۲۶، صحیح ابن حبان: ۴/۲۴۲ حدیث: ۸۷۷، مسند شہاب قضاعی: ۴/۱۹۱ حدیث: ۱۰۳۱

است زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد ولیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست۔ انتہی۔

کیوں کہ حدیث شریف سے دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا حکم مطلقاً ثابت ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ مگر خاص بوقت تعزیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

دیکھیے! یہ بات تسلیم کر کے کہ اس ہیئت خاص سے منقول نہیں یہی حکم دیا کہ ہاتھ اٹھانے میں کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ میت کی فاتحہ کے لیے گرچہ کسی خاص وقت کی کوئی روایت نہیں ملتی لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا حکم آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ یہ بھی تو ایک دعا ہے۔

اب دیکھیے کہ مفتیانِ فتاویٰ انکاری میں سے کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو 'شریعت کی نگاہ میں ناپسند ایجاد' کہتا ہے تو کوئی اسے ہندوؤں کی رسم لکھتا ہے۔ افسوس صد افسوس، جس چیز کے اصول صحیح حدیثوں سے نکلتے ہوں اُسے حرام یا رسم ہنود یا گمراہی کہنا کچھ انہی جیسے باانصاف آدمیوں کا کام ہو سکتا ہے، پہلے کے علماء و صلحا تو اِسے مسلم رکھتے (اور سمجھتے) آئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معاصر ایک بڑے عالم، صالح و متقی حضرت مولانا عبداللہ گجراتی وصیت نامہ میں لکھتے ہیں

تخصیصات در اوضاع و تراکیب ماکولات و تعینات در مقروّات بفاتحہ و نیازہائے بزرگاں از رسوم صالحہ است۔ انتہی۔

کھانے پینے کے اطوار و ترکیب کی تخصیص اور بزرگانِ دین کی فاتحہ و نیاز کے لیے کچھ پڑھنے کو متعین کر دینا اچھی رسموں میں سے ہے۔

''جامع الاوراد'' میں ہے

اگر بر طعام فاتحہ کردہ بہ فقرا دہد البتہ ثواب می رسد۔

اگر فاتحہ کیا ہوا کھانا فقیروں کو دے تو اس کا ثواب اسے پہنچے گا۔

اسی ''جامع الاوراد'' میں ہے

چونکہ قرآن ختم کند اول پنج آیت خواندہ دست برائے فاتحہ بردارد و ثواب ختم بہ ارواح ہر کہ خواہد بہ طفیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخشند۔

پہلے ختم قرآن کرے، پھر پانچ آیتوں کو پڑھ کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں کسی بھی مردے کی روح کو بخش دے۔

یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں ''صمصام قادری'' میں ہیں۔

۱۲۶۷ھ (1850ء) میں مطبع محمدی کی چھپی ''زبدۃ النصائح'' میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت صفحہ ۵۶ پر موجود ہے

ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود والحمد و قل و ہم ثواب بذلِ طعام منذور بروح آں جناب خواہد رسید۔

فاتحہ مرسومہ کا مضمون یہی ہوتا ہے۔ تو درود، سورہ فاتحہ، قل شریف اور نذر کیے ہوئے کھانے کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پہنچ جائے گا۔

اب اس فرقے کے بزرگوں کے احوال سنیے۔ مجموعہ زبدۃ النصائح کے صفحہ ۱۳۲ پر شاہ ولی اللہ صاحب کا استفتا تحریر ہے۔ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیازِ اولیا درست ہے یا نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو تو حرام فرمایا اور ملیدہ و شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے

اگر ملیدہ وشیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست وطعام نذر اللہ اغنیارا خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیا راہم خوردن جائز است۔ انتہی کلامہ۔

اگر ملیدہ وشیر برنج بزرگان دین کے ارواح کے ایصال ثواب کے لیے تیار کرے اور کسی کو کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور منت ونذر کا کھانا امیروں کے لیے حلال نہیں۔ ہاں بزرگوں کے نام کا فاتحہ ہو تو اس کا کھانا اہل ثروت کے لیے بھی درست ہے۔

دیکھیے کھانے پر فاتحہ دینے کا ثبوت خاص شاہ ولی اللہ صاحب کے فتویٰ سے ہو رہا ہے۔ نیز آپ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں فرماتے ہیں

پس دہ مرتبہ درود خوانده ختم تمام کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموما بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند۔ الی آخرہ۔

10 بار درود شریف پڑھے' پورا ختم کر کے جو کچھ بھی شیرینی ہو اس پر خواجگانِ چشت کے نام عمومی طور پر فاتحہ پڑھے' اور اپنی ضرورت کا سوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

جائز اور مباح ہونا تو اور بات ہے یہاں تو امر وحکم فرمایا جا رہا ہے کہ اس طرح پڑھیں۔

غرضیکہ مولانا عبداللہ گجراتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ اچھی رسموں میں سے ہے جو صالحین کا مقرر کردہ اور علماء کا معمول بہا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی ''تفسیر عزیزی'' پارۂ الم میں اس کی تصدیق فرماتے نظر آ رہے ہیں

وسرش آنست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہر گونہ کہ مقرراست متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ وقل و درودخواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات ومشروبات بأرواح۔

اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ عوام کے نزدیک جانور ذبح کرنے کا جو طریقہ معمول بہا ہے اسی طریقے پر اپنے منظور نظر کو جانور کی قربانی کا ثواب پہنچانے کا قصد کرے جیسا کہ ماکولات ومشروبات کے صدقے پر فاتحہ وقل اور درود شریف پڑھ کر مردے کی روح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

دیکھیے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کے وقت تک بھی ایصال ثواب کے موقع پر فاتحہ وقل متعین تھا کیوں کہ آپ مثال دے رہے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام میں قل اور فاتحہ پڑھ کر ماکولات ومشروبات کا ثواب پہنچا دینا معین ہے اسی طرح عوام جانتے ہیں کہ جب اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو اس کی جان' ہمارے چاہے کے مطابق میراں اور سدو وغیرہ کو پہنچ جاتی ہے' حالانکہ یہ غلط ہے' جان کسی کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ ماکولات ومشروبات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔ اس مضمون کو بیس سطر پہلے ایک دوسری عبارت سے یوں واضح کیا ہے

کنہ ایں مسئلہ آنست کہ جان رابرائے غیر جان آفریں نیاز کردن درست نیست و ماکولات ومشروبات ودیگر اموال را نیز اگر چہ از راہِ تقرب بغیر اللہ دادن حرام وشرک ست' اما ثواب آں چیز ہارا کہ عائد بدہندہ می شد از آں غیر ساختن جائز است زیرا کہ انسان رامی رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر نہ بخشد چنانچہ می

اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے نیز دیگر اشیا کا بھی غیر اللہ کے تقرب کے لیے خیرات کرنا حرام وشرک ہے۔ اور ان چیزوں کا ثواب جو کہ دینے والے پر عائد ہوتا ہے اس کا کسی اور کے نام کر دینا جائز ہے کیوں کہ انسان کو

رسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد و جان جانور مملوک آدمی نیست تا او را بکسے تواند بخشید۔

پہنچتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو نہ بخشے نیز اسے یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے مال کو کسی اور کے نام کردے۔ لیکن جانور کی جان جب آدمی کی ملکیت ہے ہی نہیں تو وہ غیر کو کیسے بخش سکتا ہے۔

الحاصل، ماکولات ومشروبات وغیرہ میں اس نیک رسم کا شاہ صاحب کے وقت تک بھی متعین ومعمول ہونا ثابت ہے۔ اور اگر تفسیر کی اس عبارت میں کوئی شخص اپنی فہم کے مطابق ہیرپھیر کرنے لگے، تو لیجیے شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاوے اور مکتوب کی دوسری عبارتیں سنیے جو واضح طور پر جواز کی دلیل فراہم کررہی ہیں۔ سوالاتِ عشرۂ محرم کے نویں سوال کہ جو نذر و نیاز، تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟ کے جواب میں لکھتے ہیں

طعامے کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و براں فاتحہ وقل و درود خوانند تبرک می شود خوردن آں بسیار خوب ست لیکن بہ سبب بردن طعام پیش تعزیہ ہا و نہادن آں طعام پیش تعزیہ ہا تمام شب تشبہ بہ کفار و بت پرستان می شود پس ازیں جہت کراہیت پیدا می کند۔ واللہ اعلم۔

جس کھانے کا ثواب حسنین کریمین کو نیاز کرنا مقصود ہو تو اس پر فاتحہ وقل اور درود شریف پڑھنے سے اب وہ متبرک ہوجاتا ہے، اور اس کا کھالینا بہت اچھا ہے؛ لیکن تعزیہ کے سامنے وہ کھانا لے جانے اور پوری شب اس کے سامنے رکھنے کی وجہ سے کفار اور بت پرستوں سے تشبہ لازم آتا ہے تو اب اس سبب سے اس کھانے میں کراہت پیدا ہوجاتی ہے۔

دیکھیے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہوا ہے۔ اور رئیس مرادآباد، علی محمد خان صاحب کو لکھے ہوئے مکتوب میں آپ کی یہ عبارت خود موجود ہے

پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس می شود۔

جو کھانا یا شیرینی موجود ہو اس پر فاتحہ پڑھ کر شرکاے مجلس میں اسے تقسیم کردیا جائے۔

اس خط کی عبارت بقدر حاجت یہاں نقل کی گئی ہے، اور زیادہ تر میلاد شریف کے مباحث میں بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل، حضرت شاہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر علمائے ربانی کی عبارت سے شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھنا بخوبی ثابت ہوگیا۔ اور سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسمٰعیل صاحب مشہور ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں مگر کسی آیت یا حدیث سے ممانعت ثابت نہیں کرپاتے، صرف کچھ مصلحتیں بیان کرتے ہیں۔ بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی تاریخ کے تعین کی جگہوں میں ہم ان کی عبارتیں لکھیں گے۔ لیکن کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے۔ ''صراطِ مستقیم'' میں لکھتے ہیں

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل ست۔ الی اخرہ۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ کھانا کھلانے اور فاتحہ خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچانا کوئی اچھی چیز نہیں؛ اس لیے کہ یہ افضل وبہتر عمل ہے

(گزشتہ سطروں میں) نقل کردہ بزرگوں کی عبارتوں سے اہل عقل وانصاف کے نزدیک فاتحہ مرسومہ کا اثبات بالکل بے غبار ہوگیا۔ اب اگر بعض منکرین فاتحہ کرنے والوں پر زبردستی الزام دھریں کہ ان لوگوں کا تو عقیدہ ہی کچھ یہی ہے کہ بن فاتحہ، کھانے کا

ثواب نہیں پہنچتا اور فاتحہ و پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ صرف امر خیر اور کارِ ثواب نہیں بلکہ فرض وواجب جانتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (یہ کوئی نئی بات نہیں) منکرین ایسے ایسے زبردستی کے افترا باندھتے رہتے ہیں۔

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ہر سال اپنے والد کا عرس کیا کرتے تھے ان پر مولوی عبد الحکیم صاحب پنجابی نے یہ اعتراض کیا کہ کیا تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے کہ سال بہ سال کرتے رہتے ہو؟ تو شاہ صاحب نے اس کا جواب لکھا جو ''زبدۃ النصائح'' مطبوعہ ۱۲۶۷ھ (1850ء) کے صفحہ ۴۲ پر یوں ہے

این طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نہ می داند آری زیارت وتبرک بہ قبورِ صالحین وامداد ایشاں باہداد ثواب وتلاوت قرآن و دعاے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب ست باجماع علماء وتعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقالِ ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب۔

آپ کا یہ طنز مطعون علیہ کے احوال سے بے خبری پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ مروجہ ومقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کوئی کسی اور عمل کو فرض نہیں جانتا' البتہ قبور صالحین کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا' اور قرآن کی تلاوت' دعاے خیر اور کھانا وشیرینی کی تقسیم کا انھیں ایصال ثواب کر کے ان کی امداد کرنا باجماع علماء مستحب اور مستحسن کام ہے۔ اور عرس کا دن متعین کرنے سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ اس دن ان کے دنیا سے آخرت کی طرف رخت سفر باندھنے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس عبارت کے بعد شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت درمنثور اور تفسیر کبیر وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے احادیث سے ثابت فرمائی ہے

عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَ الْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هٰكَذَا يَفْعَلُونَ .انتهى.(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز پر شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرتے اور فرماتے: تمھیں تمہارے صبر پر سلامتی ہو' آخرت کا گھر کیسا بھلا گھر ہوتا ہے۔ اور خلفاے راشدین بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ شاہ عبد العزیز صاحب نے عرس کے تعین کی اصلیت حدیث سے ثابت فرمائی یعنی درمنثور اور تفسیر کبیر کے حوالے سے ابن منذر' ابن مردویہ اور ابن جریر کی روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدا کی قبروں پر ہر برس کے سرے پر تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد خلفاے راشدین بھی یوں ہی کرتے رہے۔

الغرض' عرس کی اصلیت ثابت ہوگئی۔ صحاح ستہ میں نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو رد کر دینا صحیح نہیں کیوں کہ صحیح حدیثیں صرف صحاح ستہ ہی میں منحصر نہیں۔ اور ابن جریر وغیرہ پر جرح کر کے اس روایت کو رد کرنا بھی بے جا ہے۔ خود شاہ عبد العزیز صاحب نے ان کی روایات لیں ہیں جو ان کے حالات سے واقف تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان روایات کی تقویت' شاہ صاحب کو

(۱) تفسیر درمنثور: ۶/۴' تفسیر ابن کثیر: ۴۵۳/۴' تفسیر طبری: ۴۲۶/۱۶' تفسیر قرطبی: ۳۱۲/۹' تفسیر رازی: ۱۷۵/۹' تفسیر نیساپوری: ۴۲۶/۴' تفسیر کشاف: ۲۴۶/۳' تفسیر ابوالسعود: ۴۹۸/۳

پہنچی ہے۔اور اس حدیث کو مجمل ٹھہرانا بھی درست نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سال کی ابتدا نہ محرم الحرام سے ہوتی تھی اور نہ ربیع الاول سے' بلکہ (یہ تو) حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں صحابہ کرام کے باہم مشورہ سے محرم الحرام سے شروع سال ٹھہرایا گیا۔اس بنیاد پر یأتي قبور الشهداء على رأس كل حول سے مراد یہ دونوں حول نہیں ہو سکتے بلکہ لغت عرب کے اعتبار سے حول کا اطلاق شروع واقعہ سے پورا سال گزر جانے پر ہوتا ہے' لہٰذا یہ مجمل نہیں بلکہ از روئے لغت یہ ثابت ہو گیا کہ شہدا کی موت کے دن سے برسویں دن ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے اور یہی معنی عرس کا ہے۔عرس میں کچھ پڑھنا' ایصال ثواب کرنا اور مباح کام کرنا جائز ہے ہاں محرمات سے بچنا ضروری ہے' اور منہیات شریعت وطریقت سے خالی سماع بھی مباح ہے۔

حضرت قطب العالم شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''مکتوبات قدوسی'' کے صد و ہشتاد و دوم (182) مکتوب میں جناب مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں

اعراسِ پیراں بر سنت پیراں بہ سماع و صفائی جاری دارند۔ پیروں کے عرس بزرگوں کے طریقے کے مطابق صفائی اور قوالی کے ساتھ جاری رکھیں۔

صفائی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اُسے منکرات سے خالی ہونا چاہیے' اور خاندانِ عزیزیہ میں بھی ہر سال منکرات سے خالی' عرس جاری رہا ہے۔اب جو کوئی شاہ صاحب کے خاندان میں ہو کر اپنے بزرگوں کا کلام رد کرے' اسے اختیار ہے۔

دوسری بات یہ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت برکت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ پرانے زمانے سے حاسدین زبردستی طعنے کستے اور افترا باندھتے چلے آئے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض واجب جان رکھا ہے' چنانچہ شاہ عبد العزیز بھی شاکی ہیں اور فرماتے ہیں

ایں طعن مبنی است بر جہالت۔الی آخرہ۔ اس قسم کا طعنہ جہالت کی پیداوار ہوتا ہے۔

بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ' محفل میلاد شریف اور قیام کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض وواجب جانتے ہیں تو ان کا بھی یہی جواب ہے جو شاہ صاحب نے فرمایا۔

چوتھی بات یہ کہ فتوی انکاری ہیں مولوی امیر باز خاں سہارنپوری امر مستحب کے التزام کو شیطان کا حصہ ثابت کرتے ہیں تو شاہ عبد العزیز صاحب کے کلام اور ان کے دائمی معمول سے معلوم ہو گیا کہ مستحب کو دائمی طور پر کرتے رہنا (بجائے خود) مستحب ہے۔

پانچویں بات یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن ودعا اور شیرینی وطعام تقسیم کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن وخوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ جس پر علماء کا اجماع ہے۔اب بھلا ان حضرات کی تحقیقات کے مقابلہ میں مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی نکیر کب قابل قبول ہو سکتی ہے؟۔

تتمہ ضروری

گنگوہی کی ''براہین قاطعہ'' میں بھی درحقیقت فاتحہ کو تسلیم کر لیا گیا' گو بظاہر انکار ہے۔صفحہ ۶۱ کی آخری سطر میں لکھا ہے۔

''جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں بلکہ اُس جمع میں انکار ہے کہ اس سے ہیئت منکرہ پیدا ہو جائے''۔

آپ دیکھیں کہ جب جمع بین العبادتین مان لیا تو کھانے پر فاتحہ کو مان لیا۔''ہیئت منکرہ'' کی شاخ پر اب چار دلیلیں پیش کرتے

ہیں۔اول یہ کہ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں

فاتحہ میں افسادِ طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور کھانے اور پڑھنے والے دونوں کی شہوت کھانے سے متعلق ہوتی ہے تو گویا خلوص اور کھانے والوں کی نیت کا بھی فساد ہے۔

معلوم نہیں یہ کیسے بے صبروں کی رعایت کر کے فاتحہ کورد کیا جارہا ہے کہ جن کی کھانے کی خواہش اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ گرم بھبکتا ہوا کھانا جو دیگ سے اتر کر آیا ہے اس کے ٹھنڈے ہونے تک بھی نہیں ٹھہر سکتے' حالانکہ گرم کھانا منع ہے۔فتاویٰ عالم گیری میں ہے

و لا یؤکل طعام حار . (۱) گرم کھانا نہ کھایا جائے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ کھانے والا صبر کرے اور جب ٹھنڈا ہو کر کھانے کے قابل ہو جائے تب کھائے۔ عبارت یہ ہے

بل یصبر إلی أن یسھل أکلہ. (۲) وہ کھانا کھانے کے قابل ہو جانے تک صبر کرے۔

واضح ہو کہ فاتحہ کے تین طریقے ہیں۔کہیں کسی طرح ہوتا ہے اور کہیں کسی طرح۔

اول یہ کہ شیرینی اور کھانے پر فاتحہ وغیرہ کہ خود مالک طعام نے پڑھ کر کھانے والوں کو دے دیا۔اور اگر خود قادر نہیں ہے تو دوسرے سے پڑھوا کر دے دیا یا تقسیم کر دیا۔

دوسرا یہ کہ جماعت کو کھانا کھلا دیا پھر جماعت میں جو پڑھے لکھے لوگ ہیں انھوں نے کچھ سورتیں اور کچھ رکوع پڑھے اور کھانے اور قرآن و درود وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچا دیا اور اس کی مغفرت کے لیے دعا کر دی۔یہ دو طریقے بہت رائج ہیں۔

تیسرا یہ کہ کھانا حاضرین کے سامنے رکھ کر میت کے وارث نے کہہ دیا کہ کچھ کلمہ کلام پڑھ کر میت کی روح کو بخش دو' تب وہ الحمد وقل پڑھ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور کھانا کھا لیتے ہیں۔

چوتھا طریقہ نہ ہم نے سنا اور نہ دیکھا۔تو مولف ''براہین قاطعہ'' کی یہ دلیل پہلے اور دوسرے طریقہ کے فاتحہ کو منع کرنے میں تو چل ہی نہیں سکتی' کیوں کہ پہلی صورت میں تو کھانا آکلین (کھانے والوں) کے سامنے آیا بھی نہیں کہ (دیکھتے ہی) کھانے کے لیے بیتاب ہو جائیں۔اور دوسری صورت میں جو آیا تھا وہ تو چین سے کھا چکے۔البتہ تیسری صورت پر براہین قاطعہ کی تحریر کا کچھ دھوکہ گزرتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اس پر بھی یہ دلیل نہیں چل سکتی اس لیے کہ درحقیقت کھانے کا مالک وہ ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے جب وہ کسی کی تملیک کر دے تب وہ مالک ہوگا اور جب وہ کھانے کی اباحت کا حکم کر دے تب وہ مباح ہوگا۔مالک کی خود مرضی یہ ہے کہ پہلے کچھ پڑھ کر بخش دو'اس بنیاد پر اس فعل سے پہلے مالک کی طرح سے وہ لوگ ابھی کھانے کے مجاز نہیں۔پھر ناحق ان کی شہوت بے ہنگام ان کو کیوں بے چین کیے دے رہی ہے۔

اور وہ جو''افسادِ طعام'' لکھا ہے تو ہم نہیں جانتے کہ الحمد وقل پڑھنے تک کھانے میں کیا فساد لازم آئے گا۔ہم نے طعام ولیمہ شادی اور ختنہ وغیرہ کی مجلسیں دیکھی ہیں جس میں نہ تو الحمد وقل پڑھا جاتا ہے نہ ہی ایصال ثواب کیا جاتا ہے' اور یہ مانعین فاتحہ والے مولوی صاحبان بھی ان میں موجود ہوتے ہیں لیکن نہ کسی پر وہاں احتساب کرتے دیکھا اور نہ یہی کہ یہ حضرات خود ایسا کرتے ہوں کہ جب

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۳۴۳/۳۴۸ (۲) إحیاء علوم الدین: ۳۶۳/۱

آدمی روٹی آگے رکھ گیا تو اسے روکھی کھا گئے' جب سالن لایا تو اسے اوپر سے پی گئے اور دال لایا تو اسے بغیر روٹی چاٹ گئے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب تمام مجلس میں اس سرے سے اُس سرے تک کھانا پہنچ جاتا ہے اور پھر مالک اذن دیتا ہے کہ شروع کیجیے تب لوگ کھاتے ہیں' اس میں بعض کھانے ٹھنڈے بھی ہوجاتے ہیں مگر کسی عالم نے اس کی تحریم و کراہت میں نہ فتویٰ لکھا اور نہ کوئی رسالہ چھاپا' (لے دے کے بس) ایک الحمد وقل کے پیچھے پڑ گئے۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب بندہ اَصْلِحُوا بَیْنَ أَخَوَیْکُمْ کے تحت مناسب یہ جانتا ہے کہ جس مقام پر ایسے کھانے والے شہوت طعام سے بے چین ہوں اس موقع پر اول کھلا دیا کریں تاکہ ان کا خلوص نیت نہ بگڑنے پائے اور فاتحہ وغیرہ بعد کو پڑھ دی جائے۔ لیکن معلوم رہے کہ اول تو تین طریقہ فاتحہ سے صرف ایک طریقہ میں یہ بات پیش آتی ہے اور اس میں بھی جب اسی قسم کی شہوت طعام والے چن چن کر جمع کیے جائیں وہ بھی موسم قحط سالی میں تو ظاہر ہے کہ یہ صورت نہایت نادر اور قلیل الوقوع ہے' بلکہ شاید صورت فرضی امکانی ہو اور عالم وقوع میں بھی نہ آئے۔ ایسی صورت کو پیش نظر کر کے علی العموم فاتحہ کو منع کرنا تفقہ فی الدین کی شان سے بعید ہے۔

''براہین قاطعہ'' کے صفحہ ۶۹ پر دوسری دلیل یہ ہے

فاتحہ یا کچھ قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچائے تو دل سے نیت ایصال ثواب کی کرے۔

صفحہ ۶۵ میں لکھا

فاتحہ کی دعا لغو اور لغو کا ترک مناسب ہے۔ **و الذین هم عن اللغو معرضون.** الخ۔

ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دل کی نیت سے ثواب پہنچ جاتا ہے' منہ سے دعا مانگنا لغو ہے۔

الجواب

نماز صحیح ہونے کے لیے دل کی نیت کافی ہوتی ہے' (بااین ہمہ) مگر زبان سے بھی نیت کر لینے کو فقہائے کرام نے مستحب لکھا ہے حالانکہ قرون ثلاثہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ تو اسی طرح گو کہ مردہ کو ثواب فقط نیت ہی سے پہنچ جاتا ہے لیکن دل و زبان کی موافقت کے لیے زبانی دعا کر لینا بھی جائز ہونا چاہیے۔

ثانیا

یہ کہ فقہا صراحۃً ایصال ثواب کی دعا کا حکم کرتے ہیں۔ فقیہ شامی نے شرح لباب سے نقل کیا ہے کہ انسان کو مردہ (کے ایصال ثواب) کے لیے فاتحہ' **الم تا مفلحون**' **آیة الکرسی** اور **آمن الرسول** وغیرہ پڑھنا چاہیے اور پھر یہ کہے

اللهم أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان . (۱) اے اللہ میرے پڑھنے کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔

دیکھیے کہ جب میت کی نیت سے قرآن پڑھا تھا تو ایصال ثواب کے لیے بس تھا مگر پھر دعا مانگنے کی ہدایت کی' اور کیوں نہ کرتے کہ دعا کی لذت کو اہل دعا خوب جانتے ہیں: بڑی مشہور (حدیث) ہے

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ . (۲) دعا عبادت کا مغز ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۶/ ۳۰۴

(۲) سنن ترمذی: جز۱۱/ ۲۲۰ حدیث: ۳۲۹۳' المعجم الاوسط: ۷/ ۲۹۴ حدیث: ۳۳۲۴' کشف الخفاء: ۱/ ۴۰۳ حدیث: ۱۲۹۴' کنز العمال: ۲/ ۶۲ حدیث: ۳۱۱۴' المسند الجامع: ۳/ ۴۸۴ حدیث: ۱۰۸۸' تحفۃ الاشراف: ۳/ ۶۶ حدیث: ۱۶۵' تخریج احادیث الاحیاء: ۲/ ۴۷۵ حدیث: ۹۷۵ (ایضا) ۳/ ۱۵۱ حدیث: ۱۵۱' الدعاء للطبرانی: ۱/ ۷ حدیث: ۵

فقیہ شامی نے متاخرین شافعیہ سے بھی دعا کرنا نقل کیا ہے

وصول القراءة للميت إذا كانت بحضرته أو دعا له عقبها و لو غائبا لأن محل القراءة تنزل الرحمة و البركة و الدعاء عقبها أرجى للقبول. (۱)

قراءت کا میت کو پہنچنا ثابت ہے جب کہ میت کے سامنے قراءت کی جارہی ہو یا اگر سامنے نہ ہو بلکہ میت غائب ہو تو پڑھ کر اس کے لیے دعا کردی جائے۔ کیوں کہ قراءت کے وقت رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ اور قراءت کے بعد دعا کرنے میں قبولیت کی بہت زیادہ امید ہوتی ہے۔

اس مقام پر بات میں بات یہ نکل آئی کہ فاتحہ کو جائز کرنے والوں نے اسی قبولیت کے پیش نظر میت کے واسطے الحمد اور پنج آیت وغیرہ کا پڑھنا مقرر کیا ہوگا۔

ثالثا

اوپر نقل ہو چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو قربانی یعنی عبادت مالی کے ایصال ثواب میں شریک فرمایا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت بس تھی مگر پھر بھی آپ نے زبان سے تصریح فرمائی

اللّٰهُمَّ إنَّ هٰذَا مِنْکَ وَ لَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ أُمَّتِهٖ .

مسلم شریف کی روایت میں ہے

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ . (۲)

عقیقہ میں سبھی مسلمان پڑھتے ہیں

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّي وَ اجْعَلْهَا فِدَاءً لابْنِي مِنَ النَّارِ .

یہ صریح نصیں ہیں کہ صدقہ کی چیز سامنے رکھی ہوئی ہے اور اس کی قبولیت کی دعا کی جارہی ہے اور جس کو اس کے ثواب میں شریک کرنا ہے زبان سے اس کا نام بھی لیا جارہا ہے۔ اور قربانی کے لیے آچکا ہے

إنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالىٰ بِمَكَانٍ قَبْلَ أنْ يَّقَعَ بِالأرْضِ . (۳)

قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔

مگر اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاے قبولیت فرمائی کہ

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ .

اب اگر فاتحہ کے کھانے کی طرف اشارہ کرکے کہا جائے کہ اے اللہ' اس کھانے کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچا تو یہ کس طرح بدعت ٹھہرے گا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی اور فقہا کی جائز رکھی ہوئی دعا کو ہمارا منہ نہیں جو کہہ

(۱) ردالمحتار: ۶/ ۴۰۴ (۲) صحیح مسلم: ۱۰/ ۱۴۹ حدیث: ۳۶۳۷

(۳) سنن ترمذی: ۵/ ۴۴۴ حدیث: ۱۴۱۳' ابن ماجہ: ۹/ ۲۸ حدیث: ۳۱۱۷' سنن بیہقی: ۹/ ۲۶۱' مستدرک: ۱۷/ ۳۸۲ حدیث ۷۶۳۱' شعب الایمان بیہقی: ۱۵/ ۳۸۱ حدیث ۷۰۸۲

دیں کہ لغو ہے اور اس کو: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ میں داخل کردیں۔ ہاں، مولف براہین قاطعہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اور جس دلیل سے مولف براہین قاطعہ نے نیت نماز کے تلفظ کو جائز رکھا ہے اسے حج پر قیاس کرتے ہوئے (جیسا کہ بدعت کی تحقیق میں گزرا) دیکھیں کہ ہمارا یہ ثبوت کس قدر اعلیٰ ہے، مگر اس سے انصاف شرط ہے۔

تیسری دلیل براہین قاطعہ کے صفحہ ۶۹ پر ہے

دعاء الخفية أن يفعله في نفسه قال شارح المنية ليس فيها رفع لأن في الرفع إعلانا.

اور یہاں ایصالِ ثواب میں دعا خفیہ ہے کہ دل میں غرض ایصالِ ثواب کی ہے۔ الیٰ آخرہ۔

یہ دلیل آپ نے اس پر گزاری کہ جو فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، کراہت کا باعث ہے، اس لیے کہ یہ دعا خفیہ ہے اور خفیہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی کسی کی طرف سے کھلاتا ہے، یا فاتحہ کی شیرینی بانٹتا ہے تو اس کی شہرت سب میں ہوتی ہے کہ یہ فاتحہ فلاں ولی اللہ کی ہے یا یہ کھانا فلاں میت کا ہے، یہ کوئی ڈھکا چھپا کام نہیں ہوتا کہ دل ہی دل میں رہ جائے، اعلان نہ ہو اور کوئی نہ جانے۔ دعائے خفیہ کا موقع وہ ہوتا ہے جو خود مولف براہین قاطعہ کی عبارت منقولہ میں موجود ہے، جس کا ترجمہ کر کے دیکھنا چاہیے یعنی دعائے خفیہ وہ ہوتی ہے جس کو آدمی زبان سے نہیں بلکہ دل ہی دل میں کرتا ہے تو ایسی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھانا اس لیے کہ جی ہی جی میں دعا مانگنا اخفا اور پوشیدگی کو مقتضی ہے اور ہاتھ کے اٹھانے میں اعلان ہوگا یعنی سب جان لیں گے کہ یہ شخص دعا مانگ رہا ہے۔ اب ارباب انصاف خیال فرمائیں کہ فاتحے کے کھانوں میں تو صاحب طعام وشیرینی کو اس قدر اخفا منظور نہیں ہوتا کہ کوئی معلوم نہ کرے کہ اس نے کس کی روح کو ثواب پہنچایا ہے۔ جب یہ بات نہیں تو دعا خفیہ نہ رہی بلکہ دعا رغبت ہوئی کیوں کہ وہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ ہم سے یہ قراءت اور کھانا قبول کر اور اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دے۔ اور دعائے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

عینی (نے) شرح ہدایہ میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت کی ہے

في دعاء الرغبة يجعل بطون كفيه نحو السماء. (۱)

دعائے رغبت میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائی جائیں۔

اس سے گیارہ سطر پہلے ایک سوال کیا کہ

ما وجه رفع اليدين عند كل دعاء ؟

ہر دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے۔؟

تو اس کا جواب علامہ سید سمرقندی کی روایت سے دیا کہ

يرفع يديه حتى يرى بياض إبطيه . (۲)

قال النبي عليه السلام إنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ فَيَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيهُ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْراً . إلى آخره .

(۱) بحر الرائق: ۴/۲۱۵-۲۲/۲۰۶، تحفۃ الفقہا: ۱/۲۰۴، بدائع الصنائع: ۴/۲۷۱

(۲) درمختار: ۴/۸۰

اوپر یہ حدیث مشکوٰۃ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ نیز یہ حدیث بھی کہ

إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوهُ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ.

دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا مضمون کتبِ فقہ غنیۃ المستملی وغیرہ میں بھی تصریحاً موجود ہے، تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ دعاے فاتحہ دعاے رغبت ہے اور دعاے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے نہ کہ بدعت۔ اور طواف کے وقت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نہ اٹھایا، اول تو وہ موقع چلنے پھرنے اور دوڑنے وغیرہ کا ہوتا ہے اور فاتحہ، سکون وقرار کی جگہ ہے، ایک دوسرے پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ موقع طواف میں خاصۃً ہاتھ اٹھانا یہود کا فعل ہے

نقل عن جابر أنه فعل اليهود . (١) حضرت جابر سے منقول ہے کہ (طواف کے دوران ہاتھ اٹھانا) یہود کا کام ہے۔

دعاے فاتحہ میں ہاتھ اٹھانے کو نہ تو کسی نے فعل یہود کہا اور نہ ہندوؤں کی سنکلپ میں رفع یدین کا دستور، کیوں کہ وہ لوگ ہاتھ کے چلو میں پانی لیے ہوتے ہیں (اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) اس لیے ایسے دلائل واہیہ سے دعاے فاتحہ میں رفع یدین کو غیر مشروع قرار دینا فہم ودرایت کے خلاف ہے۔

چوتھی دلیل: براہین قاطعہ کے صفحہ ٦٩ (پر رقم ہے)

اور تشبہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہے کیوں کہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر بید پڑھواتے ہیں جس کا دل چاہے ہنود سے تحقیق کر لے۔

مولوی عبید اللہ اپنے ''تحفۃ الہنود'' میں لکھتے ہیں

ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اس ہی تاریخ میں ثواب کرتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں۔ اور پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ انتہیٰ۔

جواب

اکثر مانعین، فاتحہ کو تشبہ بالہنود کا دھبہ لگاتے ہیں جب کہ درحقیقت اہل اسلام اس سے پاک ہیں۔ اوپر بھی اس کا کچھ ذکر گزر چکا ہے، اب یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ ہنود کا مذہب ''وید'' ہے جسے وہ کتابِ آسمانی اور کلامِ الٰہی سمجھتے ہیں۔ وید کے اندر یہ بات ہرگز نہیں کہ میت کسی کی عبادت بدنی یا مالی سے کامیاب ہوتی ہے۔ بلکہ انسان اسی عمل کا نفع پاتا ہے جو بذات خود کر جاتا ہے۔

भस्मान्तं शरीरं ॥ यजुर्वेद अध्याय४ मंत्र १५

''یجر وید ادھیائے ۴۰۔ منتر ۱۵ میں ہے کہ جسم کا پھونک دینا آخری کام ہے۔''

شارحین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جو کام انسان کے ساتھ کرنے تھے وہ سب ہو چکے بس آخری یہی کام ہے کہ جلا دیا جائے، اگر جلا دینے کے بعد کوئی اور کام بھی باقی ہوتا تو وہ بیان ہوتا اور جلانے کو آخری کام نہ قرار دیا جاتا۔

(١) اخبار مکہ للأزرقی: ۲/۱۳۱ حدیث: ۵۲۹

اوراس کی زیادہ تر تشریح، منوسمرتی ادھیائے ۴۔ اشلوک ۲۳۹ میں ہے کہ

नामुत्र हि सहायार्थं पिता माता च तिष्ठतः
न पुत्रदारा न ज्ञातिर्धर्मस्तिष्ठति केवलः मनुस्मृति

''جس کے معنی یہ ہیں کہ پرلوگ میں یعنی اس عالم میں جو مرنے کے بعد پیش آتا ہے نہ باپ مدد کرسکتا ہے نہ ماں نہ بیٹا نہ جورو نہ قومی بھائی البتہ تنہا دھرم مددگار ہوتا ہے'' ۔انتہی۔

اس سے صاف روشن ہے کہ محض آدمی کا دھرم کام آتا ہے اور مرنے کے بعد کسی کی مدد سے کام نہیں چلتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو کچھ ایصال ثواب میت کے لیے کرتے ہیں تو یہ ان کا اصل مذہب نہیں۔ پھر اس کو شعارِ ہنود قرار دینا بہت بڑی غفلت ہے۔ اپنے گردونواح پر نظر کرتے ہیں تو ہم ہندوؤں کے تین مَتھ پاتے ہیں ایک آریہ سماج، دوسرا سراوُگی اور تیسرا برہمنوں کا برتاؤ۔

اب آریہ سماج جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اصل وید پر چلتے ہیں تو وہ اعمال بدنی و مالی کچھ بھی میت تک پہنچنے کو نہیں مانتے اور اسی طرح سراوُگی قوم بھی۔ باقی رہے وہ جو برہمنوں کے مَتھ پر چلتے ہیں تو ان کے حالات ''تحفۃ الہند'' کے حوالے سے لکھتا ہوں جسے مولف براہین قاطعہ نے بھی بطورِ سند پیش کیا ہے۔

تحفۃ الہند مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ کی پہلی سطر میں ہے کہ ہندوؤں کے دین میں ثواب پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ مثلاً کھانا یا کپڑا وغیرہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سنکلپ یعنی نیت یوں کریں کہ ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ اب جو فلانا مہینا، فلانی تاریخ، فلانا دن ہے تو میں فلانا شخص، فلانی میری قوم، فلانی چیز، فلانے شخص کے لیے صدقہ کرتا ہوں، پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے۔

واضح رہے کہ اس عاجز راقم الحروف نے ہندوؤں سے تحقیق کیا اور سنکلپ کی کتاب اس عاجز کے پاس بھی موجود ہے، ان سب تحقیقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مضمون شاستری زبان میں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ دیوتا وغیرہ کا نام بھی لیتے ہیں جن کا بیان طویل ہے، لیکن وید جس کے کلام الٰہی ہونے کا وہ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں، نہیں پڑھتے۔ ہاں! کسی بڑی سنکلپ شادی وغیرہ میں کوئی ایک منتر پڑھ دیتے ہیں جس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ آؤ میرے مکرم، اور وہ سنسکرت کے یہ الفاظ پڑھ کر ارواح کو اپنے نزدیک بلاتے ہیں۔

اب بھلا اہل اسلام کی فاتحہ کو اس سے کیا مناسبت؟

راقم نے ایک پنڈت سے پوچھا' کیوں جی تمہارے وید میں تو میت کے ایصال کے لیے کچھ بھی حکم نہیں ہے تو تم نے یہ کہاں سے نکالا؟ جواب ملا کہ اگرچہ وید میں نہیں لیکن اس سے نفع ہوتا ہے، بالفرض اگر میت کو نہ پہنچا تو اس کے خیرات کرنے والے وارث کو ثواب پہنچے گا، جس بہانے سے خیرات نکلے بہتر ہے۔ اس وقت مجھ کو یقین کامل ہوگیا کہ یہ باتیں ان کی بنائی ہوئی ہیں اور مولوی عبید اللہ صاحب کے تحفۃ الہند کے صفحہ ۸۶ پر لکھنے کی تصدیق بھی ہوگئی کہ ''یہ برہمنوں کے بڑوں نے اپنی اولاد کی گزر بسر کے لیے خوب تدبیر کی ہے کہ سنکلپ کیا ہوا مال برہمنوں کے علاوہ کوئی اور نہ لے''۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ سب احکام ان کے مذہبی نہیں تو معلوم ہوگیا کہ یہ اور مذاہب سے انھوں نے لیے۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو میت کے لیے ایصالِ ثواب مالی و بدنی کرتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ کہتے ہیں

اللّٰھم أوصل ثواب ما قرأت و ما انفقت إلی فلان اے اللہ، تو میرے پڑھے اور خرچ کیے کا ثواب فلاں کو پہنچادے۔

مسلمانوں کو اس ملک پھیلے ہوئے ہزار برس سے زیادہ ہوگئے تو غالباً ہندوؤں نے اہل اسلام کی یہ باتیں سیکھ کر کچھ کچھ اس کے قریب اپنے مذہب میں سنکلپ وغیرہ جاری کردیا، کچھ اِدھر سے لیا اور کچھ خود اپنا ایجاد کردہ، سب مل ملا کر ان میں یہ شکل پیدا ہوگئی، اور ان کے پیٹو پیشواؤں نے شاستر میں بھی اس کو درج کردیا۔

ہمیں مانعین بے تحقیق کے حال پر افسوس ہوتا ہے جو ہندوؤں کو ایصالِ ثواب کے قاعدے میں اصل الاصول قرار دے کر مسلمانوں کو ان کا پیرو اور تشبہ کرنے والا بتاتے ہیں۔ نہیں نہیں، ہم کو ان سے کچھ مناسبت نہیں، وہ لوگ سنکلپ کے وقت چلو میں پانی لیے ہوتے ہیں اور سنکلپ کیا ہوا مال برہمن کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیتے، گرچہ وہ برہمن مالدار و دولت مند اور دوسرا آدمی نہایت درجہ محتاج اور تنگ دست ہو۔ اور میت کا گھوڑا، پوشاک، برتن، زیور وغیرہ، مہابرہمن کو دیتے ہیں۔ مہابرہمن وہ ہوتا ہے جو میت کا صدقہ لیتا ہے۔ یہ مضامین تحفۃ الہند کے صفحہ ۸۵ اور ۸۶ پر موجود ہیں۔ اور یہ کتاب مولف براہین قاطعہ کے نزدیک نہایت معتمد ہے۔ اب براہین قاطعہ سے یہ بات نقل کرتا ہوں کہ تشبہ کون سا منع ہے۔

(براہین قاطعہ کے) صفحہ ۱۷۴ کی تیرہویں سطر میں ہے

جس شے شعار میں تشبہ ہے اس میں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے۔ مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں سے ایک کلاہ پہنی تو کلاہ من کل الوجوہ مشابہ ہوا گر اس کلاہ میں بعض وجہِ تشابہ کی ہوگی تو حرام نہ ہوگی۔ انتہیٰ۔

الحمدللہ، کہ ہم کو جواب دینے کی ضرورت نہیں، خود ان کی زبانی قصہ طے ہوا۔ آپ حضرات اہل اسلام کا مرسومہ طریقہ اور ہندوؤں کا مروجہ طریقہ ملا کر دیکھیں کہ من کل الوجوہ تشبہ کہاں ہے؟۔ اول تو ان کے وید میں میت کے لیے ایصال ثواب آیا ہی نہیں اور قوم ہنود کے بہت سے لوگ اسے جائز ہی نہیں سمجھتے۔ خیر اگر بعض ہنود نے اوروں کی دیکھا دیکھی یا قومی مصلحت کوشی وغیرہ کے سبب یہ کام کیا تو اب مشکل یہ ہے کہ ان کے یہاں صدقہ لینے والا اور پڑھنے والا خاص قوم (سے ہوتا ہے) اور سنکلپ یعنی ایصال ثواب میں خواہ کسی چیز کا ایصال ہو، رفع یدین نہیں بلکہ چلو پانی ہاتھ میں لیے رہتے ہیں اور یہاں اہل اسلام میں کوئی بھی کام مذکورہ امور سے نہیں لہٰذا تشبہ کا دعویٰ بالکل باطل ٹھہرا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل اسلام فاتحہ میں جو کچھ کرتے ہیں اپنے اصول دین کے موافق کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالی و بدنی ہر قسم کا ایصالِ ثواب شرعاً ثابت ہے اور یوں ہی جمع بین العبادتین بھی۔ اس سلسلے میں شرعی دلائل نقل ہو چکے۔ اور دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث قولی و فعلی نقل کی جا چکیں۔ اور قربانی جو ایک مالی چیز ہے اور سامنے موجود ہے اس پر یہ زبانی دعا کہ یا اللہ اس کو محمد اور اس کی آل و امت کی طرف سے قبول فرما یعنی جن جن کو ثواب میں شریک کرنا تھا ان کا نام زبانِ مبارک سے لیا اس سلسلے میں بھی احادیث گزر چکیں، نیز دعا و عقیقہ کے احوال بھی بیان کیے جا چکے۔ تو اہل اسلام یہ امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کبھی کسی شخص کو بادی النظر میں کوئی چیز مشترک و متشابہ معلوم ہونے لگے تو چاہیے وہ اسے یکلخت تشبہ نہ قرار دے بلکہ اسے توافقِ ملتین کے قبیل سے سمجھے۔ جیسا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، اور ہنود بھی

وجودی باری تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں مگر اصطلاح شرع میں اس کا نام تشبہ تو نہیں اس کو توافق ملتین کہتے ہیں اور یہ ممنوع نہیں۔
الحاصل، براہین قاطعہ میں جو فاتحہ مروجہ میں جمع بین العبادتین مان کر چار خارجی وجہوں سے کراہت عارضی قائم کی تھی وہ حرارتِ عارضی کی طرح شرعی دلیلوں سے ٹھنڈک پا کر برابر ہوگئیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

لطیفہ

مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۱۳ کی ساتویں سطر میں لکھا ہے

تشبہ کے لفظ میں اخذ بہ تکلف ہے سو قصد اور فعل مکلّف کا اس میں ہونا چاہیے، پس اس کی یہ صورت ہے، اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ کرے ورنہ اب بعد علم کے متشبہ ہوگا پہلے متشبہ نہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا۔ انتہیٰ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جن امور میں کفار کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اگر آدمی نہ جانتا ہو کہ ان میں تشبہ ہے اور اس حالت نادانستگی میں یہ فعل کرتا رہے تو جب تک اس کو علم تشبہ حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ معافی میں ہے نہ وہ متشبہ ہے کہ جو حکم من تشبہ بقوم میں داخل ہو، اور نہ عاصی ہے۔ تو اس تقریر کے موافق تمام فاتحہ ومیلاد شریف کے کرنے والے بری ہوگئے وہ ہرگز ان امور کو تشبہ بالہنود نہیں جانتے، جب ان کو ثبوت تشبہ نہیں ہوا تو بہ اقرارِ مولف براہین قاطعہ متشبہ اور عاصی بھی نہ ہوئے۔

لمعہ ثانیہ، جمعرات کی فاتحہ

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ''اشعۃ اللمعات'' میں لکھا ہے

ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔(۱)

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اہل خانہ نے اس کے لیے کچھ صدقہ کیا ہے یا نہیں۔

''خزانۃ الروایات'' میں ہے

عن بعض العلماء المحققين أن الأرواح تتخلص ليلة الجمعة و تنتشر فجاء وا إلى مقابرهم ثم جاء وا في بيوتهم .

بعض محققین علماء فرماتے ہیں کہ روحیں شب جمعہ آزاد ہوکر پھیل جاتی ہیں اور پھر اپنی قبروں اور اپنے گھروں کا رخ کرتی ہیں۔

صدر بن رشید تبریزی نے ''دستور القضاۃ'' میں لکھا ہے

من الفتاویٰ النسفية أن أرواح المومنين يأتون في كل ليلة الجمعة و يوم الجمعة فيقومون بفناء بيوتهم ثم ينادي كل واحد منهم بصوت حزين يا أهلي و يا أولادي و يا أقربائي اعطفوا علينا

فتاویٰ نسفیہ میں ہے کہ مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات اور دن میں آتی ہیں اور گھر کے صحن میں کھڑی ہوکر دردانگیز آوازیں لگاتے ہوئے کہتی ہیں اے اہل وعیال اور اے میرے احباب واقارب! کچھ صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، بھول نہ

(۱) اشعۃ اللمعات: ۱/۷۶۳ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ پاکستان

بالصدقة و اذكرونا و لا تنسونا و ارحمونا في غربتنا قد كان هذا المال الذي في أيديكم في أيدينا فيرجعون منهم باكيا حزينا ثم ينادي كل واحد منهم بصوت حزين اللهم قنطهم من الرحمة كما قنطونا من الدعاء و الصدقة.

جاؤ اس بے کسی کے عالم میں ہم پر رحم کرو، یہ مال جس پر تم آج قبضہ جمائے بیٹھے ہو کل ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اور پھر روتے بلکتے غمزدہ لوٹ جاتی ہیں، اور ان میں ہر کوئی پُر درد لہجہ میں دعا کرتا ہے اے اللہ! آج جس طرح انھوں نے ہمیں صدقہ ودعا سے محروم رکھا تو تو بھی انھیں اپنی رحمت سے دور رکھ۔

علی بن احمد غوری نے بھی ''کنز العباد'' میں اسے نقل فرمایا ہے

ان منکرین حضرات کا یہ قاعدہ ہے کہ جس کتاب میں ان کے خلاف عقائد بیان ہوتے ہیں اس کو غیر معتبر کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کی روایتیں ضعیف ہیں۔ اسی لیے میں انھیں خبر دار کرتا ہوں کہ شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی اسحٰق صاحب نے بھی ''مائۃ مسائل'' میں چند مقام پر سند پکڑی ہے، نیز ''خزانۃ الروایات'' سے بھی۔ مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتاد وسویم (۸۳) میں اور مسائل اربعین کے مسئلہ سی و پنجم (۳۵) اور بست سویم (۲۳) میں ''خزانۃ الروایات'' سے سند پکڑی ہے۔ ساتھ ہی مائۃ مسائل کے مسئلہ سیزدہم (۱۳) میں ''دستور القضاۃ'' سے بھی سند پکڑی ہے۔ تو یہ کتابیں ان کے بزرگواروں کے نزدیک مسلم الثبوت اور قابل سند ہیں۔ غرض کہ ان معتبر کتابوں کے مطابق معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا درود وغیرہ نہیں کرتے، ان کے گھر سے مردوں کی روحیں غمگین و ناامید ہو کر ان کو کوستی اور بددعائیں دیتی نکلتی ہیں۔ اس بنیاد پر سلف میں دستور تھا کہ جمعرات کو صدقے دیا کرتے تھے، لیکن آخری صدی کے بعض علماء نے اسے چھوڑ وا دیا۔

مولوی اسماعیل صاحب کے تابعین کہتے ہیں کہ اگر وہ میت بہشتی ہے تو اس کی روح بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹتی ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کے سب خیالی اعتراضات بے اصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشوا مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر جناب شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کیوں نہیں دیکھتے کہ انھوں نے سورۂ جن میں آیت کریمہ: مِنَّا الْقَاسِطُوْنَ کے تحت جنات کی جو چار قسمیں لکھی ہیں تو اس میں فرقہ چہارم کے بارے میں لکھا کہ وہ جن، بعض ارواحِ خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنا ہم رنگ کر لیتے ہیں پھر وہ روحیں بھی لوگوں کو ستاتی پھرتی ہیں۔ صفحہ ۱۸۵ پر اصل عبارت یہ ہے:

چہارم فرقہ دیگر اند کہ بطریق وزدان بعضے ارواح آدمیان را کہ با جنیان در اخلاق بد مثل نخوت و تکبر و کینہ داری و تلطخ بہ نجاسات مناسبتے بہم می رسانند کشیدہ می برند و برنگ خود رنگین می کنند و آں ارواح را طریق در آمدن در مسام ابدان و برہم کردن مزاج ہا و تغیر کردن صورت ہا تعلیم می نمایند تا بایں وسیلہ اذی وبہ نجے بآدمیان رسانند و فرقۂ آدمیان را فاسد نمایند۔

جناتوں کا چوتھا فرقہ وہ ہے جو چوروں کی طرح بعض خبیث خصلت، کینہ پرور، مغرور و متکبر اور نجاست آلودہ آدمیوں کی روحوں تک رسائی حاصل کرتا ہے، ان سے اپنا تعلق بڑھاتا ہے اور انھیں اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پھر ان روحوں کو انسانی جسم میں سرایت کرنے، ان کے مزاج بگاڑنے اور صورتیں تبدیل کرنے کے ہنر سکھاتا ہے، تاکہ ان طریقوں سے وہ آدمیوں کو رنج والم پہنچا سکے اور ان میں فتنہ وفساد بپا کر سکے۔

سورۂ عبس میں آیت کریمہ: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ کے تحت صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں

خلقت آدمی از خاک است وبحکم کل شيء یرجع إلی أصله اورا باصل خودش راجع باید ساخت بخلاف آتش کہ مادۂ خلقت شیاطین و جنیان است پس چوں بدن آدمی را بعد از موت بآں سوزند ارواح لطیفہ اوبادود آتش آمیزش نمودہ مشابہت تام باشیاطین وجنیان پیدا کنند و ازیں است کہ اکثر ارواح وکسانیکہ سوختہ می شوند بعد از موت حکم شیاطین می گیرند و بآدمیان می چسپند وایذا می دہند پس دردفن کردن ارجاع شے بہ حقیقت خوداست ودرسوختن قلب حقیقت۔ انتہی۔

انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور کل شيء یرجع إلی أصله (یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے اصول کے مطابق وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ برخلاف آگ کے کہ اس سے شیاطین اور جناتوں کی خلقت وجود میں آئی ہے تو انسان کی موت کے بعد جب اس کا بدن آگ سے جلایا جاتا ہے تو لطیف روحیں آگ کے دھوئیں کے ساتھ مل کر شیاطین وجنات کے ساتھ مکمل مشابہت اختیار کر لیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر روحیں اور جلائے ہوئے آدمی مرنے کے بعد شیاطین کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں اور آدمیوں کے ساتھ چپک کر ان کی ایذا رسانی کا سبب بن جاتے ہیں جب کہ دفن کر دینے کی صورت میں وہ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور جلا دینے سے ان کی حقیقت بدل جاتی ہے۔

دیکھیے، یہ لوگ روحوں کی حرکت کو محال سمجھتے تھے، ان کی مسلم الثبوت کتاب، شاہ صاحب کے کلام سے بری روحوں کی سیر وحرکت بھی ثابت ہوگئی۔ ان کے اعتراض کو توڑنے کے لیے تو یہی حجت بس ہے۔ بقیہ اور جماعت اسلام اور طالبانِ دلیل حق کے لیے یہ لکھا جاتا ہے کہ روحوں کی حرکت حدیث معراج سے بھی ثابت ہے کہ جمیع انبیا علیہم السلام کی روحیں بیت المقدس میں جمع ہوئیں، اور اوپر شرح مشکوٰۃ، خزانۃ الروایات اور دستور القضاۃ وغیرہ کے حوالے سے ہم یہ روایتیں نقل کر چکے کہ روحیں جمعرات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں۔ اور اسی طرح لمعہ ثالثہ میں تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ کے بیان کے ساتھ یہ روایت آئے گی کہ شب براءت اور عید کو بھی روحیں آتی ہیں، نیز مولد شریف کے مباحث میں بھی روحوں کی سیر کا بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور اب (لگے ہاتھوں) دو ایک روایتیں اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عوارف المعارف'' کے چھپنویں باب میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

روي سعيد بن المسيب عن سلمان قال أرواح المؤمنين تذهب في برزخ من الأرض حيث شاءت بين السماء والأرض حتى يردها إلى جسدها.

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں زمین وآسمان کے اندر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر وہ اپنے جسموں میں پلٹا دی جاتی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ نے ''تذکرۃ الموتیٰ والقبور'' میں لکھا ہے

ابن ابی الدنیا از مالک روایت کرد کہ ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہند می روند۔ الی آخرہ۔

ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنوں کی روحیں جہاں چاہتی ہیں جاتی رہتی ہیں۔

اس سے پہلے اسی فصل میں شہدا کے بارے میں لکھا ہے

حق تعالیٰ در حق شہدا می فرماید بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ - اقول شاید باید مراد آں کہ حق تعالیٰ ارواح شاں را قوت اجساد می دہد و ہر جا کہ خواہند سیر کنند و ایں حکم مخصوص شہدا نیست انبیا و صدیقان از شہدا افضل اند و اولیا ہم در حکم شہدا اند کہ جہاد نفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است یعنی رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر ازاں کنایت است ولہٰذا اولیاء اللہ گفتہ اند أرواحنا أجسادنا أجسادنا أرواحنا یعنی ارواح ما کار اجساد می کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می بر آید می گویند کہ رسولِ خدا را سایہ نہ بود صلی اللہ علیہ وسلم ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مدد گاری می فرمایند و دشمناں را ہلاک می نمایند۔ انتہیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان روحوں کو جسموں کی سی طاقت دے دی ہے اور جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی رہتی ہیں' اور یہ حکم کوئی صرف شہیدوں کے ساتھ ہی خاص نہیں' انبیا اور صدیقین' شہدا سے بھی افضل ہوتے ہیں اور اولیائے کرام جہادِ نفس کرنے کی وجہ سے شہیدوں کے ہم درجہ ہوتے ہیں کہ اسے جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ (وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ) ہم اب چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹ رہے ہیں' سے یہی جہادِ اکبر مراد ہے۔ اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں کہ: أرواحنا أجسادنا أجسادنا أرواحنا یعنی ہماری روحیں جسموں کے سے کام کیا کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم ایسے لطیف ہو جاتے ہیں کہ روحوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی روحیں زمین و آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں گشت کرتی رہتی ہیں اور دنیا و آخرت میں اپنے چہیتوں اور عقیدت مندوں کی امداد و اعانت اور دشمنوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارتی رہتی ہیں۔

ان روایتوں سے ارواح کی دنیا میں بھی سیر ثابت ہوتی ہے' اور یہی اہل سنت و جماعت کا بھی مذہب ہے۔

امام عبد اللہ یافعی یمنی قدس سرہ ''روض الریاحین'' کی ایک سو اڑسٹھویں حکایت کے اخیر میں لکھتے ہیں

مذهب أهل السنة أن أرواح الموتىٰ ترجع في بعض الأوقات من عليين أو سجين إلى أجسادهم في قبورهم عند ما يرينا الله تعالىٰ و خصوصاً في ليلة الجمعة و يومها ويجلسون و يتحدثون .إلى آخره.

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جب اللہ دکھانا چاہتا ہے تو مردوں کی روحیں بسا اوقات علیین یا سجین سے قبروں میں ان کے جسموں کی طرف پلٹ کر آ جاتی ہیں' خاص کر شب جمعہ اور روز جمعہ میں آ کر بیٹھتی اور باتیں بھی کرتی ہیں۔

''الاشباہ والنظائر'' کے احکام الجمعہ میں ہے

و فيه تجتمع الأرواح و تزار القبور ؛ كذا في الدر المختار و شرحه . (۱)

جمعہ کے دن روحیں اکٹھا ہوتی ہیں اور پھر قبروں کی زیارت کی جاتی ہے۔

الغرض، شب جمعہ اور روز جمعہ میں روحوں کا قبروں تک آنا ان معتبر کتابوں سے ثابت ہوگیا۔ باقی قبروں سے اپنے گھروں میں آنا اوپر ''خزانۃ الروایات'' کے حوالے سے بیان کیا جاچکا کہ

جاء وا أولا إلى مقابرهم ثم جاء وا في بيوتهم .

پہلے تو وہ قبروں کو آتی ہیں اور پھر اپنے گھروں کا رخ کرتی ہیں۔

اس روایت کے مطابق پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز پر ایک عجیب قصہ رونما ہوا، جسے استیناس کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

امام ابو محمد عبداللہ یافعی یمنی طیب اللہ ثراہ ''روض الریاحین'' میں لکھتے ہیں

عن بعض الصالحين قال كان لي ابن استشهد فلم أره في المنام إلا ليلة توفي في عمر بن عبد العزيز رضى الله تعالىٰ عنه يراىٰ لي تلك الليلة فقلت يا بني ألم تک ميتا فقال لا و لكني استشهدت و أنا حي عند الله أرزق فقلت له ما جاء بک فقال نودي في أهل السماء ألا لا يبقى نبي و لا صديق و لا شهيد إلا و يحضر الصلوة على عمر بن عبد العزيز فجئت لأشهد الصلوة ثم جئتكم لأسلم عليكم .

بعض صالحین سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا شہید ہوگیا تھا، میں نے کبھی اسے خواب میں نہ دیکھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے دن وہ دکھائی دیا، میں نے کہا بیٹے کیا تم مرے نہیں؟ کہا نہیں میں تو شہید ہوا تھا اور اللہ کے یہاں زندہ ہوں اور رزق بھی پاتا ہوں، میں نے پھر اس کے آنے کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ آسمان میں آواز لگائی گئی تھی کہ خبردار، کوئی نبی وصدیق اور شہید باقی نہ رہے سب عمر بن عبد العزیز کے جنازہ پر نماز پڑھیں تو دراصل میں ان کی نماز پڑھنے آیا تھا پھر تمھیں سلام کرنے کو بھی حاضر ہوگیا۔

الحمدللہ، کہ ہم میت کے ایصال ثواب اور خیرات کی رغبت کی غرض سے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اہل اسلام کی روحیں آتی ہیں خواہ وہ بالکل نیک وپرہیزگار ہوں خواہ بے چارے عاصی وگنہ گار، تو ان کا آنا کتب اسلامیہ کی روایتوں سے بخوبی ثابت ہوگیا۔ مذھباً، روایةً، کشفاً اور درایةً.

ان صاحبوں کی ناانصافی دیکھیے کہ اپنے پیرومرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلی وہ تو پتھر کی لکیر ہوجاتی ہے اور دوسرا شخص کیسے ہی ٹھوس دلائل سے ثابت کرے، اس پر ایمان لانے کے روادار نہیں ہوتے۔

اب دیکھیے! مولوی اسماعیل صاحب نے جو ''صراطِ مستقیم'' کے آخر ورق میں اپنے پیرومرشد کی تعریف میں لکھا ہے

غوث الثقلین اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ایک مہینہ تک ان میں چھینا جھپٹی اور لڑائی ہوتی رہی، یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد صاحب کو اپنی طرف لیں تو دوسری کہتی تھی کہ ہم اپنی طرف لیں، آخر کار دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کرکے یہ بات ٹھہرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں

(۱) الاشباہ والنظائر: ۲/۲۷۱، درمختار: ۲/۱۷۹

ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا رہے گا۔ تب ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور ایک پہر تک قوی توجہ دی اتنی دیر میں حضرت کو دونوں طریقوں کی نسبت نصیب ہوگئی۔ انتہی۔

اب دیکھیے کہاں حضرت غوث اعظم کا مزار پاک بغداد شریف میں اور کہاں خواجہ عالی شاہ نقش بند کا مزار بخارا میں پھر پتا نہیں ان کی روحیں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی کہ ان دونوں مقدس حضرات کے مریدوں میں سیکڑوں کامل اولیاء اللہ کیا بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے اس پر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحب کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ ان کو اپنی نسبت مریدی میں لیجیے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت سے ہندوستان میں وہ روحیں توجہ دینے اُتر آئیں، ہم اس کو رد نہیں کرتے لیکن ان دانش مند مصنفوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر کو مسلم رکھتے ہیں حالاں کہ عقلی طور پر اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں، اور ہم روحوں کا اپنے گھروں پر آنا کچھ تو مقتضائے عقل ہونے کی وجہ سے (مانتے ہیں) کہ چونکہ اپنا گھر ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے، جب روحوں نے دنیا کی سیر کی تو اپنے گھر کی سیر کیوں نہ کریں، اور روح کے لیے مکان کی دوری رکاوٹ نہیں بن سکتی کیوں کہ وہ مجردات سے ہے۔ اگر (ایسا) ثابت کرتے ہیں اس پر حدیثیں پیش کرتے ہیں اور فقہاء رحمہم اللہ کی روایتوں کی سند گزارتے ہیں تو اس پر انکار کرتے ہیں اور اس عقیدے کی بنیاد پر ہم کو اور ساتھ ہی ان مفتیانِ دین کو جو یہ روایتیں اپنے فتاویٰ میں درج کر گئے ہیں، بدعتی کہنے لگتے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ جس طرح فرقہ معتزلہ خود کو ''اصحاب العدل والتوحید'' کہلاتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو بدعتی اور خواہشوں کے پیرو کہتے ہیں۔ اور اہل انکار کا سید احمد صاحب کے قصہ میں یہ کہنا بھی ہے کہ یہ ان کو مکاشفہ ہوگیا تھا (اس کی تحقیق لمعہ سادسہ میں میلاد شریف کے تحت روحوں کی سیر میں آئے گی)۔

مولف ''براہین قاطعہ گنگوہی'' کا صفحہ ۸۰ میں روح میت کی بددعا دینے پر یہ اعتراض کرنا چند وجوہ سے مخدوش ہے

> اگر زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر شرعاً نہیں کیا ہاں احسان بھی نہیں کیا پس احسان نہ کرنے پر بددعا ظلم ہے میت باوجودیکہ ظلمت نفس و شیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر و شر اس کو برزخ میں واضح ہوگئی وہ اب بھی بزعم مولف بعد اتیان کشف و یقین آخرت کی شر نفس میں مبتلا ہے یہ روایت قطعاً متہم و متروک ہے۔ انتہی ملخصاً۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حدیث کی قوت وضعف اور صحت و سقم پہچاننے کے لیے میزان شرعی، اسناد ہے، اگر مولف براہین کو اسناد معلوم نہ تھی تو مفتیانِ شرع متین کی نقل پر اعتماد کیا ہوتا جو چند فتاویٰ حنفیہ میں رقم ہیں۔ جمعرات کو روحوں کے آنے اور صدقہ نہ کرنے کی صورت میں بددعا دینے کی روایت ''فتاویٰ نسفیہ'' میں موجود ہے جو علامہ سمرقندی، امام نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی تالیف ہے۔ اس میں وہ سب مسائل جمع کر دیے ہیں جو ان کی حیات میں ان سے استفتے کیے گئے تھے ۵۳۷ھ (1142ء) میں ان کی وفات ہوئی، معتمدین علمائے سلف سے تھے اسی لیے خلف نے ان کی روایت پر اعتماد کیا اور اپنے اپنے فتاویٰ میں درج کیا، اور کیوں نہ کرتے صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ یہ بات واجب ہے کہ متقدمین جو فتویٰ دے گئے ہیں ہم اس کا اتباع کریں۔ اصل عبارت یہ ہے

فعلینا اتباع ما رجحوہ و ما صححوہ۔ (۱) ان کے راجح ترین اور صحیح ترین مسائل کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

(۱) درمختار: ۸۳/۱

درمختار کے محشی، امام شامی اس مقام پر لکھتے ہیں

فإنه لا يسعنا مخالفتهم . (۱) اب ہمیں ہرگز گنجائش نہیں کہ ان کی قرارداد کی مخالفت کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مولف براہین نے اس روایت کو رد کیا تو کس طرح کہ بالکل اوہام وخیالات سے رجماً بالغیب۔اور ایسا درست نہیں، جن لوگوں نے دین کی روایتوں کی خیالی باتوں سے تردید کی ہے، فقہا ومحدثین اہل سنت نے انھیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا ہے۔ مثلاً صحیحین میں جو یہ حدیث ہے کہ

جب ملک الموت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں روح قبض کرنے آیا ہوں، حکم الٰہی قبول کیجیے، تو حضرت موسیٰ نے (انھیں) ایسا تھپڑ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی، جناب باری میں جاکر عرض کی کہ خداوندا، تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔الیٰ آخرہ۔ (۲)

اس حدیث پر بعض عقلی خیالات والوں نے طعن کیا کہ بھلا موسیٰ علیہ السلام بے قصور تھپڑ کیوں مارتے اور وہ بھی ایسا کہ آنکھ پھوٹ گئی۔اس بنیاد پر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔لیکن محدثین نے اس حدیث کو تسلیم کیا اور اعتراض کرنے والوں کو ملحد رکھا، عبارت یہ ہے۔

أنكر بعض الملاحدة هذا الحديث و قالوا كيف يجوز علىٰ موسىٰ فقء عين ملك الموت . (۳)

بعض ملحد اس حدیث کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے لیے یہ کیسے درست ہوا کہ وہ ملک الموت کی آنکھ نکال دیں۔

اور یہ قرار دیا کہ حدیث کو عقلی باتوں سے رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ (جہاں تک ممکن ہو) اس میں تاویل کرنی چاہیے۔اس حدیث میں تاویل ہوسکتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس ملک الموت بشکل انسان آئے اور انھوں نے جانا کہ یہ کوئی دشمن، قتل کو آیا ہے تو اس کو دفع کرنے کے لیے تھپڑ مارا، اتفاق سے آنکھ نکل پڑی۔الیٰ آخرہ۔

اس نظیر سے ہم کو ثابت یہ کرنا ہے کہ دینی روایتوں کو ایسے خیالی شاخسانوں سے رد نہ کیا جائے کہ محدثین ایسے کو ملحد کہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اتہام حدیث اور اسے متروک کہنے کے لیے عقلی تکا چلایا بھی تو کیا کہ روحیں بددعا کیوں دیتیں، اور یہ نہ سمجھے کہ روح کو بدن انسانی کے آب وگل سے کچھ تو تعلق ہے، (ذرا غور فرمائیں کہ) فرشتے جو تکدرِ آب وگل سے بالکل مجرد ہیں وہ بھی بخیل ودیوس کو بددعا دیتے ہیں تو روح کا بددعا دینا کیا بعید ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۱/۱۹۴

(۲) صحیح مسلم: ۱۲/۵/۷ حدیث: ۴۳۷۵، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۲۴۱ حدیث: ۵۷۱۳، مسند احمد: ۱۶/۳۶۷ حدیث: ۷۸۲۵، مستخرج ابوعوانہ: ۱/۳۸۹ حدیث: ۳۴۷، صحیح ابن حبان: ۲۵/۴۸۹ حدیث: ۶۳۳۰، صحیفہ ہمام: ۱/۶۱ حدیث: ۶۰، کنز العمال: ۱۱/۵۱۰ حدیث: ۳۲۳۸۴، المسند الجامع: ۴۴/۴۳۰ حدیث: ۱۴۷۱۰۔

مکمل متن حدیث یوں ہے: جاء ملك الموتِ إلى موسى عليه السلام فقال له أجبْ ربك ، قال فلطم موسىٰ عليه السلام عين ملك الموت ففقأها ، قال فرجع الملك إلى الله تعالىٰ فقال إنك أرسلتني إلى عبدٍ لك لا يريد الموت و قد فقأ عيني ، قال فرد الله إليه عينه و قال ارجع إلى عبدي فقل الحياة تريد فإن كنت تريد الحياة فضع يدك على مَتْنِ ثورٍ فما تَوَارَتْ يدُك من شعرةٍ فإنك تعيش بها سنةً قال ثم مَهْ قال ثم تموتُ ، قال فالآن من قريبٍ ربِّ أمِتني من الأرض المقدسة رَميةً بحجرٍ ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لو أني عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عند الكثيب الأحمر .

(۳) الدیباج علی مسلم: ۵/۳۵۶

مَا مِنْ يَوم يُصْبِحُ العبَادُ فيه إلاَّ مَلَكانِ ينزلانِ فيقولُ أحدُهما اللهم اعطِ منفقا خلفاً و يقول الآخر اللهم اعط ممسكا تَلَفاً .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ ہر صبح کو دوفرشتے آسمان سے اُترتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یااللہ! خرچ کرنے والے آدمی کو بدلہ عطا فرما اور (اس کا مال) بڑھا اور جو خرچ نہ کرے اس کا جمع کیا ہوا مال تلف کر اور ہلاک فرما۔ انتہیٰ۔ (۱)

ظاہر ہے کہ جب دنیا میں روح جسم کے ساتھ تھی تو اس وقت اس کے متعلق احکام الٰہی اور تھے اور جب بدن سے جدا ہو کر اس عالم میں داخل ہوئی تو اب اس پر احکام و آثار اُس عالم کے نافذ ہوئے۔ پھر کیا عجب کہ جس طرح فرشتے خرچ نہ کرنے والے آدمی کو باذنِ الٰہی بددعا دیتے ہیں اسی طرح روحیں بھی اس عالم میں جا کر ایسے آدمی کو (جو مال دبا کر بیٹھ رہا اور اپنے مورث کو صدقہ و فاتحہ سے یاد نہیں کرتا) باذنِ الٰہی بددعا دیتی ہوں تو یہ کون سا محال امر ہے کہ جس کے بارے میں مفتیانِ دین کی روایت کو قطعاً متروک و متہم کہہ دیا جائے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس دعا کو ظلم ٹھہرانا بالکل بے اصل ہے' اس کا مخدوش و مردود ہونا کچھ تو تیسری وجہ سے بھی سمجھ لیا گیا علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ اگر وارثین دعا اور تصدق کرتے تو شرعی مسئلہ کی روشنی میں انھیں بھی ثواب ملتا اور میت کو بھی۔ جب کچھ نہ کیا تو دونوں محروم رہے۔ پھر اگر ایک امر واقعی روحوں کی زبان سے صادر ہوا کہ الٰہی جیسے ہم ناامید پھرے انھیں بھی اپنی رحمت سے محروم رکھنا' تو یہ کس طرح ظلم ٹھہرتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ امر واقعی کی دعا کیا کی جائے یہ تو تحصیل حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو خوب محقق کر دیا ہے کہ تحصیل حاصل کی دعا جائز ہے۔ ملتقطاً ان کی عبارت یہ ہے

و لو كان الدعاء بتحصيل الحاصل منهيا لما ساغ الدعاء له صلى الله عليه وسلم لا بوسيلة و لا بلعن الشياطين . (۲)

اگر تحصیل حاصل کی دعا منع ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ و وسیلہ کی دعا اذان کے بعد نہ کی جاتی کہ یااللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ عطا اور مقام محمود عطا فرما کیوں کہ یہ وعدہ خداوند تعالیٰ خود فرما چکا ہے' اور اسی طرح شیطان پر لعنت کرنی بھی جائز نہ ہوتی کیوں کہ وہ بلا دعا کیے ہی لعنت میں گھرا ہوا ہے۔

---

(۱) متن حدیث : صحیح بخاری: ۵/۲۷۰ حدیث: ۱۳۵۱' صحیح مسلم: ۵/۱۸۲ حدیث: ۱۶۷۸' مسند احمد ۴۴/۱۹۷ حدیث: ۲۰۷۲۸' سنن کبریٰ بیہقی: ۴/۱۸۷' مصنف عبد الرزاق: ۱۰/۴۴۴ حدیث: ۱۹۶۵۱' سنن کبریٰ نسائی: ۵/۳۷۵ حدیث: ۹۱۷۸' مستدرک: ۲۰/۹۰ حدیث: ۸۸۲۹' معجم کبیر طبرانی: ۲۰/۳۳ حدیث: ۱۲۸۲' تہذیب الآثار طبری: ۵/۴۸۲ حدیث: ۲۴۹۸' شعب الایمان: ۷/۴۱۵ حدیث: ۳۲۵۹' صحیح ابن حبان: ۱۴/۱۶۰ حدیث: ۳۳۹۸' مسند عبد بن حمید: ۱/۲۲۳ حدیث: ۲۰۹' موارد الظمآن: ۱/۲۰۸' امالی ابن بشران: ۱/۸۲ حدیث: ۷۶' الزہد لاحمد بن حنبل: ۱/۱۰۵ حدیث: ۱۰۴' الزہد لہناد بن سری: ۲/۱۸۱ حدیث: ۶۲۰' الزہد لوکیع: ۱/۴۲۹ حدیث: ۲۷۲' الزہد والرقائق لابن مبارک: ۳/۱۰۶ حدیث: ۱۰۵۸' العظمۃ اصبہانی: ۲/۲۵ حدیث: ۵۰۵' المطالب العالیہ: ۳/۲۶۴ حدیث: ۱۰۰۸' جامع معمر بن راشد: ۱/۳۱۳ حدیث: ۲۵۰' حدیث ابو محمد فاکہی: ۱/۶۸ حدیث: ۶۷' مسند ابن ابی شیبہ: ۱/۴۰ حدیث: ۳۶' مکارم الاخلاق خرائطی: ۲/۱۳۴ حدیث: ۵۹۵' مجمع الزوائد: ۲/۱۹' کنز العمال: ۶/۳۵۱ حدیث: ۱۶۰۱۳' مسند الجامع: ۳۳/۴۰۱ حدیث: ۱۱۰۰۰' تحفۃ الاشراف: ۱۲/۱۱ حدیث: ۱۳۶۱۳

(۲) ردالمحتار: ۴/۱۲۱

اگر دعائے ارواح کے یہ معنی ہوں کہ اے وارثو! جس طرح تم نے ہمارے ساتھ ترک احسان کیا اور ہم محروم پھرے خدا کرے کہ جب تم مرو تو تمہارے ساتھ تمہارے ورثہ (بھی یوں ہی) ترک احسان کریں اور (ہماری طرح) تم بھی رحمت وثواب سے ناامید پھرو۔ تو اب اس مضمون میں اتلاف حق فرض وواجب کی کوئی دعا نہیں جسے ظلم قرار دیا جائے بلکہ ترک احسان پر ترک احسان کی دعا ہے۔ اور جہاں میت کی وصیت پر وارثوں نے حرص ولالچ کی وجہ سے عمل نہ کیا ہوگا تو ان مواقع میں تو روحوں کی بددعا کسی طرح مخل نہ ہوگی۔

پھر (کم ازکم) معترضین نے یہی خیال کیا ہوتا کہ روح آنے سے متعلق تمام حدیثوں میں تو بددعا کا کوئی ذکر نہیں کسی ایک میں بھی تو یہ وہی خاص موقع ہوگا جس میں اتلاف وصیت صدقات ہے، باقی اور مواقع میں فقط یہ بات کہ روحیں امیدوار آئیں اور ناکام چلی گئیں غرضیکہ ان لوگوں پر لازم تھا کہ اس روایت میں یہ تاویل یا اس کے مثل اور بھی جو کچھ صحیح محمل نکلتے پیدا کرتے لیکن (خدارا) پہلے کے مفتیانِ دین متین کی روایتوں کو رد نہ کرتے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو کوئی اور توجیہ نہ سوجھی اور (ہرچند) ان کو یہی معلوم ہوا کہ یہ بددعا قبیح ہے تو یہ کیا دلیل قائم کی کہ عالم برزخ میں جب خیر وشر واضح ہوگیا تو پھر کشف ویقین کے بعد روحوں سے برا فعل یعنی بددعا کرنا کس طرح صادر ہوتا۔

ہم کہتے ہیں اگرچہ برزخ میں خیر وشر کا انکشاف ہے لیکن سب سے زیادہ انکشافِ حقائق قیامت کے دن ہوگا، پھر اس روز خدائے عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لوگ اپنے جرائم سے مکر جائیں گے، اور جھوٹ کا سہارا لیں گے، تب ان کو نامۂ اعمال دکھائے جائیں گے (اس پر بھی یہ) کہیں گے کہ فرشتوں نے زبردستی ہمارے نام لکھ دیے، تو ان کے ہمسائے بلائے جائیں گے، وہ گواہی دیں گے تو وہ ان کو بھی جھٹلائیں گے، تب اللہ رب العزت ان کے منہ پر مہر لگا کر پوچھے گا، تو سارے اعضا بول اُٹھیں گے کہ بیشک اس نے یہ گناہ کیے۔ کذا فی التفاسیر۔

امام رازی نے آیت کریمہ: أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَا أَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُودُكُمْ (سورۂ فصلت: ۲۲/۴۱) کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ زناکاروں کی پیشاب گاہ اس روز گواہی دے گی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: آدمی کے اعضا میں اول ران اور ہتھیلی گواہی دے گی۔ (۱) یعنی اس لیے کہ چھونے کا عمل ہاتھ سے شروع ہوتا ہے پھر وقت مباشرت، نوبت ران تک پہنچ جاتی ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جب مجرموں کی گواہی دیں گے تو وہ مجرم بعد میں اپنے اعضا کو دھمکائیں گے کہ تم نے گواہی کیوں دی؟ اور اپنے اعضا کو بددعا دیں گے

بُعْداً لَكُنَّ وَ سُحْقًا. (۳)　خدا تمھیں اپنی رحمت سے دور اور ہلاک کرے۔

(۱) تفسیر رازی: ۳۸۶/۱۳

(۲) أول ما يتكلم من الآدمي فخذه و كفه۔ (مسند احمد: ۴۹۵/۴۰ حدیث: ۱۹۱۷۳، الاوائل لابن ابی عاصم: ۴۹/۱ حدیث: ۴۸، مستدرک حاکم: ۳۱۴/۸ حدیث ۳۶۰۳، اور معجم الکبیر طبرانی میں یوں ہے: إن أول ما يتكلم من الإنسان حين يختم على الأفواه فخذه من الرجل اليسار. (۳۰۲/۱۲)۔ اور اوائل طبرانی کی بیسویں حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں: أول ما يتكلم من الإنسان يوم القيامة و يشهد عليه بعمله فخذه و كفه. (۴۱/۱)

(۳) مسلم شریف: ۲۲۰/۱۴ حدیث: ۵۲۷۱

بددعا کا یہ مضمون صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔

''روح البیان'' میں ہے کہ جو مسلمان گنہ گار ہوں گے ان کے اعضا بھی گناہ پر شہادت دیں گے لیکن جن اعضا سے انھوں نے نیک کام کیا ہے جب وہ اچھی شہادت دینے لگیں گے تو وہ بخش دیے جائیں گے۔

الحاصل مذکورہ روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کے روز جو کہ نہایت درجہ انکشاف حقائق خیر و شر کا دن ہوگا اس دن بھی آدمی ایسے ایسے برے کام کریں گے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے سامنے مکر جائیں گے، جھوٹ بولیں گے، فرشتوں، آسمان و زمین کے ٹکڑوں اور ہمسایوں سب کو جھٹلائیں گے، اور پھر جب اعضا گواہی دیں گے حالاں کہ انھوں نے باذن الٰہی گواہی دی ہے اور سچی گواہی دی ہے تو بندہ اس پر بھی ان کو کوسے گا اور بددعا دے گا۔ کما رواہ مسلم۔

جب مذکورہ بالا ایسے ایسے کام ایسے مقام کشف و عیاں میں ہوں گے تو بھلا عالم برزخ میں روحوں کا بددعا دینا کس طرح محال و مستبعد ٹھہرا جس سے فتاویٰ کی روایتوں کو جھٹلا دیا۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلىٰ مَا مَاتَ عَلَيْهِ . (١) آدمی اسی خصلت پر اٹھایا جائے گا جس پر مرا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے

يُبْعَثُ النَّاسُ عَلىٰ نِيَّاتِهِمْ . (٢) آدمی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو صفات محمودہ یا مذمومہ انسان کے جوہر روح میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ بعد موت بھی قائم رہتی ہیں حتیٰ کہ انہی صفات کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیے کہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی بالکل خاک، جن کے اندر غصہ نام کو بھی نہیں ہوتا اور عفو و درگزر ان کا جبلی کام ہوتا ہے۔ اور بعض وہ جو اپنے منافی طبیعت پر آزردہ ہو کر خفگی ظاہر کر دیتے ہیں بس یہ دونوں آدمی بعد موت بھی اپنی اسی جبلت پر ہوں گے اور ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے آدمی بہت کم ہیں اور دوسری قسم کے بہت زیادہ۔ اور یہ قاعدہ کلیہ مسلم ہے کہ للأکثر حکم الکل یعنی اکثر پر کل کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ تو جس طرح وہ لوگ دنیا میں دیکھتے تھے کہ ان کے ایک نمک پروردہ یا دوست نے جس پر ان کو بھروسا تھا سخت ضرورت کے وقت صاف جواب دے دیا اور احسان و مروت کے حقوق بالکل فراموش کر دیے تو بے اختیار بددعا نکل جاتی تھی کہ جیسا تو نے میرے ساتھ کیا تیری مشکل کی گھڑی میں بھی

(١) صحیح مسلم: ۱۴/۴۴ حدیث: ۵۱۲۶، مسند احمد: ۲۹/۶۵ حدیث: ۱۴۰۱۶-۲۹/۶۴ حدیث: ۱۴۴۱۳، مسند ابن ابی شیبہ: ۲۹/۶۵ حدیث: ۱۴۰۱۶-۲۹/۶۴ حدیث: ۱۴۴۱۳، مصنف عبد الرزاق: ۳/۵۸۶ حدیث: ۶۷۴۶، مستدرک حاکم: ۸/۳۶۱ حدیث: ۳۶۴۶-۹/۶ حدیث: ۳۷۷۲، معجم الاوسط طبرانی: ۱۹/۴۰۷ حدیث: ۱۱۱۳۰، شعب الایمان: ۱/۴۰۳ حدیث: ۳۷۲، مسند ابی یعلی موصلی: ۴/۴۶۵ حدیث: ۱۸۵۷، مسند حمیدی: ۴/۴۶۵ حدیث: ۱۸۵۷، صحیح ابن حبان: ۳۰/۱۵۷ حدیث ۷۴۳۷-۳۰/۱۶۸ حدیث: ۷۴۴۳، مسند عبد بن حمید: ۳/۱۳۴ حدیث: ۱۰۱۵، مشکل الآثار طحاوی: ۱/۲۶۱ حدیث ۲۱۷، اخبار اصبہان: ۶/۸۷ حدیث: ۴۰۲۰۹، الفقیہ والمتفقہ خطیب البغدادی: ۱/۱۲۵ حدیث ۱۱۲، القضاء والقدر بیہقی: ۱/۹۷ حدیث ۸۴، المطالب العالیہ عسقلانی: ۹/۳۱۶ حدیث ۳۳۳۱، مسند الحارث: ۱/۳۱۵ حدیث: ۲۰۴

(٢) مسند ابی یعلی موصلی: ۱۳/۱۰ حدیث ۷۱۱۶، مسند حمیدی: ۱۳/۱۰ حدیث: ۷۱۱۶، مسند شہاب القضاعی: ۲/۴۰۹ حدیث: ۵۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۲/۲۷۶ حدیث ۴۲۱۹، اور صحیحین وغیرہ میں: یبعثون علی نیاتهم کے الفاظ آئے ہیں

خدا ایسا ہی کرے۔ اب جب وہ مرگیا اور عالم برزخ میں گیا تو وہی جبلت ان کے ساتھ گئی' اس لیے ان کا وہی مادۂ فطری وہاں ظاہر ہوگیا کہ جب ان کے اقربائے احسان اس کا مال مار کر بیٹھ رہیں گے اور دعا وصدقہ میں ذرہ بھر ان کو یاد نہ کریں گے تو وہ بے ساختہ ان کو بددعا دیں گے' جس طرح کفار وفساق جو کچھ صفات تکذیب وغیرہ دنیا سے ساتھ لے گئے تھے وہی محشر میں علی الاعلان ظاہر کریں گے (جیسا کہ روایات سابقہ میں گزر چکا)۔

ساتویں وجہِ الزامی یہ ہے کہ اس روایت کو فقط روحوں کی بددعا کی وجہ سے رد کرتے ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب کی ''صراطِ مستقیم'' کے آخری ورق پر لکھی ہوئی تحریر رد نہیں کرتے جو لکھتے ہیں

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حلل حضرت ایشاں گردیدہ وتا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازعے درمابین روحین درحق حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بہ تمامہ بسوئے خودمی فرمود۔

حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں ان کے حال کی طرف متوجہ ہوئیں اور قریباً ایک مہینہ تک حضرت کے بارے میں ان دونوں روحوں کے درمیان تنازع چلتا رہا کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک ان کی روح کو پورے طور پر اپنے طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے۔

دیکھیے یہاں اپنے پیر ومرشد کی بابت دو اماموں کی روحِ مقدس میں لڑائی ثابت کرتے ہیں اور لفظ 'تنازع' لکھتے ہیں۔ ''منتخب اللغات'' میں ہے

تنازع دشمنی وخصومت کردن۔

جھگڑا اور دشمنی' تنازع کہلاتا ہے۔

''صراح'' میں لکھا ہے

الخصام پیکار کردن باہم والاسم الخصومۃ۔

آپس میں برسرِ پیکار ہونا۔ اور خصام کا اسم خصومت ہے۔

مولف براہین کو لازم تھا کہ پہلے ''صراط مستقیم'' کی اس تحریر کو رد کرتے پھر فتاویٰ نسفیہ کی روایت کی تردید میں قدم رکھتے' لیکن اس کو صفحہ ۸۳ میں ایک طویل عبارت سے قوت دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے

انبیا علیہم السلام کو بھی کثرت امت کی خواہش ہوئی ہے۔ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولود عورتوں سے نکاح کی تاکید فرمائی ہے' اسی واسطے اُن دونوں اماموں نے جب سید احمد صاحب کا درجہ دیکھا اور جانا کہ ان کے بہت مرید ہوں گے تو دونوں نے انھیں اپنی اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ انتہی ملخصاً۔

یہ جواب نہایت رکیک ہے سید صاحب کو کثیر المرید ہونے کے باعث جو ولود عورت یعنی کثیر الاولاد عورت کے نکاح سے تشبیہ دی' تو یہ خیال نہ کیا کہ ایسے شخص کے مرید کرنے کی تمنا درست ہے لیکن تنازع حرام' جس طرح ولود عورت کی طرف رغبت صحیح ہے لیکن اس میں لڑائی ومخاصمت حرام' یہ تو نص قطعی کا معارضہ ہے' حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے

وَ لاَ تَنَازَعُوا . (۱)

شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں

(۱) انفال: ۴۶/۸

بایک دیگر نزاع مکنید۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

آپس میں مت جھگڑو۔

تو جب اس مکاشفہ تحریری کو حرمت تنازع کے باعث رد نہ کیا تو چاہیے کہ مفتیانِ دین کی روایتوں کو بھی رد نہ کریں۔اس کے باوجود مولف براہین نے اس قسم کی دعا کی حرمت پر کوئی نص شرعی روایت نہیں کی جس طرح کہ ہم نص قطعی آیت لاتنازعوا پیش کرتے ہیں لہٰذا ان کا دعویٰ بلا دلیل شرعی نا مسموع' اور ان کا یہ خیال ان سات مذکورہ بالا وجہوں کی وجہ سے مدفوع ہے۔

دوسرا اعتراض روحوں کے آنے پر براہین کے صفحہ ۸۰ پر یہ ہے کہ

یہ روایتیں مخالف صحاح کے ہیں کیوں کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پوچھتی ہیں تو وہ جو پہلے مرلیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مرلیا تھا اگر ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے۔

جواب

استفسار کی حاجت کیوں نہیں مثلاً ایک شخص ہر ہفتہ اپنے گھر آتا ہے اور شب باش ہو کر چلا جاتا ہے تو اس شخص کے چھ روز چلے آنے کے بعد اگر کوئی اس کے گھر سے آئے گا تو وہ اپنے اقربا کا حال پوچھے گا یا نہ پوچھے گا؟ سبھی عقلمند جانتے ہیں کہ وہ ضرور پوچھے گا تو اسی طرح روح' شب جمعہ اپنے گھر گئی تھی تو جو آدمی چارشنبہ یا روز پنجشنبہ کو مرے گا اور اس کی روح عالم برزخ میں جائے گی تو وہ روح پانچ چھ روز کی غیبوبت کا حال اس روحِ تازہ سے ضرور پوچھے گی کہ فلاں آدمی کس طرح ہے اور فلاں کس طرح؟ اور اسی طرح اگر اس کا کوئی قریبی روز شنبہ یا شام جمعہ کو مر گیا ہوگا اور اپنے شومیِ اعمال سے وہ دوزخ میں گیا' ارواح مومنین میں نہ پہنچا' پھر کوئی دوسرا عزیز مومن مخلص چارشنبہ کو مر کر ارواح مومنین میں پہنچا تو وہ ضرور یہ بیان کرے گا کہ وہ قریبی آدمی جو مجھ سے چار پانچ روز پہلے مرا کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روحیں کہیں گی کہ بس وہ دوزخ میں گیا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح ہر ہفتہ گھر پر آتی' اپنے ایک عزیز کو ہمیشہ غیر موجود پاتی چوں کہ اس وقت آدمیوں سے اس کو پوچھنا ممکن نہ تھا ہمیشہ یہ خیال کر کے چپ چلی جاتی کہ شاید وہ کہیں پردیس میں گیا ہے لیکن جب اس گھر میں کوئی مخلص مومن مرا اور اس کی روح ارواحِ مومنین میں پہنچی تب اس عزیز کا حال دریافت کیا تو جواب دیا کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روح جان لیتی ہے کہ اس عزیز کو ہر ہفتہ مکان پر موجود نہ دیکھ کر جو یہ سمجھتی کہ وہ کہیں پردیس میں ہوگا تو پردیس میں نہیں بلکہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح کا اپنے گھر آنا منقول ہو' ہمارا دعویٰ یہ تو نہیں کہ وہ اپنے سب اقرباء عزیزوں اور دوست آشناؤں کے گھر بھر جاتی ہے تو جائز ہے کہ وہ روحیں اپنے ان دوست آشنا اور عزیزوں کا حال پوچھتی ہوں گی جو اس کے خاص گھر میں نہیں رہتے تھے۔لفظ حدیث میں نہ تو اپنے خاص گھر میں رہنے والوں کی قید ہے اور نہ یہ کہ خاص اپنے ذوی القربیٰ کا حال پوچھے گا بلکہ جائز ہے

کہ اپنے بعض دوست داروں اور غم گساروں کا حال دریافت کریں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں

فَيَسْأَلُونَهُ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُولُ قَدْ مَاتَ أَمَا أَتَاكُمْ فَيَقُولُونَ قَدْ ذَهَبَ بِهِ إِلَى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ . (۱)

اس نئے مردے سے پہلے مردے پوچھتے ہیں فلانے کا حال کیا ہے فلانے کا حال کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مرچکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتی ہے کہ اس کا مطلب یہ کہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا۔ انتہیٰ۔

اب سخت دلوں کو نرم کرنے کے لیے ایک قصہ، نوسو برس پہلے لکھی گئی (۲) ایک نہایت معتبر کتاب سے (پیش کیا جاتا ہے) جس کے مصنف چار واسطے سے امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں لاکھوں حدیثیں انھیں یاد تھیں۔ نصر بن محمد جن کا نام "امام الہدیٰ" جن کا خطاب اور جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کنیت اور لقب سے مشہور ہیں۔ وہ اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین" میں "باب فضل جمعہ" میں فرماتے ہیں

میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ تک صالح مزی کا یہ قصہ پہنچا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں نماز فجر پڑھنے آئے، راستہ میں ایک مقبرہ ملا، دل میں آیا کہ صبح صادق کے وقت مسجد چلے جائیں گے (یہ سوچ کر) مقبرے میں ٹھہر گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگالیا اور آنکھوں میں نیند بھر آئی، کیا دیکھتے ہیں کہ سب اصحاب قبور قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

میں نے اس وقت ایک نوجوان کو دیکھا کہ میلے کپڑے میں اُداس و مغموم بیٹھا ہے، اتنے میں خوان پوشوں سے ڈھکے بہت سے خوان آئے، ہر آدمی اپنا اپنا خوان لے کر چلتا بنا آخر وہی جوان بے چارہ رہ گیا اس کے پاس کچھ بھی نہ آیا، وہ غم کا مارا اُداسی کے عالم میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا، جب قبر میں داخل ہونے لگا تو صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا، اے اللہ کے بندے تو اُداس کیوں ہے؟ تو اس نے کہا تم نے دیکھا نہیں کہ کس قدر خوان آئے ہوئے تھے؟ میں نے کہا ہاں اس نے کہا یہ تحفہ تحائف تھے جوان کے واسطے ان کے خیر خواہوں نے بھیجے تھے۔ وہ جو بھی صدقہ و دعا وغیرہ کرتے ہیں ان کو جمعہ کی رات پہنچتا ہے۔ میں ملک ہند کا رہنے والا ہوں، اپنی ماں کو لے کر حج کے واسطے آیا ہوا تھا، بصرہ پہنچا تو میرا انتقال ہوگیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کرلیا اور دنیا میں مشغول ہوکر مجھے بھول گئی، نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے اور نہ زبان سے کبھی دعا کرتی ہے، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں، میرا کوئی نہیں جو مجھے یاد کرے۔

تب صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے پتا بتا دیا۔ میں نے صبح کی

(۱) سنن کبریٰ نسائی: ۶۰۳/۱ حدیث: ۱۹۵۹، مستدرک: ۳۲۹/۳ حدیث: ۱۲۵۰-۹/۱۹۷ حدیث: ۹۲۷، معجم کبیر طبرانی: ۱۷۶/۴ حدیث ۳۷۹۱، صحیح ابن حبان: ۲۳/۱۳ حدیث: ۳۰۷۸، السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۳۸۴/۳ حدیث: ۱۳۳۸۔ معجم اوسط، موارد الظمآن اور مسند شامیین وغیرہ میں بھی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے

(۲) انھوں نے علم سیکھا ابو جعفر ہندوانی سے، انھوں نے ابو قاسم صفار سے، انھوں نے نصر بن یحییٰ سے، انھوں نے محمد بن ساعد سے اور انھوں نے امام ابو یوسف سے، اور وہ شاگرد تھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا اس تک پہنچا' اس نے اندر سے آواز دی' تو کون ہے؟ میں نے کہا صالح مزی۔ اس نے مجھے بلایا اور میں چلا گیا' میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ میری اور تیری بات کوئی دوسرا نہ سنے' تب میں اس کے نزدیک گیا میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ تیرا کوئی بیٹا ہے؟ بولی نہیں' میں نے کہا کبھی ہوا تھا' تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی' ایک جوان بیٹا تھا مگر مر گیا تب میں نے وہ مقبرہ والا قصہ اس سے بیان کر دیا' اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی 'اے صالح مزی میرا وہ بیٹا میرا کلیجا تھا۔ پھر اس نے مجھے ہزار درہم دیے اور کہا کہ میرے نورِ چشم کی طرف سے خیرات کر دیجیے گا اور اب جب تک دم میں دم ہے' میں اس کو دعا و خیرات میں نہ بھولوں گی۔ صالح مزی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کر دیے' اور اگلے جمعہ کی رات پھر اس مقبرے میں گیا' دو رکعت پڑھی اور ایک قبر کے سہارے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے نہایت ہشاش بشاش میرے پاس آ کر کہنے لگا اے صالح مزی! اللہ تیرا بھلا کرے' مجھ کو ہدیہ اور تحفہ پہنچ گیا' میں نے کہا تم جمعہ کو پہچانتے ہو؟ کہا جانور تک پہچانتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں

سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعة. انتھیٰ. مبارک دن یعنی روزِ جمعہ کو سلام۔

اے بھائیو' اگر ایسے امام الہدیٰ کا نقل کیا ہوا یہ درد آمیز قصہ تمہارے دل کو خوفِ الٰہی سے نہ ہلا دے تو کمالِ حسرت کی بات ہے۔ پتھر بھی اللہ کے خوف سے نرم ہو جاتے ہیں۔

إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الأَنْهَار . (۱) اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہ نکلتی ہیں۔

پرانے زمانے ہی سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ پہلے کے لوگ اپنے اپنے مردوں کے لیے جمعہ کی رات کو کھانے پر فاتحہ دے کر حفاظ' ملا' قراء مقابر اور فقرا وغیرہ کو بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو 6 سو برس سے زیادہ گزر گئے' ان کے کلام سے بھی اس کا پتا ملتا ہے۔ اپنے کلیات کے قصیدہ ''در بابِ تنبیہ حالِ موت'' میں فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرتا ہے تو لوگ چند روز اس کو روتے ہیں اور جمعرات کو حلوہ بھی بھیجتے ہیں' لیکن جب کئی برس ہو جاتے ہیں پھر سب بھول جاتے ہیں اور وہ آدمی بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔ ان کے اشعار بطورِ التقاط لکھے جاتے ہیں

یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم وبیش صبح و شام ❁ با گریہ دوست ہمدم وہمداستاں شود
حلوا سہ چار صحن شب جمعہ چند بار ❁ بہر ریا بخانہ ہر گور خواں شود
وانگہ کہ چند سال براں حال بگذرد ❁ آں نام نیز بگذرد وبے نشاں شود

اگلے لوگ جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنے کا مزدور' جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آٹا بال بچوں کے واسطے لاتا' شام کو پکواتا اور اس میں نیت کرتا تھا کہ یا رب العالمین یہ جو بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور واجباتِ الٰہیہ کی ادائیگی سے آدمی ثواب کا مستحق ہوتا ہے' آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں' اس نفقہ واجبہ میں میری نیت یہ ہے کہ اس میں مجھ کو جو ثواب ہوتا ہے وہ میرے فلاں عزیز میت کو پہنچے۔ غرض کہ نادار اور تنگ دست

(۱) سورہ بقرہ ۲:۷۴

آدمی اسی روزمرہ کے نفقہ واجبہ عیال میں سے ایصال ثواب کی نیت کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھنے کے بعد وہ کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیا کرتے تھے، مردوں کو محروم نہ رکھتے تھے اور مالدار لوگ تو بہت کچھ دیا کرتے تھے۔ اب جیسے لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور اس بخیلی کے ساتھ یہ بہانہ بھی ہاتھ آ گیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں تو لوگ بالکل ہی اسے چھوڑ بیٹھے ''اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ'' مثل مشہور ہے۔ ہم نے معتبر کتابوں کی روایتیں تمھیں سنا دیں، چاہیے کہ اب سے سستی نہ کرو اور صدقات وخیرات اور فاتحہ ودرود سے اپنے عزیزوں کو یاد کرو۔(۱)

ایک مسئلہ سناتا ہوں کہ جس قدر تم اموات کے نام دو گے یا پڑھ کر بخشو گے سب مردوں کو پہنچے گا اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا، تمہارے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی، تم اور مردے دونوں ثواب سے بہرہ مند ہوگے، خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی نہیں وہ دونوں کو دیتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ . (۲) بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

گھاٹا صرف تمہاری نیت کا ہے۔

لمعہ ثالثہ، عیدین، شب براءت اور عشرۂ محرم میں فاتحہ

في خزانة الروايات عن ابن عباس رضي الله عنهمايقول إذا كان يوم عيد أو يوم جمعة أو يوم عاشوراء أو ليلة من نصف شعبان تأتي أرواح الأموات و يقومون على أبواب بيوتهم فيقولون هل من أحد يذكرنا هل من أحد يترحم علينا هل من أحد يذكر غربتنا يا من سكنتم بيوتنا و يا من سعدتم بما شقينا و يا من أقمتم في أوسع قصورنا و نحن في ضيق قبورنا و يا من استذللتم أيتامنا و يا من نكحتم نسائنا هل من أحد يتفكر في غربتنا و فقرنا كتبنا مطوية و كتبكم منشورة .

واضح ہو کہ یہ ''خزانۃ الروایات'' پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ قریبا 4 سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے، اب دیکھیے تصنیف کب ہوئی ہوگی۔ اس کے مصنف کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے

یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور گجرات کے رہنے والے تھے، تمام عمر فتویٰ دینے اور لکھنے میں گزاری۔ انتہیٰ۔ (۳)

تو اب اس کا معتبر ہونا ظاہر ہو گیا نیز ہم فاتحہ جمعرات کے بیان میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' اور ''مسائل اربعین'' میں اس کتاب ''خزانۃ الروایات'' کی سند پکڑی ہے، تو اب اس کتاب کا قدیم اور معتمد ہونا واضح ہو گیا۔

---

(۱) **فائدہ**: فتاویٰ عالمگیری میں مسائل قربانی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ اگر کوئی غریب، صاحب اہل وعیال آدمی قربانی کرے اور اسے زیادہ وسعت نہ ہو تو اس کے لیے افضل ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم نہ کرے بلکہ سب اپنے پاس رہنے دے، اپنے اہل وعیال کو فراغت سے کھلائے۔ یوں ہی غریب آدمی فاتحہ کا کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے۔ بعض ناواقف اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ جب بال بچوں کو کھلا دیا تو یہ کیا ثواب ہوا؟ تو اس کا جواب وہی ہے جو رسالہ ہذا میں مذکور ہے۔ نیز صحیحین کی حدیث ہے: إذا أنفق المسلم نفقة على أهله و هو تحسبها كانت له صدقة . یعنی مسلمان جو کچھ اپنے بال بچوں پر بہ نظر قربت وثواب خرچ کرتا ہے وہ عند اللہ صدقہ ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۲) سورہ نجم: ۳۲/۵۳ (۳) کشف الظنون: ۱/۷۰۲، باب الخاء المعجمہ

اس کے علاوہ علی بن احمد غوری نے بھی اس روایت کو ''کنز العباد'' میں ''کتاب الروضۃ'' کے ''باب خامس واربعین'' سے نقل کی ہے۔اب دیکھیں کہ اس روایت کا ترجمہ کیا ہے

''خزانۃ الروایات'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مذکور ہے کہ عید' جمعہ یا عاشورا کے دن یا نصف شعبان کی رات مردوں کی روحیں آتی ہیں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہو کر فریاد کرتی ہیں' ہے کوئی ہمیں یاد کرنے والا؟ ہے کوئی ہم پر رحم کرنے والا؟ ہے کوئی ہماری بے کسی کا ذکر کرنے والا؟ اے کہ تم ہمارے گھروں میں سکونت پذیر ہو' ہمارے مال سے عیش کے دن گزار رہے ہو' ہمارے کھلے کشادہ محلوں میں اقامت گزیں ہو اور ہم اپنی تنگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔اے کہ تم نے ہمارے یتیموں پر ذلت کے دروازے کھول دیے اور ہماری عورتوں کو اپنی بیویاں بنا لیے' تو کیا کوئی ہماری غربت و بے کسی کی فکر کرنے والا ہے؟ ہمارے صحیفے تو لپیٹے جا چکے' مگر تمہارے تو ابھی تک کھلے پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت ''خزانۃ الروایات'' اور ''کنز العباد'' میں ہے اس طرح ''دقائق الاخبار'' میں بھی ہے' اور دقائق الاخبار امام غزالی کی طرف منسوب ہے۔

آیت کریمہ ''تنزل الملائکۃ والروح'' میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔بعضوں نے کہا کہ روح ایک فرشتہ ہے' بعضوں نے کہا کہ وہ حضرت جبرئیل مراد ہیں' بعضوں نے کہ وہ روح' حضرت عیسیٰ ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اُترتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ روح سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔اور دقائق الاخبار کے مطابق بعضوں نے کہا کہ اس سے بنی آدم کی روحیں مراد ہیں۔اس کی عبارت یوں ہے

و یقال روح الأقرباء من أموات المومنین یقولون ربنا ائذن لنا بالنزول إلی منازلنا حتی نریٰ أولادنا و عیالنا فینزلون في لیلة القدر.

کہا گیا ہے کہ اس سے مسلمان مردوں کے رشتہ داروں کی روحیں مراد ہیں جو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتی ہیں کہ مولیٰ! ہمیں اپنے گھروں میں اترنے کا اذن عطا فرماتا کہ ہم اپنے اہل وعیال کو دیکھ سکیں تو شب قدر میں وہ اترتی ہیں۔ (۱)

تفسیر عزیزی میں مذکورہ بالا آیت کی تشریح کے تحت لکھا ہوا ہے

فرود می آید ملائکہ از آسمان ہا وارواح از مقام علیین دراں شب۔

اس شب' آسمان سے فرشتے اور مقام علیین سے روحیں اترتی ہیں۔

پھر تینتیس سطر کے بعد ہے

ہمراہ جبرئیل علیہ السلام جمیع ملائکہ وارواح نزول می کنند۔

وہ تمام فرشتے اور روحیں حضرت جبرئیل کی معیت میں اترتی ہیں۔

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ شب قدر میں مردوں کی روحوں کا اترنا محض اقربا کے دیدار کے لیے ہوتا ہوگا اور جو دوسری راتوں کا ذکر گزرا تو وہ صدقہ وخیرات کے انتظار کے لیے ہوگا۔۱۲منہ

اب ہوش کے کانوں سے سننا چاہیے کہ باپ کو اولادِ صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے

وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ . (١) وہ نیک بیٹا جو اپنے باپ کے لیے دعا کرتا رہے۔

اس حدیث میں تم (جیسے) لوگوں کو اشارہ ہوا کہ تم جن کی اولاد ہو اُن کے حق میں دعا کرو اور فاتحہ و درود پڑھو۔

دوسری بیہقی شریف کی حدیث ہے

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تلحقه من أبٍ أو أخٍ أو صديقٍ فإذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا . (٢)

قبر کے اندر مردے کی مثال کسی ڈوبتے فریادی کی سی ہوتی ہے۔ یوں ہی مردے بھی اپنے متعلقین مثلاً باپ بھائی اور دوست کے صدقوں کے منتظر ہوتے ہیں، جب کچھ صدقہ وخیرات انھیں پہنچتا ہے تو یہ ان کے لیے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوتا ہے۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہوا کہ ماں باپ بھی اپنی اولاد کو دعائے خیر میں یاد رکھیں، یوں ہی بھائی، بھائی کو اور دوست، دوست کو۔ کیوں کہ اس حدیث سے اشارہ مل گیا کہ مردہ ان سب کی طرف امید لگائے رہتا ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو گیا کہ احباب واقربا کو چاہیے کہ اپنے (مرحومین) دوست و رشتہ دار کو یاد رکھیں۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کے جنجال میں پھنس کر اپنے مردہ عزیزوں کو بالکل بھول جاتے ہیں، روزانہ بھلا کیا یاد کریں گے اگر تیوہاروں یعنی عید بقرعید شب براءت اور محرم کو یاد کرلیں تو وہی غنیمت ہے، کیوں کہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہے، طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں اور دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ زندہ آدمیوں کو تو تحفہ تحائف بھیجیں جب کہ وہ خود بھی پکوا کر کھا سکتے ہیں اور میت کو (جو کہ بالکل بے بس و بے کس ایک تنگ وتاریک غار میں پڑی ہوئی ہے، اس کے اعمال بھی منقطع ہو چکے، کچھ کر بھی نہیں سکتے) ذرا بھی یاد نہ کرنا کس قدر غفلت کی بات ہے، اور جو کوئی ملا عالم ہو کر اس (نیک) کام سے لوگوں کو روکے وہ مردوں پر ظلم وزیادتی کا کتنا (بھاری بوجھ) اپنی گردن پر لادتا ہے۔ یااللہ! ایک پہلے دور کے عالم وفاضل تھے کہ خیرات وحسنات کی رغبت دلایا کرتے تھے، (اور ایک یہ ہیں۔)

''خزانۃ الروایات'' کے مصنف لکھتے ہیں

میں آغاز جوانی سے کتب فقہ اور فتوٰی ومسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتے پیش ہوتے تھے تو جب

(١) صحیح مسلم: ۴۰۵/۸ حدیث: ۴۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۸/۲۷ حدیث: ۲۴۹۴، سنن ابن ماجہ: ۲۸۰/۱ حدیث: ۲۳۷، مسند احمد: ۳۱/۱۸ حدیث: ۸۴۸۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۲۷۸/۶، سنن کبریٰ نسائی: ۱۰۹/۴ حدیث: ۶۴۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱/۱۸ حدیث: ۸۴۸۹، معجم اوسط طبرانی: ۹۶/۸ حدیث ۳۶۰۶، معجم صغیر طبرانی: ۴۳۱/۱ حدیث: ۳۹۶، شعب الایمان بیہقی: ۴۵۰/۷ حدیث: ۳۲۹۳، سنن دارمی: ۱۱۴/۲ حدیث: ۵۷۰، متخرج ابوعوانہ: ۴۴/۱۱ حدیث: ۴۷۰۷، مسند ابویعلی موصلی: ۲۲۱/۱۳ حدیث: ۶۳۲۶، صحیح ابن حبان: ۱۸۱/۱ حدیث: ۹۳، صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۲/۹ حدیث: ۲۲۹۷، مشکل الآثار طحاوی: ۲۸۹/۵ حدیث: ۱۹۱۹، موارد الظمآن: ۲۲۰/۱، امالی ابن بشران: ۳۰۴/۲ حدیث: ۷۵۷، الادب المفرد بخاری: ۵۹/۱ حدیث: ۳۹، منتقی لابن جارود: ۴۲۱/۱ حدیث ۳۵۷، فوائد العراقیین: ۱۰۸/۱ حدیث ۸۱

(٢) مشکوۃ المصابیح: ۳۰/۲ حدیث: ۲۳۵۵، شعب الایمان بیہقی: ۴۲۳/۱۶ حدیث ۷۶۶۶-۲۸۸/۱۹ حدیث: ۷۹۸۷، کنز العمال: ۴۹/۱۵ حدیث: ۴۲۹۷۱، تخریج احادیث احیاء علوم الدین: ۴۰۷/۹ حدیث: ۴۴۰۷

تک ان کتابوں سے اس کے جواب نہ نکال لیتا چین نہیں آتا تھا' اور میں مطالعہ کتب اور مباحثوں میں برابر لگا رہتا تھا' مشکلیں حل کرتا تھا اور یوں پوری عمر فتویٰ دینے میں گزار دی اور جس قدر فتوے دیتا وہ سب اس کتاب میں لکھ دیا کرتا تھا۔ انتہیٰ۔

آپ دیکھیں کہ یہ شخص سیکڑوں برس پہلے کا عالم وفقیہ' ہندوستان کا قاضی اور فتویٰ جاری کرنے والا اپنا فتویٰ اس کتاب میں لکھتا ہے اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں (جیسا کہ اس کی روایت گزری) تو معلوم ہوا کہ عیدین وغیرہ تیوہاروں میں فاتحہ کا دستور قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور یہ بزرگوں کا حکم کیا ہوا' جائز رکھا ہوا اور حدیث سے نکالا ہوا ہے' کوئی جاہلوں کا ایجاد کردہ نہیں' جاہل کسی دینی اور شرعی قاعدہ کا موجد نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی کسی جاہل کا اتباع کرے گا۔ اہل اسلام کی یہ سب نیک رسمیں علماء وصالحین کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں' یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود ہے' جن سے مانعین بھی عقیدت رکھتے ہیں' وہ اپنے مکتوبات کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں

بابد کہ ہرگاہ صدقہ بہ میت نیت کند اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ جدا سازد و بعد ازاں تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ است بطفیل آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ انتہیٰ۔

جب بھی میت کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کی نیت کی جاتی ہے تو چاہیے یہ کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا الگ سے ہدیہ دیا کرے پھر اس کے بعد کسی اور کے نام صدقہ کرے کیوں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسرے لوگوں کے حقوق سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں' ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل' صدقہ کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

سبحان اللہ ایک (دور میں) ایسے ایسے دین دار علماء تھے جو ہدایت کے کیا کیا طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ عہد قدیم اور سلف صالحین سے چلے آتے معمولات وخیرات کو بند کرتے جاتے ہیں۔

مولوی اسحٰق صاحب نے "مائۃ مسائل" میں یہ جو تحریر فرمایا ہے

آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ۔

اس رات روحوں کا آنا صحیح ومرفوع اور متصل الاسناد احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

"مسائل اربعین" میں ان حدیثوں کی بابت لکھا

بعض علمائے محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اندو بیان غرابت آن آوردہ۔ انتہیٰ۔

بعض علمائے محدثین نے ان روایتوں کا ضعف بیان کیا ہے اور ان کی غرابت دکھائی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں صحیح متصل الاسناد نہیں اور بعض محدثوں نے ان کو ضعیف بھی کہا ہے تو اصول حدیث میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔ چنانچہ ملا علی قاری اور صاحب مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں

قال الزركشي بين قولنا لم يصح و قولنا موضوع بون بعيد كثير فإن الوضع إثبات الكذب و الاختلاف و قولنا لم يصح لا يلزم منه إثبات العدم .إلیٰ آخره. (۱)

اِمام زرکشی فرماتے ہیں کہ ہم جو کسی حدیث کو کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور کسی کو کہتے ہیں کہ موضوع ہے تو اس میں کھلا ہوا فرق ہے۔اس لیے موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹ پر مبنی ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ ''صحیح نہیں'' تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔

ہاں البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ ضعیف ہے تو لو اب حدیث ضعیف کا حکم سنو۔تفسیر روح البیان جلد دوم مطبوعہ مصر کے صفحہ ۶۳۲ میں ہے

و إن كانت ضعيفة الأسانيد فقد اتفق المحدثون على أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في الترغيب والترهيب.

اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نیک کام کی رغبت دلانے اور برے کام سے ڈرانے کے لیے ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔(۲)

اس کلام کو صاحب روح البیان نے امام نووی، حلبی اور ابن فخر الدین رومی وغیرہم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔یوں ہی علامہ ابن حجر کی تالیف ''فتح المبین'' میں منقول ہے

و قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال . (۳)

یعنی علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے۔

میر سید شریف رحمہ اللہ ''اصولِ حدیث'' میں لکھتے ہیں

و يجوز عند العلماء التساهل في أسانيد الضعيف في فضائل الأعمال.(۴)

فضائل کے سلسلے میں وارد ہوئی حدیثوں کی اسناد کی بابت علماء کرام نے تساہل کو روا رکھا ہے۔ (۵)

اعضائے وضو دھونے کے بارے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں تو اس سے متعلق صاحب درمختار نے لکھا

فيعمل به في فضائل الأعمال . (۶)

فضائل اعمال کے سلسلے میں اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۱) تذکرۃ الموضوعات:۷/۱

(۲) تفسیر روح البیان:۲۴۱/۵

(۳) الاربعین النوویہ:۱/۱، تفسیر روح البیان:۲۴۱/۵

(۴) المختصر فی اصول الحدیث:۲/۱، تذکرۃ الموضوعات:۵/۱

(۵) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ایک راوی رشدین بن سعد ضعیف تھا مگر اس حدیث کا حکم یہ بیان کیا ہے و قد قبل منه ما حدث في فضائل الأعمال . (مجمع الزوائد و منبع الفوائد:۳۹۴/۴) یعنی تحقیق کہ اس نے جو روایت کیا فضائل اعمال میں اس کو قبول کر لیا گیا ہے۔

(۶) درمختار:۱۳۸/۱، شرح مسند ابی حنیفہ:۲۶/۱

نسائی کا یہ طریقہ تھا کہ جس راوی کو علمائے حدیث نے بالاتفاق چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث کو وہ نہ لیتے تھے باقی ہر قسم کی ضعیف حدیثیں لے لیتے تھے۔ اور ابوداؤد کا مذہب یہ تھا کہ وہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتے تھے اور یہ نسائی و ابوداؤد کے مصنفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں۔

شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سب اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف 'قیاس اور اجتہاد پر مقدم ہے۔ تو حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع پر اسے قبول نہ کریں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں

و ورد في فضائل رجب الأحاديث بأسانيد ضعيفة لا بأس بالعمل بها فإن وجد في نفسه قوة فليعمل بها .

ماہِ رجب کے فضائل کے سلسلے میں ضعیف سندوں سے کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ان پر عمل میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں کچھ قوت پائی جائے تب تو اس پر ضرور عمل پیرا ہونا چاہیے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب نے ''مظاہر الحق'' میں 6 رکعت صلوٰۃ الاوابین کے بارے میں لکھا ہے

اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ صلوٰۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے کہ جس کی بابت مشکوٰۃ میں (امام ترمذی کا قول) ہے

لا نعرفه إلا من حديث عمر بن أبى خثعم و سمعت محمد بن إسماعيل يقول هو منكر الحديث و ضعفه جدا. (۱)

یعنی اس کا پتا ہمیں صرف عمر بن ابی خثعم کی حدیث سے ملتا ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے سنا کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور انھوں نے اس کو بہت ضعیف کہا۔

تو مولوی قطب الدین خان صاحب نے شرح ملا علی قاری سے اس درجہ کی حدیث پر عمل کرنا بھی ثابت کیا ہے' اور اعمال میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی بہت سی مثالیں مسائل فقہیہ میں ثابت ہیں۔ طوالت کے باعث صرف انھیں عبارات منقولہ پر اکتفا کر کے اب حدیث ضعیف کے سلسلے میں اصول حدیث اور اصول فقہ میں جو قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے اسے نقل کرتا ہوں کہ حدیث ضعیف کو صفات باری تعالیٰ' حرام و حلال اور اعتقادیات کے سلسلے میں نہیں لیا جاتا البتہ وہ معجزات' احوال قیامت' پند و نصیحت اور فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ اور فضائل اعمال کے معنی شارح درمختار' علامہ شامی نے یہ لکھے ہیں

کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے حدیث ضعیف کو لے لینا جائز ہے۔ انتہیٰ۔ (۲)

ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک عام قاعدۂ شرعیہ میں داخل ہو اور شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ اس کے صادق ہونے کا بھی امکان ہے۔ تو اگر وہ حدیث ضعیف' نفس الامر میں عند اللہ صحیح تھی تو اس پر عمل ہونا بہت اچھا ہوا' اور اگر نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آیا کیوں کہ

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۶۰ حدیث: ۱۱۷۳

(۲) رد المحتار: ۱/۳۴۷

وہ عام شرعی قاعدہ کلیہ میں داخل ہے۔ مثلاً یہی وضو کے اعضا دھونے والی دعائیں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہیں تو ان احادیث کا حق ادا ہوگیا اور ثواب موعود مل گیا۔ اور یہ حدیثیں عند اللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوا کیونکہ اس نے دعا ہی تو پڑھی ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا اور مطلق دعا کا مانگنا شرع سے ثابت ہے۔ اور ایک ضعیف حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا

جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس پر عمل کیا تو اس کو ثواب ملے گا اگر چہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو۔

چنانچہ یہ مضمون فقیہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے

(فيعمل به في فضائل الأعمال) لأنه إن كان صحيحا في نفس الأمر فقد أعطِي حقُّه من العمل و إلا لم يترتب على العمل به مفسدةُ تحليلٍ و لا تحريمٍ و لا ضياعِ حق للغير ' و في حديث ضعيف (مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي ثَوَابُ عَمَلٍ فَعَمِلَهُ حَصَلَ لَهُ أَجْرُهُ وَ إِنْ لَمْ أَكُنْ قُلْتُهُ) .أو كما قال. (۱)

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے جو ماہِ رجبؔ میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے تو وہ بھی اسی قاعدہ پر مبنی ہے۔ یعنی اگر چہ دن اور رات کی یہ تخصیص ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب میں عبادت کرنا تو دین میں ثابت ہے۔

اسی طرح مولوی قطب الدین خان صاحب نے جو 6 رکعت اوابین کے بارے میں لکھا ہے تو اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگر چہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکر ہے لیکن کوئی اگر اس تعین زمان اور تخصیص رکعات پر اس ضعیف حدیث کے موافق عمل کرے گا تو کچھ برائی نہ ہوگی کیوں کہ مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے۔

یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ فقہاء رحمہم اللہ حدیث ضعیف سے ثابت ہونے والے عمل کو مستحب لکھا کرتے ہیں، چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوابین کو حدیث منکر ہونے کے باوجود فقہا مستحب اور مندوبات میں لکھتے ہیں۔ اسی طرح وضو میں گردن کا مسح حدیث ضعیف سے ثابت ہوا ہے مگر اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں۔ اور ماہِ رجب کے روزے کو "فتاویٰ عالم گیری" میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا ہے۔

جب یہ قواعد و فوائد ذہن نشیں ہو گئے تو اب ہم فقہا و محدثین کے اس قاعدۂ مقررہ کو اس متنازع فیہ مسئلہ (یعنی روحوں کے آنے) میں جاری کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہماری پہلی گفتگو یہ ہے کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے روحوں کے آنے والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بعض محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کل کے نزدیک ضعیف ہو۔ ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں

لاحتمال أن يكون الحديث موضوعا من طريق صحيحا من آخر . (۲)	کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ حدیث ایک جہت سے تو موضوع ہو مگر دوسری جہت سے صحیح ہو۔

---

(۱) ردالمحتار: ۱/ ۳۴۷

(۲) جس محدث نے کسی حدیث کو موضوع کہا ہے اس کو خراب اسناد سے پہنچی ہے؛ اس لیے وہ موضوع کہتا ہے، اور دوسرا محدث جو اس کو پسند کرے تو اس کے نزدیک اچھی اسناد سے ثبوت ہوا ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ صاحب ''خزانۃ الروایات'' نے روحوں کے آنے کی یہ حدیثیں اپنے فتاویٰ میں درج فرمائیں جن کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں لی ہے (اور اس کے فضائل کئی وجھوں سے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں) تو ضرور یہ بات ان کی صحت وقوت اور مفتی بہ ہونے پر دلیل ہے۔ مفتیانِ دین کا ایک حدیث کو لے لینا قوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اور اگر بالفرض ہم اس فاضل کے کہنے کے مطابق ان احادیث کا ضعیف ہونا تسلیم کرلیں تو فروع مسائل اور فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا فقہاو محدثین سے بالاتفاق اور بالاجماع ثابت ہے' لہٰذا جو آدمی ان حدیثوں پر عمل کرے کہ کچھ صدقہ اور فاتحہ ودرود تیوہاروں میں کرے تو بلاشبہ یہ کام جائز بلکہ مستحب ہوگا' اس لیے کہ اگر واقعی وہ روحیں آئی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش وخرم گئیں' اور اگر وہ بددعا کرتیں تو یہ آدمی ان کی بددعا سے بچ گیا اور اس کو ثواب پہنچ گیا۔ اور اگر بالفرض روحیں آتی نہیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ ودرود تو ان کو پہنچ ہی جائے گا' ان کا پہنچ جانا تو اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے' لہٰذا اس بنیاد پر تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ ودرود کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب کہنا چاہیے' اس کی چند نظیریں فقہا کے کلام سیصلوٰۃ الاوابین' گردن کا مسح اور رجب کے روزے کے حوالے سے ہم پیش کر چکے ہیں' اس کے علاوہ بھی کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں جس کی نظر متون وشروح اور فتاویٰ پر ہے اس سے یہ مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے۔ آمین یارب العالمین۔

لمعہ رابعہ' تیجہ کا طریقہ

اس عمل میں پانچ چیزیں ہیں' کلمہ طیبہ پڑھنا' شمار کے لیے دانہ ہائے نخود کا معین کرنا' ختم قرآن کرنا' برادری اور دوست آشناؤں کا قرآن اور کلمہ پڑھنے کے لیے جمع ہونا اور اس کام کے لیے تیسرا دن ٹھہرانا۔

پہلی چیز: کلمہ طیبہ کا اختیار کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ . (۱)

لا الٰہ الا اللہ دروازۂ بہشت کی کنجی ہے۔

امام ابواللیث سمرقندی نے حضرت انس سے روایت کی ہے

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قيل له يا رسول الله' هل للجنة ثمن قال نعم لا إله إلا الله .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ' کیا جنت کی کچھ قیمت بھی ہے؟ فرمایا ہاں! کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔

جب یہ معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ جنت کی کنجی اور اس کی قیمت ہے تو ثواب پہنچانے کے لیے ایسی چیز نہایت درجہ بہتر وافضل ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے

جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لاالٰہ الا اللہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش دے تو اگر وہ عذاب دیے جانے کے قابل بھی ہوگا تو اسے عذاب نہ دیا جائے گا اور اگر قابل عذاب نہ ہوگا تو اس کے درجات بلند کر دیے جائیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۴/۶ ۴۵ ملتقطاً' الاسماء والصفات بیہقی: ۱/۲۲۱ حدیث: ۲۰۷ ملتقطاً

مسند بزار کے الفاظ یوں ہیں: مفتاح الجنة شهادة أن لا إله إلاّ الله . (بحر زخار مسند بزار: ۷/۱۳۵ حدیث: ۲۳۱۰)

اور ایک روایت میں 70 ہزار بار لا الہ الا اللہ کا پڑھنا آیا ہے۔(۱)

چنانچہ بزرگانِ دین اس پر عمل پیرا بھی رہے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں حکم فرماتے ہیں

بہ یاران و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرۂ او ام کلثوم بخوانند وثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستان دعا وفاتحہ مسئول است۔ انتہیٰ۔

مجدد الف ثانی نے اپنے ارادت مندوں سے فرمایا کہ مرحوم خواجہ محمد صادق اور ان کی مرحومہ بہن ام کلثوم کے ایصال ثواب کے لیے 70 ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھیں۔اور ایک بار 70 ہزار ایک کے ایصال ثواب کے لیے اور دوسری بار 70 ہزار دوسرے کے ایصال ثواب کے لیے بخشیں، کیونکہ دوستوں ہی سے دعا وفاتحہ کی امید کی جاتی ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہے۔جس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔حضرت جنید نے ایک لاکھ یا 75 ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔آپ نے پھر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں تو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور اس حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی۔انتہیٰ۔

دیکھیے ان روایات احادیث اور سلف صالحین کے دستور العمل سے کلمہ طیبہ کی تخصیص عمدہ طور پر ظاہر ہوگئی لہٰذا اسے بدعت وضلالت کہنے کی تردید ہوگئی۔

دوسری چیز: دانہ نخود کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دانہ نخود اگر چھوٹا بڑا نہ ہو متوسط ہو، پہلے کے وزن سے کہ وہ اسی روپے سے زیادہ تھا تو ساڑھے بارہ سیر نخود از روئے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے۔اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہے اور مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ ۸۹ کی سولہویں سطر میں اس کی تصدیق کی ہے اور یہ لکھا ہے

فی الواقع اول میں دانہ نخود کے اختیار کی یہی وجہ تھی۔الیٰ آخرہ۔

اور حدیث کے دوشمار، 70 ہزار اور ایک لاکھ کے مطابق احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل مقرر کیا گیا اور ہر کسی کی اتنی قدرت نہ تھی کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے جامن یا کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں چنتا اور جا بجا سے سمیٹتا پھرتا، نخود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا جس نے چاہا بے تکلف مول لے لی، اس میں شمار کی شمار بھی قائم رہی اور فراغت اور کام

(۱) من قال لا اله الا الله سبعين ألفا غفر الله تعالىٰ له و من قيل له غفر له أيضا . (مرقاۃ المفاتیح : ۲/۳۹۹)

ختم ہو جانے کے بعد ان کو تقسیم بھی کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہوگئی کہ اس کا ثواب بھی میت کو پہنچ گیا' اور اس قسم کے تعینات سے ممانعت اور کراہت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن حبان اور حاکم سے اس حدیث کی روایت بطولہ ثابت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لیے ہوئے ذکر اللہ شمار کر رہی تھی (مگر آپ نے اس کو منع نہ فرمایا) (۱)

اس قدر ثبوت سے فقہا رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ نکال لیا کہ

لا بأس باتخاذ السبحة . (۲) — تسبیح ہاتھ میں لیے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

حالانکہ کنکریوں اور گٹھلیوں کی گنتی اور تسبیح میں بڑا فرق ہے' یعنی دانوں کا گول کرنا' پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل زیتون سنگ مقصود استخوان شتر شیشہ وخاک شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں' ان میں سوراخ کرنا پھر ان کے شمار سو دانے پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا' ان میں ایک دانے کو سب دانوں کا امام مقرر کرنا' یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہل اسلام کے عمل میں ہیں' حالاں کہ ثبوت صرف کنکریوں پر شمار کرنے کا ہوا ہے مگر ان فروعات زائدہ کے جواز پر صاحب بحر الرائق' حلیہ اور علامہ شامی اس طرح اشارہ کرتے ہیں

لا تزيد السبحة على مضمون هذا الحديث إلا بضم النوى في خيط و مثل ذلک لا يظهر تاثيره في المنع . — تسبیح میں اس حدیث کے مضمون سے کوئی بات زیادہ نہیں' سوا اس کے کہ گٹھلیاں ایک تاگے میں پروئی ہوئی ہیں اور ممنوع ہونے میں ایسی باتیں کوئی تاثیر نہیں رکھتیں۔

اب دیکھیے **ضم النوى في الخيط** کا لفظ لکھ کر تسبیح کی جملہ تخصیصات وتعینات (جو اوپر بیان ہوئیں) کی طرف فقہا اشارہ کر گئے۔ **بقولهم مثل ذالک** ۔الی آخرہ۔ یعنی ایسی ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں کیونکہ تسبیح سے مقصود ذکر کا شمار ہے اور شمارِ ذکر کا جواز حدیث سے پالیا گیا۔ تو اب دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی فقہا کے نکالے ہوئے قاعدۂ شرعیہ کی روشنی میں جائز ہوا' بلکہ تسبیح کے مقابلہ میں دانہ ہائے نخود کے شمار کو حدیث میں مذکور قصہ سے زیادہ مشارکت ہے' کیونکہ (اس کے مقابلے میں) تسبیح کے اندر بہت سی زائد قیدیں ہیں (جیسا کہ ہم ذکر کر آئے)۔

تیسری چیز :قرآن کا پڑھنا ہے۔ جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ دو ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور اسے نہایت مستحکم جان کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

---

(۱) متن حدیث : **عن عائشة بنت سعد عن أبيها أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة و بين يديها نوى أو حصى تسبح** سنن داؤد: ۴/۲۹۷ حدیث: ۱۲۸۲' سنن ترمذی: ۱۱/۴۸۳ حدیث: ۳۴۹۱' مشکوۃ المصابیح: ۲/۲۱ حدیث: ۲۳۱۱' مستدرک: ۵/۶۵ حدیث: ۱۹۶۷' شعب الایمان: ۲/۱۶۶ حدیث: ۶۲۴' مسند ابویعلی موصلی: ۲/۱۹۰ حدیث: ۶۸۳' مسند بزار: ۳/۴۸۱ حدیث: ۱۰۷۱' الدعا طبرانی: ۴/۳۹۶ حدیث: ۱۶۳۲' الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۲۸۹ حدیث: ۲۵۷' مسند سعد بن ابی وقاص: ۱/۸۴ حدیث: ۴۷' کنز العمال: ۱/۴۰۷ حدیث: ۲۰۴۳' مسند الجامع: ۱۳/۱۸۹ حدیث: ۴۰۹۵' تحفۃ الاشراف: ۵/۲۶۴ حدیث: ۳۹۵۴

(۲) بحر الرائق: ۴/۱۵۴

پہلی سند: یہ ہے کہ ''سیف السنہ'' کے صفحہ ۴۱ پر ''سفر السعادہ'' کی عبارت اس طرح نقل کی ہے

عادت نبوی نہ بود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں دریں مجموع بدعت است۔ انتہیٰ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ نہ تھی کہ مردوں کے لیے جمع ہو کر قرآن خوانی اور ختم قرآن کریں نہ تو قبر کے پاس اور نہ کہیں اور ہی، تو اس طرح کی چیزیں بدعت ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جنازوں کی نماز بذات خود پڑھتے تھے اور یہ نماز ان کی نجات کے لیے کافی ہوتی تھی۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم میں مرجایا کرے مجھ کو ضرور خبر کیا کرو فإن صلوتی علیه رحمة۔ بے شک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہے، اور یہ قرآن شریف سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ إِنَّ صَلوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ . (۱)	اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

اس کی تفسیر ابن عباس نے یہ کی ہے کہ ان لوگوں پر دعا کیجیے بے شک آپ کی دعا ان کے لیے رحمت ہے۔
امام رازی نے ''تفسیر کبیر'' میں لکھا ہے

روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت قوی نورانی اور روشن تھی جب آپ ان کے لیے دعائے خیر کرتے تھے تو آپ کی قوت روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا، اس پرتوِ نورانی سے ان کی روحیں چمک جاتی تھیں اور ظلمت مٹ کر نورانیت آجاتی تھی۔ انتہیٰ۔ (۲)

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے واسطے دعا ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا حال قرآن، قول صحابی اور تفسیر امام نیز حدیث سے معلوم ہو چکا کہ اس میں کیا کچھ مقبولیت اور فیضانِ الٰہی ہے۔ ہم اپنے موتیٰ پر جس قدر چاہیں ختم قرآن کریں، کلمہ اور فاتحہ و درود پڑھیں لیکن اس ایک دعا کی برابری (جو لب ہائے سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ نکلتی تھی) نہیں ہوسکتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ اور طرح بھی مشکل کشائی فرماتے تھے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں

جب سعد ابن معاذ دفنائے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا، ہم بھی آپ کے ساتھ دیر تک وہی پڑھتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی پڑھتے رہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس کو قبر نے دبالیا تھا، اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہوگئی۔

یہ امام احمد کی روایت ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ایسا ہی ہے۔ (۳)

(۱) سورۂ توبہ: ۹/۱۰۳

(۲) تفسیر رازی: ۸/۱۴۱

(۳) دلائل النبوۃ بیہقی: ۴/۸۱ حدیث: ۱۳۷۷، مشکل الآثار طحاوی: ۹/۶ ۱۷ حدیث: ۳۵۲۸، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۱۶۴۔ الفاظ حدیث یہ ہیں >>

بھلا جہاں اس طور پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو، اگر وہاں ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج ہے؟ (اور پھر اگر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مل کر قرآن نہ پڑھا تو کیا، قبر پر میت کے لیے مل کر ذکر اللہ تو کیا۔ فقہا کے نزدیک جواز کے لیے بس ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔

اگر بالفرض عہد نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو "سفر السعادہ" کے قول کی طرح، بدعت کہیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ بدعت حسنہ ہے، اسے ناجائز و مکروہ کہنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیوں کہ بہتیرے نیک کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے، اسی کا نام علمائے دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے۔ ہم پہلے بھی اس کی تحقیق کر چکے ہیں مگر اس مسئلہ کے کچھ خاص جزیئے یہاں بھی پیش کرتے ہیں۔

فتاویٰ قنیہ میں ہے

وضع الید علی القبر بدعة و القراءة علیه بدعة حسنة .

قبر پر ہاتھ رکھنا تو بدعت ہے مگر صاحب قبر کے لیے کچھ پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں فرمایا ہے

لا بأس بقراءة القران علی القبور .

قبروں پر قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔

اس جگہ امام مالک نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا، دفن کے بعد ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمد نے فرمایا: او آدمی یہ کام بدعت ہے۔ جب ہم مقبرہ سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا کہ آپ بشر بن اسماعیل کو کیسا جانتے ہیں، فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہیں۔ انھوں نے پوچھا آپ نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے؟ امام نے فرمایا ہاں جب ان کے اقرار سے معلوم ہوا کہ وہ امام احمد کے استاد ہیں تب محمد بن قدامہ بولے کہ مجھ کو خبر دی بشر بن اسماعیل نے اور ان کو عبدالرحمٰن سے یہ خبر پہنچی کہ جب ان کے باپ علا بن الحاج کا انتقال ہوا تو انھوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں دفن کیا جاؤں تو میری قبر کے سرہانے پنج آیت اور آمن الرسول پڑھو۔ اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمر کو سنا ہے کہ وہ بھی اس بات کی وصیت کیا کرتے تھے۔ اس وقت امام احمد نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہہ دو کہ قرآن پڑھتا رہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے

❁ فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی قبره و هو یدفن ، فبینما هو جالس إذ قال : "سبحان الله" مرتین ، فسبح القوم ثم قال "الله أكبر الله أكبر" فكبر القوم ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عجبت لهذا العبد الصالح شدد علیه في قبره حتی كان هذا حین فرج له .

❁ مسند احمد بن حنبل: ۲۹/۳۹۳ حدیث: ۱۴۳۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹/۳۹۳ حدیث: ۱۴۳۴۴، مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۹ حدیث: ۱۳۵، مسند جامع: ۹/ ۳۸۳ حدیث: ۲۹۹۰۔ ان کتابوں کے الفاظ حدیث ذرا مختلف ہیں

❁ عن جابر بن عبد الله الأنصاري ، قَالَ : خَرَجْنا مَعَ رَسولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَوْماً إلی سَعْدِ بن مُعاذٍ حِینَ تُوُفِّيَ قال : فلمّا صَلّی عَلَیْهِ رسول الله صلی الله علیه وسلم و وُضِعَ في قَبرِه و سُوِّيَ علیه ، سَبَّحَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فسَبَّحنا طَویلا ، ثم كبر فكَبَّرْنا ، فقیل : یا رسول الله ، لِمَ سَبَّحْتَ ، ثم كَبَّرتَ ؟ قال : لَقَد تَضَایَقَ عَلی هذا العبد الصالح قبرُهُ ، حتی فرَّجَهُ اللّٰهُ عز و جل عَنهُ

قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لا تُكره و مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ أخذوا بقوله و هل ينتفع و المختار أنه ينتفع ' هكذا في المضمرات . (۱)

قبروں کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں امام محمد نے فرمایا کہ مکروہ نہیں اور ہمارے مشائخ نے انھیں کے قول کو لیا ہے۔ اور پھر یہ کہ اس پڑھنے کا کچھ فائدہ ہے؟ تو مذہب مختار یہی ہے کہ اسے فائدہ پہنچے گا۔ مضمرات میں ایسا ہی ہے۔

فتح القدیر میں ہے

و اختلف في إجلاس القارئين ليقرء وا عند القبر و المختار عدمُ الكراهة . (۲)

قبر کے پاس قاریوں کو بٹھا کر پڑھانے کے سلسلہ میں اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' کے سوال ہشتادوسوم (۸۳) میں لکھا ہے

حافظاں را برائے قراءت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است۔ الیٰ آخرہ۔

قبر کے پاس حافظوں کو متعین کر کے قرآن پڑھانے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا درست ہے۔

تو اگر چہ صاحب سفر السعادہ نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا مگر امام محمد' امام احمد بن حنبل اور کتب فتاویٰ نیز مولوی اسحٰق صاحب کے کلام سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ۔ اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی' اس لیے کہ آپ زیادہ تر افکارِ جہاد' امت کی اصلاح اور نو آموز مسلمانوں کی تعلیم و ترتیب وغیرہ میں مصروف رہتے تھے' اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی کہ آپ کی ایک دعا اور صرف نمازِ جنازہ پڑھ دینا ہی ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہوتا تھا۔ اور آپ کے بعد انصار نے اموات پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا (اس کا بیان بس آیا ہی چاہتا ہے) تو قبر پر قرآن پڑھنے کی یہ روایتیں تو ہم نے بیان کر دیں' اب قبر کے علاوہ اور جگہ جمع ہو کر اگر پڑھیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے۔

دوسری سند

مانعین اپنے رسائل میں ''نصاب الاحتساب'' کی عبارت نقل کرتے ہیں

إن ختم القرآن جهرا بالجماعة و يسمى بالفارسية سيپاره خواندن مكروه . انتهىٰ.

جماعت کے ساتھ زور زور سے ختم قرآن کرنا (جسے فارسی سیپارہ میں پڑھنا کہتے ہیں) مکروہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اندر امام کی قراءت سننا اور اس وقت چپ رہنا تو بالاتفاق فرض ہے۔ لیکن اگر خارج نماز کسی جگہ قرآن پڑھا جاتا ہو تو اس کے سننے اور سامعین کے خاموش رہنے میں اختلاف ہے' بعض اس میں بھی چپ رہنے کو فرض کہتے ہیں جب کہ بعض مستحب۔ جو علماء مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک اکٹھا ہو کر بلند آواز سے قرآن پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جو فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک جائز نہیں۔

(۱) فتاویٰ ہندیہ: ۴/ ۴۸۲۔ الباب السادس فی القبر والدفن (۲) فتح القدیر: ۳/ ۴۳۱۔ فصل فی الدفن

فتاویٰ قنیہ میں ہے

یکرہ للقوم أن یقرأ القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع و الإنصات المامور بها کذا في فتاویٰ أبي الفضل الکرماني و قیل لا بأس به کذا روي عن عین الأئمة الکرباسي و عن نجم الأئمة الحکیمي .

لوگوں کے لیے ایک ساتھ مل کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں قرآن کا سننا نہیں پایا جاتا اور اس موقع پر خاموش رہنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ ابوالفضل کرمانی میں یوں ہی ہے۔ اور عین الائمہ کرباسی اور نجم الائمہ حکیمی کی روایت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

جواز اور عدم جواز کی یہ دونوں روایتیں شرح منیہ میں حلبی اور دوسرے فقہا نے بھی روایت کی ہیں۔ ان روایتوں سے دو فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ علمائے سلف میں جو لوگ منع کرتے ہیں انھوں نے (اس کی ممانعت پر) وہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قرآن جمع ہو کر نہیں پڑھا گیا اس لیے منع ہے۔ بلکہ یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض ہے وہ ترک ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جن عالموں نے منع کیا تو انھوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے چنانچہ ''نصاب الاحتساب'' کی عبارت میں بھی (جس کو مانعین بطورِ سند لاتے ہیں) لفظ جہر صراحۃً موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں؟ یہ بھی فرمائیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تا کہ بالاتفاق جائز ہو اور اگر پکار کر پڑھیں گے تو بعضوں کے نزدیک جائز ہوگا بعضوں کے یہاں نہیں۔ چنانچہ صاحب خزانۃ الروایات نے ''مفید المستفید'' سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے

بدیں عبارت درسپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یک دیگر نشوند۔

اس عبارت میں سپارہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ اگر پڑھیں تو اس طرح پڑھیں کہ کوئی دوسرا نہ سنے۔

مولوی اسحٰق صاحب خاص ''مائۃ مسائل'' میں تراسیویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں

حافظاں را برائے قراءت قرآں نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ بہ آواز بلند جمع شدہ قراءت نہ کنند۔ انتہیٰ۔

قبر کے پاس حافظوں کو متعین کر کے قرآن پڑھانے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا درست ہے۔ ہاں ایسے موقع پر بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ جمع ہو کر اگر آہستہ قرآن پڑھیں خواہ قبر پر یا غیر قبر پر تو یہ کسی کے نزدیک منع نہیں۔ دیکھیے قرآن کا ایک جگہ جمع ہو کر پڑھنا حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ

جس گھر میں لوگ اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ آپس میں کلام اللہ کی تلاوت کریں تو ان کے دلوں میں طمانینت و قرار اُترتا ہے رحمت انھیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور ان کے گرداگرد فرشتے پھرتے رہتے ہیں۔ (۱)

(۱) متن حدیث: و ما اجتمع قوم في بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم إلا نزلت علیهم السکینة و غشیتهم الرحمة و حَفَّتهم الملائکة .

>>

تو یہ کیسی عظیم وجلیل فضیلت وسعادت ہے۔

علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ''تذکرۃ الموتی والقبور'' میں لکھتے ہیں

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع می شوند د برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ۔ انتہیٰ۔

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم ہی سے ہر شہر میں مسلمان اکٹھا ہوکر مردوں کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا ہے۔

کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے

يجتمعون و يقرئون القرآن لموتاهم من غير نكير فكان ذلك اجماعا .

بلا اختلاف لوگ اکٹھا ہوکر اپنے مردوں کے لیے قرآن پڑھتے ہیں۔ تو اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

''غیر نکیر'' کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ کرتا تھا۔

ملا علی قاری، امام سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سبھی لکھتے ہیں

عن سفيان قال كان الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره و يقرؤون القرآن .

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ جب انصار سے کسی کا انتقال ہوتا تو وہ اس کی قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے ''باب الحج عن الغیر'' میں لکھتے ہیں

إن المسلمين يجتمعون في كل عصر و زمان و يقرؤون القرآن و يهدون ثوابه لموتاهم و على هذا أهل الصلاح و الديانة من كل مذهب من المالكية و الشافعية وغيرهم و لا ينكر ذلك منكر فكان إجماعا. انتهى.

ہر دور اور زمانے میں مسلمان قرآن پڑھنے کے لیے جمع ہوتے رہے ہیں جس کا ثواب وہ اپنے مردوں کو ہدیہ کر دیتے۔ اسی لیے مذہب مالکی وشافعی وغیرہ میں سے کوئی بھی اہل دیانت وفراست اس کا منکر نہیں، گویا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مذاہب اربعہ اہل سنت وجماعت کے تمام علمائے دین دار محقق اور صلحا ہر شہر میں عہد قدیم ہی سے جمع ہوکر مردوں کے لیے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور ان پر کوئی انکار بھی نہیں کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ کوئی بڑا محقق اور مستند عالم کہ جس کا انکار انکار شمار کیا جائے ایسا کوئی نہیں جو اسے منع کرتا ہو۔ اور اگر کم درجہ کے علماء میں سے کسی نے انکار کیا تو اس کی تردید ہوئی اور اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا با جماع واتفاق اسی پر عمل رہا ہے کہ قرآن جمع ہوکر پڑھنا جائز ہے، چاہے قبر پر پڑھا جائے یا کسی اور جگہ۔

چوتھی چیز: عزیزوں اور دوست آشناؤں کا کلمہ وقرآن پڑھنے کے لیے اکٹھا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارثِ

❁ صحیح مسلم: ۲۱۲/۱۳ حدیث: ۴۸۶۷، سنن ابو داؤد: ۲۴۸/۴ حدیث: ۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱/۱ حدیث: ۲۲۱، مشکوۃ المصابیح: ۴۴/۱ حدیث: ۲۰۴، مسند احمد: ۱۵۹/۱۵ حدیث: ۷۱۱۸، شعب الایمان: ۲۰۹/۴ حدیث: ۱۶۴۶، سنن دارمی: ۳۹۵/۱ حدیث: ۳۶۴، اخلاق حملۃ القرآن آجری: ۲۵/۱ حدیث: ۲۰، امالی ابن بشران: ۲۱۶/۲ حدیث: ۶۷۴، کنز العمال: ۵۱۸/۱ حدیث: ۲۳۱۶، مسند الجامع: ۱۵۷/۴۳ حدیث: ۱۴۰۹۵، تحفۃ الاشراف: ۲۹۳/۱۱ حدیث: ۱۲۵۱۰

میت پڑھ نہیں سکتا' اور اگر کوئی ہمت بھی کرے گا تو مدتوں میں تمام ہوگا اور یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق میں جلدی چاہیے' لہٰذا ضروری ہوا کہ ایسی حالت میں دوست آشنا ورثۂ میت کی مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر جلد ہی کام تمام کردیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى . (۱) نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

نیز یہ بھی ہے کہ جب وارثانِ میت نے یہ جلسہ ذکر منعقد کیا تو جس قدر مومنین نیکیوں کے طلب گار ہیں سب کا اس میں شریک ہونا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خیر وسعادت کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا . (۲) جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو اس سے کچھ چر لیا کرو۔

چرنے سے مراد ہے کہ پیٹ بھر کر ثواب حاصل کرلو۔ لوگوں نے پوچھا کہ بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔

حِلَق الذكر . جہاں ذکر کرنے والوں کی جماعتیں حلقہ مارے بیٹھی ہیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ایسا ہی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے' یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو نہیں' تو کیا گل بکاؤلی اور فسانۂ عجائب' ذکر اللہ ہوگا! اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس' مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے' پھر اس میں چرنے سے منع کیوں کرتے ہو؟

اور پر گزرا کہ اہل اسلام کا بلا کسی انکار کے اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ مسلمان جمع ہو کر میت کے لیے پڑھیں تو یہ اجماع ثابت الاصل ہے اور اس کو حدیث جریر بن عبداللہ کے مطابق "ممنوع اجتماع إلى أهل الميت" میں داخل کرنا عقل وفہم سے بہت دور ہے۔

افسوس' ایک وہ لوگ تھے کہ کسی چیز کو مکروہ سمجھتے ہوئے اگر اس میں کچھ خیر و بہتری نظر آتی تو اس خیر کے باعث اس کی کراہت سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ (آپ دیکھیں کہ) عید گاہ میں عید کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے۔ اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو عید گاہ میں نفل پڑھتے دیکھا مگر اسے منع نہ فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین! آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے' آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو خوف آتا ہے کہ کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْداً إِذَا صَلّٰى . (۳) بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔

حضرت علی کا یہ قصہ درمختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے' اور درمختار میں اس مقام پر یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ عید گاہ کے رستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ نماز کے بعد نفل پڑھے' پھر یہ لکھا

(۱) سورہ مائدہ: ۲/۵

(۲) سنن ترمذی: ۱۱/۱۴۴ حدیث: ۳۴۳۱' مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۶۰ حدیث ۲۹۷' سنن نسائی: ۱۱/۴۱۴ حدیث ۳۴۳۱' مسند احمد: ۲۵/۱۱۱ حدیث: ۱۲۰۶۵' مسند ابن ابی شیبہ: ۲۵/۱۱۱ حدیث: ۱۲۰۶۵' شعب الایمان بیہقی: ۲/۹۹ حدیث: ۵۵۷' مسند ابی یعلی موصلی: ۷/۴۵۲ حدیث: ۳۳۳۸' مسند حمیدی: ۷/۴۵۲ حدیث: ۳۳۳۸

(۳) سورۂ علق: ۹۶/۹'۱۰

أما العوام فلا يُمنعون من تكبير و لا تنفل أصلا لقلة رغبتهم في الخيرات . (۱)

مگر عوام نیکیوں میں کم دلچسپی لینے کی وجہ سے تکبیر اور نماز عید کے بعد نفل سے نہیں روکے جائیں گے۔

فقیہ شامی نے اس کی شرح یوں لکھی ہے

لا سرا و لا جهرا في التكبير و لا قبل الصلوة بمسجد أو بيت أو بعدها بمسجد في التنفل . (۲)

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ عام آدمیوں کو عید کے دن تکبیر سے منع نہ کیا جائے خواہ زور سے کہیں یا آہستہ اور نفلوں سے بھی منع نہ کریں خواہ قبل نماز عید پڑھیں یا بعد، مسجد میں پڑھیں یا اپنے گھر میں، اس لیے کہ عام آدمی تو یوں ہی حسنات و خیرات کی طرف رغبت نہیں رکھتے تو وہ جس طرح بھی خدا کا نام لے لیں غنیمت ہے۔

اب دیکھیے کہ صحابہ کا بھی وہ ایک دور تھا کہ حضرت علی نے یہ خیال فرمایا کہ اگر چہ کراہت کی صورت اس نماز میں پائی جارہی ہے کہ عید کی نماز کے بعد عین عید گاہ ہی میں نماز پڑھنا طریقہ سنت کے خلاف ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر ہی تو ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد کر رہا ہے اور اس کی حضوری میں ہے، منع نہ فرمایا، منع کرنے میں خوف الٰہی محسوس کیا اور کیوں نہ کرتے کہ اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے۔ اور ایک یہ بھی دور ہے کہ کسی معین دن میں برادرانِ اسلام کے اجتماع کو (کچھ لوگ) اپنے خیال میں مکروہ جان کر کلمہ و قرآن سے منع کرنے میں بھی خدا سے ذرا نہیں ڈرتے۔

پانچویں چیز: تیسرا دن معین کرنا۔ تو واضح ہو کہ کسی خاص مصلحت کی وجہ سے کسی دن کا متعین کر لینا شریعت میں وارد ہوا ہے۔

شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں وہ عبداللہ بن مسعود صحابی کے ایک شاگرد کی روایت بیان کرتے ہیں

عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے، جب لوگوں نے کہا کہ روز وعظ فرمایا کیجیے تو آپ نے فرمایا مجھ کو روز روز وعظ کہہ کر تمھیں تنگ کر دینا پسند نہیں آتا، جس طرح میں وعظ کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے۔ (۳)

یہ حدیث صحیحین کی روایت سے مشکوٰۃ میں موجود ہے

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ کے لیے جمعرات کا ایک دن مقرر کر لیا تھا اور ان کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا حالاں کہ وعظ کے لیے کسی دن کی قید کلام اللہ سے معلوم نہیں ہوئی کیوں کہ قرآن شریف میں وارد ہے

وَ ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ . (۴)

اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

---

(۱) درمختار: ۱۸۵/۲ (۲) ردالمحتار: ۱۵۵/۶

(۳) متن حدیث: كان عبد الله يذكّر الناس في كل خميس فقال له رجل يا أبا عبد الرحمن لوَدِدت أنک ذكّرتنا كل يوم قال أما أنه يمنعني من ذلك أني أكره ان أملّكم و إني أتخوّلكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه و سلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا

صحیح بخاری: ۱۲۴/۱ حدیث: ۶۸، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۵/۱ حدیث: ۲۰۷

(۴) سورہ ذاریات: ۵۵/۵۱

اس میں دن کی قید نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جو دن متعین کیا تو کچھ مصلحت ہی کے تحت جمعرات کا دن مقرر کیا تھا، ہمارے دور میں اکثر علماء نے (وعظ کے لیے) جمعہ کا دن معین کر رکھا ہے کیوں کہ اس کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے اطراف وجوانب سے خواندہ وناخواندہ ہر قسم کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدہ عام ہوتا ہے جب کہ جمعرات کے دن اس فائدہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

تنقیح

یہ حدیث ارباب تفقہ فی الدین کے لیے بہت بڑی اصل ہے کہ اگر کوئی دن کسی امر خیر کے لیے کچھ مصلحت کی بنیاد پر معین کرلیا جائے تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے دن خاص کرنے پر سند پکڑی ہے اور ترجمہ یہ قرار دیا

باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة .

اب ہم اس مقام پر مولوی اسماعیل صاحب کا قول یاد دلاتے ہیں جو ''تذکیر الاخوان'' حصہ دوم تقویت الایمان میں ہے

جو امر قرون ثلاثہ میں بلانکیر جاری نہ ہوا اور نہ اس کی مثل ونظیر پائی گئی وہ بدعت ہے۔ انتہی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی چیز اس زمانہ میں بعینہٖ نہیں ہوئی لیکن اس کی نظیر اس وقت پائی گئی تو وہ بدعت نہیں ہوگی۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۲۹ پر ہے

جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے۔ انتہیٰ۔

دوسرا قول براہین قاطعہ کے صفحہ ۵۶ (میں ہے کہ)

قرآن وحدیث وقول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صدہا مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اب ہم منکرین کے ان مسلمہ اقوال کو مسئلہ متنازع فیہا میں جاری کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح وعظ، امر بالمعروف اور علم حاصل کرنا ایک نیک کام ہے اور کسی موقع پر فرض، اور کبھی سنت ومستحب ہے اسی طرح محتاجوں کو کچھ دینا یا کھلانا بھی نیک کام ہے اور اس کے مراتب بھی جداگانہ ہیں بعض مقام پر سنت ومستحب اور بعض موقع پر فرض ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے

و يفترض على الناس إطعام المحتاج في الوقت الذي يعجز عن الخروج و الطلب . (۱)

کسی محتاج کو ایسے وقت میں کھلانا آدمیوں کے ذمہ فرض ہو جاتا ہے جب کہ وہ نکل کر کمائی کرنے سے عاجز ہو۔

تو تیجہ و دسواں اور چالیسواں میں بعض محتاج ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی خبر گیری فرض ہوتی ہے اور بعضوں کی سنت یا مستحب۔ تو اطعام کے سلسلے میں وارث میت بعض افراد میں تو فرض پر عمل پیرا ہوگا اور بعض میں سنت ومستحب پر، جس طرح واعظ کہ جہاں امر بالمعروف مستحب تھا وہاں مستحب کا کرنے والا ہوا، اور جہاں فرض تھا وہاں فرض کا۔ تو حضرت ابن مسعود کا علم کی تعلیم اور امر بالمعروف کے لیے دن معین کرنا صدقات وفاتحہ کے دن متعین کرنے کی نظیر ہے، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور قرآن کریم کی

(۱) فتاویٰ عالمگیری، جز:۳۴۳/۲۶۶

تلاوت کرنا ہمیشہ سے جائز اور ثابت الاصل ہے جس طرح وعظ کرنا ہمیشہ سے ثابت ہے۔ لیکن تیسرا دن اور اسی طرح بیسواں اور چالیسواں وغیرہ مصلحت کے پیش نظر مخصوص کیے گئے ہیں جس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ کے لیے جمعرات کو مخصوص کیا تھا۔ تو جب کہ اس یوم فاتحہ کے تعین کی نظیر اس زمانہ میں پائی گئی تو یہ تعین بدعت نہ ہوا، اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعین گرچہ ایک قضیہ جزئیہ ہے لیکن از روئے فقہ اس سے ایک کلیہ پیدا ہوا جو اوپر مذکور ہو چکا کہ بعض مصلحتوں کی بنیاد پر کسی امر خیر کے لیے کسی دن کو معین کر لینا جائز ہے، یہ ایک مفہوم کلی ہے جس کے نیچے بہت سے متغایر بالتشخص اور متحد بالحقیقت افراد داخل ہیں۔ اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ نوع کا طبعی مقتضی نہیں بدلتا پس جب کہ ایک فرد تعین کا حکم حدیث صحیح سے شروع میں معلوم ہو چکا تو باقی افراد کی تعیین میں بھی وہی حکم جواز جاری ہوگا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ تعیین یوم کے نوع کا ایک فرد اس وقت موجود تھا تو فی الحقیقت یہ سب افراد تعیین معنوی وشرعی وجود کے اعتبار سے اس وقت موجود تھے گو ان کا وجود خارجی اور ظہور تا قیامت آئندہ کسی وقت میں ہو جائے۔

زبان سے نماز کی نیت کا مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلفظ صرف حج میں ثابت ہوا تھا پھر وضو اور نماز و روزہ، خواہ فرض ہوں یا واجب وسنت، سب میں جاری ہو گیا۔ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک فردِ عبادت میں حکم ثابت ہو گیا تو سب میں ثابت ہو گیا۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول

لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِّنْ صَلوتِهِ يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِيْنِهِ . (۱)

تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ یہ سمجھے کہ سلام کے بعد صرف داہنی سمت مڑنا ضروری ہے۔

نماز کے بعد دہنی طرف سے واجب جان کر پھرنے کی نہی کو شامل تھا نہ کہ ان کے سوا کچھ اور۔ لیکن طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک کلیہ پیدا کر لیا کہ

من أصر علی مندوب . إلی آخرہ .

جو کوئی کسی امر مستحب پر وجوباً عمل کرے گا اس میں شیطان کا حصہ ہوگا۔

افسوس ان صاحبوں پر آتا ہے کہ اپنے مطلب میں یہ شد و مد سے تحریر کرنا کہ قولِ صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صدہا مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں (جیسا کہ قریب گزرا) پھر کیا وجہ ہے کہ دن معین کرنے کے سلسلے میں فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبداللہ بن مسعود کا عمل بھی موجود ہے اور متفق علیہ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت بھی ہے، اس سے کلیہ پیدا کر کے تعیین یوم کے بہت سے مسائل کیوں نہیں طے کر لیتے۔

اب ہم اس بیان کو شروع کریں کہ کس مصلحت کے پیش نظر تیجہ کا دن متعین کیا گیا ہے، تو دراصل یہ تعیین، وارثان میت سمیت جملہ کلمہ وقرآن پڑھنے والوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔ وارثوں کے لیے اس طرح مفید ہے کہ تعین وتقرر کی قید کی وجہ سے دل پر خوب خیال چڑھا رہتا ہے کہ یہ کام کرنا ضروری ہے تو ان سے یہ کام فوت بھی نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ دن معین نہیں کرتے ان کا کام کبھی

(۱) صحیح بخاری: ۳/ ۳۵۸ حدیث: ۸۰۵، مشکوۃ المصابیح: ۱/ ۲۰۷ حدیث: ۹۴۶، سنن دارمی: ۴/ ۱۵۵ حدیث: ۱۴۰۱، صحیح ابن حبان: ۸/ ۴۸۲ حدیث: ۲۰۳۱، مسند احمد: ۷/ ۴۸۶ حدیث: ۳۴۵۱، سنن کبریٰ: ۲/ ۲۹۵، معجم کبیر طبرانی: ۸/ ۴۵۴ حدیث: ۱۰۰۱۱، اخبار اصبہان: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۰۳۵، مسند شاشی: ۱/ ۴۷ حدیث: ۴۰۱، مسند جامع: ۲۷/ ۲۹۸ حدیث: ۹۰۴۴

کا بھی ہوتا ہے بلکہ بہت سے لوگوں سے چھوٹ بھی جاتا ہے۔ جو لوگ جمعرات کی تعیین میں فاتحہ اموات کی نیت سے روٹیاں کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں، اور تخصیص کو بدعت کہنے والے ہفتہ کے ہفتہ بلکہ مہینہ گزر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکال پاتے۔ اور اس تاریخ کے تعین کا دوسرے لوگوں کو فائدہ اس معنی میں ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن، (اور اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ یہ) کام جلد نہ ہوتا۔ اور دن مقرر ہونے سے ٹھیک ایک وقت پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش انجامی کے ساتھ کام تمام ہو جاتا ہے۔

اعتراض: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر تم کو ایصالِ ثواب اور امدادِ میت جلدی منظور ہے تو دفن کے ایک دن بعد کیوں نہیں ختم کرا لیتے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن مقرر کرتے، اس پر بھی تمھیں اعتراض ہوتا کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، تعیین تو بدعت ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مصلحت یہ دیکھی گئی کہ روزِ دفن برادری کے آدمی اور دوست آشنا دیر تک تجہیز و تکفین میں رہتے ہیں ' دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی میت کی قبر کھودنے اور غسل و تکفین وغیرہ میں کم و بیش ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر لگ جاتے ہیں، تو اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے لیے دی جاتی تو لوگوں کا پے در پے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لیے بیچ میں ایک دن آسائش کے لیے دے کر تیسرا دن معین کیا گیا۔

دوسری مصلحت یہ ہے کہ وارثانِ میت کی تعزیت کے واسطے شریعت میں تین روز مقرر کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

و لا بأس لأهل المصيبة أن يجلسوا في البيت أو في مسجد ثلثة أيام و الناس يأتونهم و يعزونهم. (۱)

مصیبت زدوں کو گھر یا مسجد میں تین دن تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ لوگ اس میں ان کے پاس آئیں اور ان کی تعزیت کریں یعنی اہلِ ماتم کو تسلی و تشفی دیں۔

تو تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں اہلِ تعزیت کی آمد و رفت رہتی ہی ہے، لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی، مومنوں کا اجتماع آسانی سے ممکن ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ جو قرب و جوار کے موضعوں اور قصبوں میں ان کے دوست و اقربا رہنے والے ہیں وفات کی خبر ملنے پر وہ بھی اکثر فاتحہ اور ختمِ قرآن و کلمہ کی امداد میں شریک ہو جائیں گے تو تیسرے دن کی تعیین اسی مصلحت پر مبنی ہے، اور جو کچھ کلمہ و قرآن اس میں پڑھا جاتا ہے اس کی تفصیلی وضاحت اوپر ہو چکی۔ اور یہ تعیین کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ زمانۂ قدیم ہی سے علمائے دین اور مفتیانِ شرعِ متین کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر ایک مختصر دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری، سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جملہ مذاہب کے علماء و صلحا ہر شہر اور ہر دور میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں اور ملکوں میں ہندستان تو بڑا ملک ہے، جس میں بہت سے شہر ہیں تو یہاں کے علماء و صلحا نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں ضرور جاری کیا ہوگا۔ تلاش و جستجو کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اور ہم اپنے آباؤ اجداد سے اور وہ اپنے آباؤ اجداد سے یوں ہی

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۴/ ۴۹۰

سنتے اور دیکھتے آئے ہیں' سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔ تو یہ لابدی قرار داد پہلے کے علماء وصلحا کی ہے البتہ جب عوام اس تیجہ کی تقریب میں بعض باتیں خلاف شرع کرنے لگے تو ایک خاص وجہ کے سبب علماء اس کو منع کرنے لگے۔ چنانچہ "شرح سفر السعادۃ" میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صاف اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے

اما ایں اجتماع مخصوص روز سویم و ارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام۔ انتہیٰ۔

خصوصی طور پر تیجہ کے دن اکٹھا ہونا اور دوسرے تکلفات کے ساتھ ساتھ یتیموں کا مال بلا وصیت خرچ کرنا بدعت وحرام ہے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ شیخ کے اس کلام سے جو صاحب سیف السنہ وغیرہ تیجہ کے دن قرآن وکلمہ پڑھنے کا انکار ثابت کرتے ہیں' کیسی ناانصافی ہے' اس سے اکٹھا ہو کر پڑھنے کی قباحت نہیں ثابت ہوتی بلکہ خاص زمانہ شیخ میں بعض منہیات کے ساتھ جو اجتماع مخصوص ہوتا تھا' (اس کی قباحت ثابت ہوتی ہے) جس کی طرف لفظ "ایں اجتماع مخصوص" سے اشارہ ہوتا ہے۔ نیز شیخ محدث دہلوی اپنے ترجمہ مشکوٰۃ فارسی کے "باب البکاء علی المیت" میں لکھتے ہیں

باک نیست بہ نشستن تا سہ روز در خانہ یا در مسجد وانچہ مردم دریں زمان از تکلفات کنندہ ہمہ بدعت وشنیع ونامشروع است۔

گھر یا مسجد میں تین دن تک بیٹھ رہنے میں کوئی حرج نہیں اور جوان دنوں میں کچھ ایسے تکلفات لوگ کرتے ہیں وہ بدعت' برے اور غیر شرعی ہیں۔

غرض کہ ان کے کلام سے اس اجتماع مخصوص کی برائی' یتیموں کے حق ضائع کرنے اور تکلفات کرنے کی ممانعت پائی گئی' اور اس سے پہلے سفر السعادہ کی جو عبارت ختم قرآن کے بدعت ہونے کے بارے میں تھی تو ہم اس کا جواب تیسرے امر میں دے چکے۔ ہاں موتی کے سلسلہ میں تکلفات کرنے ممنوع ہیں۔ چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں کچھ نئے نئے تکلفات ایجاد کیے تھے جن کا ذکر "نصاب الاحتساب" میں ہے

يقطعون أوراق الأشجار و يتخذون منه شيئا على صورة الأشجار و يزيدون بها حول القبر و يلبسون القبر ثياب الحرير إذا كان الميت من أهله أى كأن يلبس ذلك و يحضرون المجامر المصورة بتماثيل ذوات الأرواح كالبازي و نحوه و انه مكروه و يبسطون الفرش و يقوم الشاعر فيمدح الميت بما لم يفعله و انه كذب و يحضرون المصاحف في المقابر و يضعونها في المجلس و لا يقرؤون و ينتظرون حضور الصدر فإن فتح المصحف و أخذ الناس في القراءة ثم حضر

درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ اس میں عین درختوں ہی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے' قبر کے اگل بگل ان پتوں کو سجاتے ہیں' اگر وہ مردہ اپنی زندگی میں ریشم پہنتا تھا تو قبر پر بھی ریشمی غلاف چڑھاتے ہیں' ایسی انگیٹھیاں لاتے ہیں جس میں باز وغیرہ جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں' جو کہ مکروہ ہیں' پھر فرش بچھاتے ہیں اور ڈوم بھاٹ کھڑا ہو کر اس مردہ کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے' قبروں پر مصحف لے جاتے ہیں اور اسے پڑھتے نہیں' رئیس کے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور اگر اس سے پہلے قرآن پڑھنے لگیں تو وہ رئیس خفا ہو جاتا ہے' یہ سب نفس امارہ کی شامت ہے۔

الصدر يغضب عليهم و هل هو الأمر النفس الأمارة بالسوء. انتهىٰ كلامه.

و في حاشيته خزانة الروايات : الناس يهيئون الريحان و الورد في الأطباق و ماء الورد في القماقم.

اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں یوں ہے کہ لوگ گلدستوں میں پھول پھلواری تیار کرتے ہیں اور قمقموں میں عرق گلاب بھرتے ہیں۔

اب سوچنے کا مقام ہے کہ ورثہ میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں انھیں مصیبت کے دنوں میں خوشی کا سامان کرنا اور مکروہ وحرام سے کچھ زینت دینے کو کون عاقل انسان گوارا کرے گا چنانچہ مفتیان دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اسے مان لیا۔ اب دیکھیے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک معین دن میں جمع ہو کر کلمہ کلام پڑھ دیتے ہیں' اب جو بعض علماء تشدد کرتے ہیں اور محض دن معین ہونے کی وجہ سے کلمہ وقرآن کو بھی مکروہ کہہ دیتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ ان کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ نماز میں سورت کا معین کر لینا مکروہ ہے تو ایصال ثواب کے لیے تیسرا دن معین کر لینا بھی مکروہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس کرتے ہیں تو کہا کرتے ہو کہ قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور اپنے مقصد کے لیے خود قیاس کرتے ہو تو جائز ہے۔ یہ ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس سے قطع نظر یوم فاتحہ وغیرہ کے تعین کو نماز پر قیاس کرنا خود صحیح نہیں۔ اس لیے امام شافعی کے نزدیک تو تعین سورت مکروہ ہی نہیں اور حنفیوں کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجانی وغیرہ کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کو پڑھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ اسی ایک سورت کا پڑھنا واجب ہے دوسری سورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جاہل لوگ جب اسی ایک سورت کو پڑھتے دیکھیں گے تو (ڈر ہے کہ) کہیں وہ یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ نماز میں یہی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں' یہ مضامین فتح القدیر' شامی اور برہان وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور غالباً کراہت کی وجہ وہی بیان کردہ پہلا سبب ہے یعنی تعین سورت کا واجب جاننا۔ چنانچہ حدیث صحیح سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ھو اللہ ضرور پڑھا کرتا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ جب مقتدی لوگ اس سے الجھے تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں' اگر تمہارا جی نہ چاہے تو میرے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بالآخر یہ مرافعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کیا گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو ان کی بات کیوں نہیں مانتا اور ہر رکعت میں اس کا التزام کیوں کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ کو یہ سورت پیاری لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا

أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ. (۱)

اسے یہ خوش خبری سنادو کہ اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/ ۳۶۶ حدیث: ۶۸۲۷' صحیح مسلم: ۴/ ۲۴۴ حدیث: ۱۳۴۷' سنن ترمذی: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶' سنن کبریٰ نسائی: ۱/ ۳۴۱ حدیث: ۱۰۶۵' شعب الایمان بیہقی: ۶/ ۶۰ حدیث: ۲۴۳۶' مستخرج ابی عوانہ: ۸/ ۲۲۵ حدیث: ۳۲۰۶' صحیح ابن حبان: ۴/ ۷۹ حدیث: ۷۹۴

حُبُّکَ إِیَّاهَا أَدْخَلَکَ الجَنَّةَ . (۱) — اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تعین سورت کو واجب جاننے کا اعتقاد ہی کراہت کا باعث تھا جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا بیان نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو اس سورت سے محبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعین اور التزام ودوام کو منع نہ فرمایا اور یہ بھی نہ فرمایا کہ عقیدۂ عوام کے اشتباہ سے بچنے کے لیے اس تعیین کو کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا کرو کیوں کہ جب وہ بالمشافہہ کہہ چکا کہ میں محبت کے سبب پڑھتا ہوں یعنی واجب نہیں جانتا تو جس طرح کبھی چھوڑ دینے سے شبہہ دور ہونے کا تصور ہوسکتا تھا وہ زبانی تصریح سے ہو گیا' یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ تعین سوم میں بھی وہ علت کراہت نہیں پائی جاتی۔ سب جانتے ہیں کہ اموات کے لیے ایصال ثواب ایک امر مستحب ہے کوئی فرض وواجب کا اعتقاد نہیں کرتا' جب اصل ایصال واجب وفرض نہ ہوا تو تیسرے دن کی تعیین کو کون نادان فرض وواجب کہہ دے گا علاوہ ازیں یہ جو تیسرے دن کی تخصیص جاری ہے وہ اوپر بیان ہو چکا کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہے کہ ہر کام بآسانی انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ اور خود فقہ میں بھی تعیین سورت کے باب میں امام طحاوی نے تصریح فرمائی ہے

أما إذا لازمها لسهولتها عليه فلا يكره بل يكون حسنا كذا في البرهان . — اگر سہولت کے پیش نظر ایسا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے۔ برہان میں بھی یوں ہی مذکور ہے۔

قہستانی میں ہے

فلو قرأ للسنة أو اليسر فلا بأس به . — اگر ادائیگی سنت یا آسانی کی وجہ سے ایسا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تو اس تعلیل فقہی کے مطابق تعین سوم مکروہ نہ ٹھہرا۔ رہی یہ بات کہ کہیں جاہل لوگ اسے دیکھ کر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصال ثواب تیسرے دن ہی ہوتا ہے' پہلے اور بعد میں نہیں ہوسکتا۔ تو یہ علت بھی یہاں نہیں پائی جاتی کیوں کہ جو لوگ فرض وواجب اور سنت ومباح کی کنہ وحقیقت کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض' فرض کو افضل واولیٰ' مکروہ کو مفسد وحرام اور مباح کو واجب جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں انھیں اس سلسلہ میں کوئی تمیز نہیں' اگر ان کی خاطر امور شرعیہ میں تبدیلی کی جائے تو عجب نہیں کہ کل شریعت کچھ اور ہی ہو جائے۔ تو ایسے کٹر جاہل عوام سے قطع نظر کر کے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ اس درجہ کے عوام ہیں کہ ان کو فرضیت واباحت میں فرق معلوم ہے تو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی حج وزکوٰۃ کی طرح فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں' ایصال ثواب فی نفسہٖ مستحب ہے۔ اور یہ تعین ایک مصلحت کے غرض سے ہے' بزرگانِ دین کا مقرر کیا ہوا ایک کام بطور وراثت چلا آ رہا ہے۔

یہ شبہہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑسکتا کہ وہ یوں گمان کرے کہ ثواب صرف آج پہنچے گا پھر (بعد میں یا پہلے) نہ پہنچے گا۔ اس لیے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وارثانِ میت تیسرے دن کے علاوہ اور دنوں میں بھی فاتحہ ودرود کرتے ہیں تو وہ کس طرح

(۱) صحیح بخاری: ۳/۲۳۳' سنن ترمذی: ۱۰/۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶' سنن نسائی: ۱۰/۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶' مسند احمد: ۲۵/۲۸ حدیث: ۱۱۹۸۲' مسند ابن ابی شیبہ: ۲۵/۲۸ حدیث: ۱۱۹۸۲' سنن دارمی: ۱۰/۳۳۷ حدیث: ۳۴۹۸' مستخرج ابی عوانہ: ۸/۲۲۶ حدیث: ۳۲۰۷' صحیح ابن حبان: ۴/۷۷ حدیث: ۷۹۳

اعتقاد کریں گے کہ ثواب صرف روز سوم ہی کو پہنچا کرتا ہے۔ اور وہ تعین سورت کے سلسلے میں جو شبہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے وہ بھی جاتا رہا۔ تو کراہت کی تمام علتیں ختم ہو گئیں اور تعین سوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

خلاصہ یہ کہ تعین سویم میں کوئی یہ تعین نہیں کہ قراءت قرآن وغیرہ کا ثواب آج ہی پہنچتا ہے اس لیے کہ لوگ اور دنوں میں بھی پڑھ کر بخشتے ہیں اور نہ یہ تعین ہے کہ میت کی طرف سے کھانا کھلانا یا نقدی اور کھانے پینے کی چیزوں کی تقسیم آج ہی ہوتی ہے اس لیے کہ یہ امور بھی اور دنوں میں کرتے رہتے ہیں۔

میت کی طرف سے محتاج کو دینے کا سلسلہ روز میت سے جو شروع ہوتا ہے تو چالیس روز تک اور کہیں اس سے کم وبیش جاری رہتا ہے جہاں روز سوم کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تعین سوم نہ ایصال ثواب مالی کے لیے ہے اور نہ بدنی کے لیے بلکہ یہ تعین مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی مصلحت کے پیش نظر ہے کہ تعین کے مطابق سب حاضر ہو جائیں اور بے تعین ایسا اجتماع ممکن نہیں ہوسکتا۔ جب کہ سورت نماز کے تعین میں یہ حکمت و مصلحت مفقود ہے۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق نا قابل سماعت ہے۔

مانعین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سویم میں کفار و ہنود کی مشابہت ہے' اور حدیث میں ہے

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (۱) جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ بھی انھیں میں سے ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے جس کا ماخذ شِبہ بالکسر ہے شبہ کے معنی مانند' تو تشبہ کے معنی کسی کے مانند ہو جانا ہوا' جب تشبہ کا معنی معلوم ہو گیا تو اب ان مصنفوں کی زبان زوری سمجھنی چاہیے کہ سویم کرنے والے کس بات میں ہندوؤں کی مانند ہو جاتے ہیں؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے' ہم کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے اور وہ نہیں پڑھتے سبحان اللہ کیا عقل سلیم پائی ہے کہ کفر کو کاٹنے والا کلمہ پڑھنے کو اہل کفر کی رسم سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

ہمارے احباب اور برادری جمع ہو کر کلمہ و کلام پڑھتے ہیں اور ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتی' صرف وارث میت سے اس کی دکان کھلوا دیتی ہے اور قلم سیاہی کتاب وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کرا دیتی ہے' ان کے یہاں اگر کچھ پڑھتا ہے تو صرف ایک طرف کوئی برہمن پنڈت پڑھتا ہے' وارثانِ میت' بھائی برادری اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے' ان کا اجتماع کسی اور قسم کا ہے اور ہمارا اجتماع وہ ہے جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اہل صلاح و دیانت کے اجماع سے جائز ہے (جیسا کہ شارح ہدایہ علامہ عینی کی عبارت گزر چکی) اور ہندوؤں کا اصل مذہب یہ ہے جو کتاب سَنْسکار وِدِہی مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۱۵۰ میں ہے جس کا مضمون اردو زبان میں یہ ہے

مردے کو جلا کر سب چلے آئیں اور نہا دھو کر بدن کو صاف اور پاک باہر سے کرلیں جس کے گھر میں موت ہوئی ہے اس کے کنبہ کے لوگوں کو تسلی دے کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں' چوتھے دن مردہ کی راکھ اور ہڈیاں زمین میں

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۱/ ۴۸ حدیث ۳۵۱۲' مسند احمد: ۱۰/۴۰۴ حدیث: ۴۸۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰/۴۰۴ حدیث: ۴۸۶۸' مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۵۴ حدیث: ۲۰۹۸۶' معجم اوسط طبرانی: ۱۸/۱۴۰ حدیث: ۸۵۶۲' شعب الایمان بیہقی: ۳/ ۲۵۱ حدیث: ۱۲۰۲' مسند عبد بن حمید: ۲/ ۲۶۷ حدیث: ۸۵۰' مسند شامیین طبرانی: ۱/ ۲۷ حدیث: ۲۱۱' مسند شہاب قضاعی: ۲/۱۴۱ حدیث: ۳۷۲' مشکل الآثار طحاوی: ۱/۲۳۸ حدیث: ۱۹۸

گاڑ دیں یا باغ یا کھیت میں ڈلوا دیں اور جب تک رنج دور نہ ہو تب تک اچھے عالموں فاضلوں کی صحبت سے رنج کو دور کریں ان کو خورد و نوش سے خوش کریں مراد یہ کہ اہل مصیبت اگر کھانا رنج کے باعث نہ کھاتے ہوں تو علماء وغیرہ ان کو کھلا پلا کر خوش کریں، یہی پنڈ دان اور شرادھ جاننا اور مرنے والا آدمی جو کچھ دھن دھرم کے لیے چھوڑ گیا ہو اس کو علم اور ملک کی ترقی میں لگا دیں۔ الی آخرہ۔

غرض، کہ مرنے والے کے لیے ان کے دین میں اس کے بعد کچھ اور نہیں لکھا اور اب جس طرح بعض فرقہ ہنود عمل میں لاتے ہیں وہ یہ ہے (جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں) نیز تیسرے دن میت کی ہڈیاں جلی ہوئی چن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں۔ اور اہل اسلام کوئی عمل ان میں سے نہیں کرتے پھر کس بات میں ہنود کے مانند ہو گئے اور کیا تشبہ پیدا ہو گیا۔ انصاف شرط ہے۔

اور اگر کوئی اس کا نام مشابہت رکھے کہ ان کے تیسرے دن رسوم کفر ہوتے ہیں اور تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ وقرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو کفار کے مخالف ہیں، اور کافر وہ کام کرتے ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں وہ اپنے کام کرتے ہیں اور ہم اپنے۔

مثال کے طور پر مغرب، عشا اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی، انھوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا اور پوجا کیا۔ اب کوئی بیہودہ اس کو مشابہت قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انھوں نے اپنے طور کی پس اتحاد اوقات میں تشبہ پیدا ہو گیا تو ہر عقلمند اس کی ہرزہ سرائی اور اس کی کم عقلی پر قہقہہ مارے گا۔ اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زادہا اللہ شرفا سے واپس ہوتے وقت آب زم زم لائیں تو کوئی یاوہ گو کہنے لگے کہ یہ ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ہو گیا کہ وہ بھی اپنی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں اور تم آب زم زم لے آئے، تو سمجھنا چاہیے کہ یہ خرافات بیہودہ تشبیہیں نکالنا سخت بے عقلی کی دلیل ہے۔

مولف براہین قاطعہ نے جو صفحہ ۱۱۰ کی پہلی سطر میں زم زم کا پانی لانے کو اس غرض سے امر طبعی وعادی لکھا کہ جو چیز امور دینیہ سے نہیں بلکہ امور طبعیہ سے ہے اس میں تشبہ منع نہیں تو یہ ناظرین کے لیے قابل دید اور سامعین کے لیے قابل شنید ہے۔ اس لیے کہ کسی شے کو مقتضائے طبع قرار دینا اس وقت صحیح ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی حیات جسمانی میں اس کی محتاج ہو، تو پانی کا پینا پیاس وغیرہ کے لیے مقتضائے طبع ضرور ہے لیکن تعظیماً حصول برکات کے لیے پینا تو مقتضائے طبع وعادت نہیں بلکہ مقتضائے دین ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اس امر دینی کے اشتراک کو یعنی تبرک کا پانی لانے کو تمام علمائے ہند نے سلفا وخلفا بلانکیر جائز رکھا ہے لہٰذا واضح ہونا چاہیے کہ ظاہراً کسی وجہ سے کسی امر میں بوئے تشبہ پیدا ہو جانا شرعاً ہرگز ممنوع نہیں، اور تماشہ یہ ہے کہ صرف تیسرے دن کی مشارکت میں بھی قوم ہنود کی مشابہت نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض قومیں مثلاً سرواگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں تو ان کے ساتھ تو کچھ بھی مشابہت نہیں، ان بعض کے یہاں تیجہ صرف اس امر سے عبارت ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں اور میت کا سوگ ختم کریں تو تعزیت کے واسطے اور سوگ ختم کرنے کے لیے شرع میں بھی تین دن معین ہیں۔ ہنود کی بعض قومیں مثلاً بشنی اگروال جو سیوم کو مانتے ہیں اور اموات کے لیے ثواب رسانی کے کام کرتے ہیں، اگر اہل اسلام کو مشابہت لازم آتی تو ان کے ساتھ لازم آتی، تو غور سے

دیکھیے کہ ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیوں کہ ان لوگوں کے قوانین گردش کواکب سے متعلق ہیں، تیسرے دن وہ تیجہ اس وقت کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر پنچک کی گرہ جو پانچ پچھتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن اور کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے، ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں، انھوں نے شرع سے یہ اصل پیدا کر کے کہ کسی امر خیر کے لیے بربنائے مصلحت دن معین کر لینا جائز ہے، دن معین کیا ہے۔ تعین اہل اسلام دوسری چیز ہے اور تعین ہنود دوسری چیز۔ تو تشبہ کا معاملہ دن کی مشارکت کے باعث بھی ٹوٹ گیا۔

یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے۔ حدیث و فقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود عاشورا کا روزہ رکھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو، اور یہود کے ساتھ لازم آنے والی مشابہت کی مخالفت کے لیے آپ کا اتنا فرمانا کافی ہو گیا کہ تم ایک دن پہلے یا بعد میں بھی ایک روزہ رکھو

صُومُوا یَومَ عَاشُورَاءَ وَ خَالِفُوا فِیهِ الْیَهُودَ وَ صُومُوا قَبْلَهُ یَوماً أَوْ بَعْدَهُ یَوماً. (۱)

یوم عاشورا کا روزہ رکھو اور اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں ایک روزہ اور رکھ کر یہودیوں کی مخالفت کرو۔

اس کو امام احمد نے مسند میں، بیہقی نے سنن میں اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اگر میں اگلے برس زندہ رہا تو ایک روزہ پہلے اور ایک روزہ پیچھے کا حکم دوں گا، اور ائمہ کبار حنفیہ سے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے

خَالِفُوا الْیَهُودَ وَ صُومُوا یَومَ التَّاسِعِ وَ الْعَاشِرِ.

یہود کی مخالفت کرتے ہوئے نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھو

نیز یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام نقل فرماتے تھے

صُومُوهُ وَ صُومُوا قَبْلَهُ یَوماً أَوْ بَعْدَهُ یَوماً وَ لاَ تَتَشَبَّهُوا بِالْیَهُودِ.

تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنے میں یہود کی مشابہت نہ کرو بلکہ اول یا آخر روزہ رکھ کر یہود کی مخالفت کرو۔

فقیہ شامی شرح درمختار میں لکھتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ نویں یا گیارہویں کا روزہ ملائے بغیر رکھنا مکروہ ہے۔ اور محیط سے اس کی دلیل یہ لکھی

لأنه تشبه بالیهود. (۲)

اکیلا دسویں محرم کا روزہ رکھنا فعل یہود کے ساتھ تشبہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور اول وآخر روزہ ملانے سے وہ کراہت تشبہ جاتی رہتی ہے۔ اور اسی طرح روز شنبہ اکیلا روزہ مکروہ لکھا کہ یہ فعل یہود ہے لیکن جب یکشنبہ یا جمعہ کا روزہ اس میں ملالیا تو اب مکروہ نہیں کیوں کہ تشبہ بالیہود باقی نہ رہا۔

کنز العباد میں ہے کہ اگر اہل مصیبت گھر یا مسجد کے اندر بیٹھ جائیں کہ لوگ اس کی تعزیت کو آئیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن

(۱) مسند احمد: ۵/۹/۷ حدیث: ۲۰۴۷، سنن کبری بیہقی: ۴/۷/۲۸۷، جامع صغیر سیوطی: حدیث: ۵۰۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۹/۷ حدیث: ۲۰۴۷

(۲) ردالمحتار: ۷/۳۲۸، سبب صوم رمضان

دروازہ پر نہ بیٹھے: **فإن ذلک عمل أهل الجاهلية** (کیوں کہ یہ جاہلیت کا عمل ہے)۔

دیکھیے کہ ذرا سی تبدیلی میں حکم بدل گیا۔ الحاصل ان نظیروں سے ثابت ہو گیا کہ جب مشبہ اور مشبہ بہ میں تمیز آ جائے تو حکم تشبہ باقی نہیں رہتا۔ اس مقام پر مولف براہین قاطعہ صفحہ ۱۱۰ کی آخری سطر میں ایک عجیب سی بات لکھتے ہیں کہ

تنہا عاشورا کا روزہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مولف کی دینی کتابوں سے سخت بے خبری کی دلیل ہے۔ اس کا مکروہ اور منہی عنہ ہونا ہم حدیث وفقہ سے ثابت کر چکے ہیں نیز یہ بھی کہ تشبہ مٹانے کے لیے اول وآخر روزہ ملا لینا کافی ہے۔ اب دیکھیے کہ وہ اصل روزۂ عاشورا جس کو یہود رکھا کرتے تھے اس میں مسلمان شریک رہے لیکن ایک روز اول وآخر ملا دینے سے مغائرت پیدا ہوئی تو تشبہ کا حکم بھی باطل ہو گیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب اہل اسلام کا تیجہ ہمیشہ سے تیسرے دن برقرار رہا اور ہنود کا تیجہ ادل بدل ہوتا رہا یعنی کبھی تیسرے دن کبھی چوتھے دن اور کبھی پانچویں دن۔ پھر اس میں بھی ہمارے افعال کچھ اور اُن کے افعال کچھ اور ہیں کہ ہمارے مندرجہ بالا پانچوں امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں نکالے گئے ہیں تو پھر تشبہ کس بات میں ہوا۔

فائدہ: مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر ہمارا مدعا بالکل نہ سمجھا اس لیے صفحہ ۱۰۸ میں یہ لکھا

مولف انوار ساطعہ نے حدیث **من تشبه بقوم فهو منهم** میں تشبہ **بجميع اجزائه من كل الوجوه** سمجھا ہے کہ سب اجزا و ہیئت مشابہ ہو جائے تو اس وقت تشبہ محظور ہے ورنہ درست ہے' اسی وجہ سے لکھتا ہے کہ کس بات میں تشبہ ہنود کی ہوگئی۔ انتہیٰ بلفظہٖ۔

اس کے بعد مولف براہین نے فضول باتوں سے تین ورق سیاہ کیے ہیں اس لیے کہ ہماری یہ مراد ہے ہی نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ فاتحہ سویم میں پانچ چیزیں ہیں' اہل اسلام (کے نزدیک) ان پانچوں میں سے کسی چیز کے اندر اہل ہنود سے مشابہت نہیں۔

نہیں معلوم ان صاحبوں کی فہم وذکا اور تفقہ کیسا ہے کہ احکام کی تعلیل میں ژرف نگاہی اور موشگافی ہرگز نہیں فرماتے۔ مفتی قاطع السنہ یعنی صاحب سیف السنہ اور ان کے آبائے اولین اور برادرانِ معاصرین سب کے سب بے سمجھے بوجھے اس مسئلہ میں حکم تشبہ لگا رہے ہیں' اور حدیث نبوی: **من تشبه بقوم فهو منهم** کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں۔ **فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا**۔(۱)

انھیں تشبہ کا نہ تو لغوی معنی معلوم ہے نہ ہی اصطلاحی۔ اس لیے کہ تشبہ کا لغوی معنی مانند کے ہوتا ہے اور آپ دیکھ اور سن چکے کہ ہنود کا تیجہ کن امور پر مشتمل ہے اور اہل اسلام کا کن امور کو شامل ہے؟ پھر دونوں فریق کا ایک دوسرے کی رسموں میں مانند ہونا کہاں ہوا۔

اب اس کے شرعی معنی سنیے۔ صاحب بحر الرائق' شرح جامع صغیر قاضی خان سے نقل کرتے ہیں

أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء و إنا نأكل و نشرب كما يفعلون. (۲)

کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں کیوں کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جیسے وہ کھاتے پیتے ہیں۔

(۱) سورۂ نساء' ۴/۷۸

(۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۴/۴۷۲ القراءۃ من مصحف فی الصلوٰۃ

''درمختار''میں ان کے ساتھ مشابہت کا ارادہ کرنے کی قید لگائی ہے۔اور جس چیز میں مشابہت کی جاتی ہے وہ شرعاً مذموم بھی ہو تو اس وقت تشبہ مکروہ ہے۔اس کی عبارت یہ ہے

أي إن قصده فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيء، بل في المذموم و فيما يقصد به التشبه . (۱)

ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہوتا بلکہ صرف مذموم اور ان چیزوں میں برا ہوتا ہے جن میں تشبہ کا قصد وارادہ کیا جاتا ہے۔

شامی نے اس حکم کو مسلم رکھا ہے۔(۲)

رسالہ ''اثبات رفع یدین''میں مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے،یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں روافض کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں

لا نتحری تشبه الفرق الضلالة بل اتفقت الموافقة .

رفع یدین کرنے میں ہم گمراہ فرقوں کا تشبہ نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے۔انتہیٰ۔

اب دیکھیے کہ سویم میں مسلمانوں کی غرض نہ تو قصد مشابہت اور نہ ہنود کے ساتھ موافقت کا ارادہ ہوتا ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو انہی کی طرح یہ بھی تیجہ کو کبھی روز سوم کبھی چہارم اور کبھی پنجم میں کرتے (جیسا کہ اوپر گزرا) اور نہ تیسرے دن کلمہ وقرآن کا پڑھنا قرآن وحدیث سے مذموم وممنوع،پھر منع کا حکم دینا کیسا؟ـعلی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں

انا ممنوعون من التشبه بالكفرة و أهل البدعة المنكرة في شعارهم لا منهيون عن كل بدعة و لو كانت مباحة سواء كانت من أفعال أهل السنة أو من أفعال الكفرة و أهل البدعة .

کافروں اور بدعتیوں سے مشابہت ہم کو اسی بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص تمغہ اور ان کے فریق کی پختہ علامت ہے۔اور مباح بدعتوں میں منع نہیں اگر چہ وہ بدعتیں اہل سنت وجماعت کے افعال سے ہوں یا کافروں اور بدعتیوں کے۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جو تشبہ حدیث میں منع ہے اس کے شرعاً یہ مذکورہ معنی ہیں پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں نہ قرآن پڑھنے میں اور نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کے تعین میں بھی شرکت نہیں کیوں کہ ان کے تعین تو گرہ مذکورہ پیش آنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں،لہٰذا ہمیں لغوی وشرعی کسی طرح کا بھی ان کے ساتھ تشبّہ نہیں۔والحمد للہ علی ذلک۔

لمعہ خامسہ،چالیسواں،بیسواں،دسواں،اور مسجد میں مٹی کا گھڑا رکھنا

پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا (جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جرہ کہتے ہیں) میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے،نہ صرف ایک بلکہ چند گھڑے،علاوہ ازیں وہ گھڑے بھی بھیج دیتے تھے جن سے غسل میت ہوتا تھا۔وجہ اس کی یہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ کی والدہ انتقال کر گئیں تو انھوں نے پوچھا یارسول اللہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔تو انھوں نے ایک کنواں تیار کرایا اور کہا

هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ . (۳)

اس چاہ کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

(۱) درمختار:۱/۶۷۲ (۲) ردالمحتار:۴/۴۵۱

(۳) مشکوٰۃ المصابیح:۱/۴۳۱حدیث:۱۹۱۲،سنن ابوداود:۴/۴۹۷حدیث:۱۴۳۱

مشکوٰۃ کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔

پھر ہر کوئی کنواں یعنی چاہ کھدوانے اور بنوانے کی قدرت تو نہیں رکھتا اس لیے مسلمانوں میں یہ قاعدہ جاری ہو گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے۔ اگر کنواں نہ بنایا (تو کیا) ہمارا گھڑا ابھرا ہوا مسجد میں رہے گا کوئی پیاسا اس سے پانی پئے گا، کوئی غسل و وضو کے کام میں لائے گا تو (میت کو اس کا) ثواب ہوگا۔ گھڑا بھیجنے کی اصل یہی ہے، اور مسجد میں گھڑا بھیجنا اہل اسلام کی اعانت پر مبنی ہے۔ اور جس شخص کے مدنظر یہ (مقصد) نہ ہو بلکہ وہ اس میں جاہلیت کی رسمیں ادا کرے، پٹہ باندھے اور نقاشی کرے تو ایسا درست نہیں۔

اور وہ جو چالیس روز تک مسجد کے مساکین کو کھانا بھیجتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہا نے لکھا ہے

يستحب أن يتصدق عن الميت إلى ثلاثة أيام — میت کی طرف سے تین روز تک صدقہ دینا مستحب ہے۔

بعضوں نے لکھا ہے

إلى سبعة أيام . — سات دن تک۔

بعضوں نے لکھا ہے

إلى أربعين . — چالیس دن تک۔

یہ روایتیں خزانۃ الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ہیں

ينبغي أن يواظب على الصدقة للميت إلى سبعة أيام و قيل إلى أربعين فإن الميت يشوق إلى بيته . — بہتر تو یہی ہے کہ میت کی طرف سے سات دن اور بعضوں کے مطابق چالیس دن تک برابر صدقہ دیا جاتا رہے کیوں کہ میت اپنے گھر کی مشتاق اور آرزومند ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے

موت کے بعد اپنے ابنائے جنس کی طرف لگاؤ باقی رہتا ہے، اور زندوں کی مدد مردوں کو خوب پہنچتی ہے، وہ اپنے اقربا وغیرہ کے صدقات کے امیدوار ہوتے ہیں۔

غرض کہ اس قسم کی روایات کے سبب لوگ چالیس دن تک برابر میت کی طرف سے محتاج کو روٹی وغیرہ دیتے ہیں۔ رہی بات چہلم وغیرہ کی تو اس کی صورت یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں ان کی چند دلیلیں ہیں پہلے ان کا حال معلوم کرلیں پھر جائز ہونے کی وجہ سنیں۔

پہلی دلیل

سیف السنہ کے صفحہ ۱۴۴ پر شرح منہاج نووی شافعی کی یہ عبارت ہے

الاجتماع على المقبرة في اليوم الثالث و تقسيم الورد و العود و إطعام الطعام في الأيام المخصوص كالثالث و الخامس و التاسع و العاشر و العشرين و — تیسرے دن قبر پر جمگھٹا لگانا، عود و گلاب بانٹنا، اور مخصوص دنوں مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھٹویں مہینے اور برسی پر کھانا کھلانا بدعت

الأربعين و الشهر السادس و السنة بدعة ممنوعة . ممنوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو چیزوں کا ذکر ہے' ایک تیسرے دن مردے کی قبر پر جمع ہونا اور پھر وہاں گلاب کے پھول اور اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا تو اس کا ذکر تو ''نصاب الاحتساب'' کے حوالے سے تیجہ کے بیان میں گزر چکا کہ لوگوں نے نہایت تکلّفات بے جا ایجاد کر لیے تھے نیز وہ میت کی قبر پر تکلفات بھی کرتے تھے تو اس کا ممنوع ہونا تو صحیح ہے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کی تصریح ہم خود کر آئے ہیں' اور جن بعض آدمیوں نے ایسی رسمیں ایجاد کی تھیں انھوں نے علماء کے منع کرنے سے چھوڑ دیں' اب اس رسم کا وجود نہیں۔

شرح منہاج سے دوسری بات یہ نکلی کہ تیسرے' پانچویں' نویں' دسویں' بیسویں' چالیسویں دن' چھٹے مہینے اور برسویں دن بدعت ممنوعہ ہے۔ تو اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ان ایام میں وہ مردے کی قبر پر لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔ فتاویٰ بزازیہ میں قبر پر کھانا لے جانے کی تصریح ہے

و يكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم .

لفظ مواسم' موسم کی جمع ہے' اور لغت میں' کسی ایک چیز کے وقت کو' اور جمع ہونے کی جگہ کو موسم کہتے ہیں۔ کذا فی المنتخب وغیرہ۔

تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان ایام مقررہ میں مردے کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے' نویں' دسویں دن' چھماہی و برسی اور ایام عید و شب براءت وغیرہ میں (جو کہ یہ ایام' فاتحہ اموات کے واسطے معین ہیں) اہل اسلام سے بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں قبروں پر کھانا لے جانا اور اسی جگہ جا کر کھلانا رسم بنالیا تھا تو اس کو اہل فتویٰ نے منع کیا' اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے جس میں لکھا ہے

و يشربون الشربة عند القبور و في الحديث الأكل في المقابر يقسي القلب . قبروں کے پاس شربت پیتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قبروں کے پاس کھانا پینا دل کو سخت کر دیتا ہے۔

تو علمائے دین نے ممنوع و مکروہ ہونے کی وجہ حدیث شریف کی مخالفت' بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر کھانا پینا منع ہے ۔ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا دن خاص کر لینے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں دسویں بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی جو فاتحہ کرتے ہیں وہ مقابر پر نہیں کرتے (بلکہ اپنے گھروں پر کرتے ہیں) لہٰذا وہ جائز ہوئی۔

دوسری دلیل

فتاویٰ بزازیہ کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلّی میں منقول ہے

و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع و نقل الطعام إلى المقابر في المواسم و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم أو قراءة سورة الأنعام أو الإخلاص . پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ اور موسموں میں قبروں کو کھانا لے جانا بھی مکروہ ہے۔ یوں ہی قرآن مکمل ختم کرنے' یا سورۂ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لیے قاریوں اور صلحا کو جمع ہونے کی دعوت دینا بھی مکروہ ہے۔

اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے۔

پہلا مسئلہ

یہ کہ میت کا کھانا پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن تیار کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں اور چالیسوں کا نام بھی نہیں، پھر یہ عبارت چہلم وغیرہ کی ممانعت پر کس طرح دلیل ہو سکتی ہے۔ اور اجتہاد کر کے قیاس قائم کرو کہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا، ہم ان ایام کو منع کرتے ہیں۔ تو اس کی بھی ہم دو وجہوں سے تردید کرتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلم نہیں رکھا اور یہ لکھا ہے

و لا يخلو عن نظر لأنه لا دليل على الكراهة . اس کھانے کو مکروہ کہنا بحث سے خالی نہیں کیوں کہ کراہت پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔

پس جب کہ خود شارح منیۃ المصلی نے کراہت کو مسلم نہ رکھا تو ہم بھی مسلم نہیں رکھتے۔ معلوم نہیں جن حضرات نے بزازیہ کی یہ عبارت شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ پر اعتراض لکھا تھا کیوں نقل نہ فرمایا۔

مانعین کے استدلال کی تردید کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مخصوص ایام کے کھانے کی کراہت بزازیہ کے مطابق مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لیے ہو سکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں فخر و شان کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور ہے اسی طرح میت کا کھانا بھی تکلف و زینت کے ساتھ امیروں، مالداروں اور عزیز کنبے والوں کو کھلاتے ہیں (عنقریب اِسے محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے تیسری دلیل میں نقل کیا جائے گا) لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت سے سمجھ لو جو سمجھ سکو۔ فتاویٰ عالم گیری کی پانچویں جلد "باب الہدایا والضیافات" میں ہے

لا يباح اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام في أيام المصيبة و إذا اتخذ لا بأس بالأكل منه . (۱) مصیبت کے دنوں میں تین دن تک مہمانی کرنا مباح نہیں اور اگر ضیافت کی جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سلسلہ میں بعض علماء زیادہ تشدد کرتے ہیں بعض کچھ کم۔ اور فتاویٰ قاضی خاں جلد اول "فصل فی المسجد" میں یہ مسئلہ لکھا ہے مگر کراہت کو مقید کیا ہے کہ مکروہ اس وقت ہے جب کہ ترکہ سے کھانا پکایا جائے اور وارث ابھی نابالغ اور کچی عمر کا ہو یا بڑا ہو مگر غائب ہو۔ عبارت یہ ہے

و يكره اتخاذ الضيافة في المصيبة من التركة إن كان الوارث صغيرا أو كبيرا غائبا .

صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے تو اس قسم کے کھانے کو منع کیا ہے جو شادی کی طرح ہو، اس کی دلیل خود صاحب بزازیہ کا کلام ہے جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام پر لکھا ہوا ہے

و إن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا . (۲) غریب اور فقیر لوگوں کے لیے کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔

(۱) فتاویٰ عالم گیری: جز ۴۳، ۳۴۰ (۲) مرقات المفاتیح: ۵/ ۴۲۵

اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک مذکورہ کھانے کی کراہت، تعین ایام کے باعث ہوتی تو یوں لکھتے: **و إن اتخذوا الطعام في غير الأيام المخصوصة كان حسنا** تو معلوم ہوگیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت تخصیص ایام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے، اپنے دوست آشنا اور مالداروں کو رسماً کھلاتے تھے، اس واسطے صاحب بزازیہ نے کہا کہ اگر غریبوں کے واسطے کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاذ جناب مولانا شیخ محمد محدث تھانوی مرحوم نے اپنی کتاب ''انوارِ محمدی'' مطبوعہ مطبع ضیائی میرٹھ میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے لکھے ہوئے چند خاص فتاوے جمع کیے ہیں، اُن میں صفحہ ۴۶ پر ایک یہ فتویٰ بھی ہے

سوال: ہشتم آنکہ خوردن طعام روز سیوم ودہم وچہلم وغیرہ از اہل میت۔

جواب: محتاج رامنع نیست۔ انتہیٰ۔

دیکھیے مولوی اسماعیل صاحب نے فتاویٰ بزازیہ کی تصدیق کردی، یعنی جو کھانا فقرا کے لیے ہو وہ صحیح ہے۔

مولف براہین قاطعہ کی صفحہ ۱۲۱ پر یہ بات اہل علم کے لیے قابل دید ہے، آپ فرماتے ہیں

پہلی روایت بزازیہ کی کتاب الجنائز کی ہے، اور دوسری کتاب الاحسان کی، پھر کس طرح استثنا درست ہو۔ انتہیٰ۔

کیوں صاحب، اگر ایک ہی مسئلہ دو باب میں ہو تو ایک کا دوسرے سے استثنا درست کیوں نہ ہوگا؟ حدیث وفقہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ہم آپ کی خوش نودی کے لیے ایک ہی جگہ دونوں مطلب دکھائے دیتے ہیں، لیجیے فتاویٰ قاضی خان کی ''کتاب الحظر والاباحۃ'' ملاحظہ کیجیے

و يكره اتخاذ الضيافة في أيام المصيبة لأنها أيام تأسف فلا يليق بها ما يكون للسرور و إن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا. (۱)

دیکھیے یہاں دونوں مسئلہ (ایک ہی جگہ) موجود ہے۔ یعنی ایام مصیبت میں ضیافت برادرانہ تکلفی شادی کی طرح نہ کرے کیونکہ وہ سرور میں ہوتی ہے لہٰذا مصیبت میں ایسا نہ چاہیے، پھر استثنا کیا یعنی دوسرا مسئلہ بیان کیا کہ اگر فقرا کے لیے کھانا پکائے گا تو اچھا ہے۔ اب مردِ منصف کو چاہیے کہ خدا سے ڈر کر ان دلائل پر نظر کرے اور زبان زوری اور سخن پروری سے تائب ہو۔ وماعلینا الا البلاغ۔

دوسرا مسئلہ

منجملہ تین مسئلوں کے بزازیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوگیا کہ میت کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ یہ بات ہم پر حجت نہیں، کیوں کہ اُن ملکوں میں یہ رسم ہی نہیں۔

تیسرا مسئلہ

یہ نکلا کہ قاریوں اور حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر اللہ کے لیے قرآن پڑھیں اور میت کو بخش دیں۔ تو اس کا حکم، ائمہ مجتہدین، علمائے محققین، اجماع اہل صلاح و دیانت اور مولوی اسحاق صاحب

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴۲۵/۵

کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں' لہٰذا صاحب بزاز کی یہ مراد ضرور بالضرور یہ ہے کہ بعض ملکوں کی رسم کے موافق اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوائیں تو یہ البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔

شامی نے ''باب الاجارہ'' میں لکھا ہے

قال تاج الشريعة في شرح الهداية : إن قراءة القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت و لا للقارىء و عن شيخ الإسلام إن القاري إذا قرء القرآن لأجل المال فلا ثواب له فأي شيئ يهديه إلى الميت. انتهىٰ كلام الشامي ملخصا.(۱)

تاج الشریعہ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اجرت کے ساتھ قرآن پڑھنے سے ثواب نہیں ملتا نہ تو پڑھنے والے کو نہ ہی مردے کو۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قاری نے جب مال کی نیت سے قرآن پڑھا تو اسے کوئی ثواب ہی نہ ملا تو آخر وہ میت کو کیا چیز ہدیہ کر رہا ہے۔

یہ جو لشکروں' چھاؤنیوں اور بعض شہروں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپیہ کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے یا کچھ سپارہ کا روزمرہ ٹھہرا کر اس کا ٹھیکہ کر دیتے ہیں' تو اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے۔ اور سیف السنہ کے صفحہ ۱۲ پر جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی ہیں ان میں بھی وہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا مراد ہے۔ اس لیے کہ اس وقت بعض ملکوں میں وہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ کی عبارت سیف السنہ میں ہے

و الماخوذ منها حرام للآخذ و هو عاص بالتلاوة و الذكر لأجل الدنيا .

قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے۔ اور پڑھنے والا ذکر و تلاوت دنیا کے واسطے کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

بعض علماء نے قبر پر قرآن پڑھنے کی اجرت جو جائز رکھی ہے تو انھوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اُجرت سمجھ کر جائز کیا ہے' کوئی قرآن کی اجرت نہیں وہ تو گویا قاریوں (کے لیے ورثہ) کی طرف سے ہدیہ ہے۔ لہٰذا فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے ان باتوں کی کراہت ثابت ہوئی ہے' مزدوری دے کر قرآن ختم کرانا' مردے کی قبر پر پہلے' تیسرے اور آٹھویں دن کھانا لے جانا اور احباب و اغنیا کی ضیافت کے لیے بطورِ فرحت و سرور کھانا پکانا مکروہ ہے۔ اور جس طرح ہمارے ملکوں میں رائج ہے یعنی دسویں' بیسویں اور چالیسویں کا کھانا جو (خالصاللہ) پکا کر مصلّیوں اور ملاؤں کو اپنے گھر بلا کر کھلا دیا جاتا ہے' تو عبارت بزازیہ سے اس کی حرمت و کراہت ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہوگئی ہے۔ کیوں کہ اس نے اور قاضی خاں نے یہ لکھ دیا ہے

و إن اتخذوا طعاما للفقراء كان حسنا .

اگر غریبوں اور فقیروں کے لیے کھانا تیار کیا جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

صاحب سیف السنہ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ مخالف مطلوب ہونے کی وجہ سے نقل نہ کیا۔ گویا لا تقربوا الصلوٰة پڑھ کر و أنتم سكارىٰ پر زبان بند کر لی۔

تحقیق انیق

(۱) ردالمحتار: ۲۴/۲۹۴، ۲۹۷۔ مطلب فی الاستئجار علی الطاعات

عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کی اور انھوں نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے

قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو على القبر يوصي الحافر يقول أوسع من قبل رجليه أوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله داعي امرأته فأجاب و نحن معه فجيء بالطعام فوضع يده ثم وضع القوم فأكلوا فنظرنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يلوك لقمة في فيه ثم قال أجد لحم شاة أخذت بغير إذن أهلها فأرسلت المرأة تقول يارسول الله صلى الله عليه وسلم إني أرسلت إلى النقيع و هو موضع يباع فيه الغنم ليشتري لي شاة فلم توجد فأرسلت إلى جار لي قد اشترى شاة أن يرسل بها إلي بثمنها فلم يوجد فأرسلت إلى امرأته فأرسلت إلي بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أطعمي هذا الطعام الأسرى (رواه أبوداود و البيهقي في دلائل النبوة كذا في المشكوة في باب المعجزات)(۱)

ایک انصاری صحابی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ پر نکلے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو اور سر کی طرف سے کشادہ کرو۔ دفن کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو اس میت کی بیوی نے آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے نوش جاں فرمایئے۔ آپ نے قبول فرمایا اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ کھانا سامنے آیا' آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر پوری قوم نے بھی بڑھادیا اور سبھوں نے کھایا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہن مبارک میں لقمہ چبارہے ہیں مگر نگلتے نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے محسوس ہورہا ہے کہ یہ گوشت ایک ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے' تو عورت نے مالک کے ہاتھ یہ کہہ کر بھیجا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نقیع میں آدمی بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری مول آجائے مگر نہ ملی تب میں نے اپنے ہم سایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو اس نے بکری خریدی ہے وہ مجھے بقیمت بھیج دے' اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر نہ تھا پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس بھیجا تو اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ قیدی کفار تھے جو کہ دائرۂ تکلف شرعی سے خارج تھے۔ اور اس کا شوہر نہ ملا کہ اس سے اذن لیا جاتا تاکہ مسلمان اسے کھالیتے۔

اس حدیث کو بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور مشکوٰۃ کے ''باب المعجزات'' میں بھی ہے۔

''شرح کبیر منیہ'' میں علامہ ابراہیم حلبی نے کہا کہ اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

الحاصل' اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اہل میت کی دعوت قبول کرنا جائز ہے' اور چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۶۲/۹ حدیث: ۲۸۹۴' دلائل النبوۃ بیہقی: ۷/ ۹۷ حدیث: ۲۵۶۹' مشکوٰۃ المصابیح: ۲۹۲/۳ حدیث: ۵۹۴۲' مسند احمد: ۶/۴۶ حدیث: ۲۱۴۷۱' مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۴۶ حدیث: ۲۱۴۷۱' سنن بیہقی: ۳۳۵/۵' سنن دار قطنی: ۶۲/۱۱ حدیث: ۴۸۲۶

جماعت کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تھے تو یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی غنی بھی (جو صدقہ کا مصرف نہیں) ایسی دعوت میں شریک ہو جائے (تو اس کے لیے بھی) درست ہے۔ تو جواز کی بنیاد اس بات پر رہی کہ اگر اہل میت ریا و سُمعہ کے لیے نہیں بلکہ خالص قربت وثواب کی نیت سے کھانا تیار کرے تو وہ جائز ہے۔

مولانا شاہ عبدالغنی محدث رحمۃ اللہ علیہ (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حدیث پڑھی تھی) ''انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ'' میں لکھتے ہیں

و أما صنعة الطعام من أهل الميت إذا كان للفقراء فلا بأس به لأن النبي صلى الله عليه وسلم قبل دعوة المرأة التي مات زوجها (كما في سنن أبي داوود)

اہل میت کا ثواب کی نیت سے فقیروں کے لیے کھانا تیار کرنا کسی حرج کا باعث نہیں۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیوہ عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔ سنن ابی داؤد میں بھی ایسا ہی ہے۔ (یعنی وہ حضرت عاصم بن کلیب والی مذکورہ حدیث)

ملا علی قاری نے ''شرح مشکوٰۃ'' میں لکھا

هٰذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع .

عاصم بن کلیب والی یہ حدیث کھلے طور پر ہمارے مذہب والوں کے اس قرارداد کی تردید کر رہی ہے کہ پہلے تیسرے اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

اس کے بعد علی قاری نے اپنے مذہب والوں کی وجہ بیان کی کہ بھلا وہ حدیث کے خلاف حکم کیوں دیتے؟ اُن کا حکم ایسے مقامات پر محمول ہے کہ جس کے وارثوں میں کوئی چھوٹا لڑکا نابالغ ہو یا یہ کہ بالغ ہو لیکن غائب ہو وہاں موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن اس کی رضامندی معلوم نہیں ہوتی اور یہ کھانا خاص ترکہ کے مال سے تیار کیا جائے اور کسی ایک معین وارث نے اپنے مال سے نہ کیا ہو۔ مرقات میں علی قاری کی عبارت یوں ہے

يحمل على كون بعض الورثة صغيرا أو غائبا أو لم يعرف رضا ه أو لم يكن الطعام من عند أحد معين من مال نفسه .

آخر عبارت میں لکھا

و نحو ذلك . (۱)

یعنی جیسے یہ عذر ہم نے بیان کیے ایسے ہی اور عذر مثلاً ریا وسُمعہ وغیرہ جب پیش آئیں گے تو ان کے سبب میت کا کھانا منع کیا جائے گا۔ اور ہمارے اصحاب مذہب کی غرض یہی ہے' نہ یہ کہ اگر محض ثواب کے لیے اور موانع مذکورہ سے خالی ہو کر' اہل میت 'دعوت کریں تب بھی مکروہ ہوگا۔ حاشا وکلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس فعل کو کیا ہو وہ ہرگز مکروہ نہیں ہوسکتا۔

(۱) مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵

الحاصل، محدثین کے اجماع سے عاصم بن کلیب کی یہ حدیث میت کے لیے کھانا جائز ہونے کے سلسلہ میں ایک اصل عظیم ہے۔اور دسواں وبیسواں وغیرہ کی تعیین کے سلسلہ کی ایک اصل عظیم پہلے گزر چکی کہ جس طرح وعظ کے لیے بعض مصالح کی بنیاد پر دن متعین کیا گیا اسی طرح صدقہ اموات کے لیے بھی کچھ مصلحتوں کے باعث دن کا تعین ہوا۔لہٰذا ہندوستان میں یہ جو فاتحے مروج ہیں، اہل سنت وجماعت کے نزدیک شرعی دلیلوں کے موافق بالکل صحیح ہیں۔اور جو لوگ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے ان کا رد کرتے ہیں جسے امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے

كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام من النياحة . (۱)

اہل میت کے یہاں جمع ہو کر کھانا بنانے کو ہم سوگ میں شمار کرتے تھے۔

تو یہ دلیل کئی اعتبار سے مخدوش ہے۔

اولا

یہ کہ مقدمہ شرح مسلم میں ہے کہ جب کوئی صحابی یوں کہے کہ ہم ایسا کیا کرتے تھے یا ایسا کہا کرتے تھے تو اس کی دو صورت ہے :اگر وہ یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایسا کرتے تھے تو وہ حدیث مرفوع ہے ورنہ موقوف۔اس قول کو جمہور محدثین اور اصحاب فقہ واصول کا قول لکھا ہے۔پھر لکھا کہ **هذا هو المذهب الصحيح الظاهر**۔لہٰذا جریر بن عبداللہ کا قول موقوف ہوا کیوں کہ زمانہ رسول کی طرف اس کی نسبت نہیں ہوئی۔اور حدیث موقوف حجت نہیں ہو سکتی، جیسا کہ میر سید شریف ''اصول حدیث'' میں فرماتے ہیں

الموقوف و هو مطلقا ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا كان أو منقطعا و هو ليس بحجة على الأصح .

حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت مطلقاً کسی صحابی سے قولا یا فعلا، متصلا یا منقطعا ہو۔اور اصح مذہب کے مطابق حدیث موقوف حجت نہیں ہوتی۔

ملا محمد طاہر نے ''مجمع البحار'' جلد ثالث کے خاتمہ میں لکھا

و الموقوف ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا أو منقطعا و هو ليس بحجة .

حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی صحابی سے قولا یا فعلا متصلا یا منقطعا ہو۔اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہوتی۔

لہٰذا جریر بن عبداللہ کی یہ حدیث موقوف حجت نہیں، اور پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح مرفوع کے معارض بھی ہے۔

ثانیا

حدیث جریر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اس بات کو نیاحت میں شمار کرتے تھے کہ لوگ اہل میت کے پاس جمع ہوں اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں۔''انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ'' میں اس کی تفسیر یوں لکھی ہے

(۱) سنن ابن ماجہ: ۵/ ۹۹ حدیث: ۱۶۰۱، مسند احمد: ۱۴/ ۱۴۹ حدیث: ۶۶۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/ ۱۴۹ حدیث: ۶۶۱۱، معجم طبرانی: ۲/ ۴۴۶ حدیث: ۲۲۳۰، مرقاۃ المفاتیح: ۵/ ۴۲۵

نعد وزرہ کوزر النوح . اس کا گناہ ایسا شمار کیا کرتے تھے کہ جیسا نوحہ میں گناہ ہوتا ہے۔

نوحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ شرح کبیر منیہ میں ہے

و یحرم النوح . یعنی نوحہ کرنا حرام ہے۔

ابوداؤد میں ہے

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم النَّائِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ . (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والے اور اسے رغبت سے سننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اس اجتماع اور کھانے میں آدمی حرام کا مرتکب اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ بھلا اگر یہ بات صحیح ہوتی تو ارباب فتاوٰی بزازیہ اور قاضی خان وغیرہ کس طرح فتوے دیتے کہ اگر غریبوں کے واسطے اہل میت کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس بیوہ کی دعوت پر کیسے تشریف لے جاتے۔ کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں اہل میت کے پاس اجتماع اور کھانے کا تیار کرنا (جن کو منکرین حرام اور مستحق لعنت لکھتے ہیں) دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے بڑی شوخی سے کام لیا کہ صفحہ ۹۰ کی ساتویں سطر پر جریر بن عبداللہ کی حدیث کے تحت لکھا

اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا' کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے' اور مطلق کو بالرائے مقید کرنا حرام ہے' اور طعام بھی مطلق ہے۔

بھلا جب اجتماع مطلق رہا تو جمیع اجتماعات کو شامل اور طعام بھی مطلق رہا تو سب افراد کو شامل' تو ذرا مولف براہین کی کج فہمی دیکھیے' مذکورہ بالا صورتیں کہاں کہاں پہنچے گی ملاحظہ کرنے کے لائق ہے۔

ثالثا

فقہاء رحمہم اللہ نے اس اجتماع اور طعام کو موت کے وقت مکروہ رکھا ہے۔ جیسا کہ علامہ حلبی نے ''شرح کبیر'' میں حدیث جریر کے بارے میں لکھا

و إنما يدل على كراهة ذلك عند الموت فقط . یہ صرف موت کے وقت اس کی کراہت پر دلالت کر رہا ہے۔

حدیث عاصم بن کلیب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت قبول کرنا میت دفن کرنے کے بعد تھا' تو اس صورت میں تعارض اَدلہ کا شبہہ بھی دفع ہو گیا۔ اور ہمارے ارباب مذہب نے جو بعد دفن بھی چندروز تک کھانا کھلانے کو منع کیا ہے تو فتاوٰی قاضی خان

(۱) سنن ابوداؤد: ۳۹۷/۷ حدیث: ۲۷۲۱' مسند احمد: ۲۴۱/۲۳ حدیث: ۱۱۱۹۶' معجم کبیر طبرانی: ۳۵۰/۹ حدیث: ۱۱۱۴۶' شعب الایمان: ۱۲۰/۲۱ حدیث: ۹۸۰۰' معرفۃ السنن والآثار: ۳۰۹/۶ حدیث: ۲۳۴۶' مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۴۲/۱' المسند الجامع: ۴۶۸/۱۳ حدیث: ۴۳۰۵' تحفۃ الاشراف: ۳۳۶/۵ حدیث: ۴۱۹۴

یوں بھی آیا ہے

❁ لعن الله النائحة و المستمعة . (کنز العمال: ۶۱۲/۱۵ حدیث: ۴۲۴۳۵-۴۰۲/۱۶ حدیث: ۴۵۱۰۹' تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴۰۶/۲ حدیث: ۸۰۴)

اور مرقاتِ علی قاری کے حوالے سے اس کا بیان گزر چکا کہ اس منع کی شکلیں اور ہیں، محض قربت وثواب کی نیت سے منع نہیں بلکہ فتاویٰ میں ہے کہ موت کے دن سے سات یا چالیس روز تک میت کی طرف سے برابر صدقہ کیا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ اور فقیروں کے لیے کھانے کا حسن ہونا بھی گزر چکا۔

رابعا

علی قاری نے اس اجتماع اور کھانا بنانے کی تشریح ''مرقات'' میں یوں کی ہے

فینبغي أن نقید کلامهم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء أهل بیت المیت فیطعمونهم کرها. (۱)

ہمیں چاہیے کہ اس اجتماع کے منع کو مطلق نہ رکھیں بلکہ حدیث جریر کو ارباب فتاویٰ ایک خاص قسم کے اجتماع کے ساتھ مقید کردیں کہ آدمی خواہی نخواہی جمع ہو جائیں اور وارثانِ میت ان کو جبراً اور اکراہاً شرما شرمی میں کھلائیں تو یہ اجتماع یقیناً مستحق لعنت اور درجہ حرمت میں ہوگا، جس کا گناہ نوحہ کے برابر گنا گیا ہے۔ اس صورت میں حدیث جریر کے اندر **الاجتماع** کا الف لام عہد کے لیے ہوگا۔

مولف براہین نے سیوم کے اجتماع اور نخود کی تقسیم یوں ہی دسویں، بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کے اجتماعات اور کھانوں کو جو حدیث جریر بن عبداللہ میں داخل کیا ہے، اور (صرف یہی نہیں) ان کے اگلے پچھلے تمام ہم مشرب داخل کرتے ہیں اور اس کو بڑی قوی دلیل جیسے لوہے کی لاٹ سمجھ رہے ہیں، تو مذکورہ بالا تحقیقات سے معلوم ہو چکا کہ یہ بالکل بے اصل ہے کیوں کہ سیوم میں قرآن پڑھنے کے لیے اجتماع ہوتا ہے جو بالاجماع جائز ہے (جیسا کہ عینی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا) اور تیجہ میں شیرینی ونخود کی تقسیم اور دیگر فاتحے میں کھانا کھلانا کوئی استحیاء اور شرما شرمی سے نہیں ہوتا، جسے ملا علی قاری نے جریر بن عبداللہ کی حدیث سے ثابت کیا کہ لوگ خواہی نخواہی وارثان میت کے گرد جمع ہو گئے اور حلقہ مار کر بیٹھ رہے بلکہ خود ورثہ میت نے مولویوں اور مصلیوں کو دعوت کر کے قربت وثواب کی نیت سے بلایا ہے۔ جو لوگ اس جلسہ میں غربا ہیں ان کے دینے میں صدقہ کا ثواب اور جو کوئی غنی ہے ان میں فعل معروف کا ثواب موجود ہے۔ جس طرح نبی کریم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ جماعت صحابہ کے ساتھ اس بیوہ عورت کے گھر موجود تھے۔

خامسا

حدیث جریر میں اجتماع اور کھانا تیار کرنا دونوں فعل ہیں اور فعل ہمیشہ کسی زمانہ میں ہوگا تو وہ زمانہ اس اثر میں محدود نہیں بلکہ میت کی وفات کے وقت سے لے کر جب تک وارثانِ میت زندہ ہیں اس وقت تک کو شامل ہے، تو اس صورت میں جرح عظیم لازم آئے گا اس لیے کہ مولف براہین نے اجتماع مطلق لیا کہ لوگ خواہ کسی واسطے جمع ہوں اور تقیید بالرائے حرام ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زمانہ بھی مطلق ہے خواہ کبھی آدمی جمع ہو جائیں، تو اس صورت میں دو قباحتیں لازم آئیں گی۔

پہلی قباحت

یہ کہ موت میت کے بعد سے ہمیشہ کے لیے اہل میت کے گھر اجتماع اور کھانا کھلانا خواہ کسی وجہ سے ہو ممنوع اور حرام ہو گیا، اور یہ بڑے حرج کی بات ہے، اسی وجہ سے علامہ حلبی نے اس کو وقت موت کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ وقت افسوس اور غسل وتکفین

(۱) مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵

وغیرہ میں مشغولی کا ہوتا ہے اور بعد دفن کا حکم اس سے خارج رہا۔ شرح حدیث جریر کے سلسلہ میں ان کی عبارت یہ ہے

و إنما يدل على كراهة ذلك عند الموت فقط.

یہ حدیث جریر صرف موت کے وقت ہی کھانا بنانے اور اجتماع کی کراہت تحریمہ پر دلالت کر رہی ہے۔

دوسری قباحت

یہ ہے کہ جب زمانہ مطلق رہا تو جمیع افراد یعنی ایام معینہ اور غیر معینہ سب کو شامل ہوگا۔ کیوں کہ **المطلق يجري على إطلاقه** مسلم الثبوت قاعدہ کلیہ ہے، تو جس طرح ایام معینہ کے فاتحے میں اجتماع اور کھانا بنانا ہوگا اسی طرح ایام غیر معینہ کے اطعام مساکین میں بھی یہی دونوں باتیں موجود ہوں گی **الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام** تو جس دلیل سے ایام معینہ کے کھانے کو منع کرتے ہو اسی دلیل سے ایام غیر معینہ میں اطعام مساکین بھی مکروہ وحرام اور مانند نوحہ ٹھہرے گا۔ مانعین اچھے اعتراض کا جھونکا لائے کہ اپنی مشت خاک بھی اُڑا لے گئے۔

الحاصل، صاحب شرح کبیر منیہ کی نظر بہت صحیح ہے، اور اس نظر پر جو فقیہ شامی نے نظر فرمائی ہے اس کا بعض مضمون علمائے متقدمین مثلاً علی قاری وغیرہ کی قرارداد کے مخالف ہے مثلاً یہ عبارت

فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف ما في حديث جرير على أنه بحث في المعقول في مذهبنا و مذهب غيرنا كالشافعية

یہ کیا ضرور ہے کہ فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح اسناد سے پہنچا ہو کہ (جس کی بابت ارشاد ہے: مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ) بلا معارض مرفوع صحیح واقعہ حال ٹھہرا کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابل میں ایک صحابی کا اثر جو انہی پر موقوف ہے قانون کلی تجویز کر دیا جائے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض بھی نہیں جو حدیث عاصم بن کلیب میں ثابت ہوا وہ بہ نظر قربت وثواب ہے اس کو ہمارے اصحاب جائز رکھتے ہیں اور جو حکم اثر جریر بن عبد اللہ میں ہے وہ استحیا وسمعہ اور ریا موانع مذکورہ بالا کے سبب ہے، اس کو ہمارے ارباب فتاویٰ منع کرتے ہیں؛ لہٰذا منقول فی المذہب میں بحث نہ ہوئی اور شافعیہ وغیرہ کا مذہب ہم پر حجت نہیں اسی وجہ سے عاجز راقم نے سابق انوار ساطعہ میں صرف کبیری کی نظر کو ذکر کیا اور شامی کی نظر کو بیان نہ کیا تھا کہ وہ منظور فیہ تھی اور اس مضمون کے بعد جو فقیہ شامی نے وجہ کراہت کے سلسلہ میں نکیریں بیان فرمائی ہیں وہ ہمارے اور علامہ حلبی وغیرہ کے خلاف نہیں بلکہ عین موافق ہیں۔ یعنی ورثہ کا صغیر یا غائب ہونا اور سامان فرحت وسرور جیسے طبلہ بجانا اور تغنی وغیرہ کے برے کام کرنا جو اموات سے متعلق ضیافت میں ہوتا ہے مکروہ تحریمی کے سبب ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ثواب کی نیت سے کھانا پکانا اور اکٹھا ہونا صرف یہی دو امر مندرجہ حدیث جریر میں کراہت وتحریم کا سبب ہوں۔ شامی کی یہ اخیر والی تعلیلیں فقہائے احناف کے بالکل موافق ومطابق ہیں۔ اور ''شفاء السائل'' میں شاہ عبد الغنی دہلوی موصوف کا بیان بھی یہی ہے

و طعام پختن مثل شادی و جمع شدن در خانہ میت مثل اجتماع شادی مکروہ است۔

شادی کی طرح کھانا پکانا اور اہل میت کے گھر اکٹھے ہو کر شادی کی طرح خوشی منانا مکروہ ہے۔

اپنی دوسری کتاب ''انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ'' میں بھی اسی مطلب کی ترجمانی کی ہے

و أما إذا كان للأغنياء و الأضياف ممنوع مكروه لحديث أحمد و ابن ماجة كنا نرى الاجتماع و صنعة الطعام .إلى آخره.	جب وہ کھانا مخصوص اغنیا ہی کے لیے ہوا اور ان لوگوں کے لیے جو خواہی نہ خواہی آ کر جمع ہو گئے ہیں تو وہ ممنوع ومکروہ ہے۔

تو شاہ صاحب موصوف نے صاف بیان فرمادیا کہ ممنوع ومکروہ وہ شکل ہے جس میں شادی کے کھانے کی طرح مالداروں اور مہمانوں کا جمگھٹا ہو ان کے نزدیک حدیث جریر کا یہی محمل ہے۔ اور جو ثواب کی نیت سے ہو وہ جائز ہے یہ ان کے نزدیک عاصم بن کلیب کی حدیث کا محمل ہے۔ جیسا کہ انجاح الحاجہ کے حوالے سے اوپر نقل کیا گیا۔ اور یہی مذہب ہے۔

تیسری دلیل

چالیسویں وغیرہ کے سلسلے میں مانعین کی یہ عبارت ہے کہ ''سیف السنہ'' کے صفحہ ۱۵ پر تحریر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''مقالۃ الوصیۃ'' یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے

دیگر از عادت شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم وچہلم و ششماہی وفاتحہ سالینہ۔ الی آخرہ۔	ہماری دوسری بری عادتوں میں سے ماتم چالیسویں، چھماہی اور برسی کے فاتحہ کے مواقع پر اسراف سے کام لینا بھی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے تو شاہ ولی اللہ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لیے کہ اس میں چہلم وغیرہ کے کھانے کو نہیں منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو بری عادت سے تعبیر کیا ہے۔ اسراف، بے اندازہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں، اور قرآن شریف میں ہے

وَ لاَ تُسْرِفُوا إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (۱)	اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک بیجا خرچ کرنے والے اسے پسند نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا منشا اس بند کرنے سے اسراف بند کرنا ہے، چنانچہ اس کی برائی انھوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو برا کہتے ہیں۔ لوگوں کے اندر مختلف مقامات پر طرح طرح کی فضول خرچیوں کی عادت پڑ گئی تھی؛ چنانچہ علامہ شامی نے ضیافت اموات کی قباحت کی بابت لکھا ہے

ما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع و القناديل التي توجد في الأفراح و كدق الطبول و الغناء بالأصوات الحسان و اجتماع النساء و المُردان و أخذ الأجرة على الذكر و قراء ة القرآن .إلى آخره. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے کھانوں کے موقع پر محفل شادی سے کہیں زیادہ اونچے پیمانہ پر قندیلیں اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں، طبلے بجتے ہیں، خوش آوازی سے گانے گائے جاتے ہیں، عورتیں اور بلا داڑھی کے لڑکے اکٹھا ہوتے ہیں، قرآن کریم پڑھنے پر مزدوری لیتے ہیں۔

(۱) سورہ انعام ۶/۱۴۱، سورہ اعراف ۷/۳۱ (۲) ردالمحتار: ۶/۳۹۵

یہ عبارت شامی نے ''باب الجنائز'' میں لکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہوں پر ایسے اسرافات بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح وہ حصے جو بطور تورہ بندی خاص اپنے احباب اور برادران اغنیا میں تقسیم کرتے ہیں اور غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خودنمائی میں داخل ہیں۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت جسے مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' کے سوال نمبر ۳۶ میں ''جامع البرکات'' سے نقل کی ہے

وآنکہ بعد از سالی وششماہی یا چہل روز درایں دیار پزندو درمیان برادران بخشش کنند آں را بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آن است کہ نخورند۔ انتہی۔

وہ چیز جو سالانہ ششماہی اور چالیسویں کے بعد ان کے گھروں میں بھاجی کے نام سے کھانے تیار کرکے برادری میں تقسیم کی جاتی ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور اس کا نہ کھانا ہی بہتر ہے۔

واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گزرا کہ شش ماہی اور سالانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے تو اس میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جو اس کھانے کے مستحق ہیں ان کو نہیں کھلاتے، اور کھانا ایسا پر تکلف پکاتے اور اس میں ایسی زینتیں کرتے ہیں جیسا کہ عموماً شادیوں کے موقع پر ہوا کرتا ہے، اور اس میں احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں تو ایسے کھانے کو فقہا منع کرتے ہیں۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے

و يكره إتخاذ الضيافة من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور (يعني الحزن) و هي بدعة مستقبحة. إلى آخره.(۱)

حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے

و لا ضيافة في بيوت الموتىٰ و هم في اللحود.

اہل میت سے پر تکلف مہمانی کرانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات خوشی میں تو جائز ہے لیکن موت میں خوشی کہاں وہ تو غم ہوتا ہے، اور پھر مردہ کے گھر میں ضیافت کیسی! وہ تو اپنی قبروں میں پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں ممانعت ہے تو وہ اسی قسم کے کھانے کے بارے میں ممانعت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بزازیہ وغیرہ میں صراحۃً آیا ہے

و إن اتخذوا طعاما للفقراء كان حسنا.

جو لوگ تعینات کے ساتھ ساتھ ان فاتحہ کو جائز رکھتے ہیں وہ سب یہ شرط لگاتے ہیں کہ صدقات کے ثواب میں صرف اغنیا کو کھلا دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ ''تحفۃ النصائح'' میں ہے ؎

سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہل
باید دہی درویش را ورنہ نہ باشد معتبر

(۱) فتح القدیر: ۳/۴۳۲، فصل فی الدفن۔ مرقات المفاتیح: ۵/۴۲۵

یعنی تیجہ، ساتواں اور چالیسویں کے موقع پر مردے کے ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے چاہیے کہ وہ صرف فقرا ہی میں تقسیم کیا جائے ورنہ ان پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ جب کھانا مردے کے ثواب کی نیت سے تیار کیا گیا اور فقرا ہی کو کھانا کھلایا لیکن ساتھ ہی کچھ غنی شخص بھی اس میں شریک کیے گئے تو اس کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ ایک بار مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مرحوم کے سامنے پیش کیا گیا کہ مولانا اسحٰق مرحوم کے ''مائۃ مسائل'' کے سوال پنجاہ و یکم (۵۱) میں ہے

طعامے کہ بہ نیت تصدق بر فقرا از اموات پزند تا ثواب آں بایشاں رسد جز فقیر روا نبود چہ تصدق بر فقرا می باشد و ہدیہ مر اغنیا را۔

جو کھانا مردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے فقیروں میں تقسیم کرنے کی نیت سے تیار کیا جائے تو اسے فقیروں کے علاوہ کسی اور میں نہ بانٹا جائے اس کی حیثیت فقیروں کے لیے صدقہ اور اغنیا کے لیے ہدیہ کی سی ہے۔

اس وقت مولانا (احمد علی محدث سہارن پوری) کیمپ میرٹھ کوٹھی شیخ الٰہی بخش خاں بہادر مرحوم میں گیارہویں کا کھانا تناول فرما رہے تھے، موقع وقت بھی یہی تھا کہ جناب مولانا بفضلہٖ تعالیٰ بہت ہی خوش حال، متمول اور صاحب تجارت تھے اور وہ کھانا حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کی روح پرفتوح کے ایصالِ ثواب کے لیے تھا، ارشاد فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اغنیا کے کھانے سے اس درجہ کا ثواب نہیں پہنچتا جس درجہ فقرا کے کھانے سے پہنچتا ہے، ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اغنیا کے کھانے کا ثواب بالکل پہنچتا ہی نہیں، کیوں کہ کھانا کھلانا (اگرچہ اغنیا ہی کو ہو) کوئی منکرات سے نہیں بلکہ معروفاتِ شرعیہ سے ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ. (۱) ہر نیک کام کرنے میں شرعاً صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

مولانا محدث کا کلام یہاں تمام ہوا۔

(۱) صحیح بخاری: ۱۸/۴۴۲حدیث: ۵۵۶۲، صحیح مسلم: ۵/۶۷احدیث: ۱۶۷۳، سنن ابوداوٗد: ۱۳/۱۱۱حدیث: ۴۲۹۶، سنن ترمذی: ۷/۲۳۶حدیث: ۱۸۹۳، سنن نسائی: ۷/۲۳۶حدیث: ۱۸۹۳، مسند احمد: ۲۹/۲۳۱حدیث: ۱۴۱۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۳۵۹حدیث: ۲۲۲۹۰، سنن بیہقی: ۴/۱۸۸، الابانۃ الکبریٰ لابن بطہ: ۵/۶۷۴حدیث: ۳۴، الآحاد والمثانی: ۶/۷۷حدیث: ۱۸۶۴، مستدرک حاکم: ۵/۴۱۷حدیث: ۲۲۷۲، معجم کبیر طبرانی: ۱/۴۸۳حدیث: ۱۱۱۵، معجم اوسط طبرانی: ۱۹/۳۴۶حدیث: ۱۱۰۶۹، معجم صغیر طبرانی: ۱/۶۷حدیث: ۶۴، شعب الایمان: ۷/۳۳۲حدیث: ۳۱۸۰، مسند ابویعلی موصلی: ۵/۹۷حدیث: ۱۹۸۹، مسند حمیدی: ۵/۱۳۹حدیث: ۲۰۳۱، سنن دارقطنی: ۷/۱۸۱حدیث: ۲۹۳۴، صحیح ابن حبان: ۱۴/۲۵۷حدیث: ۳۴۴۷، صحیح ابن خزیمہ: ۸/۳۹۱حدیث: ۲۱۶۳، مسند عبد بن حمید: ۳/۲۰۴حدیث: ۱۰۸۵، معرفۃ الصحابہ: ۱۳/۱۴حدیث: ۴۰۶۰، مسند شہاب قضاعی: ۱/۱۴۴حدیث: ۸۶، مسند طیالسی: ۱/۳۰۴حدیث: ۴۱۴، مشکل الآثار طحاوی: ۱۲/۱۴۸حدیث: ۴۷۷۴، امثال الحدیث اصبہانی: ۱/۴۴حدیث: ۳۲، الآداب بیہقی: ۱/۱۱۴حدیث: ۹۵، الادب المفرد بخاری: ۱/۳۴۳حدیث: ۵۰۰۰، اربعون صغری بیہقی: ۱/۱۱۷حدیث: ۸۳، مسند بزار: ۴/۹۷۴حدیث: ۱۴۰۸، الجامع لاخلاق الراوی خطیب بغدادی: ۱/۳۶۰حدیث: ۳۲۱، مسند شاشی: ۱/۳۸۸حدیث: ۳۱۶، المطالب العالیہ عسقلانی: ۳/۲۷۷حدیث: ۱۰۱۹، غریب الحدیث: ۱/۲۷۰حدیث: ۲۳۱، معجم ابن المقری: ۱/۲۵۱حدیث: ۲۵۰، معجم الصحابہ: ۳/۸۷۴حدیث: ۸۹۳، مکارم الاخلاق خرائطی: ۱/۸۷حدیث: ۳۷، مکارم الاخلاق طبرانی: ۱/۱۳۷حدیث: ۱۱۱، مجمع الزوائد: ۳/۱۳۷، نصب الرایہ: ۷/۳۹۳، المسند الجامع: ۹/۱۱۵حدیث: ۲۷۷۹، تخریج احادیث الاحیاء: ۷/۳۶۷حدیث: ۳۲۹۲

اب اس کے بعد مجھے تلاش ہوئی کہ یہ تو ازروئے حدیث جواب ہوا فقہائے کرام کا جزئیہ بھی دیکھنا چاہیے تو چند کتابوں میں مجھے اس مسئلہ کی تصریح بھی نظر آ گئی، جسے تحریر کرتا ہوں۔

اسی ''مائۃ مسائل'' کے سوال پنجاہم (پچاسویں) میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے

و قيد بالزكوة لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي . (۱)

زکوٰۃ کی قید اس لیے لگائی کہ نفلی صدقہ جس طرح مردِ ہاشمی نسب کو جائز ہے ویسے ہی غنی کے لیے بھی جائز ہے۔

قہستانی کی فصل (مصرف الزکوٰۃ) میں ہے

سوق الكلام مشيرا إلى جواز صرف صدقة التطوع إلى الغني .

طرز کلام بتا رہا ہے کہ نفلی صدقہ مالدار کو دینا جائز ہے۔

اس عبارت کا خلاصہ بھی وہی ہے۔

ہدایہ کے (فصل صدقہ) میں ہے

لأنه قد يَقصِد بالصدقة على الغني الثواب . (۲)

اغنیا کو کھلانا جس طرح ان کی رضا جوئی اور اپنا دنیوی کام نکالنے کی غرض وغیرہ کے لیے ہوتا ہے اسی طرح کبھی حصول ثواب کے ارادہ سے بھی ہوتا ہے۔

مجمع البحار جلد دوم میں ہے

الصدقة ما تصدقت به على الفقراء أي غالب أنواعها كذلك فإنها على الغني جائزة عندنا يثاب به بلا خلاف .

صدقہ وہ ہے جو فقرا کو دیا جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر صدقے ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ صدقہ تو بے شک غنی کو بھی دینا جائز ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اغنیا کا دینا ہبہ اور ہدیہ ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہدیہ اور ہبہ کرنا بھی معروفات شرعیہ اور موجبات ثواب میں سے ہے۔ لہٰذا اس پر ضرور ثواب ملے گا گو کہ فقیر کی بہ نسبت کم ہو۔

چوتھی دلیل

منع چہلم وغیرہ کے سلسلے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ وصیت نامہ میں فرماتے ہیں

و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند۔ الی اخرہ۔

میرے مرنے کے بعد دسویں، بیسویں، چالیسویں، ششماہی اور برسی جیسے دنیوی جیسے نہ کیے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز سے زیادہ سوگ منانے کو جائز نہیں فرمایا ہے۔

(۱) بحر الرائق: ۷۶/۶

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۲۵/۱۳

واضح ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلانا امورِ دین سے ہے' اور قاضی صاحب نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے' اور وہ یہ کہ عورتیں ان ایام میں جمع ہو کر رویا پیٹا کرتی ہیں۔ اور یہ کوئی ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول رہی ہے یعنی منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا[1] تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ چھماہی برسی اور چہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔

مولوی اسماعیل صاحب نے بھی ''تذکیر الاخوان'' میں لکھا ہے

جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن' کسی کے سات دن' کسی کے دس دن' کسی کے چالیس دن' کسی کے چھ مہینہ' کسی کے برس دن تک اور کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے' جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہو اسی قدر آپس میں ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلاں کے ہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی۔ اور مرد جو جاتے ہیں تو صرف دستور و رواج کے موافق ان لوگوں کے دکھلاوے کو کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں' اس فاتحہ سے مردے کے لیے ثواب' منظور نہیں ہوتا (یہ تلخیص کے ساتھ تذکیر الاخوان کی عبارت ہے)۔

تو قاضی صاحب کا دراصل اشارہ ان امور کی طرف ہے ورنہ وہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں

وازکلمہ و درود و ختم قرآن واستغفار از مالِ حلال صدقہ بہ فقرا باخفا امداد فرمایند۔ انتہیٰ۔

کلمہ طیبہ' درود شریف' ختم قرآن' استغفار اور مال حلال سے صدقہ کر کے فقیروں کی خفیہ انداز میں امداد رسی کی جائے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ کلمہ اور ختم قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے اور صدقہ کو پوشیدہ اس لیے فرمایا کہ اپنے ورثہ میں نمود و نمایش وغیرہ کا کچھ طریقہ دیکھا ہو گا (جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں) اس واسطے اخفا کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کر کے دینا شرع میں درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ . (۲)

اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے۔

شاہ عبد القادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے

اگر آشکارا کنید خیرات راپس نیکو چیز است۔

---

(۱) متن حدیث: لا يحل لامرأة تؤمن بالله و اليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث ليال إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا۔
صحیح بخاری: ۲۶/۵ حدیث: ۱۲۰۱' صحیح مسلم: ۲۷۲/۷ حدیث: ۲۷۳۱' سنن ابوداؤد: ۲۲۳/۶ حدیث: ۱۹۵۵' سنن ترمذی: ۴۴۸/۴ حدیث: ۱۱۱۷' سنن ابن ماجہ: ۲۷۸/۶' موطا امام مالک: ۲۴۸/۴ حدیث: ۱۰۹۹' مسند احمد: ۴۹ حدیث: ۱۱۹ حدیث: ۲۲۹۶۳' مصنف عبد الرزاق: ۴۸/۷' سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۴/۳ حدیث: ۵۶۹۴' صحیح ابن حبان: ۱۰۱/۱۸ حدیث: ۴۳۷۸' مسند طیالسی: ۴۸۵/۴ حدیث: ۱۶۸۱' مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵۶/۲ حدیث: ۳۳۳۰

(۲) سورہ بقرہ: ۲۷۱/۲

ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہدایت ہو کہ وہ بھی صدقہ کیا کریں۔

پانچویں دلیل

منع چہلم وغیرہ کے لیے یہ لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

طعام المیت یمیت القلب و طعام المریض یمرض القلب ودر نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کردن طعامے کہ بجہت روح مردہ کردہ باشند۔

میت کا کھانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کر دیتا ہے۔ نوادر ہشام میں آیا ہے کہ میت کی روح کے واسطے کیا گیا کھانا قبول کرنا مکروہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو میت کی طرف سے ترغیب خیرات میں آئی ہیں اور باجماع امت مقبول بھی ہیں ان کا کیا جواب دو گے۔ اور اس حدیث کی اسناد بھی نہیں معلوم اور صحابی کا نام بھی نہیں کہ کس صحابی نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے نہ ہی صحابی کے بعد اور راویوں کے احوال معلوم کہ پھر صحابی سے کن کن راویوں نے اس کو روایت کیا' نہ ہی حدیث کی کتاب کا نام لکھا کہ صحاح ستہ یا حدیث کی کسی اور کتاب میں یہ حدیث موجود ہے۔ ان امور سے قطع نظر اس حدیث کو معین ومخصوص تیجہ' دسویں' بیسویں اور چالیسویں کے فاتحے کی ممانعت کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں کیوں کہ اس میں مطلق طعام میت کی نہی موجود ہے تو بلاتعین کا صدقہ بھی نہیں پایا گیا جس کو تم جائز کہتے ہو اور جب مطلقاً فقیر وامیر کی قید کے بغیر اس دعوت کو قبول کرنا مکروہ ہوا تو میت کی طرف سے صدقہ کا جو حکم حدیث وفقہ میں ہے اس دعوت کو جنات قبول کریں گے یا جنگل کے وحوش وطیور۔ منکرین' کتاب اربعین سے ایسی سند لائے جس سے خود اپنے پاؤں میں تیشہ مار گئے۔

چھٹی دلیل

منع کی یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے

درنوادر الفتاویٰ آوردہ اند کہ اجابت کردن طعامے کہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ست سہ روزہ ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ وآں طعام علماء وفضلا را مکروہ است۔ انتہیٰ۔

یعنی نوادر الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ تیجہ' ساتواں' تیسواں اور برسی کے نام پر جو کھانے مردے کے ایصال ثواب کے لیے تیار کیے گئے ہوں اس کا قبول کرنا مکروہ ہے' اور اس کا علماء وفضلا کے لیے کھانا مکروہ ہے۔

اسی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ برسی' تیجہ اور چالیسویں وغیرہ کا کھانا علماء وفضلا کے لیے تو مکروہ ہے اوروں کے لیے مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا یہاں کیا ضرور تھا۔ خیر! اگر یہ لوگ اسی قدر لکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ علماء فضلا تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اور آذی کھاتے ہیں' اگر اوروں کو جائز ہوا تو یہ بھی غنیمت ہے' اور صحیح یہی ہے۔ اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب کی بڑی شہرت ہے کہ وہ منکروں کے سردار ہیں اور ان تعینات کو مکروہ وحرام کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت کا باعث محض یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصاً للہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھاوے کے لیے جبراً کرتے ہیں۔ چنانچہ ''صراطِ مستقیم'' مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں

ودر تقسیم طعام سیوم وچہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت وکشادگی می کنند۔ انتہیٰ۔

عوام کی ملامت کے خوف سے تیجہ اور چہلم کے موقع پر کھانا تقسیم کرنے میں نہایت فراخ دلی سے کام لیا جاتا ہے۔

صفحہ ۷۳ میں ہے

ورنہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل غرض آں ست کہ مقید برسم نہ باشد بے تعین تاریخ وروز وجنس وقسم طعام ہر وقت وہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد ہرگاہ ایصال نفع بہ میت منظور دارد موقوف براطعام نگذارد اگر میسر باشد بہتر است والاصرف ثواب فاتحہ واخلاص بہترین ثواب ہا است در تعین تاریخ وروز وقسم ووضع طعام ضیق پیش می آید انسان راخواہ نخواہ آنچہ کردن دشواری بود سرانجام آں ضرری افتد۔ الی آخرہ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مردے کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ذریعہ نفع پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں، چہ جائے کہ افضل و بہتر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں رسم کی قید، تاریخ و دن اور جنس وقسم طعام کا تعین نہ ہو۔ جتنا اور جس وقت بھی ایصال ثواب کا خیال ہو اس پر عمل درآمد کردیں۔ اور جب بھی میت کو ایصال ثواب کرنا ہو تو اسے محض کھانے تک محدود نہ رکھیں اگر اور کچھ میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف فاتحہ واخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کردینا بہترین عمل ہے۔ تاریخ و دن، اور کھانے کی قسم وہیئت متعین کردینے میں مضائقہ پیش آتا ہے، جسے خواہی نہ خواہی کرنا پڑتا ہے اور انجام کار خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ سویم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علماء فی زماننا خیال کرتے ہیں بلکہ مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک اس میں قباحت یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو، دن و تاریخ کی پابندی کی وجہ سے خواہ مخواہ اسے کرنا پڑتا ہے جس میں تنگی و مصیبت پیش آتی ہے۔ پھر اگر یہی بات کسی کو پیش آئے تو اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے کہ اے بھائی! تو اپنے مقدور کے موافق کر، نام آوری کے لیے، حوصلہ سے زیادہ، جس کا سنبھالنا تجھے مشکل ہے اس طرح مت کر۔ خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کردے اور اگر کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ ہی پڑھ دے۔

سوال

تعین ایام کی ضرورت کیا ہے؟

جواب

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں خیرات وحسنات حاصل کرنے کا خود شوق تھا وہ اپنے عشق دلی کے ولولے سے سرشار ہوکر نیک کام کیا کرتے تھے ان کو نہ کسی کی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی اور نہ یاد دلانے کی، لیکن جب وہ دور چلا گیا اور لوگوں کے دلوں میں نیک کاموں کی طرف سے بے رغبتی پیدا ہوگئی تو اس کے لیے علمائے دین نے اصلاح دین کے پیش نظر فتوے اور احکام صادر فرمائے مثلاً قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا کیوں کہ اس وقت لوگوں کے دل (دین کی طرف) راغب تھے، خالص اللہ کے واسطے تعلیم کیا کرتے تھے لیکن جب قرون صالحہ کا دور ختم ہوگیا، لوگوں کے دل ویسے نہ رہے اور قرآن کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علمائے دین رحمہم اللہ نے جواز کا حکم دیا یعنی قرآن پر اجرت لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔ چنانچہ فقہا لکھتے ہیں

لو لم یفتح لھم باب التعلیم بالأجر لذھب

اگر اجرت کا دروازہ نہ کھولا جائے تو ڈر ہے کہ کہیں دنیا

القرآن . (۱) سے قرآن نہ اٹھ جائے۔

ہدایہ میں ہے

لأنـه ظهـر التواني في الأمـور الـدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن و عليه الفتوىٰ . (۲)

قرآن پڑھانے کی اجرت لینا اس لیے جائز ہے کہ اب امورِ دینیہ میں سستی ظاہر ہونے لگی ہے تو ایسے وقت میں اجرت کی ممانعت کرنا دراصل حفظ قرآن کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا' اور فتویٰ بھی اسی پر ہے یعنی کہ قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

یوں ہی اذان کے بعد تثویب کہنے کو یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تا کہ نمازی آکر جلد جماعت میں شریک ہوں' متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے

و المتـأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية . (۳)

علمائے متاخرین نے امور دینیہ میں سستی برتنے کی وجہ سے ہر نماز کے بعد تثویب کہنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔

تثویب کا یہ مسئلہ فتاویٰ عالم گیری میں بھی ہے' اور اس قسم کی بہت سی نظیریں فقہی کتابوں میں موجود ہیں' جو ڈھونڈے گا پائے گا۔

مجمع البحار' شامی اور فتاویٰ عالم گیری وغیرہ چند معتبر و مقبول کتابوں میں مندرج اس بات کے بھی یہی معنی ہیں

كم من أحكام يختلف باختلاف الزمان . (۴) بہتیرے احکام زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔

ایک وقت وہ تھا کہ قرآن کے اندر زیروزبر' وقف جائز' مطلق اور لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں سمجھتے تھے اسے مکروہ کہتے تھے' جو متقدمین کی کتابوں میں درج ہے۔ اور آج ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا' جہالت طاری ہوگئی' تب علماء نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیروزبر وغیرہ لکھنا واجب ہے۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کہ کہاں مکروہ اور کہاں واجب۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا۔

ذرا دیکھیے کہ راستے کا تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے۔

(۱) ردالمحتار: ۲۹۵/۲۴' مطلب فی الاستئجار علی الطاعات۔' حاشیۃ ردالمحتار: ۳۴۰/۶' تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۴۳۸/۱۴' باب الاجارۃ الفاسدۃ۔' البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۴۲۳/۱۴' جعل الواقف غلۃ الوقف لنفسہ۔' مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۱۸۹/۷' باب الاجارۃ الفاسدۃ

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۳/۱۲

(۳) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۹/۱

(۴) تلاش بسیار کے باوصف یہ عبارت مجھے نہ ملی۔ ہاں اسی مفہوم سے ملتی جلتی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ کئی فقہی عبارتیں ملتی ہیں

❁ هذا أمر يختلف باختلاف الزمان و المواضع . (بحرالرائق: ۲۲۳/۲۰' فتاویٰ ہندیہ: ۳۳۵/۳۷-۷۲/۴۳)

یوں بھی ہے

❁ و كم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان . (بحرالرائق: ۱۸۹/۲۲' مجمع الانہر: ۲۱۴/۸' ردالمحتار: ۴۵۶/۲۶' دررالحکام شرح غررالاحکام: ۴/۴)

اور یوں بھی ہے

❁ و الحكم قد يختلف باختلاف الزمان . (۳۹۶/۱-۱۸۹/۷' تبیین الحقائق: ۴۲۸/۱۶' دررالحکام شرح غررالاحکام: ۲۶۸/۲)

اسی طرح مسجدوں کو بلند کرنا اور اس کی زینت کرنا مکروہ بتایا گیا ہے مگر اب علماء، مصلحت کے باعث اسے مستحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے گھر بہت عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو کچی اینٹوں سے او نچے او نچے مکانات کے پاس بنا دیں گے اور وہیں کافروں کے بھی بہتیرے گھر بلند ہوتے ہیں تو اب مسجد نظروں میں حقیر ٹھہرے گی۔

ان مثالوں اور روایتوں سے مجموعی طور پر یہی معلوم ہوا کہ اگر زمان و مکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں کسی مصلحت کے باعث کسی قسم کے تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''انتباہ'' کے شروع میں فرماتے ہیں

اگر چہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف بودہ باشد اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور صحیح ست واختلاف صور را اثرے نیست۔ انتہی کلامہ تلخیصاً۔

اگر چہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ مگر صوری اختلاف مُضر نہیں۔ ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط و تعلق درست ہے اور صوری اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ان عبارتوں سے (نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھنے کے قابل) یہ فائدہ پیدا ہوا کہ اگر علمائے متاخرین میں کسی قسم کا تعین علمائے متقدمین کی وضع کے مخالف پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کر دیا جائے اس لیے کہ زمانہ متقدمین کی مصلحت وہ تھی جس کا انھوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں امت کے اطوار اور طبیعتیں بدل جانے کی وجہ سے دوسری طرح پر امتحان ظاہر ہوا اور درحقیقت یہ اختلاف نہیں کیوں کہ متقدمین و متاخرین کا یہ دونوں گروہ اصلاح دین پر متفق ہے۔ ان کے وقت میں اصلاح اُس میں تھی اور ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح۔ چنانچہ یہی وجہ مولوی اسماعیل صاحب کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو بھی پیش آئی کہ انھوں نے ''صراط مستقیم'' میں تجدید اشغال کے واسطے ایک جدا باب مقرر کیا۔ صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں

مصلحت وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود۔ انتہی۔

مصلحت وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کے اندر اشغال جدیدہ پر مشتمل ایک باب کا اضافہ کر دینا چاہیے۔

اسی کتاب کے آخر ورق میں مولوی اسماعیل صاحب اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں

بعد ازاں در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ بازوئے ہمت کشادند و تجدید اشغالے کہ ایں کتاب مستطاب براں محتوی گردیدہ فرمودند۔ انتہی۔

طریقہ چشتیہ کی تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں انھوں نے اپنے بازوئے ہمت کشادہ کر دیے اور جن اشغال جدیدہ پر یہ کتاب مشتمل ہے اس کا انھوں نے اشارہ دیا۔

انوارِ ساطعہ کا یہ مولف عاجز کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ پھر بعد میں چل کر اسے الزام دیا جائے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ انھیں مانعین حضرات کی مسلم الثبوت کتابوں کا چھانٹا ہوا عطر ہے۔

جب یہ مسئلہ متحقق ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیے کہ صحابہ چوں کہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے اس لیے ایصال ثواب وغیرہ کے لیے تعیین زمان کی انھیں کوئی حاجت نہیں تھی بلکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر اپنے اقربا کی طرف سے

خیرات کیا کرتے تھے (اس سلسلہ میں حضرت سعد کا قصہ ابھی گزرا)[1]۔

اب اگر کسی کو ثواب کا رستہ بتاتے ہیں تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے۔ غرض کہ جب لوگوں میں سستی واقع ہوئی تو خیرات میں فرق پڑنے لگا اور مردوں کا حال دیکھا تو وہ ہے جو حدیث میں وارد ہوا کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا رہتا ہے کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑ لے یا کوئی رسی کوئی لکڑی یا کوئی چیز میرے ہاتھ آجائے کہ اس کو پکڑ کر بچ جاؤں' اسی طرح میت بھی اپنے زندہ اقربا سے آس و آسرا لگائے رہتی ہے' اور اقربا کا یہ حال ہو گیا کہ ان کے حق فراموش کرنے لگے' تب بزرگان دین تعیین ایام پر کھڑے ہوئے اور جدا جدا وقتوں مثلاً دسواں اور بیسواں وغیرہ معین کر دیا تا کہ بتدریج انتظام میں وارثین کو بھی آسانی ہو' اور مردے کو یہ فائدہ ہو کہ سلسلہ امداد منقطع نہ ہونے پائے' کچھ آج فائدہ پہنچا' کچھ اس کے بعد' پھر کچھ اس کے بعد۔

اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ تعیین کے سبب لوگوں کو یاد رہتا ہے اور خیال و دل پر چڑھا رہتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ مصلحت تعین کے پابند ہیں ان کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر خیرات ہو جاتی ہے۔ اور رہے وہ لوگ جو بسا اوقات ان لوگوں کی بہ نسبت کہتے ہیں کہ اس تعین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا کہ اس میں نمود و نمائش ہوتی ہے تو ان کا یہ کہنا بالکل ہی صحیح نہیں' اس لیے کہ ہر کوئی نمود ہی کے واسطے نہیں کرتا اور اگر کوئی نمود کے لیے کرتا بھی ہو تو ہم اس کو منع نہیں کریں گے' کیوں کہ یہ نمود تو اس کے حق میں ہے' ساتھ ہی ایک وقت کسی غریب کا پیٹ تو بھرے گا' یہ تو بہت اچھا کام ہے۔ اس سے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ نمود اور ریاکاری کے واسطے کیا کریں (حاشا و کلا) عمل وہی بہتر ہوتا ہے جو اخلاص سے ہو لیکن یہ صرف اس لیے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمود کے طور پر عمل کیا تو منکرین اس سے سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں' لہٰذا ان کے جواب میں 'ولو سلمنا' کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں۔

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ''تنبیہ الغافلین'' میں فرماتے ہیں

و لا يترك العمل لأجل الرياء يقال في المثل إن الدنيا خربت منذ مات المراؤن لأنهم كانوا يعملون أعمال البر مثل الرباطات و القناطير و المساجد فكان للناس فيه منفعة و إن كانت للرياء فربما ينفعه دعاء أحد من المسلمين.

عمل خیر کو ریا کے سبب نہ چھوڑنا چاہیے۔ مثل مشہور ہے کہ جب سے ریاکاری کے کام کرنے والے مر گئے دنیا ویران ہو گئی ہے' اس لیے کہ وہ پہلے نیک کام کیا کرتے تھے' سرائے' پل اور مسجدیں بنواتے تھے جس میں لوگوں کا بھلا ہوتا تھا اگرچہ ریا کا کام خود اس کرنے والے کو کوئی نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی اس ریا کے کام سے نفع پا کر دعا کر دیتا ہے تو اسے اسی دعا کی برکت سے نفع ہو جاتا ہے۔

الغرض' اچھے کام کا نتیجہ اچھا ہی ہوتا ہے۔

اب اصل بیان کی طرف آئیں کہ جب لوگوں کی سستی اور بے رغبتی کے باعث تعیین کی حاجت ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحہ' برسی میں ٹھہرایا' ایک اس کے نصف یعنی ششماہی' پھر اس کے نصف یعنی سہ ماہی' پھر اس کے نصف یعنی پینتالیس دن میں۔ لیکن اکثر امور میں چلہ کا عدد اختیار کیا گیا ہے اس لیے پینتالیس میں سے پانچ گھٹا کے چالیسواں دن کر دیا گیا۔

(۱) ان کی والدہ مر گئی تھیں تو حضور سے پوچھا تھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ پانی۔ تب انھوں نے اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھدوا دیا تھا۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

اب شریعت میں عدد 40 کے جوشمار وارد ہوئے ہیں' ان میں سے چند مقامات ذکر کیے جاتے ہیں۔اول جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ہوا تو 40 برس تک وہ خمیر اسی حالت میں پڑا رہا پھر وہ سڑنا شروع ہوا (یہاں تک کہ) 40 برس تک وہ سڑتا رہا (جس طرح تعمیر مکان کے لیے گارہ کو سڑایا جاتا ہے) پھر خشک ہونا شروع ہوا تو 40 برس میں خشک ہوا' اور (جس طرح مٹی کا ٹھیکرا بجانے سے ٹن ٹن بجتا ہے) بجنے لگا۔

اسی طرح آدمی کی پیدائش میں بھی کہ 40 دن وہ نطفہ رہتا ہے' پھر 40 دن خون بستہ' پھر 40 دن میں گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں بن جاتے ہیں۔غرض اس سے معلوم ہوا کہ 40 دن میں حال بدل جاتا ہے۔

اسی غرض سے صوفیہ کرام نے اپنی ریاضتوں میں عدد چلہ مقرر کیا کہ اتنے دنوں میں ریاضت میں نفس کی حالت بدل جائے گی۔اور حدیث میں آیا

جو چالیس دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص رکھے گا اس کے دل سے رحمت کے چشمے پھوٹ کر زبان سے جاری ہوں گے۔(۱)

یہ حدیث تفسیر عزیزی میں ہے

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں نقل کیا

جوکوئی چالیس دن امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ پالے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بری کردے گا ایک نفاق سے دوسرے عذاب نار سے۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی وعدہ فرمایا تھا کہ 40 رات اعتکاف کریں' پھر ہم تم کو شریعت یعنی توریت عنایت کردیں گے یعنی اتنے دنوں میں نفس وقلب وغیرہ کے حالات بدل جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ إِذْ وَاعَدْنَا مُوسیٰ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً . (۳) اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا۔

بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے انبیا علیہم السلام کی ارواح کی بابت یہ روایت کی ہے

إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة و لكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور .

اس کے معنی زرقانی نے یہ لکھے ہیں

چالیس روز تک قبر میں مدفون اس جسم کے ساتھ روح پیوستہ رہتی ہے' اس کے بعد وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے' اور جسم کا قالب دھار کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے۔انتہیٰ۔

---

(۱) متن حدیث: ما من عبدٍ يخلص لله العمل أربعين الا ظهرت ينابيع الحكمة من قبله على لسانه . (احیاء علوم الدین:۳/۶۴۳فضیلۃ الاخلاص۔ تخریج احادیث الاحیاء:۹/۲۳۸حدیث:۴۲۲۸)

(۲) احیا کی عبارت یوں ہے: من صلى أربعين يوما الصلوات في جماعة لا تفوته فيها تكبيرة الإحرام كتب الله له براء تين: براءة من النفاق و براءة من النار . (احیاء علوم الدین:۱/۱۵۷)

(۳) سورہ بقر'۲/۵۱

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے تو شاید یہ حدیث بھی کہیں آئی ہوگی۔ انبیا کی روحوں سے متعلق تو بیہقی کی یہ حدیث دیکھی مگر عام روحوں کی نسبت' نظر سے نہیں گزری؛ لیکن ہم لوگ علمائے سابقین کی بہ نسبت کم مایہ ہیں، علمی کتابوں کا ذخیرہ بھی بہت تھوڑا ہی ہے' اس لیے ہماری نظر سے نہ گزرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث درحقیقت آئی ہی نہیں۔

ہاں! ہم نے امام غزالی کی طرف منسوب ''دقائق الاخبار'' میں یہ حدیث دیکھی ہے جو ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إذا مات المومن يدور روحه حول داره شهرا و ينظر إلى ما خلفه من ماله كيف يقسم ماله و كيف يو دي دينه فإذا تم شهرا ينظر إلى جسده و يدور حول قبره سنة فينظر من يدعو له و من يحزن عليه فإذا تمت سنة رفعت روحه إلى حيث يجتمع فيه الأرواح إلى يوم ينفخ في الصور.

جب مومن مرتا ہے تو اس کی روح ایک مہینہ تک اپنے گھر کے گرد گھومتی رہتی ہے' اور اپنے چھوڑے ہوئے مال کو دیکھتی ہے کہ وہ کس طرح تقسیم ہوتا ہے اور اس کا قرض کیسے ادا ہوتا ہے۔ پھر جب ایک ماہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بدن پر نظر کرتی ہے اور اپنی قبر کے گرد ایک سال تک گھومتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کون اس کے لیے دعا کرتا ہے' اور کسے اس کا درد و غم ہے۔ پھر جب ایک سال پورا ہو جاتا ہے تو اس کی روح اٹھا کر وہاں رکھ دی جاتی ہے جہاں دوسری روحیں قیامت تک کے لیے رکھی گئی ہیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ انبیا اور مومنین کی روحیں کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے انھیں ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ گفتگو کا تسلسل کہاں سے کہاں پہنچ گیا کلام اس میں تھا کہ چالیس کا عدد اکثر مقامات میں آیا ہے اور اس عدد میں یہ دلالت ہر مقام پر پائی گئی کہ (اس کی وجہ سے) پچھلا حال بدل جاتا ہے۔ چنانچہ خمیر آدم ' خمیر نطفہ انسانی اور چلہ صوفیہ وغیرہ مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے۔ تو چالیس دن میں میت کی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں بھی (جو دنیا کے ساتھ ہے) ضرور کچھ فرق اور تغیر ہوا ہوگا (جیسا کہ ارواح انبیا میں صریح وارد ہوا ہے) لہٰذا اس تغیر کے وقت بھی امدادِ شائستہ کا دستور ٹھہر گیا تا کہ اس کی ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی ترقی و عروج عمدہ زادِ راہ کے ساتھ ہو تو یہ فاتحہ چہلم کو مقرر کیا گیا۔ پھر تنصیف کا قاعدہ جو برسی سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا تھا' چہلم میں بھی کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسواں کا نصف دسواں۔ غرض کہ اس دستور کے مطابق' فاتحے کا قاعدہ مقرر ہو گیا۔

حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں مجموع الروایات کی یہ روایت' اس عاجز کی نظر سے گزری ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ کے لیے تیسرے' دسویں' چالیسویں روز' چھٹے مہینے اور برسویں دن صدقہ دیا۔ اگر یہ حدیث کسی قدر قابل اعتماد ہے تو یہ سب رسمیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو گئیں۔ یہ ''مجموع الروایات'' ایک پرانی کتاب ہے ''خزانۃ الروایات'' میں بھی اس سے کچھ مسائل اخذ کیے گئے ہیں؛ لہٰذا یہ جو قدیم زمانے سے بزرگانِ دین میں متفرق دنوں میں تعین فاتحات ایک امر متوارث چلا آ رہا ہے تو بلاشبہہ یا تو اس حدیث کا کسی اور حدیث سے انھوں نے استخراج کیا ہوگا یا پھر مصلحت کی بنا پر یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا۔ بہر کیف! اگر انھوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ سَنَّ فِي الإسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أجْرُهَا . (۱) جس نے اسلام میں کوئی اچھی راہ نکالی تو اسے اس کا اجر ملے گا۔

علامہ شامی نے اس حدیث کے معنی لکھے ہیں کہ جو کوئی دین میں کوئی نیا نیک طریقہ نکالے تو اس کو اجر اور ثواب ملے گا۔ واضح ہو کہ امر دین میں جو نیک طریقہ قرآن و حدیث کے موافق ایجاد ہو وہ درست ہے۔ زبان سے نماز کی نیت کرنے کو (جو علماء کی ایجاد ہے) درمختار اور اس کے شارح نے سنۃ العلماء قرار دے کر اسے جائز رکھا ہے (اس کی بحث گزر چکی)۔

معلوم رہے کہ یہ ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اس کا اتباع کریں۔ یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر زمانے والا اپنے پہلے زمانے والے کی اطاعت کرے۔ چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی اپنی کتاب ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں لکھتے ہیں

فكما أن الشارع بين لنا بسنته ما أجمل في القرآن فكذلك الأئمة المجتهدون بينوا لنا ما أجمل في أحاديث الشريعة و لو لا بيانهم لنا ذلك لبقيت الشريعة على إجمالها و هكذا القول في أهل كل دور بالنسبة للدور الذي قبلهم إلى يوم القيامة فإن الإجمال لم يزل ساريا في كلام علماء الأمة إلى يوم القيامة و لو لا ذلك ما شرحت الكتب و لا عمل على الشروح و الحواشي. انتهىٰ

جس طرح شارع نے قرآن کے اجمال کو ہم سے بیان کیا تو اسی طرح ائمہ مجتہدین نے بھی شرعی احکام سے متعلق احادیث کے اجمال کو واضح فرمایا' اور اگر ان کی یہ کرم فرمائیاں نہ ہوتیں تو شاید شریعت آج اپنے اجمال ہی پر باقی رہتی۔ اور یہی حال تا قیام قیامت' ہر زمانے والے کا ہے بہ نسبت اس زمانے کے جو اس سے پہلے گزر چکا' کیوں کہ اہل علم کے کلام میں اجمال تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے' اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کتابوں کی شرحیں نہ کی جاتیں' اور نہ شروح و حواشی پر عمل ہی کیا جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''عقد الجید'' مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۳۶ پر فرماتے ہیں

إن الأمة اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة و تبع التابعين اعتمدوا على التابعين و هكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم و العقل يدل على حسن ذلك .إلى آخره .

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت کے سلسلہ میں لوگوں کو سلف صالحین پر اعتماد کرنا چاہیے' کیوں کہ تابعین نے صحابہ کرام پر اعتماد کیا تھا' اور تبع تابعین نے تابعین پر۔ یوں ہی ہر دور میں اہل علم گزشتہ دور کے علماء پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ اور عقل اس کی خوبی کو قبول بھی کرتی ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب کی گفتگو بھی اس کے قریب قریب ہے۔ پارہ سیقول کے شروع میں فرماتے ہیں

(۱) صحیح مسلم: ۱۹۸/۵حدیث: ۱۶۹۱' مسند احمد: ۱۸۰/۳۹حدیث: ۱۸۳۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰/۳۹حدیث: ۱۸۳۸۱' سنن بیہقی: ۱۷۵/۴' سنن نسائی: ۴۰/۲حدیث: ۲۳۳۵' معجم طبرانی: ۴۸۲/۲حدیث: ۲۳۲۴' شعب الایمان: ۴۴/۱۵حدیث: ۶۷۴۹' سنن دارمی: ۶۴/۲حدیث: ۵۲۳' صحیح ابن خزیمہ: ۹۷/۹حدیث: ۲۲۷۸' مسند الشامیین: ۳۴۳/۷حدیث: ۲۵۰۰' مشکل الآثار: ۸۳/۴حدیث: ۱۳۳۷' الفقیہ و المتفقہ خطیب بغدادی: ۲۸۲/۱' کنز العمال: ۷۸۰/۱۵حدیث: ۴۳۰۷۸' مجمع الزوائد: ۱۶۸/۱' مسند الجامع: ۸۴/۱۰حدیث: ۳۱۴۷

پیغمبر بر کمالِ شما گواہی دہد و شما بر کمال تابعین ہلم جرا الی یومنا ہذا پس صدر اول ایں امت مرتبہ متوسط دارند درمیان نبوت وامت محض کہ من وجہ کارِ پیغمبری می کنند و من وجہ کارِ امتان و ہکذا الی یوم القیامۃ فی کل طبقۃ متقدمۃ بالنسبۃ الی الطبقۃ المتأخرۃ۔ انتہیٰ۔

پیغمبر آپ کے کمالات پر گواہی دیں گے، اور آپ اپنے اخلاف پر گواہ ہوں گے۔ اور یہی سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔ تو اس امت کا صدرِ اول نبوت اور امت محض کے درمیان متوسط کا درجہ رکھتا ہے کہ ایک اعتبار سے تو پیغمبرانہ کار سرانجام دے رہے ہیں اور دوسرے اعتبار سے امتیوں کے کام۔ اور یہ سلسلہ ہر اگلے طبقہ کا پچھلے طبقہ میں تا قیامت یوں ہی جاری وساری رہے گا۔

اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کا ایک جامع کلام جو بظاہر تو مختصر مگر فی الواقع اس میں اہل اسلام کے اندر مروجہ یہ ساری تفصیلات داخل ہیں، اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں سے ہیں۔ پارۂ عم ''والقمر اذا اتسق'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ملخصاً ان کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتا ہوں

اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معروفان از ابنائے جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگان بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دراین نوع امداد و کوشش تمامی نمایند۔ انتہیٰ۔

پہلی حالت جس کا تعلق محض روح کا بدن سے جدا ہونا ہے تو پہلی زندگی کا اثر اور بدن سے الفت کا تعلق اور اس طرح دوسرے صفات اس سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی عالم برزخ کا دور ہے کہ ان ایام میں مردے کا خیال کچھ اس طرف اور کچھ اس طرف ہوتا ہے اور زندہ لوگوں کی امداد مردوں کو جلد پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرف سے مردے ان کی امداد کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس وقت کیے گئے صدقات، دعائیں اور فاتحے زیادہ کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے لوگ ایک سال خصوصاً چالیسویں تک خوب جوش وخروش کے ساتھ امداد کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

جس کا جی چاہے تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھ لے یہ مضمون کچھ مزید مضامین کے ساتھ اس میں پائے گا۔ اب اربابِ انصاف جنبہ داری کو برطرف کر کے خیال فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان ایام مروجہ کی امداد طعام وغیرہ کے لیے کیا صحیح علت شرعی پیدا کی ہے کہ مردے کا دل ان ایام میں کچھ اِدھر ہوتا ہے کچھ اُدھر، اور زندوں کی مدد ان دنوں میں جلد پہنچتی ہے۔ پھر اس علت صحیحہ پر یہ حکم مرتب کیا کہ اسی سبب سے ایسا ہے کہ لوگ اپنے مردوں کی ایک برس تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھیے کہ برس تک کی امداد میں اہل اسلام کی یہ تمام مروجہ رسمیں یعنی سویم، دہم، بستم، چہلم اور ششماہی وسالینہ سبھی داخل ہیں پھر شاہ صاحب نے اس اسلامی رواج کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی۔ یعنی اس امر مروجہ کو اپنے مدعا پر دلیل لائے تو شاہ صاحب کا اس رواج پذیر امر معین ومقرر کو بطورِ دلیل پیش کرنا اور کسی وجہ سے اس کی تردید نہ کرنا اس پر صریح دلیل ہے کہ یہ فعل جو بنی آدم کے درمیان عام طور پر رائج ہے حق اور صحیح ہے۔ اور طوائف بنی آدم (خصوصاً) ہندوستان میں

پرانے زمانے سے جو مروج چلا آتا ہے وہ یہ ہی دہم' بستم اور چہلم وغیرہ ہے (جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے) اس کا انکار کرنا دراصل بدیہیات کا انکار کرنا ہے۔

لمعہ سادسہ' اموات کے سلسلہ میں نصیحتیں

نصیحت: جب کسی کا کوئی قریبی عزیز مرجائے تو چاہیے کہ اس کی موت پر صبر کرے تاکہ اجر وثواب کا مستحق ہو۔ طبرانی اور ابن مَندہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ

ملک الموت نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے لواحقین رونے لگتے ہیں' میں دروازہ پر وہ روح لیے کھڑا ہوجاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو' قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا' وقت سے پہلے جلدی نہیں کی اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو تو ثواب پاؤ گے' اور برا مانو گے تو گنہ گار ہوگے' اور ہم کو تمہاری طرف پھر آنا ہے' تو ہوشیار رہو۔ الی آخرہ۔ (۱)

نصیحت: تدفین کے بعد کسی قدر میت کی قبر پر ٹھہرنا چاہیے' کچھ پڑھیں اور میت کے لیے دعا کریں۔ ''فتاویٰ عالم گیری'' میں ''جوہرہ نیرہ'' کے حوالے سے نقل ہے

و یستحب إذا دفن المیت أن یجلسوا ساعة عند القبر بعد الانفراغ بقدر ما ینحر جزور و یقسم لحمها یتلون القرآن و یدعون للمیت . (۲)

درمختار میں ہے

و یستحب جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراءة بقدر ما ینحر الجزور و یفرق لحمه . (۳)

دونوں عبارتوں کے معنی یہ ہیں کہ میت کو دفن کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنے میں اونٹ ذبح ہوکر اس کا گوشت تقسیم ہوجائے' قرآن پڑھنا چاہیے اور میت کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے۔

شامی نے ''ردالمحتار'' میں اس حکم کو مسلم رکھا' اور اس پر مزید دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔

ایک سنن ابوداؤد سے

---

(۱) إني لأقبض روح ابن آدم فإذا صرخ صرخ من أهله قمت في الدار و معي روحه فقلت : من هذا الصارخ ؟ و الله ما ظلمناه و لا سبقنا أجله و لا استعجلنا قدره و ما لنا في قبضه من ذنب ' و إن ترضوا بما صنع الله تؤجروا ' و إن تحزنوا و تسخطوا تأثموا و تؤزروا ' ما لكم عندنا من عتبي و لكن لنا عندكم بعد عودة و عودة ' فالحذر فالحذر.

الآحاد و المثانی ابن ابی عاصم: ۶/۲۷۷ حدیث: ۱۹۸۹' معرفۃ الصحابۃ: ۷/۲۶۲ حدیث: ۲۲۸۶' وصایا العلماء عند حضور الموت: ۱/۱۶۷ حدیث: ۱۰۰' کنز العمال: ۱۵/۷۰۵

(۲) فتاویٰ عالم گیری: ۴/۴۸۱' جوہرہ نیرہ: ۱/۲۰۲

(۳) درمختار: ۲/۲۵۷

كان النبي صلى الله عليه وسلم إذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْـمَيِّتِ وَقَفَ عَـلٰـى قَبْرِهٖ وَ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا لأخِيْكُمْ وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ . (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے' اس کی قبر پر ٹھہرتے' اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثبات قدمی کی دعا کرو کیوں کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

دوسری حدیث بروایت مسلم مشکوٰۃ میں موجود ہے

و عن عـمـرو بـن العاص قال لابْنِهٖ وَ هُوَ فِي سِيَـاقِ الْمَوْتِ إذَا أنَا مِتُّ فَلاَ تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَ لاَ نَـارٌ فَـإذَا دَفَـنْـتُـمُـوْنِـي فَشَنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أقِيْـمُـوْا حَـوْلَ قَبْـرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَ يُقْسَمُ لَـحْـمُـهَـا حَتّـٰى أسْتَـأنِـسَ بِكُمْ وَ أعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِرُسُلِ رَبِّي (رواه مسلم) . (۲)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی حالت نزع میں اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہونی چاہیے اور نہ ہی آگ۔ پھر جب مجھے دفن کرو' اور مجھ پر آہستہ سے مٹی ڈال لو تو میری قبر کے اردگرد اتنی دیر کھڑے رہو کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کردیا جائے' تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہولوں نیز یہ بھی جان لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

دیکھیے یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور مفتیان دین سے نہایت صحیح اور معتمد طور پر ثابت ہے۔ معلوم نہیں کیوں لوگوں نے اسے ترک کردیا۔ چاہیے کہ اہل اسلام اس کی تعمیل کریں' اگر کاروبار یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے تمام آدمی نہ ٹھہر سکیں تو میت کے دوست آشنا اور اقربا میں سے چند ہی آدمی ٹھہریں' قرآن پڑھیں اور میت کے لیے دعا واستغفار وغیرہ کریں۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ.

نصیحت: آدمی کو چاہیے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے
لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' شہیدوں کے درجے میں کوئی اور بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں جو کوئی ہر روز بیس مرتبہ اپنی موت کو یاد کیا کرے گا۔ (۳)

نصیحت: آدمی کو چاہیے کہ موت کے لیے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہو' اور جو کچھ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کاغذ میں لکھ دے اس لیے کہ کیا خبر کس وقت اس کی موت آجائے اور مرتے وقت زبان سے وصیت نکلے نہ نکلے' اس کاغذ کو دیکھ کر وارثان میت تعمیل کردیں گے۔

نصیحت: جب کوئی آدمی مرجائے اور اس کا کوئی قریبی عزیز اپنے خاص مال سے اس کے لیے فاتحہ کرے تو اس میں کسی

(۱) ردالمحتار:۶/۳۷۶' سنن ابوداؤد:۹/۲۴ حدیث:۲۸۰۴' مستدرک:۳/۳۹۹ حدیث:۱۳۲۰' معرفۃ السنن والآثار:۶/۲۹۱ حدیث:۲۳۳۲' سنن بیہقی:۴/۵۶۔

(۲) ردالمحتار:۶/۳۷۶' مشکوٰۃ المصابیح:۱/۳۸۶ حدیث:۱۷۱۶' صحیح مسلم:۱/۳۰۴ حدیث:۱۷۳' سنن بیہقی:۴/۵۶' معرفۃ السنن والآثار:۶/۲۹۲ حدیث:۲۳۴۳' الایمان لابن مندہ:۱/۳۲۹ حدیث:۲۷۳' وصایا العلماء عند حضور الموت:۱/۸۱ حدیث:۵۴' مسند الجامع:۳۲/۴۹۹

(۳) متن حدیث: قـالـت عـائشة هـل يحشر مع الشهداء أحد؟ قال نعم من ذكر الموت اليوم و الليلة عشرين مرة . (احیاء علوم الدین:۳/۳۸۳' تخریج احادیث الاحیاء:۹/۳۱۱ حدیث:۴۳۱۱)

فقیہ ومحدث کو کلام نہیں ۔لیکن خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لیے کہ ترکہ مورث کے مرنے کے بعد وارثوں کی ملک ہو جاتا ہے تو اگر وارث بالغ ہیں اور سب موجود ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا' اور اگر ان میں سے کوئی غائب تھا مگر اجازت دے دی تھی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے، جس قدر چاہیں میت کے لیے صرف کریں۔ اور اگر سب نابالغ ہیں تو پورا ترکہ میت ان کی ملک ہو گیا' اب میت کے ایصال ثواب کے لیے اس کا صرف کرنا جائز نہیں' نہ کپڑا' نہ کھانا' نہ روپیہ' نہ پیسہ' صرف تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس۔ اور اگر بعض وارث نابالغ ہیں تب بھی چوں کہ نابالغوں کا حصہ کل اشیاۓ ترکہ میں مشترک ہے اس لیے ایصال ثواب کی غرض سے اس کا صرف بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ عالم گیری کی (جلد خامس) میں ہے

و إن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا إذا كانت الورثة بالغين فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلک من الترکة . (كذا في التتارخانية) .(۱)

اگر بالغ ورثہ کے مال سے فقرا و مساکین کے لیے کھانا تیار کیا گیا تو بہت اچھا' لیکن اگر وارثین نابالغ ہوں تو ان کا ترکہ استعمال میں نہیں لایا جا سکتا (تاتارخانیہ میں ایسا ہی ہے)۔

یہ حکم' کچھ فاتحہ کے کھانے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا کھانا یا نقد' نہ تو مسجد میں دی جائے' نہ کسی مدرسہ میں' نہ کسی فقیر کو اور نہ کسی عالم کو۔ ہاں' اگر شرعی طور پر ترکہ کی تقسیم ہو جائے' اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دے کر بالغ وارثین اپنے حصہ سے خرچ کر دیں یا عورت اپنے مہر کے دعویٰ میں وارث ہو کر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کر دے تو یہ جائز ہے' خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلائیں۔ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اسے ضرور یاد رکھنا چاہیے۔

نصیحت: جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلائے تو نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لیے نہ کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے

مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ . (۲)

جو کوئی لوگوں کو اپنی سخاوت اور داد و دہش کی تعریف سنوائے یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔

تو اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچنا تو کیا ممکن' وہ عتاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ تو وہی مثل ہو جائے گی کہ ''محنت برباد گناہ لازم''۔ اور کھانے والوں کو بھی چاہیے کہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں فخریہ کھانا تو نہیں بنوا رہا ہے کہ فلاں شخص نے کیا کھانا بنوایا' میں اس سے بڑھ کر بنواتا ہوں تو ایسی دعوت ہی نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی و ماتم کا ہو یا شادی و خوشی کا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۳۴۱/۴

(۲) صحیح بخاری: ۱۵۳/۲۰ حدیث: ۶۰۱۸-۶۵/۲۲ حدیث: ۶۶۱۹' صحیح مسلم: ۲۵۵/۱۴ حدیث: ۵۳۰۱' مسند احمد: ۴۱۶/۴۱ حدیث: ۱۹۵۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۱۶/۱۴ حدیث: ۱۹۵۵۷' سنن نسائی: ۵۲۲/۶ حدیث: ۱۱۷۰۰' معجم طبرانی: ۲۳۴/۲ حدیث: ۱۶۷۸' شعب الایمان: ۲۴۱/۱۲ حدیث: ۵۵۱۳' مسند ابو یعلی موصلی: ۵۶/۴ حدیث: ۱۴۹۱' مجمع الزوائد: ۴۱۱/۳' کنز العمال: ۴۷/۳ حدیث: ۷۴۸۱' مسند الجامع: ۱۹/۱۱ حدیث: ۳۲۰۸' تخریج احادیث الاحیاء: ۴۵۹/۷ حدیث: ۳۳۸۴

جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کے لیے کھانا زیادہ بنوائے تو ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ اس کو کھانا ہی کھلایا جائے۔ (مشکوٰۃ میں ایسا ہی ہے)۔

نصیحت: یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ قرض دار آدمی کا صدقات کرنا (خواہ اپنے لیے کرے یا میت کے لیے) شرع میں مستحسن نہیں۔

صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں فرماتے ہیں

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنيً . (۱)

اچھا صدقہ وہ ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے۔

پھر دو سطر کے بعد لکھتے ہیں

و لا صدقة كاملة عن ظهر غني و هو رد عليه أى الشيء المتصدق به غير مقبول لأن قضاء الدين واجب .

صدقہ کاملہ وہی صدقہ ہوتا ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے اور جو ایسا نہ کرے تو وہ صدقہ رد ہے یعنی وہ صدقہ قبول نہ کیا جائے گا کیوں کہ قرض کا ادا کرنا اس پر واجب تھا' اس نے واجب کو چھوڑ کر صدقہ نافلہ کیوں کیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں بالخصوص جب کہ سودی قرض دے کر بہم پہنچائے یہ تو نہایت ہی برا کام ہے' ایسا آدمی محض الحمد شریف اور سورتیں پڑھ کر بخش دیا کرے۔

نصیحت: اگر وارثانِ میت' مذکورہ شرطوں کے ساتھ کھانا کھلائیں تو بہتر یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں ہمسایوں اور اہل محلّہ کو مقدم رکھیں۔ فقہا (باب الزکوٰۃ) میں لکھتے ہیں

لا تقبل صدقة الرجل و قرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم .(۲)

ایسے شخص کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا کہ جس کے اہل رشتہ محتاج ہوں (اور یہ دوسروں کو دیتا پھرے) یہاں تک کہ ان سے شروع کرے اور پہلے ان کی ضرورتیں پوری کرے۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ مشہور مثل ''اول خویش بعدہٗ درویش'' اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفا میں جو رواج ہے کہ میت کا کھانا فاتحہ' چہلم اور بستم وغیرہ برادری کے آدمی بھی کھاتے ہیں تو وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار' ہمسایہ اور اہل محلّہ دوسرے لوگوں پر مقدم ہیں اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفا میں فراغت اور وسعت کم ہے' اکثر لوگ غریب ہوتے ہیں' ایسے آدمی کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہو یا اپنے مکان اور اہل وعیال کے نفقہ سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت زائدہ فاضل رہے ایسے آدمی کم ہیں' بہت تو ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے اور شریعت میں ایسے لوگ فقرا میں داخل ہیں۔ اسی بنیاد پر بزرگوں نے ان کو کھلانا اور سائلوں اور کوچہ گردوں کی بہ نسبت مقدم سمجھا کہ حق ہم سائیگی ومحلّہ داری اور قرابت

(۱) اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی ملتی ہے: لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنيً۔ (تحفۃ الفقہاء: ۱/۳۴۴' مبسوط: ۳/۱۹۵' بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۳/۳۹۰' تبیین الحقائق: ۴/۷' العنایہ شرح الہدایہ: ۳/۲۲۶' الجوہرۃ النیرۃ: ۳/۲' فتح القدیر: ۳/۴۷۶)

(۲) درمختار: ۲/۳۸۷' دررالحکام شرح غررالاحکام: ۲/۴۱۵' البحر الرائق: ۶/۱۲۴' مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۲/۲۷۰' ردالمحتار: ۷/۲۵۷

بھی ادا ہو جائے اور چیز اپنی جگہ پر بھی صرف ہو جائے۔ پھر اگر برادری کے سو غریب آدمیوں میں کوئی آسودہ صاحب زکوٰۃ بھی شامل کر لیا تو اس میں چوں کہ یہ حکمت ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں یہ نہ پیدا ہو کہ ہم کو حقیر و کنگال سمجھا' تو ایک یا دو با آبرو آدمی کے شامل ہونے سے ان کی دلی ندامت بھی دفع ہو جاتی ہے' علاوہ ازیں اغنیا کا کھانا بھی ثواب سے خالی نہیں' گرچہ اس میں فقرا کے کھانے سے کم ثواب ہے' لہٰذا اگر یہی نیت اس زمانہ میں بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور اگر اہل محلہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلائیں کہ آج میں ان کو کھلا دوں اور کل یہ مجھ کو کھلا دیں گے تو اس صورت میں کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں؟۔ فليكن آخر ما أردنا إيراده في هذا الباب و الله هو الهادي للصدق و الصواب .

نور سوم میں نو لمعے ہیں

لمعہ اولیٰ، محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ . (۱) اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے۔

اس آیت کریمہ میں انعام حقیقی فرمانے والا اپنی نعمتوں کے ذکر اور یاد کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اپنے اوپر ہوئی اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو اور انھیں یاد کرو۔

اس میں شک نہیں کہ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور تشریف لانا اللہ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ . (۲)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

ہر آئینہ نعمت فراواں داد خدا بر مومناں آنگاہ کہ فرستاد در میان ایشاں پیغامبرے از قوم ایشاں می خوانند بر ایشاں آیات خدا و پاک میساز د ایشاں را و می آموز د ایشاں را کتاب و علم۔ انتہیٰ۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔ الیٰ آخرہ۔

تو ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نعمت ہے کہ جس کا احسان حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے' اور آپ کے اسمائے مبارکہ

(۱) سورۂ بقرہ: ۲/۲۳۱' سورۂ آل عمران: ۳/۱۰۳' سورۂ مائدہ: ۵/۷ (۲) سورۂ آل عمران: ۳/۱۶۴

میں (جو ایک ہزار تک محدثین نے شمار کیے ہیں) آپ کا ایک نام نامی "نعمة الله"، صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے (جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے)۔

سیدنا محمد سلیمان جزولی نے بھی "دلائل الخیرات" میں آپ کا یہ نام مبارک لکھا ہے۔(۱)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے آیت کریمہ: وَ إِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لا تُحْصُوهَا. کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ 'نعمة' محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیوں کہ وہ تو نعمت عظمیٰ ہیں۔ یعنی اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کے سبب جو منافع و فوائد حاصل ہوئے شمار سے باہر ہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ آپ ہی کے وجود باجود کا طفیل ہے، پھر کہاں تک اس کا شمار کیا جائے۔

زجاج اور سدی آیت کریمہ: يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نعمت اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی ظاہر و باہر معجزات دیکھ کر کفار آپ کو نبی جانتے تھے مگر پھر عناداً انکار کرتے تھے۔

سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری وغیرہ نے آیت کریمہ: الَّذِيْنَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا کی تفسیر یوں روایت کی ہے

قال هم و الله كفار قريش و محمد نعمة الله تعالىٰ . (۲)　وہ اللہ کی قسم نعمت کو ناشکری سے بدلنے والے لوگ کفارِ قریش ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شرح مواہب زرقانی کے صفحہ ۲۲۱ میں یہ تینوں تفسیریں مرقوم ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمت الٰہی ہونا مفسرین و محدثین کے کلام سے ثابت ہو گیا تو آپ کی یاد منانا اور تذکرہ کرنا آیت کریمہ: وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ کے منطوق میں عمومیت الفاظ کے ساتھ اچھی طرح داخل ہو گیا۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا

وَ اشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ . (۳)　اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسے پوجتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ اپنے بندوں کو نعمتوں کی شکر گزاری کا حکم دیتا ہے۔ اور اوپر ثابت ہو چکا کہ نعمتوں میں بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکریہ بجالانا، خوشی منانا اور اس کا ذکر جمیل کرنا حکم خداوندی کے پیش نظر اہل ایمان کے لیے ضروری ٹھہرا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

التَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ شُكْرٌ وَ تَرْكُهُ كُفْرٌ . (۴)　اللہ کی نعمت کا چرچا کرنا شکر ہے اور نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

---

(۱) دلائل الخیرات وشوارق الانوار: ۲۱۔ دار الفقیہ، دبئی　(۲) صحیح بخاری: ۱۲/۳۷۳ حدیث: ۳۶۸۰　(۳) سورۂ نحل: ۱۶/۱۱۴

(۴) مسند احمد: ۳۷/۴۰۲ حدیث: ۱۷۷۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷/۴۰۲ حدیث: ۱۷۷۲۱، شعب الایمان: ۱۹/۱۲۰ حدیث: ۸۸۲۳، مجمع الزوائد: ۲/۳۶۳، المقاصد الحسنہ: ۱/۹۶، کنز العمال: ۳/۲۵۵ حدیث: ۶۴۱۸، مسند الجامع: ۳۶/۳۰۵ حدیث: ۱۱۸۹۱، مسند بزار: ۸/۱۸۰ حدیث: ۲۷۹۱، فضیلة الشکر للہ علی نعمتہ: ۱/۸، شکر اللہ علی نعمہ خرائطی: ۱/۸۷ حدیث: ۸۲

یہ حدیث شیخ محی السنہ نے معالم میں آیت کریمہ: وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے تحت اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نعمت کا بیان کرنا' اللہ رب العزت کے انعام کی شکر گزاری' اور اس کا چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ٹھہرا۔
حق سبحانہ نے فرمایا

وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ . (۱) اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔

امام رازی نے لکھا کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو ان دنوں میں واقع ہوئے' پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سا واقعہ ہے' جس میں ایوانِ کسریٰ کا شق ہونا' بتوں کا سر کے بل گر جانا' آتش کدۂ فارس کا بجھ جانا' رود خانہ سماوہ کا جاری ہونا' آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ لہٰذا یوم میلاد کی یاد دلانا اہل ایمان کے نزدیک تمام ایام کے یاد دلانے سے بڑھ کر ہے۔
تفسیر روح البیان میں بعض مفسرین سے یہ تفسیر بھی نقل کی گئی ہے

ذكرهم بأيام الله أى ذكرهم نعمائي ليؤمنوا بي . (۲) انھیں میری نعمت یاد دلا تا کہ وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعمت ہیں اور آپ کا تذکرہ' ایمان کی رونق بڑھانے کا ذریعہ ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ . (۳) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

تم کو نبی بنایا' زمین و آسمان میں مشہور کیا' دنیا کے کونے کونے میں تمہارا ذکر پھیلا دیا اور تمہارے ذکر کو دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا۔
امام رازی یہ سب مطلب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں

كأنه تعالىٰ يقول : أملاء العالم من أتباعك كلهم يثنون عليك و يصلون عليك . (۴)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے بلندیِ ذکر کی بات کی تو اس کا معنی یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ ہم دنیا کو تمہارے چاہنے والوں سے بھر دیں گے وہ سب تمہاری تعریفیں کریں گے اور تم پر درود وسلام کے گجرے نچھاور کریں گے۔ انتہیٰ۔

غور کرنا چاہیے کہ یہ معنی محفل میلاد شریف پر بخوبی صادق آتے ہیں۔ بے شک یہ نورانی محفل آیت کریمہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں داخل ہے اس لیے کہ اس محفل میں درود شریف کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ کسی اور مجالس وعظ و تدریس میں ایسی نہیں ہوتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور و ظہور اور معجزات و کرامات کا بیان ہوتا ہے جو قبل ولادت و رضاع اور قبل و بعد نبوت ظاہر ہوئے' اور آپ کے حلیہ شریف کا بھی بیان ہوتا ہے۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا اور صفت ہی تو ہے۔ لہٰذا تفسیر مذکور يثنون عليك ويصلون عليك کا مفہوم اس پر خوب صادق آیا۔

(۱) سورۂ ابراہیم: ۱۴/۵
(۲) روح البیان: ۴/۳۹۸ لبنان
(۳) سورۂ انشراح: ۹۴/۴
(۴) تفسیر رازی: ۱۷/۹۱

اور منبر یا چوکی جیسی کسی پاکیزہ اور بلند مقام پر بیٹھ کر بآواز بلند پڑھنے سے وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی ایک اور ہی شانِ رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو کچھ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ روایتیں ہوتی ہیں کہ جنھیں صحابہ نے تابعین کی مجالس میں اور تابعین نے تبع تابعین کی مجلسوں میں بیان فرمایا ہے اسی طرح طبقہ بہ طبقہ یہ ذکر جمیل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا تو اول طبقہ ہی میں صحابہ اس سے اپنی زبان بند کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے اور نہ ہم مجالس و محافل میں ان مدائح و مناقب کو آیت کریمہ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے مطابق آفاق میں پھیلاتے اور تشہیر کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے، عہد صحابہ میں تقاضا کر کے وصف خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم دل سے سنا جاتا تھا۔ ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہند بن ابو ہالہ تمیمی سے سوال کیا

وَ كَانَ وَصَّافاً عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم وَ أَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئاً أَتَعَلَّقُ بِهِ . (۱)

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف نہایت عمدگی سے بیان کیا کرتے تھے۔ تو میں چاہتا تھا کہ وہ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف سنا دیں کہ میری دلچسپی کا کچھ سامان ہو جائے۔

اب دیکھیے یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وصال اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سات برس کے تھے، اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت بھولا نہیں کرتا حالاں کہ یہ صاحب زادہ رضی اللہ عنہ تو کمال ذہین و متین اور قوی الحفظ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حفظ کر کے روایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمہ حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے۔ اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جان کی صورت (جو ہر دم گود میں رکھتے تھے، کندھے پر چڑھا لیتے تھے) نہیں بھولے تھے بلکہ کیف حاصل کرنے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ، سرور قلب کا سبب ہو اور سن کر دل میں خوب اچھی طرح منضبط کریں۔ اس لیے ہند بن ہالہ سے سوال کیا کہ مجھ کو شکل مبارک کے کچھ وصف سناؤ۔ تو ہند ابن ہالہ نے وہ طویل حدیث بیان کیا جو شمائل میں مذکور ہے۔

اور ہند بن ہالہ کی نسبت یہ لفظ آیا: **كان وصافا عن حلية رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم**۔ لفظ وصّاف مبالغہ کا صیغہ ہے، اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ حلیہ شریف کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے۔

اسی طرح دارمی وغیرہ محدثین ابو عبیدہ سے (جو کہ تابعی اور مقبول بین المحدثین ہیں) روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے مسمّاۃ رُبیّع صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف سنا تو بولیں

(۱) شمائل محمدیہ ترمذی: ۱/۹ حدیث: ۷/ ۱/۴/۳۷ حدیث: ۳۲۸، معجم کبیر طبرانی: ۲۶/۱۶ حدیث: ۱۷۸۶۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/ ۲۶۸ حدیث: ۲۳۶، معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۱۵۶/۱۹ حدیث: ۵۹۵۶، الاحادیث الطوال طبرانی: ۱/ ۵۱ حدیث: ۳۰، الشریعہ آجری: ۱۲۶/۳ حدیث: ۱۰۰۸، دلائل النبوۃ اصبہانی: ۲/ ۱۹۴ حدیث: ۵۴۷، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲۲/۴، مسند جامع: ۲۶۶/۳۱ حدیث: ۱۰۳۱۱

لَو رَأَیْتَهُ لَقُلْتَ : اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ . (۱) انھیں دیکھو تو ایسا لگتا کہ بس اب سورج نکلا چاہتا ہے۔

اسی طرح بیہقی نے روایت کی کہ جلیل القدر تابعی ابو اسحٰق نے ایک صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ سے بیان کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تھے تو وہ بولیں

كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلى الله عليه وسلم (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے' جیسے کوئی چودھویں کا چاند کہ ان سا کوئی نہ تو میں نے پہلے دیکھا اور نہ ان کے بعد۔

غرض کہ اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں اکثر آپ کے اوصاف کے تذکرے رہا کرتے تھے۔ عہد صحابہ اور اس زمانے میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ اُس وقت روایتیں مختصر طور پر بیان ہوتی تھیں اور اب تفصیل وتطویل سے ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ علم حدیث کا حال ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں کہ صدر اول میں حدیث لکھنے کا کوئی دستور نہ تھا یعنی صحابہ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی لیکن ان کے بعد حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد کتابت کا بہت ہی اہتمام ہوا' پھر دوسری صدی کے بعد پورے طور پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں۔

غرض کہ اب یہ جو احادیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں کا باب الگ' نماز کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ کر دیں اور زکوٰۃ کی ایک جگہ' پہلے یہ بات نہ تھی۔

بس اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کی بابت جو روایتیں اور میلاد و رضاع وغیرہ کے متعلق جو واقعات صحابہ میں منتشر ومتفرق تھے ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کو یکجا جمع کر دیا جائے تب انھوں نے جمع کیے تو وہ رسالے بن گئے اس طرح سیکڑوں رسائل میلاد شریف پر تصنیف ہو گئے۔ انھیں میں حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا مولد شریف "مورد الصاوي في مولد الهادي"، محمد بن عثمان لولوی دمشقی کا "الدر المنظم في مولد النبي الأعظم"، امام القرا والمحدثین ابن جوزی کا "عرف التعريف في مولد الشريف"، مجد الدین (صاحب قاموس) کا "نفحات العنبرية في مولد خير البرية" بھی اس میں شامل ہے۔ (اس سلسلہ خیر کی) جملہ کتابوں کا نام لکھنا طول کا باعث ہے۔

غرض کہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین نے اس قسم کی روایات کو پاکیزہ الفاظ اور نفیس ترکیب میں نظماً اور نثراً جمع کرنا اور اس خیر میں شریک ہونا اپنے لیے مایۂ سعادت سمجھا اور ان کے وہ رسائل (ذوق وشوق سے) محفلوں میں پڑھے جانے لگے۔ پھر فارسی دانوں نے فارسی زبان میں (اس کا ترجمہ کیا)' بلاد رومیہ میں ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر وہ پڑھے جانے لگے۔

---

(۱) ان سے دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہی مذکورہ جسے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں جلد اول صفحہ ۱۳۴ حدیث: ۱۱۶ کے تحت درج فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی دوسرے راوی سے مندرجہ ذیل حدیث بھی ذکر کیا ہے

دوسری روایت یوں ہے: لَو رَأَیْتَهُ لَرَأَیْتَهُ الشَّمْسَ طَالِعَةً . (معجم کبیر طبرانی: ۱۸/۱۲ حدیث: ۲۰۱۵۹' معجم اوسط طبرانی: ۱۰/۱۶۷ حدیث: ۴۶۱۳' شعب الایمان: ۳/۵۷ حدیث: ۱۴۰۳' سنن دارمی: ۱/۷۱ حدیث: ۶۱' معرفۃ الصحابۃ: ۲۳/۱۵۱ حدیث: ۶۹۹۹' فتح الباری: ۱۰/۳۶۰ (باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۱۳۳ حدیث: ۱۱۵' اخبار مکہ فاکہی: ۱/۴۸۳ حدیث: ۴۴۱

یہ ذکر پاک چوں کہ خوشی ومسرت کا باعث تھا اس لیے اس میں کچھ سامانِ سرور مثلاً مجلس کی تزئین، بخور وعطریات کا استعمال، کھانا کھلانا، شیرینی بانٹنا اور دوست بھائیوں کا اس میں اکٹھا ہونا بھی داخل ہوگیا، ان امور کے شامل ہونے کو علماء نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے "حسن المقصد" اور ملا علی قاری نے "مورد الروی" میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے

و أما ما يتبعه من السماع و اللهو و غيرهما فينبغي أن يقال ما كان من ذلك مباحا بحيث يعين السرور بذلك اليوم فلا بأس بالحاقه و ما كان حراما أو مكروها فيمنع .

محفل میلاد کے اندر لہو وسماع وغیرہ جو مباح کام ہوتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کی وجہ سے خوشیاں دوبالا ہوجایا کرتی ہیں۔ ہاں، اگر اس میں کوئی حرام ومکروہ کام ہو تو اسے بہر حال منع کیا جائے گا۔

اس عمل کو ماہِ ربیع الاول کے ساتھ خاص کیا گیا۔ ہر چند وہ تو نہایت ہی قدیم یعنی وقت صحابہ سے چلا آرہا تھا لیکن یہ سامان فرحت وسرور کرنا اور اس کو بھی ربیع الاول کے مہینہ کے ساتھ مخصوص کرنا اور اس میں بھی میلاد شریف کے لیے خاص وہی بارہواں دن معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔

سب سے پہلے تخصیص وتعیین کے ساتھ ربیع الاول کا یہ عمل، عراق کے ایک شہر "موصل" میں ہوا، جسے صلحائے روزگار میں سے ایک متقی ودین دار شیخ عمر نے شروع کیا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ مولود شریف سات سو برس سے نکلا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض خصوصیات کی وجہ سے اتنے دنوں سے ہے ورنہ میلاد شریف کا اصل تذکرہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آرہا ہے۔ بادشاہوں میں سب سے پہلے ابوسعید مظفر بادشاہ نے ربیع الاول میں تخصیص وتعیین کے ساتھ میلاد شریف کیا۔ غرض کہ اس بادشاہ نے اس کام میں شیخ عمر کی پیروی کی۔ وہ ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں 'ابوالخطاب بن دحیہ' نامی ایک عالم گزرے ہیں (جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد سے تھے) جن کی بابت شرح علامہ زرقانی اور تاریخ کی دیگر عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ علم حدیث کے بڑے ماہر اور پختہ کار تھے، علم نحو، لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھے، کئی ملکوں میں جا کر انھوں نے علم حاصل کیا تھا۔ ملک اندلس، مراکش، افریقہ، مصر، شام، عراق، دیار شرقیہ وغربیہ اور ماژندان وخراسان وغیرہ کے اکثر شہروں میں علم حدیث حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے انجام کار ۶۰۴ھ (1207ء) میں شہر اربل آئے۔ جہاں سلطان ابوسعید مظفر کے لیے میلاد شریف (کے موضوع پر) "التنوير في مولد البشير النذير" نامی ایک کتاب لکھی، خاص سلطان کے سامنے اسے پڑھا، اور ایک ہزار اشرفی انعام پائی۔

منکرین حضرات مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کی وجہ سے اس عالم ومحدث کو اپنا دشمن جانتے ہیں، اور ان کی برائی کرتے ہیں ؛ حالانکہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے۔ اور اسی طرح وہ سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں۔ اس کے پلٹنوں میں طبل غازی بجتا تھا جس سے منکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا، حالاں کہ وہ تیاریِ جہاد کے آلات میں داخل تھا، اس قسم کے طبل وغیرہ دوسری چیز ہیں اور کھیل کود کے مزامیر دوسری چیز۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحتیں سن کر شدت سرور میں اسے وجد آجاتا تھا جس کو ان بھلے مانسوں نے محفل میں ناچنے سے تعبیر کیا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے، یہ اس کا خاکہ اڑایا کہ یہ اشعار نعت پڑھے جاتے تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں۔ تو کہاں یہ

خیال اور کہاں وہ پٹا اور خیال جس کی تعریف میں تواریخ عرب میں طومار کے طومار بھرے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ طول کا موقع نہیں اس لیے شارح مواہب، علامہ زُرقانی کی ایک مختصر عبارت لکھتا ہوں جسے انھوں نے تاریخ ابن کثیر سے نقل فرمایا ہے

كان شهما شجاعا بطلا عاقلا عادلا محمود السيرة . (۱)

جو تندرست، بہادر، دلیر، دانش مند، انصاف ور اور اچھی سیرت و خصلت کا مالک تھا۔

الحاصل، اس بادشاہ کے دور میں محفل میلاد دھوم سے ہونے لگی اور بڑے بڑے علماء ومشائخ اور صوفیہ اس میں شامل ہونے لگے۔ سبط ابن الجوزی نے (مرآۃ الزمان میں) لکھا ہے

و كان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء و الصوفية . (۲)

میلاد شریف کی محفل میں وقت کے اجلہ علماء اور صوفیہ شرکت فرماتے تھے۔

جلال الدین سیوطی نے ''فتاویٰ حسن المقصد'' میں لکھا ہے

أحدثه ملك عادل عالم و قصد به التقرب إلى الله عزوجل و حضر عنده فيه العلماء و الصلحاء من غير نكير منهم . (۳)

میلاد شریف کے عمل کو ایک عالم منصف بادشاہ نے تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیا جس میں بلا اختلاف علماء اور صالحین حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل پر بلا انکار جملہ علماء وصلحا کا اجماع ہو گیا۔ لیکن اس اجماع کے 50 برس بعد تاج الدین فا کہانی مغربی پیدا ہوا۔ اس کی ولادت ۶۵۴ھ (1257ء) میں ہوئی، اور ابوسعید مظفر نے محفل میلاد کا آغاز ۶۰۴ھ (1207ء) میں کیا اور ۶۳۶ھ (1239ء) میں اس بادشاہ کا انتقال ہوا۔ غرض کہ اس اجماع اور شاہ مظفر کی وفات کے بعد اس عالم یعنی فا کہانی نے جمہور مخالف ہو کر میلاد شریف کے عدم جواز پر فتویٰ لکھ دیا جس کا فقہا ومحدثین نے رد کیا۔ میلاد شریف قدیم دستور کے مطابق قائم ودائم رہا اور شرق وغرب، شمال وجنوب تمام اسلامی شہروں میں رائج ہو گیا۔ چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی وقسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں۔

ثم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار و المدن الكبار يحتفلون في شهر مولده صلى الله عليه وسلم و يعتنون بقراءة مولده الكريم و يظهر عليهم من بركاته كل فضل عميم . (۴)

پھر تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں اہل اسلام ماہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں برابر محفلیں جماتے رہے، اور سرکار کے میلاد مبارک پڑھنے کا اہتمام کرتے رہے جس کی برکت سے ان پر افضال وبرکات کی بارشیں ہوتی رہیں۔

ملا علی قاری نے تمام ملکوں میں میلاد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کا رسالہ ''مورد الروی'' اٹھا کر دیکھ لے وہ لکھتے ہیں کہ مولود شریف کی محفلیں، حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا وتعظیما ملک مصر، ملک اندلس، ممالک مغربی، ملک روم، ممالک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام واحتشام سے ہوتی ہیں۔ مزید یہ بھی لکھا۔

و من تعظيم مشائخهم و علمائهم هذا المولد المعظم و المجلس المكرم انه لا يأباه أحد في حضوره رجاء إدراك نوره.

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۶۲/۱
(۲) حوالہ سابقہ: ۳۶۲/۱
(۳) نفس مصدر: ۳۷۰/۱
(۴) سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۶۲/۱، سیرت حلبیہ: ۱۲۲/۱

یہاں لفظ ھم کی ضمیر غائب مذکورہ تمام دیار وامصار کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے معنی یہ ہوئے

اس محفل ومجلس مبارک کی تعظیم ان جملہ ملکوں کے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس محفل کے انوار وفیوض سے متمتع ہونے کے لیے اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

تو اس عمل پاک کی کثرت اور اس کی شہرت ومقبولیت ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے روشن ہوگئی، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء ومشائخ میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تھا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک یا دو آدمی ادھر اُدھر انکار کرتے رہے تو وہ ہزاروں لاکھوں بلکہ سواد اعظم کا مخالف سمجھ کر ہر دور اور ہر عہد میں غیر مقبول اور متروک العمل رہے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام جو سیرت حلبی میں منقول ہے

ثم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار والمدن الكبار يعملون المولد.(۱)

اہل اسلام تمام بڑے شہروں اور اطراف وجوانب میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ سے اہتمام فرماتے چلے آرہے ہیں۔

یوں ہی ''مواہب اللدنیہ'' مولفہ شیخ شہاب الدین قسطلانی میں ابن الجزری کا یہ کلام منقول ہے

و لا زال أهل الإسلام يتحفلون بشهر مولده عليه الصلوٰة و السلام.

مسلمان، ماہِ ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں ہمیشہ سے سجاتے چلے آرہے ہیں.

ان عبارتوں میں لازال أهل الإسلام جمہور اہل اسلام کے اجماع اور مخلوق میں اس عمل مقبول کے دوام کا فائدہ دے رہا ہے۔ چنانچہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں زمانۂ قدیم سے آج تک اور ملک روم وشام، اندلس اور مغربی ممالک وغیرہ جملہ بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک میلاد شریف کے اسی احباب واستحسان پر عمل ہے، بجز خطہ پاک ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہوگئے۔ مگر زمانۂ قدیم میں ہندوستان کے اندر بھی علمائے ہند کی مقبول ومعتمد شخصیات مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار میلاد شریف کے استحباب کے قائل تھے۔ نیز بادشاہانِ دہلی ہمایوں وغیرہ کے بعض قصص وحکایات اور حافظ ابوالخیر سخاوی کے کلام سے ہندوستان میں اس عمل پاک کا رائج ہونا بھی یقینی طور پر معلوم ہے۔ انتہا یہ کہ اس وقت جو انگریز حکام وفرماں روا ہیں کہ جنھیں تعظیم وآداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ نہیں انھوں نے بھی اپنے محکمہ وکچہری میں اہل اسلام کے لیے جابجا چھٹیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ مثلاً عید، بقرعید، شب براءت اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منانے کے لیے ایک ایک دن کی تعطیل۔

افسوس صد افسوس کہ انگریز حکام تو اپنے کاروبار میں حرج منظور کرلیں، اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری، اس روز حضور کی سرور وتعظیم کی بجا آوری کے لیے موقوف کردیں اور اس کے مقابل میں یہ لوگ زبان سے فرمائیں کہ یہ فعل بدعت وضلالت ہے! معاذ اللہ اس دین داری اور خوش عقیدتی پر افسوس ہے۔ خیر! انکار کرنے والے انکار کریں کہ ان کو یہی توفیق ملی ہے کہ وہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک سے کنارہ کرتے رہیں مگر ہم اس وقت تک کا کامل ثبوت فراہم کرچکے کہ مشرق سے مغرب تک تمام ممالک اسلامیہ میں اس عمل پاک کو اہل اسلام محمود اور مستحسن جانتے ہیں تو اب ہم کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کافی ہے

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۲، سیرت حلبیہ: ۱/۱۳۲

کہ آپ فرماتے ہیں

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ . (۱)

جس چیز کو اہل اسلام اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں مرفوعاً روایت کی ہے

سَأَلْتُ اللّٰهَ عزوجل اَنْ لَّا يَجْمَعَ اُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ فَاَعْطَانِيهَا . (۲)

میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میری امت کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے میرا سوال پورا فرمادیا۔

ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْتَمِعُ هٰذِهِ الأُمَّةَ عَلٰى ضَلَالَةٍ أَبَدًا . (۳)

اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔

امام سیوطی کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ ۶۰۴ھ (1207ء) سے اس عمل کے استحسان پر علماء اور صلحائے امت کا بلانکیر اجماع ہے تو علمائے امت کا یہ اجماع حدیث کی رو سے اس بات پر دلیل شافی ہے کہ یہ عمل ضلالت نہیں ہے۔ اور فاکہانی مغربی نے جو مدت دراز کے بعد پیدا ہو کر مخالفت کی تو یہ خود اس کی خطا ہے۔ آیت کریمہ: وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ (نساء:۱۱۵) سے اندیشہ کرنا ضروری تھا تو فاکہانی کی مخالفت علمائے سلف کے اتفاق کے خلاف ٹھہری۔ اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ والعمل علی الخلاف خرق الإجماع یعنی اتفاق امت کے خلاف عمل کرنا اجماع کو توڑ دیتا ہے اور یہ بڑی خطا ہے۔

فاکہانی کے بعد انکار میں بعض لوگ جو اس کے تابع ہوئے تو وہ دراصل خلاف کی پیروی ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔ اس کو اختلاف نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی اس کو اختلاف ہی قرار دے اور کسی گروہ کے پانچ دس مولوی ایک جگہ باندھ کر اور اس عمل پاک کا انکار کر کے اختلاف کی صورت ظاہر کریں تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے اس کا صاف صفایا ہو جاتا ہے۔

ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہ محدثین حضرت انس سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ . (۴)

جب علمائے امت میں اختلاف دیکھو تو جس پر سواد اعظم ہوں اس کی پیروی کرو۔

---

(۱) مسند احمد: ۷/۴۵۳ حدیث: ۳۴۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۴۵۳ حدیث: ۳۴۱۸، مستدرک: ۱۰/۲۵۷ حدیث: ۴۴۳۹، معجم کبیر طبرانی: ۸/۱۲ حدیث: ۸۵۰۴، معجم اوسط طبرانی: ۸/۲۶۳ حدیث: ۳۷۴۰، معرفۃ السنن والآثار: ۱/۳۷، معرفۃ الصحابہ: ۱/۵۷ حدیث: ۴۱، مسند طیالسی: ۱/۲۵۵ حدیث: ۲۴۰، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/۱۰۷، کنز العمال: ۱۲/۴۸۵ حدیث: ۳۵۵۹۰، نصب الرایہ: ۱۰/۴۳۴، امالی ابن مردویہ: ۱/۱۹ حدیث: ۱۸، الاعتقاد بیہقی: ۱/۳۳۰ حدیث: ۲۹۷، بحر الزخار مسند بزار: ۵/۲۱۹ حدیث: ۱۶۰۶، الشریعہ آجری: ۳/۲۶۳ حدیث: ۱۱۲۸، الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی: ۱/۴۹۲ حدیث: ۴۳۹، المدخل الی السنن الکبریٰ بیہقی: ۱/۲۸ حدیث: ۲۷، تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ اصبہانی: ۱/۲۱ حدیث: ۲۰۲، جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبد البر: ۳/۸۴ حدیث: ۱۰۲۴، فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۲/۲۶ حدیث: ۵۱۷، معجم ابن الاعرابی: ۲/۳۴۴ حدیث: ۸۴۳

(۲) مسند احمد: ۵۵/۲۱۱ حدیث: ۲۵۹۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۵/۲۱۱ حدیث: ۲۵۹۶۶، معجم کبیر طبرانی: ۲/۶۰۵ حدیث: ۲۱۲۹، مجمع الزوائد: ۱/۱۰۷، کنز العمال: ۱۱/۴۷ احدیث: ۳۱۱۰۰، المسند الجامع: ۴/۳۸۶ حدیث: ۳۴۸۶

(۳) الابانۃ الکبریٰ: ۱/۱۶۲ حدیث: ۱۵۶، مستدرک: ۱/۳۸۱ حدیث: ۳۶۱، کنز العمال: ۱/۲۰۶ حدیث: ۱۰۲۹

(۴) سنن ابن ماجہ: ۱۱/۴۴۲ حدیث: ۳۹۴۰، الابانۃ الکبریٰ: ۱/۱۲۸ حدیث: ۱۲۳، مسند عبد بن حمید: ۳/۳۴۴ حدیث: ۱۲۲۴، مسند الشامیین: ۶/۲۱۵ حدیث: ۲۰۳۸، کنز العمال: ۱/۱۸۰ حدیث: ۹۰۹، المسند الجامع: ۴/۱۵۲ حدیث: ۱۲۲۰، تحفۃ الاشراف: ۳/۳۴۷ حدیث: ۱۷۱۵

جولوگ سوادِ اعظم کے معنی میں ہیر پھیر کر کے طرح طرح کی باتیں پیش کرتے ہیں وہ قابل توجہ نہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک اس کے معنی وہ ہیں جو مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم نے اپنی مطبوعہ مشکوٰۃ میں شرح ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں

يعبر به عن الجماعة الكثيرة و المراد ما عليه أكثر المسلمين . (۱) — سوادِ اعظم سے کثیر جماعت مراد ہوتی ہے یعنی تم اس کی پیروی کرو جس پر اکثر مسلمان ہوں۔

اسی طرح مولوی اسحٰق صاحب کے خلیفہ وشاگرد رشید نواب قطب الدین خان صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ ''مظاہر الحق'' میں اس حدیث کی شرح یوں لکھی ہے

جو اعتقاد اور قول وفعل اکثر علماء کے ہوں ان کی پیروی کرو۔

باقی رہی یہ بات کہ اکثر علماء سے کس فریق کے علماء مراد ہیں تو اس کو علم اصول کی کتاب ''توضیح'' میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت سے ہونے چاہئیں عبارت یوں ہے

و السواد الأعظم عامة المسلمين ممن هو أمة مطلقة ' و المراد بالأمة المطلقة أهلُ السنة و الجماعة . (۲) — سوادِ اعظم سے امت مسلمہ کی اکثریت مراد ہوتی ہے اور جب مطلق امت بولی جائے تو اس سے اہل سنت و جماعت مراد ہوتے ہیں۔

علم اصول کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جس عمل پر مدت دراز سے علمائے محققین کا اتفاق چلا آ رہا ہو وہ شرع میں حجت اور دلیل حقیقت ہے۔ ''مسلم الثبوت'' کے آخر تتمہ میں ہے

إن اتفاق العلماء المحققين على ممر الأعصار حجة كالإجماع . — عرصہ دراز سے کسی بات پر علماء محققین کا اتفاق اجماع کی طرح حجت مانا جاتا ہے۔

اس مقام پر علامہ بحر العلوم نے 'المحققین' کے تحت لکھا ہے

و إن كانوا غير مجتهدين . — یہ محققین گرچہ غیر مجتہد ہی کیوں نہ ہوں۔

مطلب یہ ہوا کہ کسی امر پر مدت دراز سے جو علمائے اہل تحقیق کا اتفاق چلا آتا ہو تو اگر وہ مجتہد نہ بھی ہوں تب بھی ان کا یہ عمل اجماع کی طرح حجت ہے۔

اب دیکھیں کہ میلاد شریف کو جائز رکھنے والے علماء جیسے ابوشامہ ابن حجر ابن جزری سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہ (جن کے نام نامی لمعہ تاسعہ میں درج ہوں گے) سب اہل سنت و جماعت ہیں کسی نے بھی معاذ اللہ ان کو اہل بدعت میں شمار نہیں کیا ہے اور یہ لوگ محققین بھی ہیں۔ لہٰذا عمل مولد شریف پر ان سب کا اتفاق اجماع کی طرح حجت ٹھہرا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

لمعہ ثانیہ' مشائخ خاندانِ عزیز یہ اور شرکت محفل میلاد شریف

جناب مرشدی ومولائی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب عم فیوضہم بھی شریک محفل ہوا کرتے ہیں۔ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں بیان یہ ہے کہ آپ نے رئیس مراد آباد علی محمد خان

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۱۷۴/۱ (۲) تلویح علی التوضیح: ۳/ ۳۸ الامر الثانی اہلیۃ من ینعقد بہ

صاحب کو ایک خط رقم فرمایا جس کی عبارت ملخصاً یوں ہے

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود اول کہ مردم روز عاشورا یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس وزیادہ ازاں فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں کہ فقیر می آید می نشیند و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان وارد شدہ نیز بیان کردہ می شود و بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر جائز نمی بود اقدام براں اصلاً نمی کرد باقی ماند مجلس مولود شریف پس حالش اینست کہ بتاریخ دوازدہم شہر ربیع الاول ہمیں کہ مردم موافق معمول سابق فراہم شدند و در خواندن درود شریف مشغول گشتند و فقیر می آید اولا بعضے از احادیث و فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکور می شود بعد ازاں ذکر ولادت باسعادت و نبذے از حال رضاع و حلیہ شریف و بعضے از آثار کہ دریں آوان بظہور آمد بمعرض بیان می آید پس بر ماحضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس می شود۔

سال میں دو مجلسیں فقیر کے گھر منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پہلی کہ عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو روز قبل چار پانچ سو کی تعداد میں بلکہ ہزار سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں۔ پھر فقیر کے آنے کے بعد حدیث میں وارد شدہ فضائل حسنین کا تذکرہ ہوتا ہے اور حدیث کی روشنی میں بیان شہادت بھی ہوتا ہے جو کہ بزرگوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد فاتحہ کے لیے جو چیز موجود ہوتی ہے اس پر ختم قرآن اور پنج سورتیں پڑھی جاتی ہیں اب اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو انھیں عمل میں کبھی نہ لایا جاتا۔ رہی بات مجلس میلاد شریف کی تو اس کا حال یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول میں لوگ مذکورہ بالا تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور درود شریف کے ورد میں مشغول ہو جاتے ہیں پھر فقیر کی آمد ہوتی ہے پہلے تو احادیث کی روشنی میں کچھ سرکار علیہ السلام کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اس کے بعد آپ کی ولادت باسعادت کا تذکرہ ہوتا ہے آپ کی رضاعت کے احوال اور کچھ حلیہ شریف کا بیان ہوتا ہے اور کچھ وہ واقعات سنائے جاتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری پر ظہور پذیر ہوئے پھر کھانا یا شیرینی جو کچھ حاضر ہوتا ہے اس پر فاتحہ دی جاتی ہے اور حاضرین مجلس میں اس کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

یہ شاہ عبدالعزیز صاحب وہ ہیں کہ جن کا شہرہ زبان زد خاص و عام ہے اور منکرین بھی ان تک سند حدیث کا سلسلہ پہنچ جانے کو اپنے لیے کمال درجہ مایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ تو جس طرح ہم ان کی تحریروں سے وجود بدعت حسنہ کا ثبوت ثابت کر چکے ہیں اور اموات کے سلسلہ میں مروّجہ صدقات کی سندیں بھی ان کو دے چکے ہیں تو اب انھیں کے کلام سے بدعت حسنہ کے اس فردِ خاص ذی اختصاص مروج بین اہل اخلاص یعنی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند بھی گزار دی اور اس کے اندر تبعاً کھانے پر فاتحہ کی تائید بھی ہو گئی ہے۔

اب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنیے۔ یہ شاہ عبدالعزیز دہلوی موصوف کے باپ استاد اور پیر تھے۔ آپ نے اپنا حال ''فیوض الحرمین'' میں یوں لکھا ہے

كنت قبل ذلك بمكة المعظمة في مولد النبي صلى الله عليه وسلم في يوم ولادته و الناس يصلون على النبي صلى الله عليه وسلم ويذكرون

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے پہلے ماہِ ولادت یعنی ربیع الاول شریف میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مکہ معظمہ میں تھا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

إرهاصاته التي ظهرت في ولادته و مشاهدة قبل بعثته فرأيت أنوارا سطعت دفعة واحدة لا أقول إني أدركتها ببصر الجسد و لا أقول أدركتها ببصر الروح فقط والله أعلم كيف كان الأمر بين هذا و ذلک فتأملت تلک الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهدة بأمثال هذه المجالس و رأيت يخالط أنوار الملائكة أنوار الرحمة .

پر درود نچھاور کر رہے تھے' ساتھ ہی سرکار کی ولادت کے وقت جو واقعات ظہور پذیر ہوئے نیز آپ کی بعثت سے پہلے کے احوال بیان ہو رہے تھے' میں نے دیکھا کہ یکا یک انوارِ غیبی بلند ہو گئے' میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ میں نے اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھا یا باطنی آنکھ سے' اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ظاہر و باطن کے درمیان وہ کیا عالم تھا' پھر میں نے تجسس اور غور سے ان انوار کو دیکھا تو وہ ان فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے اس بات پر معین کر رکھا ہے کہ وہ ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں' نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ انوارِ رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

ایک تو ملائکہ خود اجسام نوری ہوتے ہیں' دوسرے حاضرین مجلس کے لیے انوارِ رحمت نازل ہوئے' تو اب یہ دونوں نور مل کر مجلس میں نورٌ علیٰ نور کا سماں باندھ رہے تھے جس کو اس عبارت سے تعبیر کیا ہے

فرأيت أنواراً سطعت دفعة .

دیکھیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ذکر ولادت شریف کی ایسی مجالس میں فرشتوں کی آمد اور رحمت کا نزول اپنے مشاہدہ سے ثابت کر رہے ہیں۔

اب ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنیے جو شریعت و طریقت میں بھی ان کے رہ نما تھے ۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عالم رویا کی چالیس حدیثوں پر مشتمل اپنی کتاب ''الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین'' کی بائیسویں حدیث میں نقل کیا ہے

أخبرني سيدي الوالد قال كنت أصنع في أيام المولد طعاماً صلة بالنبي صلى الله عليه وسلم فلم يفتح لي سنة من السنين شيء أصنع به طعاما فلم أجد إلا حمصا مقليا فقسمته بين الناس فرأيته صلى الله عليه وسلم و بين يديه هذه الحمص مبتهجا بشاشا .

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد بزرگوار نے بتایا کہ میں نسبت رسالت کی بنیاد پر میلاد شریف کے موقع پر کھانے کا اہتمام کیا کرتا تھا تو ایک سال ایسا ہوا کہ میرے پاس کھانا بنوانے کی وسعت نہیں تھی صرف کچھ بھنے ہوئے چنے تھے جسے میں نے لوگوں کے درمیان بانٹ دیے' پھر (کیا تھا میری قسمت بیدار ہو اٹھی) میں نے دیکھا کہ وہ چنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ایسے خوش ہیں کہ چہرے سے بشاشت پھوٹی پڑ رہی ہے۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب کے پیرانِ پیر مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنیے جو چھ طبقہ اوپر مشائخ طریقت اور ان

کے مشائخ حدیث میں آتے ہیں' شروع کتاب'لمعہ رابعہ میں ''انتباہ'' کے حوالے سے آپ نے ان کا سلسلہ حدیث دیکھا ہوگا۔
مولانا جلال الدین سیوطی ''حسن المقصد فی عمل المولد'' میں فرماتے ہیں

یستحب لنا أیضا إظهار الشکر بمولده علیه السلام بالاجتماع و إطعام الطعام و نحو ذلک من وجوه القربات و المسرات .(۱)

میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر اہل اسلام کا اکٹھے ہوکر' کھانا کھلا کر اور یوں ہی دوسرے اچھے امور' خوشحالیوں کے ساتھ انجام دے کر اظہارِ تشکر بجالانا مستحب ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت تفسیر روح البیان اور سیرت شامی وغیرہ کتب معتبرہ ومتداولہ میں بھی سنداً نقل ہے۔
اب شیخ القرا والمحدثین حضرت شیخ الاسلام شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنیے (جو حضرت شاہ ولی اللہ کے نویں طبقہ او پر مشائخ حدیث وطریقت میں آتے ہیں) ''عرف التعریف بالمولد الشریف'' میں فرماتے ہیں

فما حال المسلم الموحد من أمته علیه السلام یسرُّ بمولده ویبذل ما تصل إلیه قدرته في محبته صلی الله علیه وسلم لعمري إنما یکون جزاء ه من الله الکریم أن یدخله بفضله العمیم جنات النعیم .(۲)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلا دشریف پر خوشیاں مناتا ہے 'اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے' مجھے اپنی عمر کی قسم! اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراواں سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مورد الروي في مولد النبي'' میں حضرت ابوالخیر شمس الدین بن الجزری کی ایک تحریر نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

قال ابن الجزري رحمة الله علیه و لقد حضرت في سنة خمس و ثمانین و سبع مائة لیلة المولد عند الملک الظاهر یرقوق رحمه الله بقلعة فرأیت ما سرني فحرزت ما أنفق في تلک اللیلة علی القراء و الحاضرین من الوعّاظ و المنشدین و غیرهم بنحو عشرة آلاف مثقال من الذهب ما بین خلع و مطعوم و مشروب و مشموم و شموع و غیرها و عددت ذلک خمسا و عشرین حلقة من القراء الصبیین .

حضرت ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بار ۷۸۵ھ (1383ء) میں میلا دشریف کے موقع پر سلاطین مصر کے تخت گاہ' قلعہ میں ملک طاہر یرقوق کے پاس میرا جانا ہوا 'میں نے وہاں مسرت بخش چیزیں دیکھیں اور میرا اندازہ ہے کہ محفل میں موجود قاریوں' مقرروں اور نعت خوانوں وغیرہ کو خلعت دینے' کھلانے پلانے اور خوشبو و روشنی پر اس نے دس ہزار مثقال سونا خرچ کیا ہوگا اور میں نے شمار کیا تو مجلس میں پچیس حلقے نو آموز قاری بچوں کے تھے۔

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال' نور الدین ابوسعید بورانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی میلا دنامہ میں بعینہٖ نقل کیا ہے۔
تبصرہ : اس وقت عمل میلا دشریف کے سلسلہ میں دوگروہ ہیں۔

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد:۱/۳۶۷ (۲) نفس مصدر:۱/۳۶۷

پہلا

وہ جو کراہت وحرمت ثابت کرتا ہے جس کا سب سے پہلا پیشوا تاج الدین فاکہانی مغربی ہے۔اس کا یہ قول ''المورد فی عمل المولد'' میں یوں ہے

هو بدعة أحدثها البطالون ، و شهوة نفس اعتنى بها الأكّالون .

چندسطر کے بعد لکھا

و هذا لم يأذن فيه الشرع و لا فعله الصحابة و لا التابعون .

پھر دوتین سطر کے بعد لکھتا ہے

و حينئذ يكون الكلام فيه في فصلين أحدهما: أن يعمله رجل من عين ماله لأهله و أصحابه و عياله لا يجاوزون ذلك الاجتماع على أكل الطعام و لا يقترفون شيئا من الآثام فهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة و شناعة و الثاني: أن تدخله الجناية و هذا الذي لا يختلف في تحريمه اثنان .(١)

یہ عمل مولد بدعت ہے جس کی ایجاد باطل اور نفس پرست لوگوں نے کھانے پینے کی غرض سے کی ہے۔ نہ تو شریعت ہی نے اس کی اجازت دی اور نہ صحابہ وتابعین ہی سے اس کی کوئی سند ملتی ہے۔اب اس میں دوطریقے سے کلام ہوگا۔ایک یہ کہ آدمی خاص اپنے مال سے کرے اپنے بال بچوں دوستوں اور کنبہ والوں کوکھلائے اس کے سوااور کچھ نہ کرے کہ لوگوں کوجمع کر کے کھانا کھلادے مگر وہ لوگ کوئی گناہ کی بات نہ کریں اسی کوہم نے بدعت مکروہہ وشنیعہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسرا طریقہ مولد کا یہ ہے کہ اس میں گناہ کی باتیں داخل ہوں تو یہ ایسا حرام ہے کہ جس میں کسی دوآدمی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ ان میں کا کوئی ایک اسے درست کہہ دے۔

دوسرا

وہ جو یہ کہتا ہے کہ صحابہ وتابعین سے کسی فعل کا منقول نہ ہونا حرمت وشناعت کا باعث نہیں ہوتا اگر مولد مباح و مستحسن امور پر مشتمل ہوگا تو جدید طریقہ عارض ہونے اور مباح الاصل چیزوں کے یکجا ہوجانے کی وجہ سے حرمت وکراہت ہرگز لاحق نہیں ہوسکتی۔لہٰذا یہ عمل مباح اور اچھا ہے سلفاً وخلفاً یہی سوادِ اعظم اور امت محمدیہ کے جماہیر محققین وصالحین کا مذہب ہے یہاں تک کہ وہ مشائخ کرام جن کو ہمارے وقت کے منکرین بھی محقق پارسا اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں وہ بھی اسی طرف ہیں (جن کے افعال واقوال شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت امام القرا والمحدثین ابن جزریم قدس سرہ تک ابھی اوپر نقل کیے گئے)۔

اے ہمارے مسلمان بھائیو! غفلت میں بغیر سمجھے بوجھے تم کدھر چلے گئے جمہور اہل سنت وجماعت سے منہ موڑا خاندان عزیزیہ کے پیشواؤں کو چھوڑا اور اتباع کیا تو کس کا! تاج الدین فاکہانی مغربی کا۔العجب العجب!۔

امام المحدثین ابن جزری میلاد شریف کے اہتمام واحتشام کو پسند فرمائیں۔نویں صدی کے مجدد علامہ سیوطی اس کے استحباب

(١) المورد فی عمل المولد:٢، ٣ سبل الہدیٰ والرشاد:١/٦٨، ٣٦٩

کا حکم لگائیں۔ شاہ عبدالرحیم سال بہ سال بلا ناغہ میلاد شریف کے موقع پر کھانا تیار کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشاش بشاش پائیں، اور ہمارے دور کے منکرین فاکہانی کے قول کو اپنا دستور العمل بنا کر ان سب مشائخ کبار کے افعال واقوال کو شہوت نفس بدعت کراہت وشناعت، اور شاہ عبدالرحیم کے ہر سال کھانا تیار کرنے کو **أحدثها البطالون و الأكالون** میں شامل ٹھہرائیں۔ معاذ اللہ۔

اے بھائیو! آؤ اب بھی خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر جمہور علماء، برگزیدانِ امت اور اپنی خاندان عزیزیہ کے مقبولین ذی کرامت کو اس مغربی کی قباحت وشناعت سے بچاؤ۔

اگر کوئی یہ وسوسہ ڈالے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بعض علمائے خلف نے حضرت مولانا کا خلاف کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیوں کہ ان کے خاص نواسہ اور مشہور زمانہ شاگرد وجانشین جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم "مائۃ مسائل" کے اندر پندرہویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں

وقیاس عرس بر مولد شریف غیر صحیح است زیرا کہ در مولد ذکر ولادت خیر البشر است وآں موجب فرحت وسرور ست ودر شرع اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از منکرات وبدعات باشد آمدہ برائے اجتماع حزن وشرور ثابت نہ شدہ، وفی الواقع فرحت ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در دیگر امر نیست پس دیگر امر بریں قیاس صحیح نخواہد شد ومعہذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ ایں امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز وعدم جواز آں مختلف شدہ اند چنانچہ بہ تفصیل وبسط در کتاب سیرت شامی مذکور ست **من شاء فلينظر فيه.**

میلاد شریف پر عرس کا قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ میلاد شریف میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا ذکر خیر ہوتا ہے جو فرحت وسرور کا باعث ہے، اور شریعت میں منکرات وبدعات سے خالی، فرحت وسرور کے لیے اکٹھا ہونے کا جواز ملتا ہے جب کہ غم وملال کے لیے اجتماع ثابت نہیں۔ تو درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولاوت کی خوشی منانا یہ ایک دوسرا معاملہ ہے لہٰذا دوسری چیزوں کا اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ میلاد شریف کے سلسلہ میں باہم اختلاف ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ میں (جس کی بہتری کی گواہی دی گئی ہے) اس کا کوئی معمول نہ تھا اس کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے، اس بنیاد پر اس کے جواز اور عدم جواز کی بابت علماء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، جس کی تفصیل سیرت شامی میں مذکور ہے، جسے ضرورت ہو اس کا مطالعہ کرے۔

اس عبارت میں چند چیزیں مخالفین کے مطلب کے خلاف موجود ہیں۔

اول

یہ کہ ہمارے دور کے منکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ عمل میلاد شریف بالاتفاق ضلالت ہے، تو "مائۃ مسائل" کی اس تقریر سے ان کا رد ہو گیا کہ علماء نے اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی نے منع کیا ہے تو

دوسرے علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب (جو تیرہویں صدی میں تھے) کی تحریر تک بھی منع پر اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس بنیاد پر ممانعت پر اتفاق کا دعویٰ باطل رہا۔

ثانی

یہ کہ سیرت شامی کا حوالہ دے کر ظاہر کر دیا کہ علماء کے اس اختلاف میں مذہب صحیح یہ ہے کہ عمل مولد شریف مستحب ہے' کیونکہ شامی نے مولد شریف کو جائز رکھنے والے علماء کے اقوال کثرت سے نقل کر کے اس کا جواز و استحباب ثابت کیا ہے' اور منکرین کے اقوال کو مرجوح' مغلوب اور غیر معتمد رکھا ہے۔ اور آپ نے شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہی قول نقل کیا جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں:

فیستحب لنا إظهار الشكر لمولده .الخ.

نیز مولد کو بہتر سمجھنے کے سلسلے میں شامی نے امام القرا ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے' اور یہ دونوں محدث بواسطہ شاہ ولی اللہ صاحب مولانا اسحٰق صاحب کے مشائخ حدیث میں ہیں' لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب کا شامی کی عبارت کا حوالہ دینا گویا یہ تصریحاً بیان فرمانا ہے کہ ہمارے مشائخ اور اساتذہ کے نزدیک یہ محفل مبارک اور مستحسن ہے۔

ثالث

یہ کہ جو عمل قرون ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو لیکن اس کی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ عمل باتفاق فریقین صحیح و درست ہوتا ہے۔ لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب نے اس عمل کی اصل بیان فرما دی

درمولد ذکر ولادت خیر البشر است و آں موجب فرحت وسرور ست و در شرع اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از منکرات وبدعات باشد آمدہ۔	میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ولادت خیر البشر کی بات ہوتی ہے اور یہ مسرت وخوشی کا باعث ہے' اور منکرات وبدعات سے خالی فرحت ونشاط میں جمع ہونا ازروے شرع درست ہے۔

اس عبارت سے صاف واضح ہو گیا کہ میلاد شریف میں اسباب سرور کے ساتھ یہ اجتماع ازروئے شرع جائز ہے بشرطیکہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو' اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

مولانا اسحٰق صاحب محفل میلاد شریف میں برابر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ مولوی نور الحسن صاحب کے ''مجموعہ رسائل عشرہ''، مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کے صفحہ 40 کی پندرہویں سطر میں یہ مضمون موجود ہے اور راقم نے بذات خود مولانا اسحٰق صاحب مرحوم کے شاگرد رشید جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب صوفی صافی فقیہ ومحدث کافی (ساکن گنج مراد آباد) ملک اودھ سے بذریعہ خط دریافت کیا تو آپ نے ڈاک ہی سے یہ جواب تحریر فرمایا

ماہمراہ حضرت مولانا محمد اسحٰق رفتہ ایم در میلاد آنحضرت۔	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میلاد شریف کے لیے حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ ہم جایا کرتے۔

اس کے علاوہ مشہور زمن ماہر فن جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم سہارن پوری ''شفاء الصدور'' مطبوعہ لاہور مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۸۸۵ء (۱۳۰۳ھ) کے صفحہ 10 میں تحریر فرماتے ہیں

من جاء مجلس الميلاد فله أن يقوم إن قاموا و إلا فلا و هكذا يقول المولوي أحمد علي المحدث المرحوم تبعاً لأستاذه مولانا محمد اسحق المغفور .

جو کوئی محفل میلاد شریف میں آئے تو اس کو چاہیے کہ جب سب کھڑے ہوں تو یہ بھی کھڑا ہو جائے، اور اگر اہل مجلس نہ کھڑے ہوں تو یہ بھی نہ کھڑا ہو۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم سہارن پوری اپنے استاد مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم و مغفور کی اتباع میں یوں ہی فرمایا کرتے تھے۔

یہاں مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے دو محدث شاگرد، مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد علی صاحب کا محفل میلاد میں شامل ہونا اور اس کو مستحسن سمجھنا ثابت ہو گیا۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے نانا اور استاد شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف نہ ٹھہرے۔

اب ہم شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک دوسرے شاگرد رشید، حقائق و معارف دستگاہ جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب مرحوم کا حال بیان کریں۔ آپ ہمیشہ میلاد شریف منایا کرتے تھے اور میلاد شریف کے ثبوت میں نظماً اور نثراً ٹھوس دلائل قائم فرماتے تھے۔ اس مقدس محفل کی ترغیب دلایا کرتے اور اس سلسلے میں دل کش اشعار بھی ارشاد فرماتے۔ اُن کے رسالہ ''خدا کی رحمت'' سے دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

پیدا ہوا جس دن سے محمد سا نبی ہے — یہ شادیِ میلادِ رسولِ عربی ہے
تعظیم کھڑے ہو کے بجالاؤ ادب سے — اس کام کا انکار بڑی بے ادبی ہے

اب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ طریقت جناب سید احمد صاحب کا بیان سنیے جو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے مرشد و رہنما تھے۔ سید احمد صاحب کے ایک مرید خاص مولوی سید محمد علی صاحب نے آپ کے حالات پر مشتمل فارسی زبان میں ایک کتاب بنام ''مخزن احمدی''، لکھی جس کو نواب محمد علی خاں صاحب والی ٹونک نے مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۲۹۹ھ (1881ء) میں طبع کرائی۔ اس کے صفحہ ۸۰ میں سید احمد صاحب کے سفر عرب کے سلسلہ میں یوں لکھا ہے

مقدار مدت ہمچوں فصل بہار در گلزار کلکتہ ابواب ہدایت مفتوح داشتہ بعزم سفر یازدہ جہاز بطریق کرایہ مقرر فرمودہ دوازدہ ہزار روپیہ نول آں مقرر کردہ و مراکب را بر اہل قافلہ تقسیم فرمودہ و بر ہر مرکب شخصے را امیر ساختہ و برائے زادِ راہ ایں سفر وسیلۃ الظفر بہ قیمت دوازدہ ہزار روپیہ غلجات از قسم گندم و برنج وغیرہ خرید فرمودہ بر ہر جہاز تقسیم نمودہ فرستادند جہاز موسوم بدر بقے کہ ناخدا ایش سید عبدالرحمٰن حضر موتی بود و معلم آں داؤد ساکن بندر سورت برائے مسکن خود مقرر ساختند و با اناث و ذکور ذوالقربیٰ خویش کہ با طفال و جواری قریب بہ چہل کس میر سند بر جہاز مذکور جا گرفتند و باقی اہل قافلہ بر مراکب خود ہا نیز

موسم بہار کی مدت کے اندازے پر محیط اس کے ابواب ہدایت کلکتہ میں کھلے رہے۔ اور سفر کے ارادے سے گیارہ جہازوں کو بارہ ہزار روپے میں طے کر لیے۔ اور کشتیوں کو اہل قافلہ پر تقسیم کر دیا اور ہر کشتی میں ایک امیر کی تقرری فرمائی، اور اس سفر مبارک کے زادِ راہ کے لیے بارہ ہزار روپئے کے غلہ جات یعنی گیہوں اور چاول وغیرہ خرید کر ہر جہاز میں تقسیم کر دیے۔ جس جہاز کو حضرت نے اپنے لیے منتخب کیا وہ بدر بقے کے نام سے موسوم تھا جس کا ناخدا عبدالرحمٰن حضر موتی اور جس کا معلم داؤد نامی شخص بندر سورت کا رہنے والا تھا۔ اور زن و مرد اطفال و جواری سمیت خویش و اقارب کی تعداد چالیس افراد پر مشتمل

بنشستند و بمدت دہ شبانہ روز مراکب راد ر گنگا ساگر جریاں نمودہ روز سیوم مقدار یکپاس روز بر آمدہ در بحر زخار در معبرے کہ مشہور بکبیلا کاچھی است داخل گردیدند۔

تھی۔ جہازِ مذکورہ میں جا کر سوار ہو گئے۔ اور باقی دیگر اہل قافلہ نے اپنی اپنی کشتیوں میں جگہ لے لی اور قریباً دس دن تک یہ کشتیاں گنگا ساگر میں چلتی رہیں۔ اور تیسویں روز دن کے آغاز کے ساتھ بحر زخار کی بندرگاہ مشہور بکبیلا کاچھی میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد جہاز کا کالی کٹ اور ملیبار جانا' اس کے بعد سنگل دیپ' پھر وہاں سے لنکا (جس کو عرب قلعۃ العفاریت کہتے ہیں) پہنچنا لکھا' وہ چوں کہ ایک ہولناک مقام تھا تو صفحہ 75 پر اس کو ان الفاظ میں لکھا ہے

و بر ہر کس از شما امروز وقت شب یادِ الٰہی و تسبیح و تہلیل نا متناہی و استغفار از جمیع جرائم و مناہی واجب و متحتم است چوں شب در آمد آں حضرت بعد از عشائین حزب البحر مذکور امشب سہ بار خواندو می فرمودند کہ عفاریت و شیاطین اگر زہرۂ تقابل بایں گروہ قلیل میدارند اینک گوے و اینک میدان و دراں شب تاریک آنحضرت اکثر بیدار می بودند و مانند پاسبانان دورو سیر گاہ بالا و گاہ زیر مرۃ بعد اخریٰ و کرۃ بعد اولیٰ در تمام جہاز می فرمودند تا آن کہ شب بپایاں رسید و صبح صادق بدمید و جہاز از مکان خوف و ہولناک بخیرت تمام بدر آمد و ہر گاہے کہ روز روشن شد ناخدائے چند طبق حلوائے از حجرۂ خویش بیروں آوردہ مجلس مولد شریف منعقد کردہ بعد از اختتام قصائد مولود یہ شیرینی تقسیم نمود۔ انتہیٰ بلفظہٖ۔

آپ میں سے ہر ایک پر رات کے وقت یاد الٰہی، تسبیح لا متناہی اور جملہ گناہ و مناہی سے استغفار واجب و ضروری ہے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت عشائین کے بعد اس شب سے متعلق حزب البحر کو تین بار پڑھ کر فرمانے لگے کہ اگر اس چھوٹے گروہ کا واسطہ شیاطین و جنات سے پڑ جائے تو اس مجرب وظیفہ کو پڑھ لیں۔ اور شب تاریک میں حضرت اکثر بیدار رہا کرتے تھے اور پاسبان کی طرح اوپر نیچے تمام جہاز کا چکر لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھٹ گیا اور صبح نمودار ہوگئی اور اس طرح جہاز اس خوف و خطر والے مقام سے حیرت تمام کے ساتھ نکل آیا۔ اور جب دن کی روشنی پھیل گئی تو ناخدا نے اپنے کمرے سے حلوہ کے چند طبق نکالے، مجلس مولود شریف منعقد کی اور قصائد مولود ختم کرنے کے بعد شیرینی تقسیم کردی۔

دیکھیے' اس بیان سے صاف واضح ہو گیا کہ مولد شریف بڑی برکت کی چیز ہے جو ایسے خطرناک موقع پر پڑھا گیا کہ خود سید احمد صاحب بھی رات بھر تردد میں رہے تھے' اور پھر خاص اس جہاز میں جس میں سید احمد صاحب اور ان کے کنبہ و متعلقین تھے' غیر کا اس میں کوئی دخل بھی نہ تھا یہ بافیض محفل مبارک منعقد ہوئی تھی۔ اور یہ جو اوپر مذکور ہوا کہ سید صاحب کے 40 آدمی ایک جہاز میں سوار تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاز موجودہ دور کے اسٹیمروں کی طرح بڑے نہ تھے بلکہ وہ چھوٹی بادبانی کشتی تھی۔ الحاصل' خاص سید صاحب کے جہاز میں مولد شریف اور قصائد کا پڑھا جانا اور ساتھ ہی شیرینی کا تقسیم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ وکفی بہ حجۃ (اور حجت قائم کرنے کے لیے اتنا کافی ہے)۔

اب باقی رہے سید صاحب کے مرید خاص مولوی اسماعیل صاحب دہلوی! تو ان کے محفل میلاد شریف میں شامل ہونے کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ ہاں' ان کی ایک ایسی تقریر ہم تک پہنچی ہے کہ جس سے ضمناً میلاد شریف کا اثبات ان کے منہ سے صاف ثابت ہے۔ وہ یہ ہے

جناب مولانا رشید الدین خاں صاحب مرحوم دہلوی نے مولوی اسماعیل صاحب سے 14 سوال کیے تھے، جن میں تیرہویں سوال کا جو جواب رقم فرمایا ہے وہ بعینہٖ ان کی عبارت اور پوری شانِ امانت کے ساتھ لکھا جارہا ہے

سوال: سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت است یانہ واگر ہست حسنہ است یا سیئہ وایں جمع قرآن بحکم قرآن بود و یا بکدام حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بحکم ہر دو نبود پس بدعت ست یانہ وہم چنیں ہر حکمے کہ از نص قرآن شریف یا ظاہر احادیث متین نبود بدعت ست یانہ۔

جواب: از سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت حسنہ است کہ صحت قراءت عجمیان بل عربیان حال بر اں موقوف ست لیکن جمع قرآن ظاہرانہ بحکم کدام آیت قرآنی است ونہ بحکم کدام حدیث نبوت پس بدعت باشد لیکن بدعت حسنہ چرا کہ مقصود ازاں ضبط وحفظ قرآن ست از ضیاع وغلط ودر حسن بودن بعضے بدعات شبہ نیست واثبات آں از اکثر احادیث می تواں نمود مثل **من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها** وتقیید بدعت مردود بہ بدعت ضلالت چنانکہ در حدیث ست: **من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها الله و رسوله الحديث**) وحدیث: **من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد** چہ ازاں مردود بودن بدعتے ثابت می شود کہ تعلقے بدیں نداشتہ باشد بس بدعتے کہ اصل آں از شرع ثابت باشد مثل اخذ تسبیح وتراویح حسنہ باشد پس حکمی از نص صریح قرآن وحدیث ثابت نہ باشد ہر دو قسم است یکے بدلیل شرعی، دیگر مثل اجماع وقیاس ثابت شود یا اصلے شرعی داشتہ باشد آں خود ہرگز بدعت سیئہ نیست بلکہ چوں بدلیل شرعی وبحکم آیہ کریمہ: **اليوم أكملت لكم دينكم** قواعد استنباط وغیرہ آں در دین داخل ست در سنت یا بدعت حسنہ کہ در معنی سنت است داخل باشد بلکہ بعمل آوردن بعضے بدعات حسنہ فرض کفایہ چنانکہ در کتب بسیار مصرح ست منجملہ آں فتح المبین شرح اربعین امام نووی ست از شیخ ابن الحجر الہیثمی کہ دروے در شرح حدیث خامس گفتہ قال الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ **ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو إجماعا أو أثرا فهو البدعة الضلالة و ما أحدث من الخير و لم يخالف شيئا من ذلك فهو البدعة المحمودة الحاصل ان البدعة الحسنة متفق على ندبها و هي ما وافق شيئا مما مر و لم يلزم من فعله محذور شرعي و منها ما هو فرض كفاية كتصنيف العلوم و نحوها مما مر قال الإمام أبو شامه شيخ المصنف رحمة الله عليه و من أحسن ما ابتدع في زماننا ما يفعل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولده صلى الله عليه وسلم من الصدقات و المعروف و إظهار النعمة و السرور فإن ذلك مع ما فيه من الإحسان إلى الفقراء مشعر بمحبته صلى الله عليه وسلم و تعظيمه و جلاله في قلب فاعل ذلك و شكر الله تعالىٰ على ما من به من إيجاد رسوله الذي أرسله للعالمين رحمة** صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہی بحروفہ۔

تیرہواں سوال یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ؟ اور جمع

قرآن کا عمل حکم قرآنی سے ہوا یا حدیث رسول سے یا ان میں کسی سے نہیں، تو پھر یہ جمع بدعت ہوئی یا نہیں۔ اور یوں ہی ہر وہ حکم جو نص قرآن یا کسی حدیث رسول سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب: تیرہویں سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت حسنہ ہے کیوں کہ نہ صرف اہل عجم بلکہ اہل عرب کی صحت قراءت بھی اسی پر موقوف ہے۔ لیکن جمع قرآن ظاہراً کا ثبوت نہ تو کسی آیت قرآنی سے ہے اور نہ کسی حدیث نبوی سے، لہٰذا بدعت ہوا مگر بدعت حسنہ۔ کیوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو ضیاع وخطا سے بچا کر اسے محفوظ کر دیا جائے۔ اور بعض بدعتوں کے حسنہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ اکثر احادیث سے ثابت شدہ ہیں مثلاً یہ حدیث کہ جس نے دین میں کوئی نیا طریقہ نکالا تو اسے اس کا اجر ملے گا نیز اس کا اجر بھی جو اس پر عمل پیرا ہوگا۔ اور بدعت سیئہ کو بدعت ضلالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اللہ ورسول کی رضا کے خلاف کوئی بری چیز ایجاد کی۔ نیز یہ حدیث کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ لہٰذا ان سے کچھ بدعتوں کا مردود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر جن بدعتوں کی اصل شرع میں ملتی ہے تو وہ حسنہ ہوں گی جیسے اخذ تسبیح وتراویح۔ اب اگر کوئی حکم نص قرآنی یا حدیث نبوی سے ثابت نہ ہو تو اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ دوسری یہ کہ اجماع امت یا قیاس سے یا اس کی کوئی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ کبھی بھی بدعت سیئہ نہیں ہوتا بلکہ دلیل شرعی اور آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کے حکم سے جو قواعد اخذ کیے جاتے ہیں وہ دین میں سنت یا بدعت حسنہ کے طور پر داخل ہیں کہ بدعت حسنہ سنت کے معنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت ساری کتابوں میں اس کی تصریح ملتی ہے انھیں میں سے اربعین نووی کی شرح فتح المعین از شیخ ابن حجر ہیثمی بھی ہے، جس میں پانچویں حدیث کی تشریح کے تحت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی جائے جو کتاب وسنت یا اجماع واثر کے خلاف ہو تو وہ بدعت سیئہ ہے۔ اور اگر کوئی ایسی نیک چیز ایجاد کی جائے جو ان کے مخالف نہ ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے۔ الغرض بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے، اور یہ انھیں خوبیوں کی حامل ہونی چاہیے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور اس سے کسی امر شرعی پر ضرب بھی نہ پڑتی ہو۔ اور بدعتوں میں بعض فرض کفایہ ہوتی ہیں جیسے علوم دینیہ کی تدوین وتصنیف وغیرہ۔ امام نووی کے شیخ امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی نو ایجاد چیزوں میں یہ چیز کیسی عمدہ ہے کہ لوگ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر صدقات وخیرات اور زینت ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ایک طرف تو فقرا کا فائدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف محفل میلاد کرنے والے کے دل میں محبت وعظمت رسول کی جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس میں شکر وامتنان کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی تشریف آوری کو مسلمانوں پر احسان عظیم قرار دیا۔

دیکھیے، مولوی اسماعیل صاحب اس مقام پر بدعت حسنہ کے ذکر میں محدث ابوشامہ کی وہ عبارت لائے کہ جس میں محفل میلاد شریف کے استحسان کی صاف تصریح ہے۔ اور ان کے سواد دہلی کے اور اکابر علماء مثلاً مولانا محمد کریم اللہ صاحب مرحوم جامع علوم عقلیہ

ونقلیہ' استاذنا ومولانا ومولی العالمین مفتی محمد صدرالدین خاں صاحب صدر العلماء والفضلا' اور عارف ومحدث وفقیہ جناب مولانا احمد سعید صاحب دہلوی محفل میلاد شریف کے استحباب کے قائل تھے۔ ان کے مہری فتاوے راقم کے پاس موجود ہیں۔ اور زبدۂ متورعانِ روزگار' عمدۂ محدثین کبار جناب مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی کچھ پڑھا ہے) بزم میلاد شریف کے معتقد تھے' اور قیام بھی کرتے تھے۔ ان کے ہندوستان میں اقامت پذیری کے دوران تصنیف کردہ رسالہ ''شفاء السائل'' میں ایک مختصر عبارت یوں ہے

حق آنست کہ نفس ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسرور وفاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پرفتوح سید الثقلین از کمالِ سعادت انسان است چنانچہ شیخ ابن حجر مکی وشیخ عبدالحق دہلوی وغیرہما تصریح نمودہ اند آرے چیز ہائے دیگر اگر مقترن شدند کہ خلاف شرع ہستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مراثی وسرودخوانی۔ الٰی آخرہ۔

سچی بات یہ ہے کہ ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر' خوشی منانا اور دونوں عالم کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کے لیے فاتحہ کا ایصالِ ثواب کرنا ایک انسان کے لیے کمالِ سعادت کی بات ہے۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے ہاں' اگر اس کے ساتھ کچھ خلاف شرع چیزیں ملادی جائیں تو وہ البتہ ممنوع ہوں گی جیسے مرثیہ پڑھنا اور گانے گانا۔

دیکھیے کہ اس مختصر سی عبارت میں آپ سب فرما گئے۔ یعنی جب کوئی شخص ممنوع اور خلاف شرع باتیں مثلاً مرثیہ وسرودخوانی کرنے لگے گا تو اس کو البتہ منع کیا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو آپ کا فاتحہ یعنی ایصال ثواب کے لیے کھانا یا شیرینی مسلمانوں کو دینا اور کھلانا اور آپ کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منانا انسان کی کمالِ سعادت ہے۔ جب خوشی منانا کمالِ سعادت ہوا تو سرور کے جملہ سامان مثلاً دوست احباب کا جمع ہونا' خوشبو کا استعمال کرنا' شیرینی بانٹنا' کھانے کھلانا' ذکر ولادت کے وقت ولادت نبوی کی خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے غلبہ محبت اور جوش مسرت میں کھڑے ہو جانا اور درود وسلام پڑھنا یہ سب کا سب سرور کرنے میں داخل اور سعادت انسانی کا باعث ٹھہرا۔

شاہ صاحب موصوف نے اس سلسلہ میں دو علمائے ربانی کا حوالہ دیا ہے ان میں ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو خود صراحۃً میلاد کے عمل کو سامان سرور اور تعیین یوم کے ساتھ ''ما ثبت من السنۃ'' وغیرہ اپنی تصنیفات میں درست مان رہے ہیں۔ دوسرے ابن حجر مکی وہ بھی امور مذکورہ اور قیام مروجہ کو اپنی تصنیف مولد کبیر وغیرہ میں صراحۃً لکھ رہے ہیں۔ تو شاہ صاحب نے عبارت بالا میں ان دونوں بزرگواروں کا نام لکھ کر ہر مرد عاقل کے لیے کامل اشارہ فرمادیا کہ جس طرح علمائے مجوزین کا فریق اس عمل کو مستحسن مان رہا ہے میں بھی مانتا ہوں۔ اور آپ صراحۃً زبانی بھی یوں ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے' اور یہی آپ کا دستور العمل تھا' جس کو شک ہو' آپ کے مقبول تلمیذ اور شاگرد عزیز جناب مولانا عبدالحق صاحب سے دریافت کرلے؛ جو بالفعل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں بھی دور دور تک مشہور ومعروف ہیں۔

افسوس ہے کہ وہ کاملین حضرات تو اب موجود نہیں' انتقال فرما گئے لیکن ہم ان کے انتقال ووفات پر صبر کرکے پھر بھی اس منعم حقیقی کا شکر بجالاتے ہیں کہ اب بھی حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں ہمارے ہندوستان کے دو رکن رکین حامی دین

'موید شرع متین اور قبلہ ارباب یقین موجود ہیں۔ یعنی استاذی وملجائی وملاذی شیخ العلماء حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب عمت فیوضہم اور مرشدی ومولائی وثقتی ورجائی الحافظ المہاجر مولانا امداد اللہ نفعنا اللہ بانوارہ واسرارہ۔

یہ دونوں حضرات بابرکات بھی محفل اقدس کو خیر وبرکت کا سبب فرماتے ہیں' اور جو کوئی صاحب محفل آپ کو بلائے برغبت اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ غرض کہ آپ کا مشرب صدق وسداد ہے' قیام کے سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ نہ اس میں وہ افراط وغلو چاہیے کہ اس کو فرض وواجب کہا جائے اور نہ اس قدر تفریط کہ حرام وبدعت ٹھہرا دیا جائے' صراطِ مستقیم اور درمیانی راستہ یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کے فتوے کے موافق اور علمائے روم وشام ویمن کی تحقیق کے مطابق اس کو مستحب ومستحسن تسلیم کیا جائے۔ اور یہی اس راقم السطور کا مشرب ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ. (۱)

واضح ہو کہ راقم نے اگرچہ سلف سے لے کر خلف تک محفل میلاد شریف کا ثبوت کامل طور پر فراہم کر دیا لیکن چوں کہ مانعین کے بعض شبہات ادھر ادھر اہل ایمان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر رہے ہیں؛ اس لیے اب ان وساوس واعتراضات کے جواب قلم بند کیے جا رہے ہیں (واللہ ولی التوفیق)۔

لمعہ ثالثہ

اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں اور یہ کنہیا کے جنم کی مشابہت ہے' نیز اس میں نصاریٰ کے بڑے دن کا تشبّہ بھی ہے۔ نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فقط ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی اور ان کی مشابہت کا قصد کرتے ہیں۔ تو تم اصل حال سن چکے کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنہیا کو نہیں جانتے کہ کنہیا کس چیز کا نام ہے' اس کے جنم کی مشابہت کا قصد تو درکنار۔ بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان کنہیا کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ روم وشام کے مسلمان اور علمائے حرمین شریفین جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کس کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا تو سمجھ لو کہ اس عمل میں ہم سلاطین روم' فرماں روایانِ شام' ممالک مغربیہ' اندلس اور مفتیانِ عرب کے دستور العمل کے تابع ہیں۔ سلمہم اللہ الی یوم الدین۔

اب سمجھنا چاہیے کہ جس طرح اس میں کنہیا کے جنم کی مشابہت نہیں اسی طرح کئی وجوہ سے نصاریٰ کی بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ اگر خدانخواستہ مسلمان' نصاریٰ کے بڑے دن کو ان ہی کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو اس قوم کا شعار ہے اس میں شرکت لازم آتی اور ان کے مانند ہو جاتے' پھر ان پر یہ صادق آتا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کیوں کہ تشبہ کے معنی مانند ہونے کے ہیں اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں' پھر اعتراض کیا رہا؟۔

دوسری وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک' اہل اسلام کا اجتماع اور عطریات وحلوے وغیرہ کا استعمال شرع میں ہرگز مذموم اور بری بات نہیں' کیوں کہ یہ چیزیں اہل کفر کے شعار سے نہیں بلکہ اصولِ شرعیہ سے ان کا ثبوت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ' رحمت ہے کیوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمت الٰہی پر مسرت وخوشی منانے

(۱) سورۂ اعراف' ۸۹/۷

کے ہم من جانب اللہ مامور ہیں

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا . (۱)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب استحباب پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا

میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن وحی اتری۔ (۲)

تو ولادت شریف کی خوشی اور اس کا شکر ادا کرنا اہل اسلام نے اصول شرعیہ سے ثابت کیا ہے اس کو کفار کے شعار سے نہیں بتایا ہے' اور تشبہ اس امر میں مکروہ ہوتا ہے جو شعار کفار اور شرعاً مذموم ہو۔ چنانچہ درمختار اور بحر الرائق وغیرہ کی عبارتیں ذکر فاتحہ سویم کے سلسلے میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ اور یہی جواب ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے۔

ان کی طرف سے دوہرا جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہل اسلام تیر اندازی کیا کرتے تھے' پھر جب کفار سے ان کے مقابلے ہوئے تو ان کے پاس توپ اور بندوقیں تھیں' پھر لشکر اہل اسلام کے مجاہدین کے لیے بھی یہی آلات تجویز کیے گئے۔ چنانچہ تیر اندازی کے بارے میں فقہا لکھتے ہیں

هو في زماننا اسغنى عنه بالمدافع . (۳)

اب ہمارے زمانے میں توپوں کی موجودگی میں اس کی کوئی حاجت نہ رہی۔

جس طرح پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے قواعد حرب ان کے ہاں تھے' اس طرف بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا' تو اس کو تشبہ نہیں کہتے۔ یہ تو اس آیت کریمہ کی تعمیل ہے

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ . (۴)

جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

اس آیت کریمہ کے ذیل میں صاحب روح البیان لکھتے ہیں

أى بعقوبة مما ثلة لجناية اعتدائه الخ(۵)

تم اس کو ویسی ہی سزا دو جیسی انھوں نے زیادتی کی۔

---

(۱) سورۂ یونس؛ ۱۰/۵۸

(۲) الفاظ حدیث یہ ہیں

عن أبي قتادة الأنصاري قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم يوم الاثنين فقال : فِيْهِ وَلِدْتُ وَ فِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ .
(صحیح مسلم: ۶/۵۷ حدیث: ۱۹۷۸' سنن ابوداؤد: ۶/۴۰۰ حدیث: ۲۰۷۱' مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۶۳ حدیث: ۲۰۴۵' سنن کبریٰ بیہقی: ۴/۲۹۳' مسند احمد: ۴۶/۴۹ حدیث: ۲۱۵۰۸' دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۳ حدیث: ۴۴۱' شعب الایمان بیہقی: ۳/۴۲۶ حدیث: ۱۳۷۵' مستخرج ابوعوانہ: ۶/۲۴۰ حدیث: ۲۳۵۱' صحیح ابن خزیمہ: ۷/۴۸۶ حدیث: ۱۹۳۹' فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۳۲۳ حدیث: ۲۸۴' مسند جامع: ۳۸/۳۸۳' تحفۃ الاشراف: ۱۱/۱۹۹ حدیث: ۱۲۱۱۸۔

(۳) اس سلسلے میں ردالمحتار کی عبارت یوں ہے: و قد تركت اليوم للاستغناء عنها بالمدافع الحادثة . (۱۵/۴۳۶)

(۴) سورۂ بقرہ؛ ۲/۱۹۴

(۵) تفسیر روح البیان: ۱/۳۰۷ لبنان

توجب فریق ثانی توپ اور بندوق سے مسلمانوں کو بھوننے لگے، تو یہ بھی جواب میں اسی طرح پیش آنے لگے۔ الحاصل، مغربی ممالک وغیرہ میں کہ جہاں حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیمبر مسیح کی یوم ولادت میں شوکت واحتشام ظاہر کر کے فخر دکھلاتے ہیں اور کمزور مسلمان ان کی ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے تب مصر و اندلس اور مغرب کے مسلم بادشاہوں نے قوم نصاریٰ سے کہیں زیادہ رونق وجلال کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق اور شانِ اسلامی کے اظہار کے لیے اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے روز میلاد ماہِ ربیع الاول میں خوب تزک واحتشام ظاہر کیا تا کہ ان کے مقابلے میں شوکت اسلامی کا پورا مظاہرہ ہو۔ اور اس کے اندر طرح طرح کے معجزات کا پڑھنا شروع کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ وجلال اور فضل وکمال کا شہرہ سارے جہاں میں آشکار ہو جائے، یہ کوئی تشبہ نہیں بلکہ درحقیقت مخالفین کو پست کرنا اور شعائر دین کو فروغ دینا ہے۔ چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں اس کی تصریح ملتی ہے جسے ملا علی قاری نے اپنے رسالہ موردالروی میں نقل کیا ہے

و أما ملوک الأندلس و المغرب فلهم فيه يعنى في ربيع الأول ليلة تسير بها الركبان و يجتمع فيها أئمة العلماء الأعيان من كل مكان و يعلو بين أهل الكفر كلمة الإيمان .

بادشاہانِ اندلس ومغرب نے ربیع الاول میں ایک رات خاص کر رکھی ہے جس میں دور دور سے لوگ سوار ہو کر آتے، نیز وقت کے اجلہ علمائے کرام بھی ہر جگہ سے تشریف لاتے اور اہل کفر کے بیچ کلمہ ایمان کا غلغلہ بلند ہوتا۔

اسی طرح نورالدین ابوسعید بورانی نے لکھا ہے

علماء از اطراف عالم جمع آیند و در تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف ارغام اہل کفر وضلال نمایند۔

دنیا جہاں کے اطراف سے اس میں علماء شرکت فرماتے اور شب میلاد شریف کی تعظیم وتکریم سے اہل کفر وضلال کے سر ذلت وخواری سے نیچے ہوتے دکھائی پڑتے۔

خود کلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے

لو لم يكن في ذلک إلا إرغام الشيطان و إدعام أهل الإيمان . (۱)

یہ محفل میلاد شریف اہل ایمان کے لیے باعث تقویت، اور شیطان کے لیے ذلت وخواری کا سامان ہے۔

تماشہ یہ ہے کہ کسی دور میں کفار اس محفل سے جلا کرتے تھے اور اس آخری دور میں بعض مسلمان اس سے جلتے نظر آ رہے ہیں۔

ابن جزری کی طرف سے ایک تیسرا جواب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دستور ہے کہ جو لوگوں کو کسی نیک کام کی طرف ترغیب دیتے ہیں تو ادنیٰ کا ذکر کر کے اعلیٰ کا شوق دلانا مقصود ہوتا ہے مثلاً گاؤکشی وغیرہ مقدمات دینیہ میں جب اہل اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جائے کہ قوم ہنود باوجودے کہ ان کا مذہب باطل ہے وہ تو باطل پر جاں فشانی کریں اور تم حق پر ہو کر بھی کچھ نہ کرو، تم کو ان سے کہیں زیادہ عرق ریزی اور جاں نثاری کرنی چاہیے۔ اس کو کوئی عاقل تشبہ بالکفار نہ کہے گا، اسی قاعدہ کے مطابق قرآن میں نازل ہوا

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَ تَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَ يَرْجُونَ . (۲)

اگر تمھیں دکھ پہنچتا ہے تو انھیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تمھیں پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۳
(۲) سورۂ نساء: ۴/۱۰۴

اس آیت کی تفسیر دیکھنی چاہیے۔ اور محمد بن مسعود کازرونی کا قول اسی درجہ میں ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ یا کوئی مقتدر اَمیر اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلّفات وضیافت وغیرہ کرے (حالانکہ وہ ابنائے دنیا سے ہے) تو پھر میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ یہ سببِ نجات ہے۔ تو ترغیب محفل میلاد کے سلسلے میں ابن جزری کا قول بھی اسی قبیل سے واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کی میلاد کی ایسی خوشی کریں تو ہم تو ان سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی منائیں۔

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی اسی درجہ میں واقع ہوا ہے کہ جب یہودیوں نے کہا ہم روزۂ عاشورا موسیٰ علیہ السلام کو نجات ملنے کے شکرانے میں رکھا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا

أنَا أحَقُّ بِمُوسیٰ مِنکُم . (۱) جب تم یہوذ ان کا شکر یہ ادا کرو تو میں اس شکر یہ کا تم سے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ مجھ کو موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ مناسبت ہے۔

یہاں ایک خوبی اور ہے کہ اگر ابن جزری یہ مقولہ فرما کر محفل میلاد شریف کی بنا ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے، اور انھوں نے یہ عمل نصاریٰ سے سیکھا ہے، حالانکہ یہ عمل اس کلام سے دوسو برس پہلے یوم میلاد کی تخصیص وتعیین کے ساتھ ایجاد ہو چکا تھا، اور علمائے دین اس کی اصل ونظیر شریعت سے نکال کر فتوے دے چکے تھے۔ تو اس شیخ معظم مرحوم پر تشبہ نصاریٰ کا الزام بے سمجھے بوجھے نہیں لگا دینا چاہیے۔ خیر، شیخ پر ہوئے اعتراض کے رد کا یہ ذکر (درمیان میں) اتفاقی آ گیا تھا، اب ہم اصل کلام کی طرف رجوع کریں اور تشبہ کے ابطال کی وجہ بیان کریں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنہیا معین ہے، اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے وہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اہل اسلام کے یہاں یہ بات نہیں کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کے سوا کسی اور دن میلاد شریف کی محفل مسرت منعقد نہ کریں۔ ربیع الاول کی ساری تاریخوں میں میلاد شریف ہوتا ہے، کسی نے کسی دن کیا اور کسی نے کسی دن، بلکہ ربیع الاول کے علاوہ اور مہینوں میں بھی اہل اسلام میلاد شریف کیا کرتے ہیں۔ اور ہنود ونصاریٰ خاص اسی ایک دن کیا کرتے ہیں۔ اور یہ مثال اوپر ہم دے چکے ہیں کہ صوم عاشورا میں ہم اور اہل کتاب شریک ہیں لیکن ایک روز پہلے بھی جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے ہی سے تشبہِ اہل کتاب جاتا رہتا ہے، اور ہمارا فعل ان سے جدا گنا جاتا ہے۔ فقہ وحدیث کی کتابوں میں (اس کی تفصیل) معلوم کریں۔

تو جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہو گیا (حالانکہ ہم ان کے اصل فعل یعنی صوم یوم عاشورا میں ان کے شریک ہیں)

(۱) صحیح بخاری: ۷/۱۲۷ حدیث: ۱۸۶۵، مسند احمد: ۶/۴۴ حدیث: ۲۵۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۴۴ حدیث: ۲۵۱۲، مسند ابو یعلی موصلی: ۶/۱۲۲ حدیث: ۲۵۱۳، مسند حمیدی: ۶/۱۲۲ حدیث: ۲۵۱۳، کنز العمال: ۸/۵۷۴ حدیث: ۲۴۲۴۶، مجمع الزوائد: ۳/۱۸۴، مسند جامع: ۴۱/۴۰۰ حدیث: ۱۳۴۹۵

زیادہ تر کتابوں میں یہ حدیث صیغۂ جمع کے ساتھ یوں ملتی ہے

فنحن أحق بموسیٰ منکم . (سنن ابن ماجہ: ۵/۲۶۹ حدیث: ۱۷۲۴، سنن نسائی: ۲/۱۵۷ حدیث: ۲۸۳۵، معجم کبیر طبرانی: ۱۰/۱۷۰ حدیث: ۱۲۱۹۳، تہذیب الآثار طبری: ۲/۱۲۵ حدیث: ۱۰۹۱، شعب الایمان بیہقی: ۸/۲۹۲ حدیث: ۳۶۱۷، مستخرج ابی عوانہ: ۶/۲۷۶ حدیث: ۲۳۸۲، فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۲۶۴ حدیث: ۲۳۳

پھر نصاریٰ کے بڑے دن اور کنہیا کے جنم میں کہ ہم ان کے ان دونوں دنوں میں ان کے افعال میں (کسی بھی طرح) شریک نہیں تمہارا کیا خیال ہے؟۔اور ہم جو محفل میلاد شریف کرتے ہیں اس کی ترتیب وآئین جدا اور ان کے رسوم وقواعد جدا' نہ دن میں کوئی شرکت اور نہ کاروبار میں کوئی مشابہت!(استغفر اللہ) اسے ابن جزری کی طرف سے چوتھا جواب سمجھو۔

خلاصہ یہ کہ امام المحدثین علامہ ابن جزری اور جملہ اہل سنت وجماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبیہات کفریہ سے بالکل پاک ہے۔ہاں! یہ حضرات محفل میلاد شریف کو جنم کنہیا وغیرہ سے تشبیہ دے کر کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں۔اگر چہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہو گئے تو ان کے عذاب کے لیے اللہ بس ہے' میں اپنا منہ کیوں آلودہ کروں۔ہاں! بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی تشبیہ دینے اور حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی محفل کو اس قسم کی تحقیر واہانت کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے خطرناک الفاظ سے پرہیز کریں۔وما علینا إلا البلاغ.

فائدہ

چونکہ تشبہ بالہنود والنصاریٰ کا لفظ ابن جزری وغیرہ علمائے کبار تک پہنچا ہے اس لیے ہم شرع سے اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ وہ پاکبازانِ امت اس دھبے سے پاک نظر آئیں۔

اگر کسی کام میں بظاہر تشبہ معلوم ہوتا ہو لیکن مسلمانوں کی اس سے غرض تشبہ کی نہ ہو بلکہ کسی مصلحت اور اعلائے شانِ اسلام مقصود ہو تو وہ فعل' مکروہ نہیں رہتا۔دیکھیے مساجد کی تزئین وآرایش کے سلسلہ میں حدیث آئی ہے

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ ' قَالَ ابْنُ عَبَاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصَارىٰ . (۱)

مشکوٰۃ میں بروایت ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پکی اور بلند مسجدیں بنانے کا حکم نہیں ہوا ہے۔حضرت ابن عباس اس حدیث کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ تم مسجدوں کو یوں ہی سجاؤ گے جس طرح یہود ونصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کی تزئین اور نقش نگاری کیا کرتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح:۱/۱۵۸حدیث:۷۱۸'سنن ابوداؤد:۲/۳۴حدیث:۳۷۸'سنن بیہقی:۲/۴۳۹'مصنف عبدالرزاق:۳/۱۵۲حدیث:۵۱۲۷'صحیح ابن حبان:۷/۲۳۲حدیث:۱۶۴۲'کنز العمال:۷/۶۶۸حدیث:۲۰۸۲۷'المسند الجامع:۱۹/۵حدیث:۵۹۷۸'تحفۃ الاشراف:۷/۲۲۰حدیث:۶۵۵۴'روضۃ المحدثین:۹/۱۰۲

حدیث کے الفاظ یوں بھی ملتے ہیں

إني لم أومر بتشييد المساجد' قال ابن عباس .... معجم کبیر طبرانی:۱۰/۳۸۴حدیث:۱۲۸۲۶'مسند ابویعلی موصلی:۶/۸حدیث:۲۳۹۹'مسند حمیدی:۶/۸حدیث:۲۳۹۹

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أَرَاکُمْ سَتُشَرِّفُونَ مَسَاجِدَکُمْ بَعْدِي کَمَا شَرَّفَتِ الْیَهُودُ کَنَائِسَهَا وَ کَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارىٰ بِیَعَهَا . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے بعد مسجدوں کی عمارتیں بلند کرو گے جیسے کہ یہود نے اپنے کنیسوں اور نصرانیوں نے اپنے گرجا گھروں کو عالیشان بنایا ہے۔

دیکھیے، یہاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں لفظ تشبہ وارد ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو بلند بنائیں یا نقش و نگار سے سجائیں تو یہود و نصاریٰ کے فعل کے ساتھ تشبہ ہے لیکن اس کے باوجود محققین اہل سنت اور ارباب اجتہاد و فتاویٰ نے اس کو جائز رکھا۔

ہدایہ میں ہے

لا بأس بأن ينقش المسجدُ بالجص و الساج و ماء الذهب . (۲)

مسجدوں کو چونے، سال کی لکڑی اور آبِ زریں سے زینت بخشنے میں کوئی حرج نہیں۔

یوں ہی درمختار اور فتح القدیر میں ہے کہ مسجد کی زینت کرنے میں تین قول ہیں، ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ان کی عبارت یہ ہے

و الأقوال ثلاثة و عندنا لا بأس به . (۳)

اس سلسلے میں تین اقوال ہیں مگر ہمارے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

طحطاوی نے بحر الرائق کے حوالے سے نقل کیا ہے

و أصحابنا قالوا بالجواز من غير كراهة . (۴)

ہمارے اصحاب مذہب نے بلا کراہت تزئین مسجد کے جواز کا حکم دیا ہے۔

ان تین اقوال میں دوسرا قول یہ ہے کہ مسجد کو زینت دینا مستحب ہے۔ یہ قول بھی ہدایہ اور شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ شامی کی عبارت یوں ہے

و قيل يستحب لما فيه من تعظيم المسجد . (۵)

تزئین میں تعظیم مسجد ہونے کی وجہ سے اس کے استحباب کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مساجد کی تزئین و آرائش مکروہ ہے، مگر یہ قول ضعیف و مرجوح ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲/۴۴۶ حدیث: ۷۳۲، کنز العمال: ۷/۶۶۷ حدیث: ۲۰۸۲۳، مسند الجامع: ۱۹/۴ حدیث: ۵۹۷۷، تحفۃ الاشراف: ۷/۱۳۹ حدیث: ۶۲۰۸

(۲) العنایہ شرح الہدایہ: ۲/۱۷۸ (فصل استقبال القبلۃ)، فتح القدیر: ۲/۳۳۹ (فصل ویکرہ استقبال القبلۃ)، المبسوط: ۳۴/۱۶۵ (کتاب الکسب)، درر شرح غرر: ۱/۴۹۴ (مکروہات الصلوٰۃ)

(۳) فتح القدیر: ۲/۳۴۰ (فصل ویکرہ استقبال القبلۃ)

(۴) بحر الرائق: ۴/۱۸۶ (باب نقش المسجد)

(۵) ردالمحتار: ۵/۸۲ (فروع اشتمال الصلوٰۃ علی الصماء)

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا

مانعین کی حجت ضعیف ہے اس لیے کہ جملہ مسلمانوں کے اجماع سے کعبۃ اللہ کو زینت دی گئی' اور یوں کہ اندر سے سنہرا کام کیا گیا اور باہر سے غلاف دیبا اس پر چڑھایا گیا' اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاف چڑھایا۔ اسی طرح مسجد کی زینت میں لوگوں کو مسجد آنے کی رغبت ہوتی ہے' تو یہ تکثیر جماعت کا سامان ہے' اور اس میں خانہ خدا کی تعظیم ہے۔ انتہیٰ۔

مجمع البحار کی تقریر ذکر چہلم وغیرہ کے سلسلے میں ہم اوپر لکھ چکے کہ لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے' اب اگر مساجد کی زینت نہ کی جائے تو خانہ خدا کی تحقیر لازم آتی ہے۔ انتہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہی مضمون ''اشعۃ اللمعات'' میں یوں رقم فرماتے ہیں

مردم خانہائے مشید و مزخرف و مطلا می سازند اگر ما مسجد ہا بخشت وگل سادہ بنا کنیم شاید کہ درنظر عوام خوار نماید و حقیر در آید۔ انتہیٰ۔	لوگ تو اپنے مکانات پختہ' منقش اور پر زینت بنائیں اب اگر مسجدیں صرف اینٹ اور مٹی کی بالکل سادہ بنائی جائیں تو شاید عوام کی نظر میں اس کی اہمیت و وقعت گھٹ جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ سمجھنے پر محققین کا عمل نہیں بلکہ عالم بھر میں پھر کر دیکھو جمیع اہل اسلام چونہ اور گچ وغیرہ سے تعمیر مساجد میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں اور جنہیں قدرت ہوتی ہے وہ فرشوں' قندیلوں اور گوناگوں نقوش وغیرہ سے زینت دیتے ہیں حتی کہ مولف براہین قاطعہ گنگوہی نے بھی اس مقام پر صفحہ ۱۳۳ کی پانچویں سطر میں اسی طرح لکھا ہے

زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کی ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے۔ الیٰ آخرہ۔

بھلا جب وہ تشبہ جو حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں منصوص ہے کسی دینی غرض کی وجہ سے کراہت سے نکل کر مولف براہین قاطعہ کے مذہب کے مطابق فرضیت کے عالی منصب پر پہنچ گیا اور علمائے سلف کے اقوال کے موافق مستحب اور مباح ہوگیا۔ تو کیا غفلت کا پردہ پڑ گیا مانعین کی فہم پر؟

مولد شریف میں کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر بالفرض تم کو اس میں تشبہ نظر آتا ہے تو کیفیت زمانہ تبدیل ہوجانے کی وجہ سے اب اس کو مستحب سمجھو جیسا کہ ہم اوپر علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے امام سخاوی کا یہ قول نقل کر چکے

یجتمع أئمة العلماء الأعیان من کل مکان و یعلو بین أهل الکفر کلمة الإیمان .	اس محفل میلاد شریف میں اجلہ ائمہ وعلماء ہر جگہ سے تشریف لاتے تھے اور اہل کفر کے درمیان کلمہ ایمان بلند کرتے تھے۔

یہ فائدہ ہم نے بطورِ تنزل لکھا ہے یعنی درحقیقت اس میں تشبہ نہیں اور اگر تشبہ بھی ہوتا تب بھی یہ عمل ایک دوسری خوبی کی بنیاد پر مستحب اور مستحسن ہوتا کہ اس میں کلمۃ الحق بلند ہوتا ہے۔ جیسا کہ مساجد کی زینت میں کہ (گو یہود و نصاریٰ کا تشبہ موجود ہے لیکن دوسری خوبی کے باعث کہ خانہ خدا کی تعظیم نکلتی ہے) اس کی یہ زینت مستحب اور مستحسن ہے۔

لمعہ رابعہ

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر چہ اس میں کفار کا تشبہ نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت سیئہ ضرور ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

جواب مولوی اسماعیل صاحب اپنی تصنیفات 'تذکیر الاخوان' وغیرہ میں لکھتے ہیں

جو عمل ایسا ہو کہ زمانہ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اس کے بعد تین زمانے (یعنی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین) میں وہ عمل نہ پایا جائے اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر ومثل پائی جائے تو وہ عمل بدعت ہے۔ اور جو کچھ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہیٰ۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی مثل ونظیر بھی۔

اصل وجود تو یہ ہے کہ میلاد شریف کی شروعاتی بحث میں ہم نصوص قرآنی لکھ چکے ہیں ان کو دیکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ . (١)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا ذکر فرمایا اس کے بعد آپ کی صفتیں بیان فرمائیں۔ اور میلاد شریف میں بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ کے آنے کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ پیدا ہوئے یعنی عالم غیب وبطون سے عالم شہادت وظہور میں تشریف لائے۔ اور پھر آپ کی صفات کا نثراً اور نظماً بیان ہوتا ہے۔

اس سے بھی واضح تر سنو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَ بِشَارَةُ عِيسَىٰ وَ رُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَت إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ وَ حِينَ وَضَعَتْنِي وَ قَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ . (٢)

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی وقت سے 'خاتم النبیین' لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم ابھی اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ اب میری ابتدا کا معاملہ سنو! میں ابراہیم کی دعا (٣) نوید عیسیٰ (٤) اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور اس وقت ان کے لیے ایک ایسی روشنی ظاہر ہوئی جس سے ان کو شام کے محلات تک نظر آنے لگے تھے۔

---

(١) سورۂ توبہ: ١٢٨/٩

(٢) مشکوٰۃ المصابیح: ٢٥١/٣ حدیث: ٥٧٥٩، صحیح ابن حبان: ٣٣٩/٢٦ حدیث: ٦٥١٠، موارد الظمآن: ٥١٢/١

یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ متعدد طریقے پر ملتی ہے

۞ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : إني عبد الله في أم الكتاب لخاتمُ النبيين و إن آدم لمنجدل في طينته و سأنبئكم بتأويل ذلک دعوةِ أبي إبراهيم و بشارة عيسىٰ قومه و رؤيا أمي رأت أنه خرج منها نور أضاء ت له قصور الشام . (مسند احمد: ٢٥/٣٥ حدیث: ١٦٥٣٧، مستدرک حاکم: ٤٥١/٩ حدیث: ٤١٤٠، معجم کبیر طبرانی: ٢/١٣ ١٧ حدیث: ١٥٠٣٤، دلائل النبوۃ بیہقی: ٢٢/١ حدیث: ١٥، امالی ابن بشران: ٤٤/١ حدیث: ٤٠)

<<

یہ روایت مشکوٰۃ کے باب (فضائل سید المرسلین) میں موجود ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس حدیث کو امام احمد، بیہقی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور زرقانی نے شرح مواہب میں کہا کہ اس کو ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ دیکھیے حدیث صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اولیت و سابقیت کا ذکر اور ولادت باسعادت کا بیان بھی خود فرمایا ہے اور وہاں موجود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے سنا جن کو حضور نے مخاطب کر کے فرمایا تھا: سأخبر كم بأول أمري۔

اب ہم دوسری روایت وہ بیان کریں جس میں یہ بات ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مجمع عام میں ایسے اشعار پڑھے جن میں ولادت شریف کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے بہ رضا و رغبت سنا۔

❁ قال : دعوة أبي إبراهيم و بشرىٰ عيسىٰ و رأت أمي أنه يخرج منها نور أضاء ت منها قصور الشام . (مسند احمد: ۴۵/ ۲۲۶ حدیث: ۲۱۲۳۱، بغیۃ الحارث: ۱/ ۲۸۱ حدیث: ۹۳۱، معجم کبیر طبرانی: ۷/ ۱۹۲ حدیث: ۷۶۳۱، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/ ۲۴ حدیث: ۷، مسند الشامیین: ۵/ ۱۸۲ حدیث: ۱۵۵۲، مسند طیالسی: ۳/ ۳۲۳ حدیث: ۱۲۲۳، مجمع الزوائد: ۳/ ۴۹۱، کنز العمال: ۱۱/ ۳۸۳ حدیث: ۳۱۸۲۹، مسند الجامع: ۱۷/ ۱۸۶ حدیث: ۵۳۳۹، حدیث ابوالفضل زہری: ۲/ ۶۶ حدیث: ۵۶۵، سبعۃ مجالس من امالی ابی الطاہر: ۱/ ۶ حدیث: ۵، مسند ابن جعد: ۷/ ۱۹۷ حدیث: ۲۸۹۲، مسند الحارث: ۳/ ۲۸۴ حدیث: ۹۱۶، مسند الرویانی: ۳/ ۴۴۴ حدیث: ۱۲۵۴)

❁ إني عبد الله، و خاتمُ النبيين و إن آدم عليه السلام لمنجدل في طينته و سأحدثكم عن ذلک دعوةُ أبي إبراهيم و بشارة عيسىٰ و رؤيا أمي رأت و كذالک أمهات النبيين يرين و إن أم رسول الله صلى الله عليه وسلم رأت حين وضعت نور أضاء ت منه قصور الشام . (معجم کبیر طبرانی: ۱۳/ ۱۷۱ حدیث: ۱۵۰۳۳، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/ ۲۰ حدیث: ۱۳، شعب الایمان: ۳/ ۴۲۵ حدیث: ۱۳۷۴، روضۃ المحدثین: ۳/ ۴۵۲ حدیث: ۱۲۲۷)

❁ إني عند الله لخاتمُ النبيين و إن آدم لمنجدل في طينته و سأنبئكم باول ذلک دعوة إبراهيم و بشرى عيسىٰ و رؤيا أمي رأت .... حين وضعته نور أضاء ت منه قصور الشام . (مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳/ ۴۹۲، کنز العمال: ۱۱/ ۴۱۸ حدیث: ۳۱۹۶۰)

❁ أخذ الله عزوجل مني الميثاق كما أخذ من النبيين ميثاقهم، و بشر بي المسيح عيسى ابن مريم و رأت أمي في منامها أنه خرج من بين رجليها سراج أضاء ت له قصور الشام . (کنز العمال: ۱۱/ ۴۱۴ حدیث: ۳۱۹۴۱)

(۳) سورۂ بقرہ کے بارہویں رکوع میں یہ دعا مذکور ہے

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِکَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ: ۲/ ۱۲۹)

اے ہمارے رب، اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرما دے، بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا

روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تو غیب سے آواز آئی کہ ابراہیم تیری دعا قبول ہوگئی وہ رسول آخر زمانہ میں آئے گا

(۴) سورہ صف میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (صف: ۶۱/ ۶)

اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے۔ ۱۲ منہ

مواہب لدنیہ نیز دیگر کتابوں میں حاکم وطبرانی اور دیگر محدثین کے حوالے سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو پہلے آپ مسجد میں تشریف لائے جہاں آپ نے مجلس عام میں اجلاس فرمایا؛ جیسا کہ کعب بن مالک نے صحیح میں روایت کیا ہے۔

پھر عباس بن عبد المطلب نے اجازت چاہی آپ نے دعاے خیر دے کر ان کو اجازت عطا فرمائی اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے(۱)

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَ فِي ❁ مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ
ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ ❁ أَنْتَ وَ لَا مُضْغَةٌ وَ لَا عَلَقُ
بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَ قَدْ ❁ أَلْجَمَ نَسْرًا وَ أَهْلَهُ الْغَرَقُ
تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ إِلٰى رَحِمٍ ❁ إِذَا مَضٰى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ
وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَفِي ❁ فِي صُلْبِهٖ أَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ
حَتّٰى احْتَوَى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ ❁ خَنْدَفَ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ
وَ أَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَ ❁ رْضُ وَ ضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ
فَنَحْنُ فِي ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَ فِي النُّ ❁ وْرِ وَ سُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

آپ ولادت شریف سے قبل صلب آدم میں نہایت عمدہ ترین حالت میں تھے جہاں جنت کے پتوں کے پیوند لگائے جاتے تھے۔
پھر آپ آدم کے ساتھ زمین پر یعنی صلب آدم میں اترے اس وقت نہ آپ بشر تھے، نہ پارہ گوشت اور نہ بستہ خون۔
بلکہ صلب سام بن نوح میں کشتی کے اندر سوار آپ ایک ایسا نطفہ تھے جس نے بت نسر کو ڈبو دیا اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان نے غرق کر دیا۔
آپ ایک پشت سے ایک رحم میں منتقل ہوتے رہے تو جب ایک عالم گزرتا دوسرا ہویدا ہو جاتا۔
صلب براہیمی میں چھپے، آتش نمرود میں آپ ہی نے نزول اجلال فرمایا تھا تو بھلا وہ کیوں جلنے لگتے!۔
(آپ پاک صلبوں میں منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ شامل ہوا آپ کا نسب عالی، اولاد خندف کے نسب سے بلند تر ہو گیا کہ اس کے بیچ اور طبقات تھے۔
اور جب آپ عالم دنیا میں جلوہ گر ہوئے تو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے زمین و آسمان جگ مگ جگ مگ کر اٹھے۔
تو اب ہم اسی جادۂ نور و ضیا اور رشد و ہدایت پر چل رہے ہیں۔

---

(۱) مستدرک: ۱۲/۳۴۷ حدیث: ۵۴۲۶، معجم کبیر طبرانی: ۴/۲۸۶ حدیث: ۴۰۵۷، دلائل النبوۃ بیہقی: ۵/۳۵۴ حدیث: ۲۰۲۲، معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۷/۲۱۸ حدیث: ۲۲۶۱، الفوائد الشہیر ابوبکر شافعی: ۱/۲۶۹ حدیث: ۲۶۳، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/۴۸۸، کنز العمال: ۱۲/۴۲۸ حدیث: ۳۵۴۸۹، تخریج احادیث الاحیاء: ۵/۱۷۲ حدیث: ۲۱۷۲

اب دیکھیے' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت' آپ کے ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہونے اور حضرت نوح وبراہیم علیہما السلام کا آپ کی برکت سے نجات پانے کے احوال بیان ہوئے ہیں کہ آپ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر پاک صلبوں اور رحموں سے منتقل ہوتے ہوتے انجام کار عالم وجود میں آیا' وقت ولادت ایک نور پھوٹا جس سے تمام عالم روشن ہوگیا تو جو کچھ میلاد شریف کی محفل میں بہ تفصیل بیان ہوتا ہے اس جلسہ میں وہ سب بالا جمال مذکور ہوا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ استقلال کے ساتھ یہ ذکر نہ کرے' اگر وعظ کے اندر اور ذکر کے دوران یہ بھی ذکر کردے تو درست ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تنہا پڑھ لیا جائے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں۔

اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس مجلس میں حضرت عباس کا پورا قصیدہ بالاستقلال اسی ایک ذکر میں ہے جس کے اول وآخر کوئی پند وموعظت نہیں۔ اور پھر عین مجمع میں پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح روایت سابقہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ایک ذکر مجمع عام میں بالاستقلال بیان فرمایا تھا تو مجلس ذکر مبارک کی اصل اصیل ثابت ہوگئی۔

اب ہم دوسری بات ثابت کریں کہ اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے۔ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجلس میلاد شریف' نعمت خداوندی کا شکریہ ہے کہ اس نے ایک ایسا ہادیِ کامل ہماری ہدایت کے لیے بھیج دیا۔ جیسا کہ امام نووی کے کلام کی اسناد میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً .الآية .

تو اس کی نظیر اور مثل یہی ہے کہ جلسہ شکریہ صحابہ میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلقہ صحابہ میں تشریف لائے اور پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو؟ کہا ہم یہاں بیٹھے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور اس کا شکر واحسان ادا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں دولت اسلام سے مالا مال فرمایا اور ہمیں راہِ راست پر لگا دیا۔ (اُن کے کلمات یہ ہیں:)

علىٰ مَا هَدَانَا اللّٰهُ لِلإسْلَامِ وَ مَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا .

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم' کیا محض تم شکریے کے لیے بیٹھے ہو انھوں نے عرض کی' قسم اللہ کی ہم صرف اسی غرض سے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا' میں نے تم کو قسم اس لیے نہیں دی کہ تم پر جھوٹ بولنے کا گمان تھا بلکہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے یہ خبر دی

انَّ اللّٰهَ عزوجل يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ . (١) اللہ تعالیٰ فرشتوں کے درمیان تم پر فخر فرما رہا ہے کہ دیکھو یہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

دیکھیے' صحابہ نے نعمت اسلام کا شکریہ ادا کرکے وہ درجہ پایا۔ اور مجلس میلاد میں اُس نعمت عالی کا شکر ہے جو دین اسلام کی اصل جڑ ہے' تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ملائکہ میں بانیانِ محفل میلاد اقدس پر بھی فخر ظاہر فرمائے کیوں کہ علت وہی نعمت کا شکریہ ہے۔

(١) صحیح مسلم: ۱۳/۲۱۴ حدیث: ۴۸۶۹' سنن ترمذی: ۱۱/۲۳۳ حدیث: ۳۳۰۱' مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۱۳ حدیث: ۲۲۷۸' مسند احمد: ۳۴/۱۹۵ حدیث: ۱۶۲۳۲' سنن کبریٰ نسائی: ۳/۵۰۰' الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۲/۶۰ حدیث: ۴۹۳' معجم کبیر طبرانی: ۱۴/۲۲۴ حدیث: ۱۶۰۵۷' مسند ابو یعلی موصلی: ۱۵/۱۹۴ حدیث: ۷۲۲۳' صحیح ابن حبان: ۴/۱۱۸ حدیث: ۸۲۴' الدعا طبرانی: ۵/۶۰ حدیث: ۱۷۸۰' الزہد والرقائق ابن مبارک: ۳/۱۵۷ حدیث: ۱۱۰۹' الشریعہ آجری: ۵/۱۵۸ حدیث: ۱۸۸۰' کنز العمال: ۱/۴۳۷ حدیث: ۱۸۸۲' مسند الجامع: ۳۵/۴۹۶ حدیث: ۱۱۶۵۴' الترغیب والترہیب: ۲/۹۸ حدیث: ۱۵۰۳

جب یہ معلوم ہوگیا کہ مجلس ذکر میلاد شریف کی اصل اور نظیر و مثل سب ثابت ہیں تو پھر اس کا بدعت سیئہ کہنا باطل ہوگیا۔

اب اگر کوئی مجلس میں امورِ مروجہ بالائی کے سلسلہ میں بحث کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محفلوں کے امورِ مروجہ جیسے فرش 'چوکی' منبر یا عطریات کا استعمال' شیرینی کی تقسیم یا کھانا وغیرہ تو یہ سب امور مباحات شرعیہ میں سے ہیں (جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا) اور بعض مباحات کا بعض مباحات کے ساتھ گھل مل جانا کسی اصولی کے نزدیک کراہت وحرمت کا باعث نہیں۔

اعتراض

یہ کہنا کہ ایک آدمی' ابن عمر رضی اللہ عنہما کے برابر میں چھینکا اور یہ کہا' **الحمد لله والسلام علی رسول الله** ۔ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں: **الحمد لله والسلام علی رسول الله** ۔لیکن ایسے موقع میں ہم کو ایسا تعلیم نہ فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا ہے کہ کہا کریں: **الحمدلله علی کل حال** ۔اس حدیث سے یہ سند ہوئی کہ جو شرع میں ثابت ہو اس پر زیادہ کرنا منع ہے۔

جواب

مختصر طور پر (اس کا جواب) یہ ہے کہ ''درمختار'' کے (کتاب الذبائح) میں ہے

(قال علیه السلام) مَوطِنَانِ لاَ أُذْكَرُ فِيهِمَا عِنْدَ العُطَاسِ وَ عِنْدَ الذِّبحِ . (۱)

دو جگہ میرا ذکر نہ کرنا چاہیے' چھینک اور ذبح کے وقت۔

تو اس کا السلام علی رسول اللہ کہنا نہی کے مقابل واقع ہوا تھا پھر بھلا وہ ایک منہی عنہ امر کے الحاق کو کیوں نہ منع فرماتے۔امور منہیہ کو تو ہم بھی منع کرتے ہیں۔

براہین قاطعہ میں ہے

ایک شخص نے چھینک کر کہا السلام علیکم' حضرت ابن عمر نے اس پر بھی انکار کیا۔انتہیٰ۔

ہم کہتے ہیں' وہ انکار اس لیے تھا کہ شریعت کا الحمدللہ کہنے کا جو معینہ وظیفہ تھا اس نے اسے چھوڑ کر اس کی جگہ تحیت ملاقات کا وظیفہ قائم کیا تھا اور یہ دین میں تبدیلی کرنا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔مولد شریف کو اس سے کیا علاقہ' امورِ خیر کا اضافہ وایجاد تو مــن سن فی الاسلام سنة حسنة کی تعمیل ہے' یہ نہ تو تبدیل دین اور نہ تشریع جدید۔

اب ہم یہ تقریر پیش کرتے ہیں کہ کسی ایسے امر مستحسن یا مباح کا زیادہ کردینا (جو پہلے نہ تھا) جائز ہے۔اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں۔باقی جس شخص کی نظر فتاوئ پر ہوگی وہ اور نظیریں نکال لے گا۔

نظیر اول : یہ سبھی جانتے ہیں کہ صحاح ستہ میں جلسہ التحیات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم فرمایا ہوا درود یہ ہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ .إلیٰ آخرہ.(۲)

---

(۱) درمختار:۶۱۱/۵

کنز العمال میں یوں آیا ہے : لا تذكروني في ثلاث مواطن عند العطاس و عند الذبيحة و عند التعجب . (۵۱۰/۱حدیث:۲۲۵۶)

(۲) صحیح بخاری:۱۵۵/۱۱حدیث:۳۱۱۸' صحیح مسلم:۳۷۲/۲حدیث:۶۱۳' سنن ابوداؤد:۶۱/۳حدیث:۸۳۰' سنن ترمذی:۳۰۳/۲حدیث:۴۴۵' سنن نسائی: >>

لیکن اگر کوئی آدمی اس میں تعظیم وادب کے لیے لفظ 'سیدنا' زیادہ کرکے یوں کہے'اللھم صل علی سیدنا محمد الخ. تو صاحب درمختار نے اس کو افضل ومستحب لکھا ہے

و ندب السیادۃ' لأن زیادۃ الاخبار الواقع عین سلوک الأدب فھو أفضل من ترکه. (۱)

لفظ ''سیدنا'' کہنا مستحب ہے کیونکہ خبر واقعی کا زیادہ کرنا عین ادب کا راستہ چلنا ہے تو اس کا پڑھنا اس کے چھوڑنے سے افضل ہے۔

نظیر دوم: زیارت مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاو تعظیماً کے سلسلے میں فقہا یوں لکھتے ہیں

و کل ما کان أدخل في الأدب و الإجلال کان حسنا.

افعال واعمال سے جو چیز زیادہ ادب وجلال میں داخل ہو وہ بہتر ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ سلف سے منقول بات کی رعایت کرنا کہ وہی ہو اس سے کچھ زیادہ نہ ہو ایسا کچھ ضروری نہیں' بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ بھی مودبانہ حرکات وسکنات کرے گا سب بہتر ہیں' ان تعظیمات میں زائر کو اختیار ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث عطا س میں اس شخص کا لفظ السلام علی رسول اللہ' زائد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کے مقابل تھا اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منع کیا' اور مولد شریف میں جو بعض امور ملحقہ ہیں ان کی نہی شرع میں وارد نہیں' لہٰذا امور غیر منہیہ کا امورِ منہیہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

آج کل کے مروجہ مدارس کی کیفیت کا ذرا خیال کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی اور آج مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتی ہے لیکن (دونوں میں) کس قدر فرق ہے کہ پہلے تو یہ بات شائع تھی کہ اُستاد پڑھتے اور شاگرد سنتے تھے۔ چنانچہ بخاری ومسلم اور ابوداؤد وغیرہ سبھی محدثین لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں' لفظ حدثنا جابجا اس پر شاہد ہے۔ اور امام احمد' ابن مبارک اور یحییٰ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک لفظ اُخبرنا بھی حدثنا کی طرح سماع عن الاستاذ کے معنی میں ہے۔ مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاو تعظیماً میں تیرہ سو برس ہو چکے اور ابھی تک وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں۔

ہندوستان کے مدارس کا یہ طریقہ ہے کہ شاگرد پڑھتا اور استاد سنتا ہے جو سلف میں تو بکثرت تھا مگر اب یہاں بالکل متروک ہو چکا ہے۔

مدرسہ کی تعمیر نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت' اور نہ ابوبکر وعمر اور نہ عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔ اور پہلے صحابہ وتابعین

۹/۱۱ حدیث: ۳۱۴۴' سنن ابن ماجہ: ۱۵۰/۳ حدیث: ۸۹۳' مسند احمد: ۳۳۱/۳ حدیث: ۱۳۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۶/۳۴ حدیث: ۱۶۴۵۰' سنن کبریٰ بیہقی: ۱۴۷/۲' مصنف عبد الرزاق: ۲۱۲/۲ حدیث: ۳۱۰۷' سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۱/۱ حدیث: ۱۲۰۸' مستدرک: ۴۹۸/۲ حدیث: ۹۴۲' معجم کبیر طبرانی: ۲۰۹/۱۲ حدیث: ۱۴۱۱۷' شعب الایمان: ۳۴/۴ حدیث: ۱۴۷۶' سنن دارمی: ۱۴۲/۴ حدیث: ۱۳۹۲' مسند ابو یعلی موصلی: ۱۳۱/۲ حدیث: ۶۲۶' سنن دارقطنی: ۴۸۶/۳ حدیث: ۱۳۵۵' صحیح ابن حبان: ۳۱۴/۴ حدیث: ۹۱۴' صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۹/۳ حدیث: ۶۸۸' مسند شافعی: ۱۶۶/۱ حدیث: ۱۶۳' مسند طیالسی: ۲۲۸/۳ حدیث: ۱۱۴۴' مشکل الآثار طحاوی: ۲۱۷/۵ حدیث: ۱۸۵۵

(۱) درمختار: ۵۵۳/۱

حتی کہ امام اعظم' امام محمد اور امام ابو یوسف تک بھی علم دین کی تعلیم کی اجرت نہ لیتے تھے' اب علم دین کے پڑھانے پر باقاعدہ تنخواہیں معین ہیں اور آئین تعلیم میں صرف ونحو وغیرہ کے حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک ہو جب کہ پہلے ایسا نہ تھا۔ اس کے علاوہ منطق اور علم ہیئت و ہندسہ وغیرہ (جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے) اب تحصیل میں داخل ہیں جب کہ صحابہ کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گردنہ لگی تھی۔

پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا تو خفیہ طور پر دینے کو ریا سے خالی سمجھتا تھا اور اب چندہ دینے والوں کی نمایش ہوتی ہے' ان کے نام سال بہ سال کتابوں میں چھپتے ہیں۔ چندہ والا اگر دینے میں کچھ تأمل کرے تو تقاضا کرنے والا ایک پیادہ اس پر معین کیا جاتا ہے' خلاصہ کلام یہ کہ اس زمانہ کے مطابق تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم آدمی بھی سوچے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اس ہیئت کذائی و مجموعی کے ساتھ تعلیم دین کا مدرسہ قرون ثلاثہ میں ہرگز نہ پایا گیا لیکن صرف اس بنیاد پر اس کو جائز رکھتے ہیں کہ گو کہ یہ عوارض ولوازم سلف سے ثابت نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے' ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہو جاتی۔ اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ تعلیم' بدعت اور ضلالت ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اس ہیئت کذائی کے عارض ہونے سے محفل میلاد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی' اور اس کو بدعت ضلالت کہنا خود ضلالت ہے۔

فائدہ: اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے زمانہ حال میں مروجہ مدرسہ کو تمام وجوہ کے ساتھ سنت ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۱۸۵ پر تعمیر مدرسہ کے سلسلہ میں لکھا

صفہ کو جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقرا و مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے اور عمال کو یعنی جو زکوۃ وصول کرتے تھے ان کو عمالہ یعنی اجر ملتا تھا سو وہ بھی تنخواہ مدرسین کی ہے یہ بھی امر دین پر لینا ہے۔

صفحہ ۱۸۶

اور چندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں لیا ہے۔

صفحہ ۱۸۷

بے شک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرون ثلاثہ میں موجود تھے۔ انتہیٰ کلامہ تلخیصاً۔

ہم کہتے ہیں کہ امور مندرجہ محفل میلاد کا ثبوت اس سے بہت اعلیٰ طور پر ہے۔ ذکر ولادت یہ خود ثابت الاصل ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا)۔

فرش' کھانا' شیرینی اور عطر وغیرہ کا استعمال

فرش' استعمال عطر اور کھانا و شیرینی دینا یہ دراصل مہمانوں کی ضیافت اور خاطر داری ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ

مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَومِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ . (۱) جس کو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان ہے اس کو چاہیے کہ اپنے گھر آئے ہوئے کی تواضع اور خاطر داری کرے۔

تو فرش زیبا پر ان کو بٹھانا اور عطر لگانا یہ مہمانوں کی تعظیم و اکرام ہی تو ہے۔ اور مجلس کرنے والوں سے پوچھ لیجیے کہ ان کی نیت بے شک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ کھجور یا شیرینی وغیرہ ہم نے تیار کی ہے وہ اپنے گھر آنے والے لوگوں کو کھلائیں گے۔ اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجیے کہ ضیافت' شرع میں کس چیز کا نام ہے۔ کھانے کی چیز خواہ تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لیے آدمیوں کو بلائے گا تو وہی شرع میں ضیافت کہلائے گی۔ صحابہ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو کچھ ہوتا پیش کر دیتے اور حدیث میں ہے

لَو دُعِيتُ إِلىٰ كُرَاعٍ لأَجَبْتُ . (۲) ایک پاچہ بکری کے لیے بھی اگر کوئی دعوت کرے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۹/۱۰۳حدیث: ۵۶۷۱، صحیح مسلم: ۱/۱۶۵حدیث: ۶۹، سنن ابوداؤد: ۱۰/۱۸۹حدیث: ۳۲۵۶، سنن ترمذی: ۷/۲۳۱حدیث: ۱۸۹۰، سنن نسائی: ۹/۴۰حدیث: ۴۴۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۱/۶۶حدیث: ۳۶۶۲، مشکوۃ المصابیح: ۲/۲۶۳حدیث: ۴۲۴۳، مسند احمد: ۱۳/۳۷۰حدیث: ۶۳۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵/۳۴۸حدیث: ۷۳۰۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۶۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۷حدیث: ۱۹۷۴۶، مستدرک: ۱۷/۱۴۴حدیث: ۷۴۰۵، معجم کبیر طبرانی: ۴/۱۶۹حدیث: ۳۷۷۸، شعب الایمان: ۱۰/۴۲۲حدیث: ۴۷۱۶، سنن دارمی: ۶/۲۱۴حدیث: ۲۰۸۸، متخرج ابوعوانہ: ۱۳/۵۸حدیث: ۵۲۳۵، مسند ابویعلی موصلی: ۱۳/۳۳۷حدیث: ۶۴۵۵، صحیح ابن حبان: ۳/۵حدیث: ۵۰۷، معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۲/۲۰۲حدیث: ۶۲۸، مسند شہاب قضاعی: ۲/۲۶۳حدیث: ۴۴۷، مسند طیالسی: ۶/۴۲۶حدیث: ۲۴۵۸، مشکل الآثار طحاوی: ۶/۲۶۸حدیث: ۲۳۲۹، اخبار اصفہان: ۷/۱۷۹حدیث: ۴۰۵۵۵، الآداب بیہقی: ۱/۸۷حدیث: ۶۵، الادب المفرد: ۱/۱۵۸حدیث: ۱۰۲، مسند بزار: ۹/۱۲۱حدیث: ۳۱۹۵، الزہد والرقائق: ۱/۳۹۲حدیث: ۳۷۱، مسند شاشی: ۲/۴۸۹حدیث: ۸۳۹، المطالب العالیہ: ۱/۲۴۳حدیث: ۱۹۵، مسند عمر بن عبدالعزیز: ۱/۱۰۱حدیث: ۶۷، معجم ابن المقری: ۲/۴۲۱حدیث: ۸۸۹، مکارم الاخلاق خرائطی: ۱/۳۰۲حدیث: ۳۰۷، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/۴۶۲، کنز العمال: ۹/۲۴۶حدیث: ۲۵۸۶۰، مسند الجامع: ۱۴/۲۴۶حدیث: ۴۵۲۶، تحفۃ الاشراف: ۱۱/۲۸۲حدیث: ۱۲۴۴۷، روضۃ المحدثین: ۱۱/۴۴۴حدیث: ۵۴۴۴

(۲) صحیح بخاری: ۹/۱۲حدیث: ۲۳۸۰، مشکوۃ المصابیح: ۱/۴۱۱حدیث: ۱۸۲۷، مسند احمد: ۲۰/۳۹۷حدیث: ۹۸۵۳، سنن کبریٰ نسائی: ۴/۱۴۰حدیث: ۶۶۰۹، معجم کبیر طبرانی: ۹/۳۲۸حدیث: ۱۱۰۷۳، شعب الایمان: ۱۸/۴۸۶حدیث: ۸۶۹۴، صحیح ابن حبان: ۲۲/۱۲۰حدیث: ۵۳۸۲، اخبار اصفہان: ۶/۳۷۶حدیث: ۴۰۳۹۴، معجم ابن المقری: ۲/۲۳۱حدیث: ۷۲۵، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲/۶۰، کنز العمال: ۹/۲۵۷حدیث: ۲۵۹۳۰، نصب الرایہ: ۱۰/۳۵۵، تحفۃ الاشراف: ۱۱/۴۵۸حدیث: ۱۳۴۰۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۳/۳۴۵حدیث: ۱۳۴۵

یوں بھی آیا ہے

❁ لو أهدي إلي كراعٌ لقبلت و لو دعيت عليه لأجبت . (سنن ترمذی: ۵/۱۷۸حدیث: ۱۲۵۸، مسند احمد: ۲۰/۳۹۷حدیث: ۹۸۵۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۱۶۹، شمائل محمدیہ: ۱/۳۷۸حدیث: ۳۳۲، معجم کبیر طبرانی: ۱۸/۳۳۸حدیث: ۲۰۹۰۰، شعب الایمان: ۱۸/۴۸۷حدیث: ۸۶۹۵، صحیح ابن حبان: ۲۲/۱۱۸حدیث: ۵۳۸۱، مسند ابن راہویہ: ۱/۲۴۴، المطالب العالیہ: ۵/۱۸۴حدیث: ۱۷۰۵، مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱/۱۸۱حدیث: ۱۷۲، معجم ابن المقری: ۲/۱۹۳حدیث: ۶۹۰، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲/۱۱۶، کنز العمال: ۹/۲۵۷حدیث: ۲۵۹۲۹، مسند جامع: ۳/۱۹۰حدیث: ۸۶۳، روضۃ المحدثین: ۵/۳۶حدیث: ۱۸۱۱

اور یوں بھی آیا ہے

❁ لو أهديت لي كراع لقبلتها و لو دعيت عليها لأجبت . (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۴۴۹حدیث: ۱۹۶۶۸، جامع معمر بن راشد: ۱/۳۳۷حدیث: ۲۶۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عالی اہل ضیافت کو خوش کردینا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا' اور یہی امت کو بھی ارشاد فرمایا؛ جیسا کہ بخاری میں ہے

إِذَا دُعِيتُمْ إِلَىٰ كُرَاعٍ فَأَجِيبُوا . (۱)　　کوئی اگر تم کو پاچہ بکری پر بھی دعوت کرے تو قبول کرلو۔

فقہا نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ فتاویٰ برہنہ میں ہے

از جہت بعد وفقر امتناع نیارد وقصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدائے سنت وادخال سرور در دل مسلم۔　　دور اور فقیر ہونے کے سبب نہ رُکے' اور پیٹ بھرنے کی نیت سے نہ جائے بلکہ اس کی نیت سنت کی پیروی اور دلِ مسلم کو خوش کردینے کی ہونی چاہیے۔

تو اگر کوئی باحیثیت دولت مند محفل میلاد میں شکم سیر کھانا کھلادے۔ یا کسی کم حیثیت والے نے محض شیرینی اور کھجور ماحضر کے لیے اہل اسلام کو زحمت دی تو یہی شریعت میں ضیافت کہلاتی ہے۔ ہدایہ میں ہے

مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَىٰ أَبَا الْقَاسِمِ . (۲)　　اگر کوئی کسی مسلمان کی دعوت رد کردے تو گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔

افسوس وہ لوگ تو تعمیل سنت کے لیے آئیں قلیل وکثیر پر نظر نہ کریں۔ اور یہ منکرین ان عاملانِ سنت پر طعن کریں اور اس بات کا بھی خیال نہ کریں کہ سنت کی استہزا میں ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

مٹھائی باٹنے کا ثبوت

یہ جو طعنہ دیا جاتا ہے کہ مٹھائی کے لالچ سے آتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مٹھائی بانٹنے کی کیا اصل ہے تو یہ اعتراض بھی صحیح نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ ''ما اہل لغیر اللہ'' مطبوعہ مطبع محمدی کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں

وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء۔ انتہیٰ بلفظہ۔　　علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ کھانا اور شیرینی بانٹنا مستحسن وعمدہ کام ہے۔

(۱)　صحیح مسلم: ۲۸۵/۷ حدیث: ۲۵۸۲' سنن کبریٰ بیہقی: ۲۶۲/۷' مستخرج ابوعوانہ: ۴۷۶/۸ حدیث: ۳۴۱۹' صحیح ابن حبان: ۱۱۶/۲۲ حدیث: ۵۳۸۰' موارد الظمآن: ۲۶۱/۱' کنز العمال: ۲۵۵/۹ حدیث: ۲۵۹۱۸' تحفۃ الاشراف: ۳۷/۸ حدیث: ۸۲۳۹

کنز العمال میں یہ حدیث یوں بھی آئی ہے: من دعاكم إلى كراع فأجيبوه . (۲۵۷/۹ حدیث: ۲۵۹۲۸)

(۲)　عنایہ شرح ہدایہ: ۲۱۶/۱۴ فصل فی الاکل والشرب' نصب الرایہ: ۲۳۴/۳' مبسوط: ۳۳/۱۹ کتاب ادب القاضی' تبیین الحقائق: ۳۳۶/۱۶- کتاب الکراہیۃ' فتح القدیر: ۶۹/۲ باب ادراک الفریضۃ' درر غرر: ۴۶۶/۳ من دعی الی ولیمۃ' بحر الرائق: ۱۱۵/۲۲ من دعی الی ولیمۃ' مسند ابو یعلی موصلی: ۱۴۶/۱۲ حدیث: ۵۷۵۸

کتب احادیث میں یہ حدیث یوں ملتی ہے

مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَ رَسُولَهُ . (صحیح مسلم: ۲۸۹/۷ حدیث: ۲۵۸۶' مسند احمد: ۴۸/۱۱ حدیث: ۵۰۱۲' سنن کبریٰ بیہقی: ۲۶۲/۷' مستخرج ابوعوانہ: ۴۶۹/۸ حدیث: ۳۴۱۳' صحیح ابن حبان: ۱۴۴/۲۲ حدیث: ۵۳۹۴' مسند طیالسی: ۳۷۴/۶ حدیث: ۲۴۱۲' مشکل الآثار طحاوی: ۳۵/۷ حدیث: ۲۵۵۶۔ الجوہر النقی ترکمانی: ۲۵۹/۷' کنز العمال: ۳۰۷/۱۶ حدیث: ۴۴۶۲۶' مسند الجامع: ۳۶۶/۲۳ حدیث: ۶۹۴۷' الترغیب والترہیب: ۲۴۸/۲ حدیث: ۲۱۵۲)

فتاویٰ ''خزانۃ الروایات'' کی (فصل ضیافت) اور ''روح البیان'' کی جلد دوم میں لکھا ہوا ہے

إن في بطن المؤمن زاوية لا يملأها إلا الحلو . (۱)
مومن کے پیٹ میں ایک ایسا گوشہ ہوتا ہے جسے مٹھائی کے بغیر کوئی چیز بھر نہیں سکتی۔

اب سوچیں کہ ایک مومن کا گوشہ شکم (جو کہیں سے نہیں بھرتا) تو مٹھائی سے اس کا بھر دینا کیا کچھ اجر کی بات نہ ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ . (۲)
تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔

اور حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جن چیزوں کو مومن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے، چنانچہ ''خزانۃ الروایات'' نیز ''تفسیر روح البیان'' میں آیا ہے

قال عليه السلام إنَّ الْمُومِنَ حُلُوٌّ وَ يُحِبُّ الْحَلَاوَةَ . (۳)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن خود بھی شیریں ہوتا ہے اور میٹھی چیز کو پسند بھی کرتا ہے۔

تو جو چیز خود بانٹنے والے مومن اور لینے والے مومنین کو محبوب ہو تو امید ہے کہ اس کی تقسیم میں وہ نیکوکاری کی حد کو پہنچیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہی وجوہات کی بنیاد پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو باجماع علماء مستحسن و خوب لکھا ہے۔

منبر یا چوکی نیز اشعار پڑھنے کا ثبوت

منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسان، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (۴)

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۳/۳۲۴ (۲) سورۂ آل عمران؛ ۳/۹۲ (۳) تفسیر روح البیان: ۳/۳۲۴

المقاصد الحسنہ: ۱/۱۶۴، کشف الخفاء: ۲/۹۹ حدیث: ۱۸۸۳، ۲۶۷۸، تذکرۃ الموضوعات: ۱/۱۴۹، کنز العمال: ۱/۳۶۷ حدیث: ۱۶۱۲۔ کے الفاظ حدیث یوں ہیں : المؤمن حلو، يحب الحلاوة .

نیز یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے : قلب المومن حلو، يحب الحلاوة . (المقاصد الحسنہ: ۱/۱۶۴، الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ: ۱/۱۵، الموضوعات: ۳/۱۹، کشف الخفاء: ۲/۹۹ حدیث: ۱۸۸۳، تذکرۃ الموضوعات: ۱/۱۴۹، کنز العمال: ۱/۱۴۶ احدیث: ۷۱۴)

(۴) متن حدیث یوں ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم . (سنن ابوداؤد: ۱۰/۶۶ حدیث: ۲۷۷۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۴۱ حدیث: ۴۸۰۵، شمائل ترمذی: ۱/۲۸۲ حدیث: ۲۴۷، مستدرک: ۱۴/۱۰۸ احدیث: ۶۰۹۹، تہذیب الآثار طبری: ۲/۴۱۶ حدیث: ۵۳۳، مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/۸ حدیث: ۴۶۲۳، معرفۃ الصحابہ: ۶/۳۳۴ حدیث: ۲۰۲۲، مسند الجامع: ۱۵/۳۳۱ حدیث: ۱۷۰۱، تحفۃ الاشراف: ۱۳/۴۷۸ حدیث: ۱۷۰۲۰، تخریج احادیث الاحیاء: ۵/۱۷ احدیث: ۲۱۷۱)

اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (۴/۳۷ حدیث: ۳۵۰۱)

تداعی یعنی آدمیوں کو بلانا۔ اس کی دو شکلیں ہیں' یا تو یہ بلانا تناول ماحضر کے لیے ہے جو خود سنت دعوت ہے۔ یا یہ بلانا اس لیے ہے کہ وہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وصفات سنیں اور یہ بھی سنت ہے' اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی صحابہ کو خبر بھیج کر بلواتے اور جمع کر کے ان سے کچھ فرماتے تھے۔ آپ کا زبان سے کچھ فرمانا حدیث ہے لہٰذا حدیث سننے کے لیے لوگوں کو بلانا سنت ہوا۔

اصطلاح دین میں حدیث' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر' صفات وشمائل اور فضائل وحلیہ وغیرہ کو شامل ہے۔ علم حدیث کا موضوع' ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کی غایت' دارین کی سعادت کا حصول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محفل میلاد شریف میں افراد علم حدیث بیان ہوتی ہے تو اعلام کر کے بلانا گویا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلانا ہے تو اس تداعی کو مکروہ وحرام کہنا عجیب بات ہے۔ اگر یہ لوگ آیت کریمہ: ادع إلى سبيل ربک سے بھی اپنی تسلی کر لیں تو یہ بھی ممکن ہے۔

تعجب ہے کہ مدرسہ کے لیے کس قدر دور دراز فکر کو دوڑایا کہ کہاں عمالہ عاملین اور کہاں تنخواہ مدرسین' کہاں صفہ اور کہاں مدرسہ' کہاں جہاد کا چندہ اور کہاں مدرسہ کا چندہ۔ اور میلاد شریف کے سلسلے میں ہمارے دلائل جو اپنے دعووں کے مدلولات پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں' ان کی طرف ایک ذرا خیال نہیں فرماتے' اس کو بدعت ٹھہراتے ہیں۔ اللہ اللہ کمالِ بوالعجبی کا مقام ہے۔

اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چیزیں الگ الگ تو بیشک جائز ہیں لیکن ہم ان کا جمع ہونا جائز نہیں جانتے۔

جواب

یہ ہے کہ مدرسہ کی ہیئت مجموعی بھی قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں' اس کے اثبات کے لیے بھی انفرادی اجزا کا ثبوت دیا گیا ہے تو یہاں بھی وہی قبول کرنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں

فإن أفراد المباحات إذا اجتمعت كان ذلک المجموع مباحا . و مهما انضم مباح إلى مباح لم يحرم إلا إذا تضمن المجموع محظورا لا تتضمنه الآحاد . (۱)

جدا جدا مباح جب جمع کر لیے جائیں گے تو وہ مجموعہ مباح ہو جاتا ہے' اور جب ایک مباح دوسرے مباح سے مل جاتا ہے تو وہ اس وقت تک حرام نہیں ہوتا جب تک کہ اس مجموعہ میں کوئی ایسا ممنوع شرعی نہ ہو جائے جو جدا جدا میں نہ تھا۔

تو مباح اور مستحسن چیزوں کے جمع ہو جانے سے یہ محفل ممنوع نہ ہو جائے گی۔

براہین قاطعہ کے صفحہ ۶۰ میں سلف کے اس قاعدۂ مسلمہ پر جو اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے

تمر اور پانی دونوں کا نبیذ بنایا جائے بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک محض کھجور اور پانی تھا اس وقت تک مباح تھا اب طول مدت اور تاثیر زماں سے ایک تیسری چیز

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۱۱۱۔ بیان الدلیل علی اباحۃ السماع

پیدا ہوگئی جونشہ آوری کا سبب ہے‘ تو حرمت کا باعث یہ تیسری چیز ممنوع شرعی ہے نہ کہ وہ مباح چیزیں۔ ورنہ مولف براہین کی تعلیل کے موافق تو مباح چیزوں کے جمع ہونے سے قطع نظر ایک منفرد چیز بھی حرام ہو جائے گی‘ اس لیے کہ انگور کا رس‘ سکر کے بعد خود شراب بن جاتا ہے تو چاہیے کہ منفرد چیز کو بھی حرام کہا جائے‘ اور یہ صحیح نہیں۔ شرعی احکام میں غور وخوض درکار ہے۔ لہٰذا صحیح وہی ہے کہ اگر مباح چیزوں کے اجتماع میں کوئی ممنوع شرعی لازم نہ آتا ہو تو وہ درست اور مباح ہے۔ اس سے مخالفین کے وہ دوسرے دو اعتراض بھی رد ہو گئے جو کہتے تھے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی‘ مجموعہ مل کر اہل کتاب کے مشابہ ہو گیا۔ اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع دونوں کا جمع مکروہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں محظورِ شرعی یہ لازم آیا کہ اہل کتاب سے تشبہ ہوا۔ اور دوسری صورت میں یہ کہ حدیث شریف کے مخالف یہ فعل ٹھہرا کہ (آپ نے) فرمایا

أَلاَ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا . (۱)

مجھے اس سے منع کیا گیا کہ میں رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن کی تلاوت کروں۔

ذکر میلاد شریف میں مذکورہ بالا امور شریک ہوئے ہیں لیکن اہل کتاب سے کوئی تشبہ نہیں ہے (جیسا کہ لمعہ ثالثہ میں بخوبی اس کا ابطال ہو چکا ہے) اور نہ تو مباح چیزوں کے ملانے کے سلسلہ میں کوئی شرعی نہی وارد ہوئی ہے‘ لہٰذا یہ مروجہ مجلس‘ مباح و مستحسن امور کے اجتماع کے ساتھ درست اور مستحسن ہے۔

امورِ مذکورہ کے جواز پر دوسری تقریر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰـهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ . (۲)

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی‘ اور پاک رزق۔

پہلے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ آیات کا نزول خواہ کسی موقع پر ہوا ہو لیکن ان کا حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتا بلکہ جہاں تک الفاظ کی دلالت جاری ہوتی ہے وہاں تک حکم جاری کیا جاتا ہے۔ علمائے اصول کے نزدیک یہ متفقہ ہے۔ چنانچہ توضیح وغیرہ میں مندرج ہے

إن العبرة لعموم الألفاظ لا لخصوص السبب . (۳)

اعتبار لفظ کی عمومیت کا ہوتا ہے نہ کہ کسی سبب خاص کا۔

(۱) صحیح مسلم: ۲۲/۳ حدیث: ۷۳۸‘ مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۰/۱ حدیث: ۸۷۳‘ معرفۃ السنن والآثار: ۶۲/۳ حدیث: ۸۹۲‘ کنز العمال: ۳۶۸/۱۵ حدیث: ۴۱۴۰۹‘ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۴۱۴/۲- باب صفۃ الصلوٰۃ- تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴۷۸/۱ حدیث: ۳۶۷‘ مسند الجامع: ۱۹/ ۵۹ حدیث: ۶۰۲۵‘ تخریج احادیث الاحیاء: ۴۸۳/۲ حدیث: ۹۸۳

(۲) سورۂ اعراف: ۳۲/۷

(۳) شرح التلویح علی التوضیح: ۲۲۵/۱ فصل فی الفاظ العام‘ المحصول: ۱۲۵/۳‘ انوار البروق فی انواع الفروق: ۴۲۲/۱ حمل العموم‘ کشف الاسرار: ۱۸۵/۶ باب حکم الاجماع ومحلّہ‘ البحر المحیط: ۲۴/۴ المسئلۃ الثانیۃ صحۃ دعویٰ‘ التقریر والتحبیر: ۱۸۹/۱ استمداد علی اصول‘ شرح الکواکب المنیر: ۲۶۲/۲ مفہوم الموافقۃ نوعان‘ غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر: ۳۹۶/۲ الخراج بالضمان‘ حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی علی جمع الجوامع: ۱۰/۴ امسئلۃ جواب السائل غیر المستقل۔

اصول سرخسی میں یوں ہے

فإن العبرة لعموم الخطاب لا لخصوص السبب . (۱۶۴/۱)

الاشباہ والنظائر کی شرح غمز عیون البصائر میں یوں بھی آیا ہے

ان العبرة لخصوص الغرض لا لعموم اللفظ . (۳۲۷/۱ اختلاف اللسان والقلب فی النیۃ۔)

ہماری یہ بات استدلال کی جملہ آیتوں میں یاد رکھنا چاہیے۔تو یہ آیت کریمہ گو کسی خاص موقع کے لیے نازل ہوئی لیکن تمام مفسرین واصولیین اور فقہا اس آیت کو عام لیتے ہیں؛ جس کی نظر در مختار، تفسیر بیضاوی اور تفسیر رازی وغیرہ پر ہوگی اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ فرش بچھانا، محفل سجانا، عطریات سے لباس بسانا، چوکی ومنبر اور مسند لگانا یہ سب 'زینۃ اللہ' میں داخل ہے۔اور حاضرین کو پان، الائچی، چائے، کھجور، شیرینی یا کھانا جو کچھ کھلایا جائے گا اس کو لفظ 'طیبات من الرزق' شامل ہے۔

علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے

فیہ دلیل علیٰ أن الأصل في المطاعم و الملابس و أنواع التجملات الإباحة . (۱)

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کھانوں، کپڑوں اور طرح طرح کی آرایشوں میں اصل حکم یہ ہے کہ مباح ہے۔

لہٰذا یہ سب چیزیں علم اصول کے قواعد کی رو سے اور مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق جائز اور مباح ہوئیں۔اور ان کو منع کرنے والا بڑے خطرے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ . (۲)

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

لہٰذا مانعین کو اس سے اندیشہ کرنا چاہیے کہ وہ کہیں 'معتدین' میں شامل نہ ہو جائیں جنھیں اللہ پسند نہیں فرماتا۔

تیسری تقریر جملہ امور مجلس میلاد کے لیے یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے دلیل پکڑنی چاہیے جو سورۂ یونس کے چھٹے رکوع میں ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ . (۳)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ ان کے لیے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

بارہ برس قبل یہ نحیف اس آیت کو اپنی کتاب ''بہارِ جنت'' میں درج کر چکا ہے، لیکن عام آدمیوں کو جب تک تشریحاً نہ سمجھایا جائے اصل مدعا کو نہیں پہنچتے، تو اب اس کی تفسیر کر رہا ہوں۔

واضح ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس آیہ ہدایت پیرایہ میں اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے فضل اور اللہ ہی کی رحمت سے فرحت وسرور کریں۔امام رازی اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہاں ایک فعل فليفرحوا محذوف ہے، اب آیہ مذکورہ یوں ہوگی کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی کریں۔پھر دوبارہ فرمایا کہ چاہیے اسی پر خوشی کریں، تو یہ امر کی تکرار، تاکید کے لیے ہے اور لفظ فبذلک مفید حصر ہے۔یعنی ایک انسان پر واجب ہے کہ فرحت وخوشی خاص اللہ ہی کے فضل ورحمت پر کرے کیونکہ جو جسمانی ونفسانی لذتیں اور دنیاوی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں، یہ فرحت وسرور کے قابل نہیں۔اور فضل ورحمت خداوندی کے بارے میں فرمایا: هو خير مما يجمعون یعنی وہ تمام فانی لذتوں اور نعمتوں سے بہتر ہے جو وہ دنیا میں جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی:۲/۲۵۴ (۲) سورۂ مائدہ:۵/۸۷ (۳) سورۂ یونس:۱۰/۵۸

اس آیت کریمہ سے اللہ کے فضل و رحمت کے ساتھ فرحت و سرور کرنا ثابت ہوا، اور اس میں کوئی شک نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی رحمت اور اس کے فضل ہیں۔

علامہ ماوردی نے آیت کریمہ

لَو لاَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إلاَّ قَلِيْلاً (۴/۸۳) (۱)

کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ "فضل اللہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور رحمت بھی وہی ہیں۔ اس کو شارح مواہب، زرقانی نے ذکر کیا ہے۔

تفسیر روح البیان میں سورۂ نساء کی اس آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے

و في الحقيقة كان النبي عليه السلام فضل الله و رحمته يدل عليه قوله تعالىٰ : هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا (إلى قوله) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُوتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (و قوله تعالىٰ) وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ.

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں. جس پر اللہ کی یہ آیتیں شہادت دے رہی ہیں: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُوتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ . (۲)

یہی وجہ ہے کہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ اسمائے مبارکہ میں "فضل اللہ" "رحمۃ للعالمین" "رحمۃ مہداۃ" "رحمۃ الامۃ" اور "رسول الرحمۃ" بھی شمار کیے ہیں۔ جیسا کہ زرقانی اور قسطلانی وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔ لہٰذا آپ کے وجود باجود پر فرحت و سرور کرنا ثابت ہو گیا، تو اب خوشی کے جتنے بھی مباح اسباب ہیں، سب ثابت ہو گئے کیوں کہ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے۔

إذا ثبت الشيىء ثبت بلوازمه . جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

تو برادرانِ اسلام کا اجتماع، مکان کی آرائش، شیرینی کے خوان اور زمانے کی جملہ مروجہ چیزیں حتیٰ کہ ذکر ولادت شریف کے وقت جوشِ فرحت و سرور میں کھڑے ہو جانا اور اس فضل و رحمت مہداۃ کی بابت شکر الٰہی بجالانا سب فليفرحوا کے منطوق سے ثابت ہو گیا۔

اور آیت کریمہ: وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ سے بھی یہ امور ثابت ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی نعمت ہیں اور شکر طرح طرح کے افعال و اعمال سے ادا ہوتا ہے جیسے آیتوں کی تلاوت کرنا، معجزات و درود و سلام سے متعلق احادیث پڑھنا اور کھانا کھلانا وغیرہ (لمعہ خامسہ میں بھی امور ملحقہ کی تقریر آئے گی)۔

اگر مانعین اس طرح کی نظیر و مثل طلب کرتے ہیں کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں جلسہ مولد شریف کی طرح چند سنتیں

(۱) تفسیر النکت والعیون: ۱/۳۱۶۔ ترجمہ آیت: اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے، مگر تھوڑے

(۲) تفسیر روح البیان: ۳۴/۳

اکٹھا ہوں تو اس کی نظیر بھی شرع میں موجود ہے مثلاً شادی عروسی کہ اس میں مومنوں کا اجتماع بھی ہے اور اللہ کا ذکر بھی' اس لیے کہ خطبہ نکاح (جو سنت ہے) جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے پھر اس کے بعد خرما وغیرہ تقسیم کر دیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے

لا بأس بنثر السكر و الدراهم في الضيافة و عقد النكاح . (۱)

ضیافت اور شادی بیاہ کے موقع پر میٹھی چیزیں اور روپیہ پیسہ لٹانے میں کوئی حرج نہیں۔

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا' ایجاب وقبول کیا اور چھوارے لٹائے۔ نیز جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نجاشی بادشاہِ حبشہ نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفر اور تمام مہاجرین کو جمع کر کے خطبہ پڑھا' ایجاب وقبول کیا اور اس کے بعد سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو' یہ پیغمبروں کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کچھ کھانا کھائیں پھر کھانا منگا کر سب کو کھلایا۔ یہ بھی مسائل اربعین میں ہے۔

اب دیکھیے کہ اگر نکاح میں عقد نکاح کا سرور ہے تو یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت (یعنی باعث ایجادِ عالم کے وجود) کا سرور ہے۔ وہاں خطبہ میں توحید اور اقرارِ رسالت ہے' تو یہاں بھی وہ مضمون' شرح وتفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہاں شیرینی وخرما اور کھانے کی تقسیم ہے تو یہاں بھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں۔

اگر سال بہ سال دائمی ہونے کی مِثلیت مطلوب ہو تو محدثین' صومِ عاشورا کی نظیر دے چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکریہ سال بہ سال کب سے چلا آتا ہے۔ غرض کہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے' اور نظیر ومثل بھی۔ لہٰذا مولوی اسماعیل صاحب کے قول کے موافق یہ محفل بدعت نہیں۔

اب ایک اور تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب ''تذکیر الاخوان'' میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں' اور مجلس میلاد اس ہیئت مجموعی کے ساتھ گرچہ کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدانِ مطلق نے ایسے ایسے عمدہ قاعدہ ہائے کلیہ ایجاد کیے کہ یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی۔ مثلاً حضرت امام مالک' حدیث کی تعظیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے' پھر فرش ہوتا' چوکی ومسند بچھتی' عود ولوبان بخور وغیرہ خوشبو سلگتی' پھر منبر پر بیٹھ کر کمالِ ادب سے بیان فرماتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کرتا ہوں۔ پھر کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے۔

امام مالک' مجتہد اور خیر القرون تبع تابعین میں تھے اور ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے۔ پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی معقول دلیل سن کر چپ ہو گیا کہ واقعی یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے تو اعتراض کے بعد دوسروں کا سکوت کرنا یہ بھی امام مالک کے قول کا مؤید ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس وقت سے لے کر آج تک حنفیہ ومالکیہ وشافعیہ کی تمام کتابوں میں یہ

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۳۵۹/۳۹ (باب فی النہبۃ)

دستور العمل تحریر ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلند مکان پر بیٹھنا' خوشبو لگانا اور تعظیم مدنظر رکھنا مستحب ہے۔

مدارج النبوۃ' مواہب اللدنیہ اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر اور سب کو معلوم ہے کہ محفل میلاد شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و معجزات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں اس قسم کے آداب کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں تک تو محفل میلاد شریف' خیر القرون کے بعد میں داخل اور سنت میں شامل ہے۔ باقی رہا یہ کہ کھڑے ہو کر تعظیماً درود وسلام اور مدح ونعت پڑھنا تو اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے۔

امام احمد بن حنبل کے استاد یحییٰ بن سعید' منارۂ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم' مجتہد' محدث (جیسے علی ابن مدینی' ابن خالد اور امام احمد وغیرہ) کھڑے رہتے اور حدیثوں کی تحقیق کرتے تھے اور انکے ہیبت وجلال سے کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ فتاویٰ برہنہ میں یہ احوال موجود ہیں۔ تو ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر ذکر رسول کرے (تو یہ بھی) صحیح ہے۔ اور حضرت حسان منبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر بیان کرتے تھے' لیکن قاری اور سامعین اول سے آخر تک کھڑے رہنے میں مشقت سمجھ کر کہ ہر کسی کا کھڑا رہنا دشوار ہے 'لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا تو بس اتنی ہی دیر کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں اصل ولادت شریف کا ذکر ہوتا ہے کہ یہ جلسہ اسی کی فرحت وسرور کا ہے۔

الحاصل' مجلس میلاد سے متعلق مندرجہ امور کا ثبوت مجتہدین مطلق کے قواعد واعمال سے ہو گیا۔ اور جس وقت ملک ابوسعید مظفر نے محفل میلاد کا سامان کیا اور ۶۰۴ھ (1207) میں مفتیانِ دین میں اس مسئلہ کا اعلان کیا تو اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق موجود نہ تھا لیکن مجتہدین کے چند طبقے میں سے ایک مجتہدین فی المسائل بھی ہوتے ہیں کہ ان کی قوت نظریہ قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے غیر منصوص مسائل میں بہ نظر اجتہادی حکم دیتے ہیں' اس قسم کے مجتہد شافعی و مالکی وغیرہ موجود تھے۔ تو اریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت محفل میلاد شریف کو تمام علماء نے امور مروجہ' اطعام طعام اور تعیین یوم میلاد وغیرہ کے ساتھ جائز رکھا۔ تو ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچے گی۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی نہیں کیونکہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علمائے کم مایہ اس کو پسند کر لیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کی قوت نظریہ اصل ونظیر پہچاننے کے لائق ہو۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے ''تذکیر الاخوان'' کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

اگر اکثر دین دار متقی عالم اس مسئلہ کو قبول کر لیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔ انتہیٰ۔

دیکھیے کہ یہاں اجتہاد کی بھی قید نہیں ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر دین دار علماء اور متقیوں نے معتبر رکھا ہے اور استحباب کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور ابوسعید مظفر کے عہد میں بڑے عالی درجہ صحیح النظر اور جامع اصول وفروع علماء تھے' اپنی عقل وادراک میں غیر منصوص سے مسائل اخذ کرنے کی قوت رکھتے تھے علاوہ بریں اہل اسلام میں مروجہ یہ محفل اپنے جملہ خصوصیات وتعینات کے ساتھ امام شافعی (جو کہ مجتہد فی الشرع تھے) کے قاعدہ میں داخل ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعی سے بیہقی نے یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی ایسی نئی بات ایجاد ہو کہ قرآن وحدیث اور اجماع کے احکام

کو مٹاتی اور رد نہ کرتی ہو تو وہ بدعت حسنہ اور محمودہ ہے اس کو برا نہیں کہنا چاہیے۔(۱)

لہٰذا محفل میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہوگئی کیوں کہ یہ قرآن و حدیث اور اجماع کے کسی حکم کو رد نہیں کرتی۔ اور رد کرتی ہو تو بیان کرو۔ **من ادعیٰ فعلیه البيان.**

الحاصل، ہر نہج سے سب کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً، لہٰذا یہ محفل مولوی اسماعیل صاحب کے مقررہ قاعدہ کے موافق بدعت نہیں بلکہ سنت میں داخل ہے۔

سوال: تم ہندوستان کے رہنے والے حنفی المذہب ہو، امام مالک اور شافعی سے استدلال کیوں کرتے ہو۔

جواب: جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو، اور دوسرے اماموں نے اس کی تصریح کی ہو اور وہ ہمارے قاعدے کے مخالف نہ ہو تو وہ تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ ہمارے مذہب حنفیہ میں کتب فقہ پر نظر رکھنے والے کو بالفعل اس کی نظیریں مل جائیں گی۔ ایک مثال لکھتا ہوں۔ درمختار میں ہے

و أما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة و قيل حسنة . (۲)

صاحب درمختار نے کہا کہ شافعیوں نے روٹی چومنے یعنی بوسہ دینے کو بدعت مباح یا مستحب تحریر کیا ہے۔

شافعیوں کا یہ مذہب لکھنے کے بعد صاحب درمختار نے (جو مذہباً حنفی ہیں) لکھتے ہیں۔

و قواعدنا لا تأباه . (۳)

ہم حنفیوں کے قاعدے اس سے کچھ مخالفت نہیں رکھتے۔

تو ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہماری مخالفت بھی نہ ہو تو اس کا لے لینا درست ہے۔ چنانچہ ہماری کتب فقہ، شامی وغیرہ میں بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم، امام شافعی کے مذہب کے مطابق درج ہے۔ اور اسی طرح قراءت حدیث کے وقت لوبان وغیرہ سلگانا، خوشبو لگانا اور اونچی جگہ بیٹھنا باقتدائے امام مالک کتب حنفیہ میں موجود ہے۔

لمعہ خامسہ

اعتراض: اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر، لیکن اس کا خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اور وہ بھی ہر سال دائماً کرنا اس کی تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

جواب: محفل میلاد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ اور پھر جائز نہ ہو، یہ کسی عالم اہلسنّت نے تصریح نہیں فرمائی بلکہ اہل ایمان جب کرسکیں کریں، فتاویٰ متقدمین کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''مورد الروی'' میں ہے

بل يحسن في أيام الشهر كلها و لياليه .

بہتر تو یہ ہے کہ مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں کیا جائے

---

(۱) و جاء عن الشافعي أيضا ما أخرجه البيهقي في مناقبه قال : المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه بدعة الضلال ، و ما أحدث من الخير لا يخالف شيئا من ذلک فهذه محدثة غير مذمومة

فتح الباری لابن حجر: ۲۰/۳۳۰ حدیث: ۶۷۳۵

(۲) درمختار: ۷۰۲/۵ (۳) نفس مصدر: ۷۰۲/۵

اس کے بعد ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

كان يقول لو تمكنت عملت بطول الشهر كل يوم مولدا .

حضرت ابن جماعہ فرمایا کرتے کہ اگر مجھے قدرت ہوتی تو یُں پورے مہینہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا کرتا۔

سیرت شامی میں علامہ ظہیر الدین ابن جعفر کا فتویٰ یہی ہے

بدعة حسنة إذا قصد فاعلها جمع الصالحين و الصلوٰة على النبي الأمين صلى الله عليه وسلم و إطعام الطعام للفقراء و المساكين و هذا لقد يثاب عليه بهذا الشرط كل وقت .

جب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نیت سے کیا جائے کہ اس میں نیک لوگ جمع ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جائے غرباومساکین کو کھانے کھلائے جائیں تو یہ بدعت حسنہ ہے اور ان شرطوں کے ساتھ جب بھی کرے گا اس پر اسے ثواب بھی ملے گا۔

اس میں اصل تحقیق یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ . (١)

اسی طرح

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا . (٢)

اسی طرح

وَ اشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ . (٣)

پس حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نعمت کا شکریہ ہم پر فرض ہوا اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت وسرور کیا کرو اور ظاہر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فرحت وسرور اور شکریہ کو کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں فرمایا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی فرحت وخوشی دائمی ہوئی اسی لیے مشرق ومغرب کے تمام اسلامی شہروں میں جملہ اہل اسلام بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑتا ہے میلاد شریف کر دیا کرتا ہے۔ اور اسی طرح ولادتِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا شکر عبادت کے جملہ افراد میں عام رہا اور یہ بات علمائے اصول سے مخفی نہیں ہے کہ فرضیت امر الٰہی کسی فرد میں پالیے جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن تکمیل فرض کے لیے (جہاں تک بوجہ مشروع (یعنی شرعاً جائز) ہو سکے) از روئے شرع فرض کی مقدار سے زیادہ کرنا شرعاً مستحب اور مطلوب ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا سرور وشکریہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس فرد میں ہو سکے عمل میں لائے خواہ اہل ایمان میں کھانا کھلانا ہو یا شیرینی کی تقسیم خواہ تلاوتِ قرآن قراءت معجزات اور تعظیم وادب کے طور پر مدائح ومحامد ومناقب کا گنگنانا ہو خواہ ان سب باتوں کو جمع کر دے پھر ماہِ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو یہ افعال واعمال بجالائے یا کسی اَور تاریخ ومہینہ میں سب جائز ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ: ۲/۲۳۱، آل عمران: ۳/۱۰۳، سورۂ مائدہ: ۵/۷ (۲) سورۂ یونس: ۱۰/۵۸ (۳) سورۂ نحل: ۱۶/۱۱۴

اس تقریر سے مطلق کا ہر فرد جائز رہا، اگر کوئی ''اللہ کی نعمت'' کا یہ ذکر بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے اور جو آداب و مستحسنات کی قید کے ساتھ کرے (جن کا ذکر لمعہ رابعہ میں گزر چکا) وہ بھی جائز ہے۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ محفل میں مستحسنات و مستحبات شرعیہ جتنے زیادہ ہوں گے خیر و برکت اتنی زیادہ ہوگی، اسی وجہ سے اکثر آدمی اس ذکر اقدس کو مقدور بھر تعظیم و احترام اور زیب و احتشام کے ساتھ کرتے ہیں تا کہ افرادِ مستحسنات کے اجتماع سے حسن معنوی دو آتشہ ہو جائے اور ظاہری زیب و زینت سے شانِ اسلام کا تجمل ظاہر ہو۔ ایسا نہیں جو مانعین سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک امورِ مروجہ کے بغیر محفل ذکر اقدس منع ہے (حاشیا وکلا) جب جی چاہے، قیود سے خالی بھی مدح و قصاید میلا دو غیرہ پڑھتے ہیں، لہٰذا ان پر کوئی غبار نہیں۔ ہاں مانعین ایک عظیم اندیشہ میں ہیں کہ زیب و تجمل، تقسیم شیرینی اور مومنین کے اجتماع کو منع کرتے ہیں گویا انھوں نے مطلق کو مقید کر دیا ہے کہ اس ہیئت تجمل کے ساتھ نہ ہو، اس کا نام شرع میں نسخ ہے، معاذ اللہ۔

اعتراض: یہ اعتراض کہ صحابہ نے اس تجمل کے ساتھ کیوں نہ کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے وقتوں میں چند ایسے مصارف پیش تھے کہ روپیہ کا ان میں صرف ہونا قرین مصلحت تھا، وہ اپنی زینت اور طعام و لباس کے تکلف میں بھی نہ لگاتے تھے جو کچھ پاتے اُنھیں مواقع میں اٹھاتے لیکن پھر بھی اصل فرحت و سرورِ ذکر نبی میں ہمارے شریک تھے۔ تجمل سے گو جلسہ نہ کیا لیکن اصل عمل فرحت و سرور اور شکر یہ مفروضہ تو ان میں پایا گیا، ایک فرد بھی ادا ہو سکتا ہے جیسا افرادِ کثیرہ میں ادا ہوتا ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحیح طور پر ہم تک پہنچ چکا ہے کہ اپنی امت کو ارشاد فرمایا

> قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے صحابہ کی وہ شان ہے کہ اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں لٹا دو گے تب بھی ان کے تین پاؤ جو کے ثواب نہ ملے گا۔

اور ڈیڑھ پاؤ[1] کے برابر۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

---

(۱) جو کا لفظ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس حدیث میں لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

متن حدیث یوں ہے

فوالذي نفسي بيده لو أن أحدَكم أنفق مثلَ أحدٍ ذهبا ما أدرك مُدَّ أحدهم و لا نصِيفه . (صحیح مسلم: ۳۶۹/۱۲ حدیث: ۴۶۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۶/۱۲ حدیث: ۴۰۳۹، سنن ترمذی: ۳۶۱/۱۲ حدیث: ۳۷۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹/۱ حدیث: ۱۵۷، مسند احمد: ۱۳۷/۲۳ حدیث: ۱۱۰۹۲، سنن کبریٰ بیہقی: ۲۰۹/۱۰، معجم کبیر طبرانی: ۱۳۰/۱۹ حدیث ۳۰۳، معجم اوسط طبرانی: ۱۹۷/۲ حدیث: ۶۹۸، صحیح ابن حبان: ۳۷/۳۰ حدیث: ۷۲۳۶، حدیث خیثمہ: ۲۰۲/۱، السنہ لابن ابی عاصم: ۸/۳ حدیث: ۸۲۴، الشریعۃ آجری: ۱۲۶/۴ حدیث: ۱۴۳۲، الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی: ۱۱۵/۱ حدیث: ۱۰۰، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ الکائی: ۴۴۰/۵ حدیث: ۱۹۰۵، فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۵/۱ حدیث: ۴، فوائد تمام: ۲۳۸/۱ حدیث: ۲۳۷، مسند ابن جعد: ۲۱۷/۲ حدیث: ۶۱۹، من حدیث خیثمہ بن سلیمان: ۱۹۳/۱ حدیث: ۱۸۳، نسخۃ وکیع بن اعمش: ۲۴/۱ حدیث: ۲۳، نظم المتناثر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۲۳۹، کنز العمال: ۵۲۸/۱۱ حدیث: ۳۲۴۶۲، مسند جامع: ۲۶/۴۵ حدیث: ۱۴۷۹۵، تحفۃ الاشراف: ۲۷۹/۵ حدیث: ۴۰۰۱۔)

یوں بھی آیا ہے: لا تسبوا أصحابي لو أن أحدَكم أنفق مثلَ أحدٍ ذهبا ما بلغ مُدَّ أحدهم و لا نصِيفه . (صحیح بخاری: ۵/۱۲ حدیث: ۳۳۹۷، صحیح مسلم: ۳۷۰/۱۲ حدیث: ۴۶۱۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰۷/۳ حدیث: ۵۹۹۸، مسند احمد: ۲۰۲/۲۲ حدیث: ۱۰۶۵۷، سنن کبریٰ نسائی: ۸۴/۵ حدیث: ۸۳۰۸، شعب الایمان بیہقی: ۳۸/۴ حدیث: ۱۴۸۰، مسند ابو یعلی موصلی: ۹۳/۳ حدیث: ۱۰۴۹، صحیح ابن حبان: ۲۹/۲۹ حدیث: ۷۱۲۰، مسند ابن راہویہ: ۲۶/۱، امالی ابن بشران: ۱۱۴/۲ حدیث: ۵۷۹، مشیخۃ ابن طہمان: ۱۴۴/۱ حدیث: ۱۴۳)

اس صورت میں اہل اسلام بنظر تحقیق دیکھیں کہ حضرت عباس کا حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ذکر میلاد کے سلسلہ میں وہ قصیدہ خوشی خوشی پڑھ دینا' اور حضرت حسان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ میں اکثر فخریہ اشعار پڑھنا اس تمام ہیئت مجموعی کے افرادِ کثیرہ کی خیر و برکت سے کہیں زیادہ ہوگا' جب ان کا ڈیڑھ پاؤ خرچ کیا ہوا جو ہمارے پہاڑ کے برابر سونے سے زیادہ نہ ہوا تو یہ اعتراض لغو ہو گیا جو کہتے ہیں کہ تم صحابہ سے بھی بڑھ گئے کہ انھوں نے تو یہ تجمل نہ کیا تم کیوں کرتے ہو؟۔

لغو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فرحت اور سرورِ قلبی سے ایک ذکر کرنا از روئے حدیث ہمارے بہت سے سامانِ فرحت و سرور سے افضل ہے' پھر ہم ان سے کہاں بڑھ گئے۔ ہاں' صحابہ اصل اس تذکرہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی فرحت و سرور میں ہمارے شریک ہیں' لہٰذا ہمارا سلسلہ ان سے ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''انتباہ'' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ یکے از نعم خدا تعالیٰ بر اُمت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات آنست کہ تا امروز سلسلہ ہائے ایشاں تا حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و ثابت است و اگر چہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تأدب بأدب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت وارتباط سلسلہ بہمہ ایں متحقق است واختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند (الی ان قال) و علمائے کرام ارتباط ایشاں و زمنِ اول باستماع احادیث وحفظ آں در وعاے قلب بود بعد ازاں تصنیف کتب وقراءت ومناولہ واجازت آں پیدا شد وارتباط سلسلہ بہمہ نوع ایں امور صحیح است واختلاف صور را اثرے نیست۔

معلوم ہونا چاہیے کہ انعامات الٰہیہ میں سے امت محمدیہ پر ایک انعام یہ ہے کہ ان کے یہ سلسلے حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک صحیح اور ثابت ہیں' گرچہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ دراصل صوفیہ صافیہ کا اول زمانے میں ربط و تعلق' صحبت و تعلیم' صالح ادب اور تہذیب نفس سے رہا ہے' بیعت و خرقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے میں رسم خرقہ جاری ہوئی اور پھر اس کے بیعت کی رسم پیدا ہوئی۔ تو اس کے ساتھ اس سلسلہ کا رابطہ' ثابت و متحقق ہے' اور تعلق و ربط کی صورت کا اختلاف کسی ضرر کا باعث نہیں (یہاں تک کہ فرمایا) اور علمائے کرام کا ان سے اور زمانہ اول سے ارتباط حدیث سننے اور اس کو دل سے حفظ کرنے کے ساتھ تھا' پھر اس کے بعد کتابوں کی تصنیف' قراءت ومناولت اور اجازت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط و تعلق درست ہے اور صوری اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

لہٰذا اگر فرحت و سرور اور مدح خوانی میں ہمارے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مابین ہیئت کا کچھ اختلاف ہو تو یہ ہرگز مضر نہیں کیونکہ اصل امر' ہم میں اور ان میں مشترک ہے۔

باقی رہی تعیین تاریخ کی تحقیق تو ان لوگوں کی مراد یہ نہیں کہ بارہویں ربیع الاول کے علاوہ اور دنوں میں جائز نہیں بلکہ اس میں ایک قسم کی مناسبت سمجھ کر زیادہ تر یہ محفل پاک اس میں کرتے ہیں اور اس پر بھی دلیل شرعی موجود ہے۔

شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف کے

اندر اس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا (کوئی) خوان اُترے، تب عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یہ فرمایا

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْداً لأَوَّلِنَا وَ آخِرِنَا . (١)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا

اس کے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ، آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اور اس دن کی تعظیم جاری رہے تو وہ مائدہ اتوار یعنی یک شنبہ کو اترا اور نصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن بنالیا کہ اس میں خوشی کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ (٢)

وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں یکشنبہ کو جمع ہوتے ہیں جیسے اہل اسلام (روزِ جمعہ وعیدین) جمع ہوتے ہیں۔ اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں اور راحت پاتے ہیں۔

دیکھیے کہ قرآن کریم سے اصل ثابت ہوئی کہ نعمت حاصل ہونے والے دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنالیا جائے۔

حدیث سے اس کی سند یہ ہے جسے محدث ابن حجر نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورائے محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا، یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبایا اور موسیٰ علیہ السلام کو بچالیا۔ شکرانے میں موسیٰ نے روزہ رکھا فنحن نصومه شكرا لله تعالیٰ یعنی تو ہم بھی شکر الٰہی ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا، تمہاری بہ نسبت موسیٰ سے ہم کو زیادہ مناسبت ہے تب آپ نے عاشورا کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ یہ حدیث صحیح ہے، بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ (٣)

اب دیکھیے کہ کب فرعون ڈوبا، کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکریہ جاری ہے کہ جب وہ عاشورائے محرم کا روزہ آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے خوان اترنے اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے نجات پانے سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہے تو جب یہ دن ہر سال آئے تو اس میں فرحت و سرور ظاہر کیوں نہ کیا جائے اور شکر الٰہی کیوں نہ ادا کیا جائے۔ جب ایک معین دن کا ہر سال، اعادۂ شکر و سرور کا باعث ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا تو یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے کہیں درجہ اس قابل ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جائے۔

---

(١) سورۂ مائدہ؛ ١١٤/٥ (٢) تفسیر رازی: ١٩٨/٦

(٣) متن حدیث یوں ہے

لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينةَ وجد اليهودَ يصومون عاشوراءَ فسُئلوا عن ذلك فقالوا هذا اليوم الذي أظفر الله فيه موسىٰ و بني إسرائيل على فرعون و نحن نصومه تعظيما له فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم نحن أولىٰ بموسىٰ منكم ثم أمر بصومه . (صحیح بخاری ٣٣٣/١٢ حدیث: ٣٦٤٩، صحیح مسلم: ٤٧٢/٥ حدیث: ١٩١٠، سنن ابوداؤد: ٤٢٨/٦ حدیث: ٢٠٨٨، مسند ابویعلی موصلی: ١٢٢/٦ حدیث: ٢٥١٣، صحیح ابن خزیمہ: ٤٣٣/٧ حدیث: ٣٠٣١، تحفۃ الاشراف: ٢١٥/٦ حدیث: ٥٤٥٠)

ان دلائل کے علاوہ علمائے محققین مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ نے ظہور نعمت کے باعث یوم سرور کے تعین وقرار کے سلسلہ میں اور بھی حدیث صحیح بیان فرمائی ہے۔اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابوعبداللہ بن الحاج (جن کو یہ صاحب اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو میلاد النبی کے عمل کو منع کرنے والا جانتے ہیں) انھوں نے ماہِ ربیع الاول کی افضلیت کی اس تخصیص کو مسلم رکھا ہے۔ ''مدخل'' میں ان کی عبارت یوں ہے

هـذا الشهـر الكريم الذي من الله تعالىٰ علينا فيه بسيد الأولين و الآخرين فكان يجب أن يزاد فيه من العبادات و الخير شكرا للمولىٰ سبحانه و تعالىٰ علىٰ ما أولانا من هذه النعم العظيمة و قد أشار عليه الصلوٰة و السلام إلى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه الصلوٰة و السلام للسائل الذي سأله عن صوم يوم الإثنين فقال له عليه الصلوٰة و السلام ذلک يوم ولدتُ فيه ' فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر الذي ولد فيه . (١)

ربیع الاوّل کا یہ مہینہ بڑا بزرگ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہم پر احسان کیا کہ اس نے ایک سید الاوّلین والآخرین پیدا فرمایا۔لہٰذا جب یہ مہینہ آیا کرے تو ہم کو چاہیے کہ شکرانے کے طور پر اس میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیا کریں ۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کردیا' کیونکہ آپ پیر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔جب کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا' چونکہ میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔تو اس سے ثابت ہوا کہ جب پیر کا دن آپ کی پیدایش کی وجہ سے اور دنوں کی بہ نسبت 'مشرف ومکرم ہوگیا تو یقیناً وہ مہینہ بھی تمام مہینوں میں مکرم ومعظم ٹھہرا جس میں آپ بزم دنیا میں تشریف لائے۔

ایک دوسرا اعتراض جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اظہارِ شکر یہ وغیرہ بذات خود کیوں نہ کیا۔تو اس کا جواب بھی حضرت ابن حاج نے ''مدخل'' میں دے دیا ہے

و إن كـان الـنبي صـلـى الـلـه عـليـه وسـلـم لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئا من العبـادات و ما ذاک إلا لرحمته صلى الله عليه وسلم بأمته و رفقه بهم 'لأنه عليه الصلوٰة و السلام كان يترک العمل خشية أن يفرض على أمته . (٢)

یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم پر ربیع الاول میں نیکیوں کی کثرت واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات اس مہینہ میں زیادہ نہیں فرمائی' اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ میری سبب سے کہیں یہ کام امت پر فرض نہ ہوجائے۔

تو تخصیص ربیع الاول کے اعتراض کو دفع کرنے کے لیے ان کے محقق ومسلم الثبوت کا یہ کلام کافی ووافی ہے' والحمد للہ علیٰ ذلک۔

دوسری دلیل : اس عمل کی علی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے

(١) مدخل: ۱/۲۸۱۔فصل فی مولد النبی والبدع

(٢) مدخل: ۱/۲۸۰۔فصل فی مولد النبی والبدع

أَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَ إِنْ قَلَّ . (۱) اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل وہ ہوتا ہے جو برابر ہوتا رہے گر چہ تھوڑا ہو۔

تو جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے تو یہ قلیل ہے، جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائی بھی نہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا۔ لہٰذا طالب حسنات کو لازم ہوا کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے۔

تیسری دلیل: اس کے دوام کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے

وَ رَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا . (۲) اور راہب بننا، تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انھوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا جیسا کہ اسے نباہنے کا حق تھا۔

یہ آیت جس طرح بدعت حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی مناسب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے، موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گزاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انھوں نے بدعتیں تو ہماری رضامندی کے لیے ایجاد کیں اور ہم نے ان کا حکم نہیں دیا تھا، پھر ان کو نہ نباہا جس طرح نباہنا چاہیے تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۰/۱۰۰حدیث: ۵۹۸۳، صحیح مسلم: ۴/۱۸۸حدیث: ۱۳۰۵، مسند احمد: ۵۱/۳۱۰حدیث: ۲۴۱۵۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۴۸۵، مسند عبد بن حمید: ۴/۱۴۲حدیث: ۱۵۲۰، معرفۃ السنن والآثار: ۴/۱۵۰حدیث: ۱۳۹۷، مسند شہاب قضاعی: ۳/۴۷احدیث: ۸۰۷، مشکل الآثار: ۳/۲۴۴حدیث: ۱۰۵۳، مسند ابن راھویہ: ۲/۱۴۰، اخبار اصبہان: ۲/۲۴۷حدیث: ۵۲۲، آداب الصحبۃ ابوعبدالرحمٰن سلمی: ۱/۵۳حدیث: ۳۶، الزہد والرقائق: ۳/۳۵۹حدیث: ۱۳۱۱، الفوائد الشہیر بالغیلانیات ابوبکر شافعی: ۳/۲۵حدیث: ۹۶۶، مسند اسحاق بن راھویہ: ۲/۶۷حدیث: ۵۴۶، کنز العمال: ۳/۴۴حدیث: ۵۴۰۱، مسند الجامع: ۵۱/۶۸حدیث: ۱۷۳۱۲، تحفۃ الاشراف: ۱۴/۱۲۱حدیث: ۱۷۷۱۸، تخریج احادیث الاحیاء: ۲/۱۳۸حدیث: ۶۳۸

یوں بھی آیا ہے

أحب الأعمالِ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أدومها و إن قل . (مسند احمد: ۵۱/۳۱۰حدیث: ۲۴۱۵۳، صحیح ابن حبان: ۷/۱۵۷حدیث: ۱۶۰۳، حدیث اسماعیل بن جعفر: ۱/۱۹۹حدیث: ۱۹۵)

صحیح ابن خزیمہ میں یوں ہے

إن أفضل الأعمالِ أدومها . (۵/۵۱حدیث: ۱۲۱۳)

اور مسند عبداللہ بن مبارک میں یوں ہے

إن أحب الأعمالِ عند الله أدومها و إن قل . (۱/۸۰حدیث: ۷۹)

(۲) سورۂ حدید: ۵۷/۲۷

دیکھیے اس میں ایک دلیل تو یہ پیدا ہوئی کہ بعض بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالی تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کہ انھوں نے یہ بدعتیں کیوں ایجاد کیں بلکہ ملامت اس بات پر فرمائی کہ انھوں نے اس کو نباہنے کی طرح نباہا نہیں۔

جب یہ مضمون قرآن سے ثابت ہو گیا تو معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی، نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان کو پڑھنا چاہیے یا آخر شب میں۔ اور رمضان کی تمام راتوں میں پڑھنا چاہیے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے، اور نہ قراءت کی مقدار ہی بیان ہوئی تھی کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو، اور نہ ہی یہ بیان ہوا تھا کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں۔ اور نہ اس کے لیے جماعت ہی کا کچھ اہتمام وانتظام ارشاد ہوا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں زیادہ اہتمام کیا، تمیم داری کو حکم دیا کہ عورتوں کو تراویح پڑھائیں اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ مردوں کو نمازِ تراویح پڑھائیں۔ مردوں کو مسجد میں تراویح کا حکم دیا جبکہ پہلے صحابہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمر نے مسجد میں قندیل روشن کیے۔ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ عشا کے بعد شروع رات میں پڑھا کرو یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو۔ غرض کہ جب حضرت عمر نے اس نماز کو جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمائی، اور بعض خصوصیات وتعینات اس میں زیادہ فرمائیں، تو اب اس میں ہیئت کذائی جدید عارض ہو جانے کی وجہ سے آپ نے بزبانِ خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ . (۱) کیا ہی خوب بدعت ہے یہ۔

اس وقت صحابہ میں ٹھہرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام، جماعت اور قیود کے ساتھ خود کیا ہے لہٰذا اب اس کو ترک نہ کرنا چاہیے اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھنا چاہیے، ایسا نہ ہو جیسا بنی اسرائیل کچھ باتیں ایجاد کر کے پھر اس پر پورے عامل نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب کیا: مـا رعـوهـا حق رعـايتهـا کہ انھوں نے اس کو ویسا نہ نباہا جیسا کہ نباہنے کا حق تھا۔ یہ قصہ ''کشف الغمہ'' اور تفسیر روح البیان کی سورۂ حدید میں مذکور ہے

و كـان أبـو أمـامة البـاهلي رضي الله عنه يقول أحدثتم قيام رمضان و لم يكتب عليكم فـدومـوا عـلـى مـا فـعـلتـم و لا تـتـركـوه فـإن الـلـه عاتب بني إسرائيل في قوله: وَ رَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. انتهىٰ. (۲)

---

(۱) موطا امام مالک: ۱/۳۴۰ حدیث: ۲۳۱، صحیح بخاری: ۷/۱۳۵ حدیث: ۱۸۷۱، معجم طبرانی: ۱۱/۵۴ حدیث: ۱۳۳۸۷، شعب الایمان: ۷/۱۷ ۲ حدیث: ۳۱۲۲، الصیام فریابی: ۱/۱۵۷ حدیث: ۱۴۸، المدخل: ۱/۱۹۱ حدیث: ۱۹۰، فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۲۷۴ حدیث: ۲۲۴، فوائد محمد بن مخلد: ۱/۶ حدیث: ۵، قیام رمضان مروزی: ۱/۲۰ حدیث: ۱۶، نصب الرایہ: ۳/۲۲۸، تلخیص حبیر: ۲/۱۲۲ حدیث: ۵۵۱، تحفۃ الاشراف: ۹/۴۵۴ حدیث: ۱۰۵۹۴، روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰

نعم البدعة هذه کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۲/۴۹۳۔ مصنف عبد الرزاق: ۴/۲۵۹ حدیث: ۷۷۲۴، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۲۴۷ حدیث: ۱۰۳۶، معرفۃ السنن والآثار: ۴/۲۰۶ حدیث: ۱۴۴۲، کنز العمال: ۸/۴۰۸ حدیث: ۲۳۴۶۶)

(۲) تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۶۴

جب آیت کریمہ کے معنی اور اس سے احداث بدعت حسنہ کے جائز ہونے کے سلسلہ میں صحابہ کا استدلال اور اس کی تاکید مداومت سن چکے تو اب مسئلہ میلا د شریف کا حال سنو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا ۔ابن حاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عذر بیان کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں میرے کرنے سے امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن اس کی فضیلت کا اشارہ دے دیا کہ میں پیر کے دن اس لیے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس سے امت کو اشارہ مل گیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن ولادت مبارکہ ہونے کے باعث محل عبادت شکریہ ہو گیا تو برس کے بارہ مہینوں میں ایک دو مہینہ بھی بلاشبہ محل عبادت شکریہ ہو گا جس میں میلا د شریف ہوا۔

اس اصل و بنیاد پر اہل اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ (جو چند عبادات بدنیہ و مالیہ پر مشتمل ہوتی ہے) ایجاد کی اور اکابر علماء، محدثین اور فقہا (جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے) اس کے بانی، جائز کرنے والے اور ثناء خواں ہوئے۔ اور اہل کشف اولیاء اللہ نے مکاشفات [1] و منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے راضی پایا۔ غرض کہ علمائے طریقت و شریعت کے اتفاق سے یہ عمل مستحسن ٹھہرا لہٰذا اس پر بھی آیت کریمہ والا وہی مضمون صادق آیا' **ابتدعوها ما كتبناها عليهم إلاّ ابتغاء رضوان الله** اور تراویح کے سلسلے والا قصہ صحابہ اس کے مطابق ہوا۔ تو اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطورِ اوراد معینہ ادا نہ کریں تو ہم کو بھی وہی اندیشہ ہو گا جو ابوامامہ باہلی کو ہوا جس کے سبب انھوں نے فرمایا

دُوْمُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ وَ لاَ تَتْرُكُوهُ . اب اسے برابر کرتے رہو کبھی چھوڑنا نہیں۔

رہا طیبی کا یہ قول

من أصر على مندوب و جعل عرفا و لم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان . (۲) جو آدمی کسی امر مستحب کو واجب جان کر کرتا رہے کبھی ترک نہ کرے تو یقیناً اس میں شیطان کا دخل ہے۔

تو علامہ طیبی نے یہ بات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیدا کی ہے کہ انھوں نے فرمایا

تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے یعنی یہ عقیدہ جما لے کہ سلام پھیرنے کے بعد داہنی طرف پھرنا واجب ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ سلام پھیر کر بائیں طرف مڑتے بھی دیکھا ہے۔ انتہٰی۔ (۳)

---

(۱) **حاشیہ** : اس عاجز نے کچھ اولیاء کے قصے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ ان واقعات و منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل مولد شریف سے خوش پایا ہے۔ یہ کتابوں میں دیکھے ہیں اور اس وقت بھی چند صلحائے وقت کو اس محفل شریف کی بشارت ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) فیض القدیر: ۲/۲۷۲۔ مگر اس میں **وجعل عرفا** کا لفظ نہیں آیا۔

(۳) کنز العمال: ۸/۲۶۸ حدیث: ۲۲۸۵۹، صحیح مسلم: ۴/۱۶ حدیث: ۱۱۵۶، سنن ابوداؤد: ۳/۲۳۰ حدیث: ۸۷۸، مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۴۰ حدیث: ۳۲۰۸، صحیح ابن خزیمہ: ۶/۳۰۵ حدیث: ۱۶۲۰

حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں

لا يجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزء لا يرى إلا أن عليه حقا أن ينصرف عن يمينه ،قد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر ما ينصرف عن شماله .

اب ہم سے اس کی تحقیق سنو۔ نماز کے بعد دہنی طرف پھر جانے سے جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا تو اس میں دو باتیں خلاف شرع تھیں۔ ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنت ہے، پھر اگر کوئی اس کو واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ حکم شرع کو بدل دے گا۔

یہ دیکھو تمہارے مسلم الثبوت عالم مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں

سنت میں واجب ہونے کا اعتقاد نہ کرے۔ انتہیٰ۔ (۱)

دوسرے یہ کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالانکہ جو شخص داہنی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا قانون شرع کے مطابق مکروہ تحریمی ٹھہرے گا کیونکہ واجب کا عمداً ترک مکروہ تحریمی ہوتا ہے تو اس کے اعتقاد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمی ٹھہرتا تھا، ان دونوں قباحتوں کی وجہ سے صحابی موصوف نے منع فرمایا کہ تم ایسے اعتقاد کر کے شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا نہ کرو۔ اس حدیث کے موافق طیبی نے فرمایا

من أصر على مندوب. الیٰ آخرہ.

تو جو معنی اثر صحابی کے ہیں کہ سنت کو واجب اعتقاد نہ کرے وہی معنی کلام طیبی کے بھی ہوئے۔

اور اگر کوئی شخص مستحب کو مستحب جان کر مداومت کرے تو کلام طیبی سے اس کی برائی ثابت نہیں ہوتی۔ اور ہو بھی کیسے جب خود حدیث شریف میں عمل کا دوام محبوب ثابت ہو چکا ہے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

اس حدیث کے سبب اہل تصوف ترک اوراد کو ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسے ترک فرائض کو۔ انتہیٰ۔ (۲)

ہم کہتے ہیں تو اسی طرح اہل مولد بھی میلاد کے وظیفہ معمولہ کو ترک کرنا اچھا نہیں جانتے۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے اعتراضات مع جوابات

[۱] یکشنبہ کا عید ہونا نیز صوم عاشورا بحکم الٰہی تھا۔

جواب: اگر بحکم الٰہی نہ ہوتا تو ہم اس پر قیاس بھی نہ کرتے، اور جب وہ بحکم الٰہی ہوا تو یہ استنباط بالکل صحیح ہو گیا کہ حصول نعمت کا شکریہ اور دائمی طور پر ہر سال خوشی منانا بحکم الٰہی ہے، لہٰذا ان افرادِ سابقہ کو نظیر قرار دے کر وہی حکم نعمت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں بھی جاری کیا۔

[۲] یکشنبہ کا عید ہونا منسوخ ہو چکا اور شریعت عیسیٰ علیہ السلام منسوخ ہو چکی۔

جواب: اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر ان کے لیے مائدہ نازل ہونے والا دن عید ٹھہرا تو ہمارے لیے جس رات کو مادۂ وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکم جناب آمنہ میں نزول فرما ہوا اس کی صبح یعنی جمعہ کا دن عید ٹھہرایا گیا۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ حضرت آمنہ کے

(۱) مظاہر حق حصہ اول، ۳۶۹، باب الدعا فی التشہد، مطبع آسی لکھنؤ　(۲) مظاہر حق حصہ اول، ۱/۲۲۷، باب القصد فی العمل، مطبع آسی لکھنؤ

صدفِ رحم میں درۂ محمدیہ کا استقرار شب جمعہ ہوا تھا جیسا کہ مدارج النبوۃ میں ہے۔اس سے قطع نظر اگر پہلی ملتیں نسخ ہوگئیں تو جملہ ملتوں کا ہر حکم تو نسخ نہیں ہوجاتا۔ہم کہتے ہیں کہ نعمت ملنے کے دن کا شکریہ ادا ہونا کبھی نسخ نہیں ہوا' اور یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے نجات موسیٰ کے شکرانے میں روزۂ عاشورا رکھا۔

[۳] یہود نے حضرت سے کہا تھا: **نحن نصومه** فقط اب اس پر **شكراً لله تعالى** مولف انوارِ ساطعہ نے افترا علی الحدیث کیا ہے۔ براہین قاطعہ صفحہ ۱۹۴۔

جواب: یہود کا **نحن نصومه شكرا لله تعالى** کہنا خود ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے جلال الدین سیوطی طاب اللہ ثراہ نے ''حسن المقصد'' میں نقل کیا ہے' نیز علی قاری نور اللہ مرقدہ نے ''مورد الروی'' میں بھی نقل کیا ہے۔ ذرا کتابوں پر نظر بھی چاہیے یونہی زبان اٹھا کر مفتری کہہ دینا اچھا نہیں' قیامت کو ہر لفظ کا محاسبہ ہوگا۔(۱)

واضح ہو کہ لفظ شکراً لله کی جگہ تعظیما کا لفظ بھی روایت میں آیا ہے۔ **نحن نصومه تعظيما له** کی عبارت بخاری ومسلم نے اپنی صحیح میں' حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ'' میں اور ابو اللیث سمرقندی نے ''تنبیہ الغافلین'' میں روایت کی ہے۔ اور **شكراً لله** کی طرح یہ روایت بھی وہی معنی دیتی ہے۔(۲)

[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم عاشورا' شکراو سرور انہیں رکھا اور **أحق بموسىٰ منكم** کے معنی یہ ہیں: **اتباعا' لا سروراً وشكراً** . صفحہ ۱۶۵۔

جواب: آپ انکار فرماتے ہیں اور مذہب حنفی کے ایک بڑے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح معانی الآثار'' مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۳۳۷ پر ہمارے معنی کی تصریح فرماتے ہیں

ففي هذا الحديث أن رسُولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم إنما صامه شكرا لله عزوجل في إظهار موسىٰ على فرعون . (۳)

---

(۱) علاوہ ازیں شکر اللہ کی تفصیل ذیل کی کتابوں میں بھی موجود ہے
صحیح بخاری: ۱۱/۱۹۵ حدیث: ۳۱۴۵' مسند احمد: ۱۷/۴۰۲ حدیث: ۸۳۶۰' سنن کبریٰ نسائی: ۲/۱۵۷ حدیث: ۲۸۳۵' تہذیب الآثار طبری: ۲/۹۵ حدیث: ۱۰۶۳' صحیح ابن حبان: ۱۵/۲۴۹ حدیث: ۳۶۹۵' کنز العمال: ۸/۵۷۶ حدیث: ۲۴۲۵۶' مجمع الزوائد: ۳/۱۸۴' مسند الجامع: ۴۱/۴۰۰ حدیث: ۱۳۴۹۵' فتح الباری ابن حجر: ۶/۲۸۴ حدیث: ۱۸۶۵' شرح ابن بطال: ۷/۳' فیض القدیر: ۳/۴۵' شرح معانی الآثار: ۳/۲۷ - باب صوم یوم عاشورا - تفسیر بغوی: ۳/۲۷۳' تفسیر آلوسی: ۶/۳۳۱' تفسیر البحر المحیط: ۵/۴۳۵' نظم الدرر بقاعی: ۳/۲۶۴' تفسیر نسفی: ۱/۳۸۸' تفسیر نیساپوری: ۱/۲۱۹' تفسیر کشاف: ۲/۲۸۱' تفسیر ابو السعود: ۳/۳۶' تفسیر در منثور: ۱۰/۲۵۲' تفسیر خازن: ۱/۴۱' تفسیر اضواء البیان: ۹/۹' تفسیر مقاتل: ۲/۴۸۳' تفسیر الاعقم زیدی: ۱/۲۲۱' تفسیر ہمیان الزاد اباضی: ۱/۳۰۵' تفسیر معالم التنزیل: ۳/۱۷۹' الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف: ۱/۵۶' اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم: ۱/۳۶۱' حواشی الشروانی: ۷/۴۲۳' تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج: ۳۱/۳۷۷' قصص الانبیاء: ۱/۱۱۳' سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۶' زاد المعاد: ۲/۶۳' ثقات ابن حبان: ۱/۱۴۵' البدایۃ والنہایۃ: ۱/۱۳۲' نہایۃ الارب فی فنون الادب: ۱/۳۷

(۲) صحیح بخاری: ۱۲/۳۳۳ حدیث: ۳۶۴۹' صحیح مسلم: ۵/۴۷۲ حدیث: ۱۹۱۰' سنن ابو داؤد: ۶/۴۲۸ حدیث: ۲۰۸۸' سنن کبریٰ نسائی: ۲/۱۵۶ حدیث: ۲۸۳۴' صحیح ابن خزیمہ: ۷/۳۳۴ حدیث: ۳۰۳۱

(۳) شرح معانی الآثار: ۳/۲۷ باب صوم یوم عاشورا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون پر حضرت موسیٰ کو غلبہ عطا کیے جانے کی خوشی میں بطور شکرِ الٰہی روزہ رکھا تھا۔
پھر اکیس سطر کے بعد لکھا

و قد أخبر ابن عباس في حديثه بالعلة التي من أجلها كانت اليهود تصومه إنها على الشكر منهم لله تعالىٰ في إظهاره موسىٰ على فرعون، و أن رسول الله صلى الله عليه و سلم أيضا صامه، كذلك، و الصوم للشكر اختيارٌ لا فرض . (١)

حضرت ابن عباس نے اپنی حدیث میں اس سبب کو بھی بیان فرمادیا جس کی وجہ سے یہود روزہ رکھا کرتے تھے، کہ وہ دراصل شکرانے کا روزہ تھا جو اللہ نے فرعون پر موسیٰ کو غلبہ بخشا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یوں ہی شکریہ کے طور پر روزہ رکھا۔ اور شکر کا روزہ کوئی فرض نہیں بلکہ اختیاری ہوتا ہے۔

تو جس طرح ابن حجر اور سیوطی کے کلام سے سمجھا گیا تھا اسی طرح مذہب حنفی کے امام کبیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہود اس روزہ کو بطورِ شکریہ رکھتے تھے، پھر حضرت نے بھی شکریہ کے طور پر رکھا۔ اور خود مولف براہین نے صفحہ ۱۶۵ کی سولہویں سطر پر بیان کیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم موسیٰ کے متبع ہیں۔ انتہیٰ۔

یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شکراً روزہ رکھا تھا کہ ان کو نجات ملی تھی۔ براہین کے صفحہ ۱۶۴ پر ہے

فصامه موسىٰ شكرا . موسیٰ نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا۔

تو علتِ اتباع اور اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ بھی شکراً ہو گیا کیونکہ تابع و متبوع کا حکم ایک ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ وہ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں تو ہزارہا سال گزر جانے کے باوجود وہ شکریہ اب تک باقی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نعمت کا شکریہ اگر ہمیشہ جاری رہے تو کیا بڑی بات ہے، اور اس کا شرع سے کیا منافات (ٹکراؤ)۔

لمعہ سادسہ

اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیئہ اور شرک ہے، چند دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ محفل میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا شرک ہے، اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور خاص نماز کی صورت ہے اور غیر اللہ کے لیے عبادت، شرک فی العبادۃ ہے۔

دوسری قباحت نجم الدین قنوجی نے یہ لکھا کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر سے باہر تشریف لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں اور یہ کفر و شرک ہے۔

تیسری قباحت یہ کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے اور یہ اعتقاد شرک ہے۔

جواب: ان امور کا جواب یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ اگر کوئی کرے وہ تین حالتوں سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کرے یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے۔ ان تینوں حالتوں کی نسبت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا ہے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلٰى جُنُوبِكُمْ . (٢) تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

لیکن لیٹ کر پڑھنے کے اذکار تو وہ ہیں جو خاص سونے کے وقت احادیث میں آئے ہیں، یا کوئی تھکا ہوا سستی چڑھا ہوا یا

(١) شرح معانی الآثار: ۲۹/۳ باب صوم یوم عاشورا (٢) سورۂ نساء: ۱۰۳/۴

مریض ہو اس لیے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام وقعود تو تجویز ہوا' لیٹنا نہ ہوا مگر مریض کے واسطے۔ تو عبادت کے لیے ادب کی دو حالت مقرر ہوئیں' قیام اور قعود۔ اب اس کی تین شکلیں ہیں' یا تو پورا ذکر قیام کی حالت میں کرے' یا پورا قعود میں' یا کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں ۔ یہ تینوں شکلیں کلام اللہ کے مضمون میں داخل ہیں۔ ان میں کی ایک شکل' جلسہ میلا د شریف پر بالکل منطبق ہے کیونکہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر۔ مندرجہ آیت کریمہ کے تین مضامین میں سے یہ ایک مضمون ہوا' اور کتاب الٰہی سے ثابت شدہ افرادِ ثلاثہ میں سے ایک فرد ہوا' لہٰذا لفظ بدعت کا اطلاق اس پر صحیح نہیں۔ بدعت وہ ہے جس کی کتاب و سنت سے لفظاً و اشارۃً کوئی سند نہ ہو۔ جیسا کہ مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' میں لکھا ہے۔

ہاں' ایک وجہ خاص کے سبب کہ چونکہ وہ قیام خاص اسی وقت کیا جاتا ہے جب میلا د شریف کا ذکر آتا ہے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد' نیز مداومت کرنے کے باعث کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے' تو اگر اس مناسبت سے لفظ بدعت کا اس پر اطلاق کریں تو صحیح ہے۔ لیکن جمہور اسلام کے مفتٰی بہ اور مذہب صحیح کے مطابق بدعت دو طرح کی ہوتی ہے' سیئہ اور حسنہ۔ بدعت سیئہ وہ ہے جو قرآن' حدیث یا اجماع کے خلاف ہو' لیکن یہ بات تو اس قیام میں نہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی قرآن کی آیت یا کوئی حدیث اس سلسلہ میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑے ہو کر مدح و سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا تب تو اس کی مخالفت کی وجہ سے قیام کا یہ حکم استحباب' بدعت سیئہ ہوتا لیکن اس خاص موقع کے لیے کوئی نہی ہرگز وارد نہیں۔ کیا عجمیوں کے قیام مروجہ کے علاوہ' قیام تعظیمی کے لیے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی؟ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے۔ پس جب کہ نہی ثابت نہیں ہوئی تو جمہور حنفیہ و شافعیہ کے علمائے فقہ کے قواعد مقررہ اور اصول مسلمہ کے مطابق کہ ''اشیا میں اصل اباحت ہے'' یہ قیام مباح امر ٹھہرا اور بدعت سیئہ نہ ہوا' بلکہ شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی نیت شامل ہونے کی وجہ سے مستحب اور مستحسن ہو گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص قرآنی: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ اور مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ ناطق ہیں کہ شرعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مطلوب ہے' اسی لیے مجمع البحار کی جلد دوم ''تحقیق لفظ صدق'' میں لکھا

فتعظيمه صلى الله عليه وسلم أفضل القرب . آپ ﷺ کی تعظیم افضل عبادات و قربات میں سے ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھتے ہیں

و ذكر النبي صلى الله عليه وسلم بالتعظيم وطلب الخير من الله تعالىٰ في حقه آلة صالحة للتوجه إليه . (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعظیم و ادب کے ساتھ ذکر اور آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنا آپ کی توجہ کے لیے عمدہ آلہ ہے۔

قاضی عیاض نے ''شفا'' میں لکھا

واجب على كل مومن عند ذكر النبي صلى الله عليه وسلم أن يتوقر و يأخذ في هيبته و إجلاله . (۲)

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذِکر کی توقیر کرے' اور دل میں ان کی ہیبت و بزرگی بٹھائے۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۱۳۹ (۲) شفا قاضی عیاض: ۲/۴۰

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی تعظیم شانِ رسول کا فائدہ دینے کی وجہ سے مطلوب ہوا۔ تو اب اگر اس قیام کو اس سبب سے کہ خاص اس موقع میں صدرِ اول سے منقول نہیں، بدعت کہیں گے، تو تعظیم کے قاعدۂ شرعیہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے اسے احسن و مستحسن بھی کہیں گے۔ بیان بدعت کے سلسلہ میں ''مجمع البحار'' اور ''شرح مسلم نووی'' کی عبارتیں گزر چکیں کہ بدعت حسنہ کی ایجاد میں ثواب ملتا ہے خواہ وہ تعلیم علم کا طریقہ ہو، یا عبادت یا ادب کا 'سواء کان ذلک تعلم علم أو عبادة أو أدب تو یہ قیام جو ایجاد کیا گیا یہ ادب کا طریقہ ہے لہٰذا یہ مستحسن ہوا۔

چنانچہ مولد کبیر ابن حجر، سیرت حلبی، تفسیر روح البیان'' و رعقد الجوہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح موجود ہے، اور اسی پر حرمین شریفین اور جملہ اسلامی ملکوں کا عمل ہے (ان ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے) بھلا جو عمل سوادِ اعظم کے اتفاق سے مستحب اور مستحسن ہو اس کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت کہنا انصاف و دیانت کے کس قدر خلاف ہے۔ اور اس کا شرک و کفر کہنا تو فضولِ محض ہے، اس لیے کہ شرح عقائد نسفی میں شرک کے معنی یہ لکھے ہیں

کسی کو خدائی میں شریک کرے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو بھی مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے، یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں یوں ہی کسی دوسرے کو بھی مستحق عبادت جانے۔ انتہیٰ۔

اور ذکر ولادت شریف کے وقت کھڑے ہو کر مدح و سلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا۔ اور اگر متقدمین یعنی عقائد حنفی کا کلام نہیں سنتے تو اپنے متاخرین ہی کا کلام سنو۔

مولوی اسماعیل صاحب ''تقویۃ الایمان'' کی فصل شرک فی العبادۃ میں کہتے ہیں

اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ چاہیے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے واسطے نہ کیجیے۔ انتہیٰ۔

قیام کی ایک اچھوتی تحقیق

اب قیام کو دیکھنا چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے یا کسی اور کے لیے بھی۔ اور دست بستہ قیام عبادت بھی ہے یا نہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیز ''تفسیر عزیزی'' کے پارۂ الم میں لکھتے ہیں

درحقیقت چیزے کہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل اندر رکوع و سجود و قیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم ندارد۔ انتہیٰ۔

علامہ حلبی نے ''شرح کبیر منیہ'' میں لکھا ہے

و القيام لم يشرع عبادة وحده و ذلک لأن السجود غاية الخضوع حتى لو سجد لغير الله يكفر بخلاف القيام .

شاہ صاحب اور علامہ حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام فی نفسہٖ عبادت نہیں اور نہ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو کچھ خصوصیت ہے۔ تو قیام کو اللہ کی خاص تعظیموں میں شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز میں قیام جو عبادت گنا جاتا ہے تو وہ چند قیود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عبادت گنا گیا ہے۔ طہارت کاملہ اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا، قراءت کا واقع ہونا اور رکوع وسجود کی تکرار کے لیے وسیلہ ہونا۔ اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز

میں قیام مشروع نہ ہوتا بخلاف سجدہ ورکوع کے کہ یہ خود اصل عبادت مقصودہ ہیں جو خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے قرآن وحدیث اس پر ناطق ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔ اب سجدہ کا حال کتب معتبرہ سے سنیے۔

مولوی اسحٰق صاحب ''مائۃ مسائل'' کے تینتیسویں (۳۳) مسئلہ میں لکھتے ہیں

سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام وکبیرہ است واگر بہ جہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجب کفر وشرک است۔ انتہیٰ۔

غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے خواہ وہ قبر ہو یا قبر کے علاوہ کچھ اور۔ اور عبادت کی نیت سے غیر خدا کا سجدہ کفر وشرک کا باعث ہے۔

یہی مضمون تفسیر عزیزی پارۂ الم میں بھی ہے۔

اب دیکھیے کہ ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور عبادت کی نیت نہ ہو تو حرام ہے مگر شرک نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب نود و دوم (۹۲) میں لکھتے ہیں

بعضے از فقہا ہر چند سجدہ تحیت بہ سلاطین تجویز نمودہ اند اما لایق حال سلاطین عظام آن است کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ تواضع نمایند۔ انتہیٰ۔ (۱)

ہر چند کہ بعض فقہا نے سلاطین کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز کر رکھا ہے لیکن سلاطین عظام کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ لوگوں سے کراتے پھریں کیونکہ سجدہ تو صرف حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض فقہا نے بادشاہوں کو سجدہ کرنا بھی جائز لکھا ہے لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو تواضع اور عاجزی چاہیے کہ لوگوں سے سجدے نہ کروائیں۔ جب عبادت مخصوصہ یعنی سجدہ جو خاص اللہ کا حق تھا بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بقول حضرت مجدد بعض فقہا نے جائز بھی لکھا، تو صرف قیام (جو اصل عبادت بھی نہیں) بھلا شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہے۔ افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالات پر۔

سجدہ پہلے حرام نہ تھا اب حرام ہے

واضح ہو کہ پہلی امتوں میں دوسروں کے واسطے سجدۂ تعظیمی بھی جائز تھا۔ مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ان کے باپ یعقوب علیہ السلام، ان کے خالہ اور سب بھائی آئے، جب یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن میں یوں ہے

وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۔ (۲)

حضرت یوسف کے والد، خالہ اور بھائی سب کے سب آپ کے آگے تعظیماً سجدے میں گر پڑے۔

اسی طرح جب حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا کہ

(۱) مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم: ۲۳۵۔ ترکی

(۲) سورۂ یوسف: ۱۲/۱۰۰

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ . (۱) اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

تو اس وقت شیطان ملعون کے سوا تمام فرشتوں نے آدم کا سجدہ کیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے

فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ . (۲) تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

یہ ذات اس وقت غرور میں رہی، سجدہ نہ کیا، لعنت کا طوق گلے میں پڑا اور جہنمی بن گئے۔ امام فخر الدین رازی نے پارۂ تلک الرسل میں لکھا ہے

إن الملائكة أمروا بالسجود لآدم لأجل أن نور محمدعليه السلام في جبهة آدم . (۳) فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ پیشانی آدم میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ

فرشتوں نے جو آدم علیہ السلام کو اور برادرانِ یوسف نے جو یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا وہ عبادت کے لیے نہ تھا، ایسا سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیونکہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتی، بلکہ وہ سجدۂ تعظیمی تھا اور اس امت میں اب وہ بھی حرام ہے۔ انتہیٰ۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تعظیمی اس امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں۔ جب باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص اس عبادتِ خاص کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہوسکتا ہے۔ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا تو علمائے دین اس کو کبھی بھی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جائز نہ رکھتے۔ صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں

ودر وقت سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقوف دراں جناب باعظمت دست راست را بردست چپ بنہد چنانچہ درحالت نماز، کرمانی کہ از علمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ۔ انتہیٰ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام پیش کرتے وقت بارگاہِ رسالت کی عظمت مدنظر رکھتے ہوئے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر یوں کھڑا ہو جیسے نماز کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ علمائے حنفیہ سے ایک عالم، امام کرمانی کی تصریح ہے۔

ملا علی قاری نے بھی ''در المصیبہ'' میں، مثل نماز ہاتھ باندھنے کی یہ بات کرمانی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور مدینہ جانے والے خوب جانتے ہیں کہ وہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں، ایسا ہرگز عمل نہیں۔

علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعی نے ''حاشیہ مناسک خطیب شربینی'' میں لکھا ہے

فالأولیٰ له وضع يمينه على يساره كالصلوٰة كما اقتصر عليه في الحاشية و أقره ابن علان و آخر كلامه في الجوهر يشير إلى الميل إليه . انتهىٰ. زیارت کرنے والے کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ نماز کی طرح اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ حاشیہ میں یہی ایک بات لکھی ہے جس کو ابن علان نے مان لیا ہے۔ اور جوہر میں اس کا آخری کلام اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میلان اس کا اسی بات پر ہے یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔

(۱) سورہ بقرہ:۲/۳۴ (۲) سورہ بقرہ:۲/۳۴ (۳) تفسیر رازی:۳/۲۳۲

فتاویٰ عالم گیری میں قبر شریف کی زیارت کے سلسلے میں لکھا ہے

و یقف کما یقف فی الصلوٰۃ . (۱) ایک زائر جناب رسالت میں یوں ہی کھڑا ہو جیسے نماز کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔

اب دیکھیے کہ شافعی وحنفی تمام علماء نماز کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کے سامنے بھی باادب کھڑا ہو۔

اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ علماء سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر باادب کھڑا ہونا نہ تو عبادت ہے اور نہ کچھ خدا کے ساتھ مخصوص (جیسا کہ شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا کلام ہم نقل کر چکے) لہٰذا جب خدا کے ساتھ مخصوص نہیں تو رسول خدا کے واسطے اس طرح کھڑے ہونے میں کیا مضائقہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں کھڑے ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ . (۲) جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

دوسری جگہ فرمایا

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ . (۳) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے

جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے۔ انتہیٰ۔

تفسیر روح البیان میں ہے

کان المقصود بالمبایعة منه علیه السلام المبایعة مع الله و إنه علیه السلام انما هو سفیر و معبر عنه تعالیٰ و بهذا الاعتبار صاروا کأنهم یبایعون الله و بالفارسیة' آنانکه بیعت می کنند باتو جزیں نیست کی بیعت می کنند باخدایے چه مقصود بیعت اوست و برائے طلب رضایے اوست .انتهیٰ .(۴)

اور وقت بیعت جو رسول اللہ کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا' اس کو قرآن شریف میں فرمایا

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ . (۵) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

شاہ عبدالقادر نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔

تفسیر مدارک میں ہے

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۶/ ۴۰۹ خاتمة فی زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) سورۂ نساء؛ ۴/ ۸۰

(۳) سورۂ فتح؛ ۴۸/ ۱۰ (۴) تفسیر روح البیان: ۱۳/ ۴۸۷ (۵) سورۂ فتح؛ ۴۸/ ۱۰

يـريـد أن يـد رسول الله صلى الله عليه وسلم التي تعلو أيدي المبايعين هي يد الله و الله منزه عن الجوارح و عن صفات الأجسام، وإنما المعنى تقرير أن عـقد الميثاق مع الرسول كعقده مع الله من غير تفاوت بينهما . (۱)

مراد یہ ہے کہ بیعت کرنے والوں کے اوپر جو رسول اللہ کا ہاتھ ہے وہ درحقیقت دست قدرت ہے، حالانکہ اللہ اعضا اور جسمانی صفات سے پاک ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میثاق باندھنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے ساتھ میثاق، اور ان دونوں میں کوئی فرق وتفاوت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ دست بستہ قیام عبادت نہیں (چنانچہ مذہب علماء اور قولِ فقہا یہی ہے) تو محفل میلاد شریف میں کھڑا ہونا کفر و شرک ہرگز نہ ہوا۔ اور اگر زیان زوری سے خواہ مخواہ علمائے دین کے خلاف کر کے اس کو عبادت قرار دیتے ہیں تو ہم یہی جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہمارے لیے بڑی نعمت اور اللہ کی رحمت ہے تو جس وقت اس ظہورِ نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم نے تیری اس بھیجی ہوئی نعمت کو عظیم جانا۔

اس سے دو باتیں حاصل ہوئیں، ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نکلی کیونکہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر سن کر بہ ہیئت تعظیم کھڑے ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو گئی کیونکہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم ہے، لہٰذا اعطائے نعمت کے شکریہ میں یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعم حقیقی کے سامنے ہے۔ اب خیال فرمائیں کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ۔ فماذا بعد الحق إلا الضلال .

اب (۲) دوسری قباحت کا جواب سنیے کہ تمام میلاد پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح وتوضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں۔ شاہ سلامت اللہ صاحب کے میلاد شریف میں ہے

بارہویں تاریخ، ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت، پیر کے دن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

غلام امام شہید کے مولد شریف میں ہے

بارہویں تاریخ، ربیع الاول، دوشنبہ کے دن، وقت صبح صادق، زمانہ آدم کے چھ ہزار سات سو پچاس برس کے بعد (آپ پیدا ہوئے)

اسی قسم کی عبارتیں ''راحۃ القلوب'' وغیرہ اردو زبان کے رسائل میلادیہ میں ہیں۔ اور عربی زبان کے ''مولد برزنجی'' میں ہے

و لـمـا تـم مـن حمله تسعة أشهر قمرية ولدته صلى الله عليه و سلم يتلألأ سنـاه .

قمری سال کے اعتبار سے جب حمل مکمل نو مہینے کا ہو گیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اور آپ کے وجود باجود سے درخشانی ہویدا تھی۔

(۱) مدارک التنزیل نسفی: ۳۳۲/۳

(۲) حاشیہ یعنی مانعین کا جو یہ اعتراض تھا کہ دست بستہ کھڑا ہونا شرک ہے۔ اس کا جواب تو ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب شروع ہوتا ہے۔ یعنی یہ افترا کہ بانیانِ محفل یوں جانتے ہیں گویا اب آپ اس محفل میں پیدا ہوئے ہیں، نعوذ باللہ منہا الف الف مرة۔

علامہ غرب مدنی کے مولد میں ہے ۔

بثان عشر من ربيع الأول ☆ في يوم الأثنين المفخم ذى المجدا

بارہ ربیع الاول بروز پیر وہ مجد و بزرگی والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔

توان رسائل میں ولادت ووصال کے دن اور مہینے کا لکھا ہونا صاف اقرار ہے کہ آپ اس زمانے میں پیدا ہوئے' نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے' نعوذ باللہ منہا۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تشریف لانے کی نسبت' تیسری قباحت کا جواب سننا چاہیے ۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں' شرک ہے۔ ہر جگہ موجود صرف خدائے تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ تم ذرا عرش عظیم کی عظمت ووسعت اور کرسی کی فراخی خیال کرو کہ ان کے آگے سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے۔ پھر کرہ ناری' ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمان کے آگے ان کی کیا وسعت ہے۔ پھر ان کے کرات کے آگے زمین کو دیکھو کہ اس کی وسعت کو کرات سے کیا نسبت ہے۔ پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو پانی سے باہر نکلا ہوا ہے' پھر اس باہر نکلے ہوئے میں کس قدر جنگل' پہاڑ اور نیستان ہیں' اور وہ آدمیوں سے کس قدر آباد ہیں' اور اس میں کتنے کفار ہیں اور کتنے مسلمان ۔ اور پھر مسلمانوں میں مولد شریف کرنے والے کتنے ہیں اور نہ کرنے والے کتنے ۔ تو ان سب مراتب میں فکر و خیال کرنے سے ایک مردِ منصف کو فرق معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر ہونا تو اس درجہ میں ہے کہ عرش' کرسی ' آسمان' لوح و قلم' ساتوں زمین' تمام پہاڑ وسمندر اور ویرانہ وآبادی وغیرہ ہر مکان' ہر زمان اور ہر آن کی نسبت وہ حاضر اعتقاد کیا گیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی میں تشریف لے آتے ہیں تو ان تمام زمانوں اور مقامات مذکورہ کی بہ نسبت یہ زمانہ اور وہ مواقع کس حصہ میں داخل ہیں؟ کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آ گئی' اور شرک ہو گیا نعوذ باللہ منہ۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح اس کے ساتھ خاص ہے بالکل اسی طرح' اور اسی حقیقت کے ساتھ دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔ اور خصوصیت کے یہ معنی ہیں

يوجد فيه و لا يوجد في غيره . جو اس کے اندر تو پائی جائے مگر اس کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے۔

اور روئے زمین پر ہر جگہ موجود ہو جانا کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ تفسیر معالم التنزیل' جلال الدین سیوطی کے رسالہ برزخ اور علامہ زرقانی کی شرح مواہب میں ہے کہ ملک الموت' جنات وانسان اور جملہ مخلوقات کی روحوں پر قابض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کے آگے ایک چھوٹے خوان (اور ایک روایت کے مطابق طشت) کی مانند کر دیا ہے[1]۔

فيقبض من ههنا و ههنا . کبھی ادھر سے لے لیتے ہیں اور کبھی اُدھر سے۔

---

(۱) جعلت له الأرض مثل طست يتناول منها حيث يشاء .

(تفسیر بغوی: ۶/ ۳۰۲' تفسیر طبری: ۱۱/ ۴۱۲)

اب خیال کرو کہ ایک ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر، کیڑے مکوڑے، چرند پرند درند اور آدمی مرتے ہیں اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت، مومن اور کافر دونوں کی موت کے وقت سرہانے ہوتے ہیں، یہ ایک طویل حدیث ہے جسے قاضی ثناء اللہ نے "تذکرۃ الموتیٰ" میں نقل کیا ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں طبرانی اور ابن مندہ سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ نیک یا بد آدمیوں کا ایسا کوئی گھر نہیں جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو، رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اتنا نہیں پہچانتے۔(۲)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ملک الموت نمازوں کے وقت آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہا تو اس سے شیاطین کو دفع کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ تلقین کرتے ہیں۔(۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت علیہ السلام (ہر جگہ موجود ہوتے ہیں) اور ملک الموت تو ایک مقرب فرشتہ ہیں، یہ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔

درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان، اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر یہ کہ جن کو اللہ نے بچالیا۔ پھر اس کے بعد لکھا

و أقدره على ذلك كما أقدر ملك الموت على نظير ذلك . (۴)	اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح اس نے ملک الموت کو ہر جگہ موجود ہونے پر قادر کردیا ہے۔

(۱) إن لملك الموت حربة تبلغ ما بين المشرق و المغرب، و هو يتصفح وجوه الناس، فما من أهل بيت إلا و ملك الموت يتصفحهم في كل يوم مرتين، فإذا رأى إنسانا قد انقضى أجله ضرب رأسه بتلك الحربة .
تفسیر بغوی: ۳۰۲/۶

(۲) متن حدیث: و ما من أهل بيت يامحمدشعر و لا مدر بر و لا بحر سهل و لا جبل إلا أنا أتصفحهم في كل يوم و ليلة حتى لأنا أعرف بصغيرهم و كبيرهم منهم بأنفسهم .
کنز العمال: ۷۰۵/۱۵ حدیث: ۴۲۸۱۰، معجم کبیر طبرانی: ۲۹۵/۴ حدیث: ۴۰۷۵، معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۲۶۲/۷ حدیث: ۲۲۸۶، وصایا العلماء عند حضور الموت ربعی: ۱۶۷/۱ حدیث: ۱۰۰، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۳۰/۱

(۳) قال جعفر : بلغني أنه إنما يتصفحهم عند مواقيت الصلوة فإذا نظر عند الموت ممن كان يحافظ على الصلوات دنا منه ملك الموت و دفع عنه الشيطان و تلقنه الملائكة لا إله إلا الله محمد رسول الله في ذلك الحال العظيم .
کنز العمال: ۷۰۵/۱۵ حدیث: ۴۲۸۱۰، معجم کبیر طبرانی: ۲۹۵/۴ حدیث: ۴۰۷۵، معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۲۶۲/۷ حدیث: ۲۲۸۶، وصایا العلماء عند حضور الموت ربعی: ۱۶۷/۱ حدیث: ۱۰۰، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۳۰/۱

(۴) ردمختار: ۴۲/۴ فروع قرأ بالفارسیۃ او التوراۃ

اب محسوس عالم اجسام میں اس کی مثال سمجھئے کہ اگر کوئی آدمی دنیا کی مشرق سے مغرب تک کی آبادی کی سیر کرے تو وہ جہاں جائے گا چاند اور سورج کو موجود پائے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک ہی چاند و سورج ہر جگہ موجود ہیں تو تمہارے قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کیونکہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے اور نہ کافر، خاصا مسلمان ہے۔ تو اسی طرح سمجھو کہ جب سورج ہر جگہ یعنی ہفت اقلیم میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، اور روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک تمام روئے زمین کی چند جگہوں اور مقاموں پر پڑ جائے اور فیضانِ احمدی کے انوار کی کرنیں پوری مجلس کو سورج کی شعاع کی طرح ہر طرف سے گھیر لیں تو کیا بعید و محال ہے۔

علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی ''فصل زیارت قبر شریف'' میں نقل کیا ہے

کالشمس في وسط السماء و نورها ❁ يهدي إلى عينک نورا ثاقبا

كالبدر من حيث التفت رأيته ❁ يغشي البلاد مشارقا و مغاربا

جس طرح سورج، آسمان کے بیچ میں ہے مگر اس کی روشنی مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور جس طرح چاند کہ تو جہاں سے اسے دیکھے وہیں سے وہ تیری آنکھوں میں نور بخشے گا۔

فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کو دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کھول رکھی ہے، جس کے ذریعہ سے ایک بینا آدمی دیکھ کر یہ کہہ دیتا ہے کہ چاند ہر جگہ موجود ہے، لیکن ایک اندھا مادرزاد تو یہی کہے گا کہ چاند کہیں نہیں، بس اسی طرح روحِ نبوی کا دیکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت پر موقوف ہے، اگر وہ باطنی آنکھ کھول دے اور پردے اٹھا دے تو انسان ہر جگہ جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے۔ علامہ زرقانی شرح مواہب جلد ثالث میں ''تذکرۂ قرطبی'' سے نقل کرتے ہیں

إن موت الأنبياء إنما هو راجع إلى أن غيبوا عنا بحيث لا ندركهم و إن كانوا موجودين أحياء و لا يراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله تعالیٰ بكرامة من أوليائه .

موتِ انبیا کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ ہم سے چھپا دیے گئے کہ ہم کو نظر نہیں آتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں مگر ہم میں سے کوئی آنکھ انھیں دیکھ نہیں سکتی، ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی ولی کو دکھلا دے۔

امام شعرانی نے ''میزان الشریعۃ'' میں لکھا ہے

قد بلغنا عن أبي الحسن الشاذلي و تلميذه أبي العباس المرسي وغيرهما إنهم كانوا يقولون لو احتجبت رؤية رسول الله صلى الله عليه وسلم طرفة عين ما اعددنا أنفسنا من جملة المسلمين .

ابوالحسن شاذلی اور ان کے تلمیذ رشید ابوالعباس مرسی وغیرہ کے متعلق ہمیں پتا چلا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ایک لمحہ کے لیے بھی ہم سے اوجھل کر دیا جائے تو ہم اپنے تئیں خود کو مسلمان نہ سمجھیں۔

دیکھیے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔

ہم نے جو انبیا علیہم السلام کی روحوں کا ساتویں آسمان پر علیین میں ہونا بیان کیا تو یہ تفسیر عزیزی کے ''بیان علیین'' میں

دیکھو۔ لیکن علیین میں ہونے کے باوجود آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی گہرا ربط ہے۔ آپ ہر زائر کو جانتے ہیں کہ کون زیارت کو آیا۔ اور سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ قبر میں جسم مبارک زندہ ہے

إن نبينا بالرفيق الأعلى و بدنه في قبره يرد السلام على من يسلم عليه .

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کا بدن مبارک قبر اقدس میں موجود ہے' اور آپ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ جب چاند سورج ہر جگہ موجود' شیطان' زمین پر ہر جگہ موجود ہے' اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو یہ خاص اللہ کی صفت کہاں ہوئی کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں' معاذ اللہ۔

تماشا یہ ہے کہ اہل محفل میلاد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین کی تمام پاک و ناپاک جگہ اور مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے' جب کہ ملک الموت اور ابلیس کا اس سے بھی زیادہ تر' پاک و ناپاک اور کفر و غیر کفر کے مقامات میں حاضر ہونا پایا جاتا ہے۔

سیر ارواح کی تحقیق

اب سیر ارواح کی تحقیق لکھی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ ارواحِ انبیا کا چلنا پھرنا فقہ و حدیث سے ثابت ہے۔ معراج کی حدیثوں میں ہے' آپ ارشاد فرماتے ہیں' میں نے اپنے تئیں انبیا کی جماعت دیکھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں' یہ عیسیٰ علیہ السلام پڑھ رہے ہیں اور یہ ابراہیم علیہ السلام پڑھ رہے ہیں

فَحَانَتِ الصَّلٰوۃُ فَأَمَمْتُھُمْ . (۱)

اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر تمام انبیا کو جمع کر دیا اور سات جماعتیں حضور کے پیچھے تھیں۔

فتاویٰ سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے

إمامة النبي عليه السلام ليلة المعراج لأرواح الأنبياء عليهم السلام كانت في النافلة .

معراج کی شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی نماز میں ارواح انبیا کی امامت فرمائی۔

فقہ و حدیث کی ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ جملہ پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے سمٹ کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور یہیں آ کر نماز پڑھی۔

مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ و مدینہ کے بیچ میں چلے

(۱) صحیح مسلم :۱/۳۰۴ حدیث :۲۵۱' مشکوٰۃ المصابیح :۳/۶/۲۷ حدیث :۵۸۶۶' دلائل النبوۃ بیہقی :۲/۲۴۳ حدیث :۶۵۱' مشکل الآثار طحاوی :۱۱/۱۰۷ حدیث :۴۳۷۸' ماوردی فی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم :۱/۲' الایمان ابن مندہ :۲/۳۴۹ حدیث :۷۵۳' التوحید ابن مندہ :۱/۳۳ حدیث :۲۳' جزء ابن عرفہ :۱/۱۰۷ حدیث :۶۹' حیاۃ الانبیاء فی قبورہم بیہقی :۱/۱۰ حدیث :۹' کنز العمال :۱۱/۳۹۶ حدیث :۳۱۸۴۹' مسند جامع :۴۴/۶۸۴ حدیث :۱۴۷۴۴

جارہے تھے، جب ایک جنگل سے گزرے تو حضور نے پوچھا یہ کون سا جنگل ہے؟ صحابہ نے کہا یہ وادی الازرق ہے ۔حضور نے فرمایا' گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں پھر حضور نے ان کا رنگ اور ان کے بالوں کا حال بیان فرمایا کہ موسیٰ دونوں کانوں میں اذان کی طرح انگلیاں رکھے ہوئے لبیک کی آواز بلند کیے ہوئے اسی جنگل سے گزرے چلے جاتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی اور پہاڑ ہے؟ صحابہ نے کہا' یہ پہاڑ یا تو ہرشا ہے یا لفت ہے۔ آپ نے فرمایا' گویا میں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار پشمینہ کا جبہ پہنے دیکھ رہا ہوں' ان کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے' اسی جنگل میں حج کے لیے لبیک کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔(۱)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

چوں اتفاق است بر حیات انبیا علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی لیکن محجوب اند از نظر عوام پس بحقیقت نمود ایشاں را بہ حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال۔

یہ بات متفقہ ہے کہ انبیاے کرام کی اپنی دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہیں۔ لیکن عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر بے منام و بے مثال اور بے اشتباہ و بے اشکال ظاہر فرمادی۔

قسطلانی نے بھی ''مواہب'' میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے

و قيل هو على الحقيقة لأن الأنبياء أحياء عند ربهم يرزقون فلا مانع أن يحجوا في هذه الحالة كما في صحيح مسلم عن أنس أنه صلى الله عليه وسلم رأى موسىٰ قائما في قبره يصلي' قال القرطبي حبب إليهم العبادة فهم يتعبدون بما يجدونه .

صاحب مواہب نے دو تین معنی بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے' کہا گیا ہے کہ وہ دیکھنا حقیقت میں تھا کیونکہ انبیائے کرام زندہ ہیں اور اپنے رب کے تئیں رزق پاتے ہیں' پھر اگر وہ اس حالت میں حج کریں تو کیا مشکل۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر مبارک میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ انبیا کی روحوں کو عبادتیں بہت پیاری ہیں تو جو عبادت انھیں میسر آتی ہے کرتے رہتے ہیں۔

(۱) متن حدیث: عن ابن عباس قال سرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة و المدينة فمررنا بوادٍ فقال أيُّ وادٍ هذا فقالوا وادي الأزرقِ فقال كأني أنظر إلى موسىٰ صلى الله عليه وسلم فذكر من لونه و شعره شيئا لم يحفظه داوُد واضعا إصبعيه في أذنيه له جؤار إلى الله بالتلبية مارًا بهذا الوادي قال ثم سرنا حتى أتينا على ثنيّةٍ فقال أيُّ ثنيةٍ هذه قالوا هرشى أو لِفتٌ فقال كأني أنظر إلى يونس على ناقةٍ حمراءَ عليه جبةُ صوفٍ خطامُ ناقته ليفٌ خلبةٌ مارًا بهذا الوادي ملبيًا .
صحیح مسلم: ۱/۳۹۳ حدیث: ۲۴۲' سنن ابن ماجہ: ۸/۴۳۷ حدیث: ۲۸۸۲' مشکوۃ المصابیح: ۳/۲۴۲ حدیث: ۵۷۱۷' مستخرج ابی عوانہ: ۷/۴۹۱ حدیث: ۳۰۰۷' صحیح ابن خزیمہ: ۹/۲۷۳ حدیث: ۲۴۲۹' تحفۃ الاشراف: ۶/۲۰۸ حدیث: ۵۴۲۳

ان احادیث اور محدثین کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ارواحِ انبیا، حج اور نماز وغیرہ من چاہی عبادتیں کرتی رہتی ہیں۔

مشکوٰۃ کے ''باب المعراج'' میں بخاری و مسلم کی حدیث سب کو یاد ہوگی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرات یحییٰ و عیسیٰ، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے پر حضرت موسیٰ اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملے۔(۱)

اب دیکھیں کہ آسمان پر جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیا کی روحیں بیت المقدس میں ملیں، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، اب یہ ارواحِ انبیا آسمانوں پر ملیں۔ اور روایت ہے کہ معراج کے لیے تشریف لے جاتے وقت آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا، پھر انھوں نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر چھٹے آسمان پر ملے۔ یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

زرقانی نے ''حیات فی القبر'' کے مقام پر اس تعارض کو یوں دفع کیا کہ انبیا علیہم السلام کے کھانے پینے کے لیے فراغت کے مقامات ہیں جہاں چاہیں جائیں پھر لوٹ آئیں

و للأنبياء مراتع و مسارح يتصرفون فيما شاؤوا ثم يرجعون .

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ کس قدر حرکت ہوئی، ہر آسمان اتنا موٹا ہے جتنا پانچ سو برس کا رستہ، اور زمین سے آسمان تک، اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا راستہ ہے، تو اس تحقیق کے مطابق ایک ذرا عرصہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا راستہ، یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا راستہ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ علیہ السلام کی روح چھ ہزار برس کا راستہ اور ابراہیم علیہ السلام کی روح سات ہزار برس کا راستہ طے کر گئی، اس سرعت سیر کو یاد رکھیں، عنقریب اس پر ہم کچھ فائدے مرتب کریں گے۔

خاتم المحدثین علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا

لا يمنع رؤية ذاته عليه السلام بجسده و بروحه و ذلك لأنه سائر الأنبياء صلى الله عليهم وسلم ردت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا و أذن لهم في الخروج من قبورهم للتصرف في الملكوت العلوي و السفلي.

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح و جسم کے ساتھ زیارت ہو جانا کوئی محال نہیں کیونکہ جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحیں قبض ہونے کے بعد پھر ان کو لوٹا دی جاتی ہیں اس طرح وہ اپنی قبروں سے نکل کر عالم بالا اور عالم زیریں میں تصرف کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔

یہ مضمون ''تنویر الحلک'' سے جلد اول کے شروع میں نقل کیا ہے۔

فائدہ: مولف براہین قاطعہ کا صفحہ ۲۰۷ پر یہ اعتراض و دھبہ لگانا کہ مولف انوار نے کلام زرقانی میں لفظ ''والتصرف'' کی جگہ ''للتصرف'' بنا دیا اور تصرف کے عرفی معنی بنا لیے، یہ دونوں دعوے بالکل غلط ہیں۔

یہ دیکھیں مطبع منیریہ مصر ۱۲۷۸ھ (1861ء) کی چھپی ہوئی شرح مواہب زرقانی جلد اول صفحہ ۱۱ کی سطر اول، کہ اس میں ''للتصرف'' لکھا ہوا ہے۔ یا اللہ جھوٹی تہمتوں سے بچا۔

(۱) صحیح بخاری: ۳/۲۳۳ حدیث: ۳۲۰۷، صحیح مسلم: ۱/۳۸۵ حدیث: ۲۳۴، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۲۷۵ حدیث: ۵۸۶۳

دوسرے اعتراض کا یہ حال ہے کہ میں نے حاشیہ پر اس عبارت کا جو ترجمہ لکھا ہے انوارِ ساطعہ طبع اول ودوم دونوں میں بعینہٖ لفظ ''تصرف'' نقل کیا ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ وجہ یہ تھی کہ تصرف جس وقت باب تفعیل کا مطاوع واقع ہوتا ہے اس وقت اس کے معنی پھرنے کے ہوتے ہیں: صرّفته فتصرف یعنی میں نے اس کو پھرایا تو وہ پھر گیا۔ یہ قاموس میں ہے۔ اور جب مطاوعت کا موقع نہیں ہوتا تو اس کے معنی ہوتے ہیں: تصرف دست درکاری کردن۔ جیسا کہ صراح اور منتخب میں ہے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ ارواحِ کاملہ کی نسبت دونوں معنی ثابت ہیں اس بنیاد پر میں نے تصرف کے معنی میں کوئی تصرف نہیں کیا تھا وہی لفظ تصرف قائم رکھا تھا جس کا جی جس معنی کو چاہے سمجھ لے تو یہ اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ میں نے تصرف کے اردو معنی نہیں لکھے۔

معلوم نہیں معترض کو ارواحِ کاملہ کے تصرف میں کیوں بحث ہے کیونکہ اس بات کو علمائے معقول تک مان چکے ہیں کہ نفس ناطقہ قدسیہ (جو کامل درجہ کی حکمت عملیہ وعلمیہ کو جامع ہوتا ہے) جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو عقولِ مدبرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس عالم میں اپنا اثر پہنچاتا ہے۔ شیخ الرئیس اور ارسطاطالیس وغیرہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے اور ہمارے حکمائے دین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ بیضاوی ''فالمدبرات أمرا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں

أو صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فإنها تنزع عن الأبدان غرقا أي نزعا شديدا من إغراق النازع في القوس، و تنشط إلى عالم الملكوت و تسبح فيه فتسبق إلى حظائر القدس فتصير بشرفها و قوتها من المدبرات. (۱)

یا تو یہ بات ہے کہ اس سے نفوسِ فاضلہ کی صفتیں مراد ہیں کہ قسم ہے نفوسِ ناطقہ فاضلہ کی جب وہ بدن سے نکلتی ہیں، خوش ہو کر عالم ملکوت میں جاتی ہیں، وہاں تیرتی پھرتی ہیں اور اپنے شرف وقوت کے باعث مدبرات میں داخل ہو جاتی ہیں یعنی ان میں جو تدبیر عالم کرتے ہیں۔

روح البیان میں ہے

ثم ان النفوس الشريفة لا يبعد أن يظهر منها آثار في هذا العالم سواء كانت مفارقة عن الأبدان أو لا . (۲)

پھر دس سطر کے بعد لکھا

بل هو بعد مفارقته البدن أشد تاثيرا و تدبيرا لأن الجسد حجاب في الجملة . (۳)

کچھ بعید نہیں کہ نفوسِ شریفہ سے اس عالم میں اثر ظاہر ہو خواہ وہ اپنے بدن میں موجود ہوں یا نکل گئے ہوں بلکہ بدن سے جدا ہو جانے کے بعد ان کی تاثیر وتدبیر زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ بدن عنصری ایک قسم کا حجاب تھا اور وہ اُٹھ گیا۔

لمعہ ثانیہ کے نورِ دوم جمعرات کی فاتحہ میں تذکرۃ الموتی والقبور کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیاء شہداء کے حکم میں

(۱) تفسیر بیضاوی: ۳٦٦/۵ (۲) تفسیر روح البیان: ۴۴۸/۱٦ (۳) تفسیر روح البیان: ۴۴۸/۱٦

ہیں اور انبیاوصدیقین، شہدا سے بھی افضل ہیں، ان کی روحیں زمین وآسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اپنے دوست اور عقیدت مندوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ انتہیٰ۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''انتباہ الاذکیاء'' میں ہے

النظر في أعمال أمته و الاستغفار لهم من السيئات و الدعاء بكشف البلاء عنهم و التردد في أقطار الأرض بحلول البركة فيها و حضور جنازة من مات من صالحي أمته فإن هذه الأمور من أشغاله كما وردت بذلک الأحاديث و الآثار .

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ آپ اعمال امت پر نظر فرماتے ہیں، ان کے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، بلا دور ہونے کی دعا فرماتے ہیں، روے زمین پر برکت بانٹتے پھرتے ہیں اور امت کا کوئی نیک آدمی مرے تو اس کے جنازے میں تشریف لاتے ہیں۔ عالم برزخ میں یہ آپ کے اشغال ہیں۔

''روح البیان'' میں سورۂ ملک کے آخر میں ہے

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالىٰ و الرسول عليه السلام له الخيار في طواف العوالم مع أرواح الصحابة رضى الله عنهم لقد رآه كثير من الأولياء . (١)

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمین ہی کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی روحوں کے ساتھ تمام عالم میں پھرتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''درثمین'' کی سترہویں حدیث میں لکھتے ہیں

أخبرني سيدي الوالد قال أخبرني شيخ السيد عبد الله القارئ قال حفظت القراٰن على قارئ زاهد كان يسكن في البرية فبينا نحن نتدارس القراٰن إذ جاء قوم من العرب يقدمهم سيدهم فاستمع قراء ة القارئ و قال بارک الله أديت حق القراٰن ثم رجع و جاء رجل آخر بذلک الزي فأخبر أن النبي صلى الله عليه وسلم أخبرهم البارحة أنه سيذهب إلى البرية الفلانية لاستماع قراء ة قارئ هناک فعلمنا أن السيد الذي كان يقدمهم هو النبي صلى الله عليه وسلم قال و قد رأيته بعيني هاتين .

مجھ کو میرے والد بزرگوار نے خبر دی اور انھیں شیخ سید عبداللہ قاری سے خبر پہنچی، سید عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قاری زاہد سے حفظ قرآن کیا جو جنگل میں رہتے تھے۔ ایک بار ہم قرآن پڑھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں عرب کے کچھ لوگ آئے جن کا سردار آگے تھا، اس نے قاری کی قراءت سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ برکتیں نازل فرمائے تم نے قرآن پڑھنے کا حق خوب ادا کیا، پھر وہ چلے گئے، پھر ایک دوسرا آدمی انھیں عرب والوں کے لباس میں آیا اور کہنے لگا کہ کل رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ہم فلاں جنگل میں وہاں کے قاری کی قراءت سننے تشریف لے جائیں گے۔ جب اس آدمی نے یہ بات سنائی تو ہم نے جان لیا کہ وہ آنے والے سردار، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور میں نے اپنی ان آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

(١) نفس مصدر: ١٥/٦/٤٧٦

نیز شاہ ولی اللہ صاحب ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں

و رأيته صلى الله عليه وسلم في أكثر الأمور بيدي أي صورته الكريمة التي كان عليها مرة بعد مرة فتفطنت أن له خاصية من تقويم روحه بصورة جسده عليه السلام و أنه الذي أشار إليه بقوله : إن الأنبياء لا يموتون و أنهم يصلون في قبورهم و يحجون و أنهم أحياء .

میں نے اکثر کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت بارہا اپنے سامنے دیکھی تو میں نے سمجھ لیا کہ ان کی روح کے ساتھ ان کے جسم کا رشتہ قائم ومربوط ہے' اور ایسا بھلا کیوں نہ ہو'انھوں نے ہی تو فرمایا ہے کہ انبیائے کرام مرتے نہیں وہ تو زندہ ہیں' اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے اور حج کیا کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب دُویست وہشتاد و دویم (۲۸۲) میں لکھتے ہیں

امروز در حلقہ بامدادی بینم کی حضرت الیاس وحضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات بصورت روحانیان حاضر شدند و بہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ارواح ما را قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع می آید ازاں ارواح ما صدور می یابد۔(۱)

آج صبح کے حلقہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس وحضرت خضر علیہما السلام اپنی روحانی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ اور روحانی طور پر حضرت خضر فرما رہے ہیں کہ ہم عالم ارواح سے آئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ صورت جسمیہ میں متمثل ہو کر حاضر ہوں۔ اور ہماری روحیں وہ کام سرانجام دیتی ہیں جو جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اسی مکتوب دوصد وبستم (۲۲۰) میں ہے

دریں اثنا عنایت خداوندی جل شانہ در رسید وحقیقت معاملہ را کما ینبغی وانمود وروحانیت حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ رحمت عالمیان ست دریں وقت حضور ارزانی فرمود وتسلی خاطر حزیں نمود۔(۲)

اسی لمحے اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو گیا اور حقیقت معاملہ کما حقہ منکشف کر دیا نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت جلوہ گر فرما دی اور کبیدہ خاطروں کی تسلی فرما دی۔

وامام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ ملائکہ وارواح انبیا را کذا فی اشعۃ اللمعات فی کتاب الرویا۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت ملائکہ اور ارواح انبیا کو بیداری کے عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعۃ اللمعات کے کتاب الرویا میں یوں ہی مذکور ہے۔

اسی جگہ شیخ عبد الحق نے لکھا ہے

از شیخ ابو السعود کہ مصافحہ می کرد آنحضرت را بعد از ہر نماز۔

شیخ ابو السعود سے حکایت ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

---

(۱) مکتوبات:۱/۵۳۲

(۲) نفس مصدر:۱/۳۵۸

شیخ نے اسی جگہ غوث پاک کا یہ قصہ لکھا ہے

روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشستہ بود و وعظ می فرمودہ قریب بدہ ہزار کس در پایہ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن ہیتی در زیر پائے کرسی شیخ نشستہ ناگاہ شیخ علی ہیتی را خوابی برد پس شیخ عبد القادر قوم را فرمودہ اسکتوا پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جز انفاس از ایشاں شنیدہ نمی شد پس فرمود آمد شیخ از کرسی و بایستاد با ادب پیش علی مذکور می نگریست وروے پس بیدار شیخ علی و گفت شیخ عبد القادر بادے کہ دیدی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در خواب گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب ورزیدم با تو وایستادم در پیش تو فرمودہ بچہ وصیت کرد ترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفت بملازمت من مجلس تو پس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم، شیخ عبد القادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ دراں روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ایک روز حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کرسی پر جلوہ افروز تھے اور بتایا جاتا ہے کہ قریباً کوئی دس ہزار افراد ان کی محفل میں حاضر تھے، نیز شیخ علی بن ہیتی بھی ان کی کرسی تلے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی آنکھ لگ گئی۔ تو شیخ عبد القادر نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا، خاموش ہو جاؤ تو سب خاموش ہو گئے اور سانس کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اتنے میں فرمایا کہ آ گئے۔ تو شیخ کرسی سے اٹھے اور بڑے ادب کے ساتھ علی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ علی بیدار ہو گئے اور شیخ عبد القادر نے فرمایا کہ تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا؟ انھوں نے کہا ہاں۔ جب میں سراپا ادب بن کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو انھوں نے فرمایا، سرکار نے آپ کو کیا نصیحت کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی مجلس میں شرکت لازم پکڑلوں۔ تو شیخ علی نے کہا جو چیز میں نے خواب میں دیکھا، شیخ عبد القادر نے اسے عالم بیداری میں دیکھا۔ اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس روز کی محفل میں کوئی سات آدمی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو روح پاک مصطفوی کا مجلس خیر میں آنا، دوسرے روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے حضرت غوثِ اعظم جیسے پیر دستگیر کا کھڑے ہو جانا، اربابِ فضل واکرام کی تشریف آوری کے وقت یہ استحباب قیام کے واسطے سند ہوئی، تیسرے حضرت غوث پاک کی علوشان اور قوت ادراک کہ جس کو دوسرے آدمی خواب میں دیکھیں، آپ نے حالت بیداری میں دیکھا۔ قصہ مختصر یہ کہ روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آتی جاتی رہتی ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ تو خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ہے اس کو دنیا کی طرف توجہ کب ہوتی ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب ''والقمر اِذا اتسق'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت تدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے مخصوص بندے ہیں جو بنی نوع کے لیے رشد و ہدایت کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کو اس حالت میں بھی اس دنیا میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان کا دوسرے اعمال میں استغراق اپنے کمال اور وسعت تدارک کے باعث اس جانب ان کی توجہ میں مانع نہیں ہوتا۔

جب اولیاءاللہ کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو اس سے بدرجہا بلند و برتر ہوگا۔ چنانچہ خاتم المحدثین زرقانی صفحہ ۳۶۵ ''مقصد عاشر'' میں لکھتے ہیں

و لا ريب أن حالـه صـلى الله عليه وسلم في البرزخ أفضل و أكمل من حال الملائكة هذا سيدنا عزرائيل عليه السلام يقبض ألف مائة روح أو أزيد في وقت واحد و لا يشغله قبض عن قبض و هو مع ذلك مشغول بعبادة الله تعالىٰ مقبل على التسبيح و التقديس فنبينا صلى الله عليه وسلم حي في قبره يصلي و يعبد ربه و يشاهده و لا يزال في حضرة اقترابه أي دنوه متلذذا بسماع خطابه و كذا كان شأنه و عادته في الدنيا يفيض على أمته من سبحات الوحي الإلٰهي مما أفاضه الله عليه و لا يشغله هذا الشان و هو شان إفاضة الأنوار القدسية علىٰ أمته عن شغله بالحضرة الإلٰهية.

شک وشبہہ سے بالاتر ہوکر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عالم برزخ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال فرشتوں کے حال سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ دیکھیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام لاکھوں سے زائد لوگوں کی روحیں بیک وقت قبض کرتے ہیں' اور ایک روح دوسری روح کے قبض کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی 'اس مشغولیت کے باوجود وہ عبادت الٰہی اور اس کی تسبیح وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں' نمازیں پڑھتے' رب تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ برابر اس کے قرب میں رہتے ہیں' اور خطاب الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں' اور یہی دنیا میں بھی آپ کا حال تھا کہ وہ وحی الٰہی کے انوار امت پر بکھیرتے رہتے جیسے اللہ ان پر نوازش فرماتا اور امت کی فیض بخشی وخبر گیری ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی سے نہیں روکتی تھی۔

آپ کا قبر میں بھی وہی حال ہے جیسا دنیا میں تھا کہ امت پر آپ کا فیضان جاری رہتا تھا' خدا سے ملے رہتے ہیں اور اِدھر کی مشغولیت سے اُدھر کی مشغولیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدد کا

تو اِدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وادراک اور قوت استعداد ظاہر اور اُدھر روحِ انبیا علیہم السلام کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم' معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا راستہ طے کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے (اور اس کی روایت ہم بیان کر چکے ہیں) پھر منکرین کو کیا اشکال وخلجان ہو رہا ہے کہ میلاد کی صرف چند محفلوں میں (جو چند شہر میں منعقد ہوتی ہیں) بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت روحِ پیغمبر میں نہیں مانتے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق' ابراہیم خلیل اللہ سے اعلیٰ وافضل ہیں' پھر مفضول تو سات ہزار برس کی راہ ایک دم میں طے کرے اور فاضل وافضل چند مقامات کی سیر بھی نہ کر سکے' بڑی ناقدر دانی کی بات ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد رکھے' ان کو مشرک قرار دیں' سبحان اللہ مشرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے۔

واضح ہو کہ نفس ناطقہ قدسیہ کا ایک آن میں بہت سے مکانوں میں ظاہر ہو جانا ہمارے عرفائے کاملین' حکمائے اشراقیین اور

محققین شرع متین کے نزدیک صحیح ہے۔ اسماعیل آفندی، علامہ قسطلانی، زرقانی، حلبی، محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سبھی اس کے قائل ہیں۔

سیرت حلبی جلد اول میں ہے

فالأرواح تتجسد و تظهر في صور مختلفة من عالم المثال . (۱)

روحیں جسموں کا قالب ڈھال کر مختلف صورتوں میں رونما ہوتی رہتی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا

تعدد الصور بالتخيل و التشكل ممكن كما يقع للجان .

تخیل و تشکل کی متعدد صورتوں کا پایا جانا ممکن ہے جیسے جناتوں میں ہوتا ہے۔

ان دو عبارتوں کا مضمون حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی جلد ثانی میں ہے

ہر گاہ جنیان را بتقدیر اللہ سبحانہ ایں قدرت بود کہ متشکل اشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند ارواح کمل را اگر ایں قدرت عطا فرمائید چہ محل تعجب است، و چہ احتیاج بدن دیگر ازیں قبیلہ است انچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ در یک آن در امکنہ متعددہ حاضر می گردند و افعال مبائنہ بوقوع می آرند ایں جا نیز لطایف ایشاں متجسد باجساد مختلفہ و متشکل باشکال متبائنہ می شوند۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے جناتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف روپ دھار کر مختلف اعمال سرانجام دے سکتے ہیں تو اگر روحوں کے لیے یہ قدرت مانی جائے تو یہ کون سے تعجب کی بات ہے اور کسی دوسرے بدن کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ بعض اولیائے کرام سے منقول ہے کہ بیک وقت متعدد جگہوں پر ان کی حاضری دیکھی گئی ہے اور ان کے ہاتھوں افعال مباینہ وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کی لطیف روحیں بھی مختلف اجسام واشکال کے روپ دھار لیتی ہیں۔

مدارج النبوۃ میں ہے

دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت بمثال است چنانکہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید و آن شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہمان متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعددہ عوام را در منام نماید و خواص را در یقظہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد ان کا دیدار مثال کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ خواب میں نظر آتے ہیں یوں ہی بیداری میں بھی۔ اور وہ ہستی جو مدینہ منورہ کے اندر اپنی قبر میں آسودہ وحی ہے وہی متمثل ہو کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ایک ہی لحہ میں متعدد جگہوں پر عوام کے سامنے خواب میں اور خواص کے سامنے بیداری میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(۱) سیرت حلبیہ: ۳۷۳/۱

مدارج النبوۃ کی اس عبارت سے بھی آنِ واحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر پاک کا متعدد شکلوں میں متشکل ومصور ہوکر ظاہر ہونا واشگاف ہوگیا۔

تعجب ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۱۰ میں ''صور متعددہ'' کا لفظ مدارج سے عبارت نقل کرنے میں حذف کردیا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف روحانی کی قوت نہ ثابت ہوجائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس عبارت مذکورہ سے آپ نے سند پکڑی کہ وہ تو مثال ظاہر ہونے کو لکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اس میں کہیں نام ونشان بھی نہیں۔

افسوس، عبارت کا مضمون بھی آپ نے نہ سمجھا یعنی محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ بدن جو قبر مبارک میں ہے وہی متمثل ہوکر عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں نظر آتا ہے، یہ نہیں کہ یہ جسم اقدس سے جدا الگ کوئی اور چیز نظر آتی ہے۔ اس موقع پر صحاح کی حدیث بھی یاد نہ آئی

مَنْ رَانِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَّتَمَثَّلَ بِيْ . (۱)

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان کے لیے میری شکل وصورت میں آنا ممکن نہیں۔

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۱/۲۷۷ حدیث: ۳۸۹۲، کنز العمال: ۳۸۱/۱۵ حدیث: ۴۱۴۷۱، مسند عبد بن حمید: ۱۶۷/۳ حدیث: ۱۰۴۸، جزء ابی الجہم: ۴/۱ حدیث: ۳، مسند جامع: ۲۰۷/۹ حدیث: ۲۸۶۲

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے

- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا ينبغي له أن يتمثل بمثلي (مسند احمد: ۴۳۱/۷ حدیث: ۳۳۷۸، سنن دارمی: ۳۸۲/۶ حدیث: ۲۱۹۴، مسند جامع: ۱۵۵/۲۸ حدیث: ۹۲۵۱)
- من رآني في المنام فقد رآني لا ينبغي للشيطان أن يتمثل في صورتي . (سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۴/۴ حدیث: ۷۶۲۹)
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتخيل بي . (صحیح بخاری: ۳۵۰/۲۱ حدیث: ۶۴۷۹، شمائل ترمذی: ۳۶۱/۱ حدیث: ۴۰۶، دلائل النبوۃ بیہقی: ۸۹/۸ حدیث: ۲۹۷۲، مسند جامع: ۸۴/۴ حدیث: ۱۱۶۹، تحفۃ الاشراف: ۱۱۶/۳ حدیث: ۴۵۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۴۴۷/۹ حدیث: ۴۳۴۷)
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي . (صحیح مسلم: ۳۶۰/۱۱ حدیث: ۴۲۰۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۱/۱۳ حدیث: ۴۳۶۹، سنن ترمذی: ۲۳۶/۸ حدیث: ۲۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۷۶/۱۱ حدیث: ۳۸۹۱، مسند احمد: ۴۱۲/۱۴ حدیث: ۶۸۷۱، شمائل ترمذی: ۴۵۴/۱ حدیث: ۳۹۹، مستدرک: ۶۷/۱۹ حدیث: ۶۳۰۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۸۴/۱۰ حدیث: ۱۲۲۳۳، مسند ابویعلی موصلی: ۳۱۱/۷ حدیث: ۳۱۹۷، مسند شاشی: ۲۶۱/۲ حدیث: ۶۷۷، مسند اسحق بن راہویہ: ۲۲۹/۱ حدیث: ۲۱۹، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۵۶/۳، کنز العمال: ۳۸۱/۱۵ حدیث: ۴۱۴۷۴، مسند جامع: ۸۴/۴ حدیث: ۱۱۶۹، تحفۃ الاشراف: ۳۴۳/۵ حدیث: ۴۲۴۳)
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل على صورتي . (سنن ابن ماجہ: ۳۷۵/۱۱ حدیث: ۳۸۹۰، کنز العمال: ۳۸۲/۱۵ حدیث: ۴۱۴۷۸، مشکوۃ المصابیح: ۵۴۳/۲ حدیث: ۴۶۰۹)
- من رآني فقد رآني فإني أرى في كل صورة . (روضۃ المحدثین: ۱۷۶/۷ حدیث: ۲۹۵۱)
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتكون في صورتي . (مسند بزار: ۴/۶ حدیث: ۱۸۳۲)
- من رآني في المنام فقد رآني في اليقظة فإن الشيطان لا يتشبه بي . (معجم کبیر طبرانی: ۴۹۲/۱۵ حدیث: ۱۷۷۵۷)

>>

جب خواب کے دیکھنے کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حالانکہ خواب ایک غفلت کا عالم ہے پھر بیداری کا دیکھا ہوا بدرجہ اولیٰ آپ ہی کا جو ہر مقدس ہوگا نہ کہ کسی اور کا۔ لہٰذا اس بدن مثالی کے آنے کو اگر آپ کا تشریف لانا کہا جائے تو حدیث کے موافق ہوگا نہ کہ مخالف۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد بھی الیاس وخضر کے تمثال کی بابت فرماتے ہیں

بصورت روحانیان حاضر شدند. روحوں کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں

روحانیت حضرت خاتمیت حضور ارزانی فرمود۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی روح مبارک جلوہ آرا ہوئی۔

یہی قصہ سید احمد صاحب کا ہے جو لفظ روح سے تعبیر فرمایا ہے

روح حضرت غوث الثقلین وحضرت نقشبند متوجہ حضرت ایشاں گردید۔

واضح ہو کہ وہ مثال کوئی وہمی چیز اور خیال محض نہیں (جیسا کہ مولف براہین قاطعہ نے خیال کیا) بلکہ واقعۃً ایک شی متصرف ہوتی ہے جیسا کہ علامہ زرقانی وغیرہم رقم فرماتے ہیں، لیکن اس مقام پر ہم حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے فریق ثانی کو انکار کی گنجائش نہیں۔ مکتوبات کی جلد ثانی میں فرماتے ہیں

ایں تشکل گاہ در عالم شہادت بود وگاہ در عالم مثال وچنانچہ در یک شب ہزار کس آن سرور را علیہ الصلوٰۃ والسلام بصور مختلفہ درخواب می بینند واستفادہا می نمایند ایں ہمہ بشکل صفات ولطائف اوست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بصورت ہائے مثال و ہم چنیں مریداں از صور مثالی پیران استفادہا می نمایند وحل مشکلات می فرمایند۔

اس شکل وصورت میں تشریف لانا کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک ہی رات میں ہزاروں انسان عالم خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر اس کے فوائد وثمرات حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صفات ولطائف سے بھرپور اپنی مثالی صورت میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اسی طرح اہل ارادت بھی اپنے پیروں کی صورت ہائے مثالیہ سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ان کی مشکلات کو رفع کرتی رہتی ہیں۔

❁ من رآني فقد رأى الحق إن الشيطان لا يتشبه بي . (مسند احمد: ۲۷۹/۱۵ حدیث: ۷۲۳۸)

❁ من رآني فقد رأى الحق إن الشيطان لا يستطيع أن يتشبه بي . (مسند احمد: ۱۶۷/۱۹ حدیث: ۹۱۲۴، صحیح ابن حبان: ۱۵۳/۲۵ حدیث: ۶۱۵۹)

❁ من رآني في المنام فقد رآني إن الشيطان لا يتصور بي . (مسند احمد: ۴۹۱/۱۸ حدیث: ۸۹۴۸، مسند رویانی: ۶/۲ حدیث: ۴۲۶، کنز العمال: ۱۵/ ۳۸۲ حدیث: ۴۱۴۸۰)

❁ من رآني في المنام فقد رأى الحق . (صحیح ابن حبان: ۱۵۱/۲۵ حدیث: ۶۱۵۸، سنن داری: ۳۸۳/۶ حدیث: ۲۱۹۵، مسند جامع: ۳۸/ ۴۰۷ حدیث: ۱۲۵۵۷)

❁ من رآني في المنام فهو الحق . (مصنف عبدالرزاق: ۲۱۵/۱۱ حدیث: ۲۰۳۶۳، جامع معمر بن راشد: ۱۵۲/۳ حدیث: ۹۷۸)

❁ من رآني في المنام فقد رآني . (معجم کبیر طبرانی: ۳۶۹/۷ حدیث: ۸۱۰۴، شمائل ترمذی: ۴۵۶/۱ حدیث: ۴۰۱، معجم کبیر طبرانی: ۴۸۴/۱۹ حدیث: ۱۱۵۲، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۵۶/۳، مسند جامع: ۳۰۷/۱۷ حدیث: ۵۴۳۴، تحفۃ الاشراف: ۶۱/۴ حدیث: ۲۷۱۲)

بھلا انبیا علیہم السلام کا درجہ تو بہت عالی ہے حضرت مجدد تو پیروں کی صورِ مثالی سے بھی حل مشکلات ثابت کر رہے ہیں اور یہ کوئی وہمی و خیالی امر نہیں۔

اسی طرح لوگوں کی ضرورت کی بہ نسبت اولیاء اللہ کی مشکل کشائی مفسر روح البیان نے سورۂ ملک میں لکھی ہے

مثال أقامة الله تعالیٰ علیٰ صورته لتنفیذ ما شاء الله تعالیٰ من حوائج الناس وغیرها . (۱)

لوگوں کی ضرورتیں وغیرہ پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہے سے اس ولی کی مثال اس کی صورت میں قائم فرمادی ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ جب ایک شخص کی صورت مثالی' دائرۂ خیال میں آئی اور مجلس میں اس شخص کی مثال کا آنا ثابت ہوا۔ پھر متعدد اشخاص کا یہ واقعہ دیکھنا دلیل ہے کہ اس توجہ روحانی میں مرغوبیت و محبوبیت محفل کو دخل ہے' اور وہ مثال خود صاحب مثال کا جلوہ ہے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کیونکہ آپ فرماتے ہیں

مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَآنِي . (۲)

جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔

مزید فرماتے ہیں

مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ . (۳)

جس نے مجھ کو دیکھا اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا۔

یہ تقریر ہم اس صورت میں کرتے ہیں جب کہا جائے کہ وہ مثال نظر آتی ہے اور جب ''انباہ الاذکیاء'' میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ احادیث سے ثابت کر چکے کہ آپ اطراف زمین میں پھرتے ہیں تو مثال کہنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''مہمات المعارف'' میں لکھتے ہیں

فنبینا صلی الله علیه وسلم یتصرف و یسیر بجسده و روحه حیث شاء في أقطار الأرض و في الملكوت و أنه مغیب عن الأبصار كما غیب الملائكة فإذا رفع الله الحجاب عمن أراد إكرامه برؤیته رآه علی هیئته التي هو علیها لا مانع من ذلک و لا داعي إلی التخصیص برؤیة المثال 'انتهیٰ تلخیصا كذا في نور العین .

یعنی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرماتے ہیں اور اپنے جسم و روح کے ساتھ زمین و آسمان میں جہاں چاہتے ہیں سیر فرماتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے جیسے کہ فرشتے نہیں دکھائی دیتے' مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے پردہ اٹھا کر سچ مچ وہی صورت مبارکہ دکھا دیتا ہے اس کے لیے کچھ محال نہیں' اب اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ کہا جائے کہ آپ کی مثال نظر آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام سیوطی کا یہ قول تروح اجساد اور تجسد ارواح کے مسئلہ کے مطابق ہے جس کو اہل حقیقت مانتے ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ خود جسد پاک جو لطافت میں روح کی مانند ہے قبر سے معجزانہ طور پر نکل کر چلتا پھرتا ہو جیسا کہ شب معراج (بیت المقدس میں)

(۱) تفسیر روح البیان: ۱۴/۱۲۳ (۲) روضۃ المحدثین: ۷/۶۷ احدیث: ۲۹۵۱

(۳) صحیح بخاری: ۲۱/۳۵۲ حدیث: ۶۴۸۱' صحیح مسلم: ۱۱/۳۶۲ حدیث: ۴۲۰۸' مشکوۃ المصابیح: ۲/۵۴۴' دلائل النبوۃ: ۸/۸۸ حدیث: ۲۹۷۱' شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ اللکائی: ۲/۹۶ حدیث: ۴۶۵' معجم ابن المقرئ: ۳/۱۹ احدیث: ۹۶۵' مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/۲۵۶' کنز العمال: ۱۵/۳۸۲ حدیث: ۴۱۴۷۵' مسند جامع: ۱۴/۲۹۵ حدیث: ۴۵۶۹' تحفۃ الاشراف: ۵/۳۰۲ حدیث: ۴۰۹۷

انبیائے کرام کی حاضری بعض علماء کے نزدیک ان کے جسموں کے ساتھ ہوئی تھی' اور بعضوں کے نزدیک محض روح کے ساتھ۔ اور بعض اولیائے کرام غلبہ روحانیت کے سبب بند مکان سے دروازہ کھولے بغیر باہر نکل آتے ہیں۔ الحاصل جس طرح بھی ہو خواہ جسم وروح کے ساتھ یا مثال کے ساتھ' خستہ حال امت کی طرف آپ کی رونق افروزی ثابت الاصل ہے۔

مولف براہین کا صفحہ ۲۰۸ پر یہ لکھنا کہ

مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہد کے گھر میں آنا ضرور نہیں قلب منور بعید سے دیکھتا ہے۔

اس موقع پر صحیح نہیں' اس لیے کہ جب کسی نے کسی مقام خاص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رونق افروزی سے مشرف دیکھا تو وہاں جلوۂ محمدی پایا ہے۔

واقعہ تالاب شمسی کا

اب دہلی میں ہوئے تالاب شمسی کا ایک قصہ لکھتا ہوں جسے ''فوائد السالکین'' میں حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے خلیفہ جناب شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں کے حوالے سے نقل ورقم فرمایا ہے

شمس از والی دہلی خواست کہ حوض بنا کند یک روز سوار شد با جمیع ارکان دولت زمین برائے راست کنانیدن حوض می دید چنانچہ رسید انجا کہ حوض است بایستاد کہ ایں زمین بہتر است چوں دید بازگشت در قصر آمد چوں آں مردے کہ از واصلان حق بود ہم دریں نیت دراں شب ہمبران مصلی قدری درخواب شد چنانچہ دید نزدیک چبوترہ کہ دراں حوض است مردے با دو گیسو کشادہ وخوبصورت کہ صفت اونتواں کرد براسپ وچند نفر یار برابر او ایستادہ' ہمیں نظر مبارک ایشاں برمن افتاد و پیش خود طلبید وفرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتم نیت ایں دارم کہ ایں جا حوض بنا کنم ہم دریں گفتگوے کسے کہ نزدیک آں مرد استادہ بود مرا گفت اے شمس ایں رسول خداست عزوجل انچہ درخواست داری باز نمائے تا آں مراد بدامن تو رساند چوں مرا اندیشہ ایں حوض بود ہمیں التماس کردم ودر پائے مبارک رسول علیہ السلام افتادم بعدہ برخاستم دست بستہ استادہ شدم ہماں جا کہ چبوترہ است اسپ رسول علیہ السلام دست بزد آب بیرون آمد' رسول علیہ السلام فرمود کہ اے شمس' ہمیں جا حوض راست بکنانی ایں چنیں آب بیرون خواہد آمد کہ در ہیچ

شمس نے والی دہلی سے ایک تالاب بنانے کی درخواست کی۔ تو ایک روز وہ اپنے جملہ سرکاری عملوں کے ساتھ سوار ہو کر تالاب کے لیے کسی موزوں زمین کے انتخاب کے لیے نکلا۔ چنانچہ تالاب والی جگہ پر رک کر کہا کہ تالاب کے لیے یہ سب سے موزوں زمین ہے۔ معاینہ کرنے کے بعد وہ اپنے محل میں لوٹ آیا۔ وہ شخص کہ واصلانِ حق سے تھا' اسی ارادے سے رات مصلّے پر تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ ذرا دیر کے لیے آنکھ لگ گئی اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ تالاب والے چبوترہ کے نزدیک ایک نہایت ہی حسین وجمیل خوبصورت زلفوں والی ایک شخصیت کہ جس سا پہلے نہ دیکھنے میں آیا اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی حالت میں اس کی نگاہِ مبارک مجھ پر پڑی اور اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا یہاں پر ایک تالاب بنانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ دورانِ گفتگو ان کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ اے شمس یہ رسولِ خدا ہیں۔ جو بھی خواہش ہو اس کا اظہار کر دو تا کہ وہ تمھیں بامراد کر دیں۔ چونکہ مجھے صرف اس تالاب کی فکر تھی اس لیے میں نے اس سلسلے میں التماس کر دی اور قدم

شہر ومقامی لذت آں آب نباشد ہم دریں گفتگوے بیدارشدم ہماں روز پگاہ سوارشدم چوں آں جا بیامدم کہ اسپ رسول علیہ السلام سم زدہ بود چہ بینم کہ آب بیروں آمدہ است وآں جا قرار گرفتہ ہر کس کہ برابر شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سوکند برزباں راندند کہ صد ہزار شیریں از ہر چہ جمع کنند وبخورند ایں چنیں شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارد آں گاہ خواجہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب بہ برکت قدم مبارک رسول علیہ السلام بود۔

مبارک پر گر پڑا پھر کھڑے ہوکر دست بستہ درخواست کی۔ جس جگہ پر چبوترہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے اپنے اگلے پاؤں کا سم لگایا تو پانی نکل آیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شمس، یہاں پر تالاب بنالو۔ امید ہے کہ اس سے ایسا پانی نکلے گا جس کی لذت وچاشنی کسی اور شہر ومقام کے پانی میں نہیں پائی جاسکتی۔ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میں جاگ اٹھا۔ اسی صبح سوار ہوکر نکلا اور وہاں پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے سم لگایا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پانی نکل آیا ہے۔ شمس کچھ دیر وہیں کھڑا ہوکر یہ نظارہ دیکھتا رہا کہ جو شخص بھی اس پانی کا ذائقہ چکھ لیتا یہ کہے بغیر نہ رہتا تھا کہ اپنی زندگی میں ایسا شیریں ترین پانی پینے کا ہمیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ خواجہ قطب الاسلام فرماتے ہیں کہ اس پانی کی اس مٹھاس کا راز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت سے تھا۔

اس حکایت میں اس کا صاف ثبوت ہے کہ جس مقام پر آپ کے گھوڑے کا سم دیکھتا تھا وہاں صبح کو پانی خوش گوار پایا، اگر قلب منور ہے فقط دور سے دیکھتا تھا اور مکان رویت سے اس کو علاقہ نہ تھا تو اس زمین میں پانی نکل آنے کی کیا وجہ ہوئی؟ اور یہ حکایت اولیائے ابرار کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سے قطع نظر اہل دہلی یوں ہی متواتر سنتے چلے آئے کہ تالاب شمسی کے بنا کی یہی وجہ تھی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب اولیائے ابرار اور اصحاب کشف وشہود نے روح یا روح کی مثال کو مجلس میں دیکھا تو اس مجمع اور مکان کا نورِ محمدی کے فیضان سے مشرف ہونا تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ مکہ معظمہ میں مذہب حنبلی کے مفتی، محمد بن یحییٰ، علمائے اعلام اور مقتدایانِ اسلام سے نقل کرتے ہیں

عند ذکر ولادته صلى الله عليه وسلم يحضر روحانيته صلى الله عليه وسلم.

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے وقت محفل میں آپ کی روحانیت مبارکہ جلوہ بار ہوتی ہے۔

برزنجی کے رسالہ منظومہ، نیز "روح البیان" کی چوتھی اور چھٹی جلد میں روح مبارک کے حاضر ہونے کی تصریح ہے۔ اور اس مسئلہ کا رنگ وبو خود شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ "فیوض الحرمین" کے اندر مدینہ طیبہ میں حاصل ہوئی اپنی دولت مشاہدہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں

و رأيته على حالة واحدة متوجها إلى الخلق لابسا لباس العظمة فإذا توجه إليه إنسان بجهد همته و لا أريد الإنسان العالي الهمة فقط بل كل ذي كبد

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا پایا کہ لباس عظمت پہنے آپ مخلوق کی طرف پورے طور پر متوجہ ہیں۔ جب کبھی بھی کوئی انسان بلند ہمتی سے آپ

يشتاق إلى شيء و يتوجه إليه بقصده و شوقه فإنه يتدلى إليه و رأيته صلى الله عليه وسلم ينشرح انشراحا عظيما لمن صلى عليه و سلم و مدحه .

طرف لولگاتا ہے (گرچہ وہ عالی ہمت بڑے درجہ کا نہ ہو بلکہ کوئی کیسا بھی صاحب جگر ہو) لیکن جب وہ پورے ذوق ولگن سے مشتاق ہوتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوداس کی طرف چل کر آتے ہیں ۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درودوسلام اور مدح ونعت پڑھنے والوں پر بے پناہ خوش ہوتے ہیں ۔

اس عبارت میں صاف بیان ہے کہ مدحِ رسول پڑھنے اور درودوسلام بھیجنے والوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوب کھنچتا ہے اور جب کوئی مشتاق عشق، دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل اور متوجہ ہوتا ہے تو آپ اس کے پاس اُتر آتے ہیں ۔شاہ ولی اللہ صاحب کے مضمون کا یہ خلاصہ بعینہٖ ان کے الفاظ میں ہے ۔جسے زیادہ تحقیق درکار ہوتو اصل کتاب ''فیوض الحرمین'' کی طرف رجوع کرے، اس میں اس مطلب کی زیادہ تشریح وتوضیح ملے گی ۔

اولیا کے کشف والہام

کشف والہامات اولیا کی نسبت، مولف براہین قاطعہ کا صفحہ ۲۰۸ میں یہ لکھنا عجب بات ہے

الہام وکشف اولیا کا مفید حکم اور حجت علی الغیر نہیں ہوتا ۔

کیوں صاحب، شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ عارفین سے بالکل ایسے غیر بن گئے کہ آپ پر ان کا کشف حجت نہیں ہوسکتا اللہ اللہ ۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اب ہم کشف اور رویائے صادقہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں ۔

کشف نام ہے اس کا کہ جب ایک مردِ مرتاض کے ظاہری حواس وقویٰ مجاہدات کی شدت وکثرت کی وجہ سے مضمحل ہوجاتے ہیں تو جوہر عقل، قوی ہوکر موردِ نورِ الٰہی ہوجاتا ہے، پھر اس نور کی تائید سے اشیا کی حقیقتیں بالکل ویسی ہی معلوم ہونے لگتی ہیں جیسی واقع اور نفس الامر میں ہوتی ہیں ۔حدیث میں ایسے شخص کی نسبت وارد ہوا ہے

يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ . (۱) وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے ۔

اور سچا خواب وہ ہے جو احادیث میں آیا ہے کہ رویا صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے ۔نیز حدیث میں ہے کہ نبوت تو ہوچکی

(۱) یہ عبارت اطراف حدیث معلوم ہوتی ہے اس سلسلہ کی حدیثیں یوں ہیں

❁ اتقوا فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله . (سنن ترمذی: ۳۹۹/۱۰ حدیث: ۳۰۵۲، معجم کبیر طبرانی: ۱۰۹/۷ حدیث: ۷۳۶۹، معجم اوسط طبرانی: ۳۵۲/۷ حدیث: ۳۳۸۲، مسند شامیین: ۱۷۳/۲ حدیث: ۲۰۱۱، مسند شہاب قضاعی: ۴۰/۳ حدیث: ۶۲۲، الاربعون علی مذہب المحققین من الصوفیہ اصبہانی: ۹۳/۱ حدیث: ۵۴، الزہد الکبیر بیہقی: ۳۷۴/۱ حدیث: ۳۷۰، الضعفاء الکبیر عقیلی: ۹۵/۸ حدیث: ۱۸۵۶، جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر: ۳۳۵/۲ حدیث: ۷۸۵، معجم الشیوخ ابن جمیع صیداوی: ۳۸۷/۱، مجمع الزوائد ومنبع الزوائد: ۴۸۶/۴، کنز العمال: ۸۸/۱۱ حدیث: ۳۰۷۳۰، مسند جامع: ۲۹۴/۱۳ حدیث: ۴۱۸۰، تخریج احادیث الاحیاء: ۲۴۹/۶ حدیث: ۲۶۰۰)

اب مبشرات یعنی رویا صالحہ باقی ہیں تو کشف ومنام صالحہ کو اس طرح تحقیر سے بالکل ہی رد کردینا صحیح نہیں۔(۱)

اب ہم بعض وہ مقامات بیان کریں جہاں کشف پر عمل ہوا ہے۔ حضرت خضر کو بعضوں نے نبی کہا ہے مگر ''معالم التنزیل'' میں ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک وہ نبی نہیں تھے' پھر دیکھیے کہ الہام وکشف پر عمل کر کے انھوں نے مساکین کی کشتی توڑ ڈالی اور ایک نوجوان لڑکا مار ڈالا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بالاتفاق نبی نہیں تھیں انھوں نے اپنے بیٹے کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا یہ فعل بھی ہلاک کردینے کے قریب ہے لیکن بالہام الٰہی کیا۔ یہ سب واقعے قرآن کریم میں موجود ہیں اگر کوئی ان کو شریعت سلف ہونے کا خیال کرے تو لیجیے اب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنیے۔

مشکوٰۃ کے ''باب الکرامات'' میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں مروی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۞ إياكم و فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله . (مصنف عبدالرزاق:۱۰/۴۵۱حدیث:۱۹۶۷۴'جامع معمر بن راشد:۱/۳۴۴حدیث:۲۷۳)

۞ احذروا دعوة المومن و فراسته فإنه ينظر بنور الله عزوجل و بتوفيق الله عزوجل . (امثال الحدیث اصبہانی:۱/۱۶۳حدیث:۱۱۴)

۞ احذروا دعوة المومن و فراسته فإنه ينظر بنور الله و ينطق بتوفيق الله . (الاربعون علی مذہب المتحققین من الصوفیہ اصبہانی:۱/۹۴حدیث:۵۵' کنز العمال:۱۱/۸۸حدیث:۳۰۷۳۱'المقاصد الحسنہ:۱/۱۰)

۞ المومن ينظر بنور الله الذي خلق منه . (کنز العمال:۱/۱۶۵حدیث:۸۲۳'المقاصد الحسنہ:۱/۲۲۹)

(۱) متن حدیث یوں ہے

۞ لن يبقىٰ بعدي من النبوةِ إلا المبشراتُ فقالوا و ما المبشراتُ يا رسول الله قال الرؤيا الصالحةُ يراها الرجل الصالح أو تُرى له جزءٌ من ستة و أربعين جزءاً من النبوة . (موطاامام مالک:۶/۲۸حدیث:۱۵۰۶' کنز العمال:۱۵/۳۶۸حدیث:۴۱۴۰۸)

۞ لن يبقىٰ بعدي من النبوةِ إلا المبشراتُ فقالوا و ما المبشراتُ يا رسول الله قال الرؤيا الصالحةُ يراها الرجل الصالح أو تُرى له . (صحیح بخاری:۲۱/۳۴۱حدیث:۶۴۷۵'معجم کبیر طبرانی:۳/۲۹۷حدیث:۲۹۷۹'شعب الایمان بیہقی:۱۰/۲۶۷حدیث:۴۵۶۳'شرف اصحاب الحدیث خطیب بغدادی:۱/۲۷۳حدیث:۲۲۱' مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۳/۲۵۱' کشف الخفاء:۱/۴۱۸حدیث:۱۳۴۱'مسند جامع:۵۱/۱۷۵حدیث:۱۷۰۷۹' تحفۃ الاشراف:۱۱/۴۱۰حدیث:۱۳۱۶۰'مشکوۃ المصابیح:۲/۵۴۳حدیث:۴۶۰۶)

یہ حدیث یوں بھی آئی ہے

۞ إن الرسالةَ و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي و لا نبي قال فشق ذلک على الناس فقال لكن المبشرات قالوا يا رسول الله و ما المبشرات قال رُؤيا المسلم و هي جزءٌ من أجزاء النبوة . (سنن ترمذی:۸/۲۳۰حدیث:۲۱۹۸'مسند احمد:۲۷/۳۶۹حدیث:۱۳۳۲۲'مستدرک حاکم:۱۹/۵۸حدیث:۸۲۹۲'تفسیر من سنن سعید بن منصور:۳/۴۳۰حدیث:۱۰۱۵' کنز العمال:۱۵/۳۶۷حدیث:۴۱۴۰۷'مسند الجامع:۴/۸۵حدیث:۱۱۷۰)

یوں بھی آیا ہے

۞ ذهبت النبوة و بقيت المبشرات . (سنن ابن ماجہ:۱۱/۳۷۰حدیث:۳۸۸۶'مسند احمد:۵۵/۱۱۷حدیث:۲۵۸۹۰'سنن دارمی:۶/۳۸۰حدیث:۲۱۹۳' صحیح ابن حبان:۲۵/۱۴۳حدیث:۶۱۵۴'مشکل الآثار طحاوی:۵/۱۶۳حدیث:۱۸۱۲' کنز العمال:۱۵/۳۷۶حدیث:۴۱۴۵۳'مسند جامع:۵۳/۱۳حدیث:۷۷۴۲' تحفۃ الاشراف:۱۱/۴۱۰حدیث:۱۸۳۴۸' روضۃ المحدثین:۷/۱۷۱حدیث:۲۹۴۶)

کے غسل وفات کی نوبت پہنچی تو صحابہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ جسم مبارک سے کپڑے اتار کر غسل دیں یا کپڑوں کے ساتھ ہی کسی کی یہ رائے ہوئی اور کسی کی وہ۔ تب اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند بھیج دی وہ سب سو گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے گوشہ میں ایک بولنے والا بولتا ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو پھر وہ نیند سے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا پہنے ہوئے غسل دیا۔(۱)

اس حدیث میں لفظ قاموا کا ترجمہ زرقانی نے شرح مواہب میں یہ کیا ہے

انتبھوا من النوم . نیند سے بیدار ہوئے۔

اب دیکھیے کہ صحابہ نے بھی یہ عمل الہام منامی پر کیا ہے اور پھر صحابہ کرام کے بعد فقہا و محدثین نے بھی بہت سے الہامات پر عمل کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی ''مکتوبات'' میں اس کی بابت ایک سوال و جواب میں لکھتے ہیں

سوال: چوں دیں بہ کتاب وسنت کامل گشت بعد از کمال بہ الہام چہ احتیاج بود و چہ نقصان ماندہ کہ بالہام کامل گرد۔

جواب: الہام مظہر کمالات خفیہ دین است نہ مثبت کمالات زائدہ در دین چنانچہ اجتہاد مظہر احکام است الہام مظہر دقائق واسرار است کہ فہم اکثر مردم ازاں کوتاہ است ہر چند در اجتہاد والہام فرق واضح است کہ آں مستند بخالق راست جل سلطانہ پس در الہام یک قسم اصالت پیدا شد کہ در اجتہاد نیست الہام شبیہ اعلام نبی است کہ ماخذ سنت است چنانچہ بالا گذشت اگرچہ الہام ظنی ست وآں اعلام قطعی۔ انتہی۔

سوال: اگر کتاب وسنت کے ذریعہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے تو اب اس کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت رہ جاتی ہے اور اس کے اندر ایسا کون سا نقص رہ گیا ہے جس کو الہام کے ذریعہ پورا کیا جائے؟

جواب: الہام دین کے خفیہ کمالات کا مظہر ہوتا ہے نہ کہ دین کے کمالات زائدہ کا۔ جس طرح اجتہاد مظہر احکام ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کو منکشف کرتا ہے جن تک اکثر لوگوں کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ ہر چند کہ اجتہاد والہام میں بین فرق ہے کہ وہ تو خالق مطلق کی طرف سے ہوتا ہے تو الہام کے اندر اصالت کی ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام اعلام نبی کے مشابہ ہوتا ہے جس کا ماخذ سنت ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے) گرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔

(۱) متن حدیث یوں ہے: لـمـا أرادوا غسلَ النبي ﷺ قالوا: لا ندري أ نُجرِّدُ رسولَ الله ﷺ من ثيابه كما تُجرِّد موتانا أم نغسله و عليه ثيابُه؟ فلـمـا اختلفوا ألقى الله عليهم النومَ حتىٰ ما منهم رجلٌ إلا و ذَقَنُه في صدره ثم كلمهم مكلّمٌ من ناحية البيت لا يدرون من هو؟ اغسلوا النبي ﷺ و عليه ثيابه فقاموا فغسلوه و عليه قميصه يَصُبُّون الماء فوق القميص و يُدلِّكونه بالقميص. (مشکوۃ المصابیح:۳/۲۹۳حدیث:۵۹۴۸)

مندرجہ ذیل کی کتابوں میں اس حدیث کا اتمام یوں ملتا ہے

و كـانـت (عـائشة رضي الله عنها) تقول لو استقبلت من الأمر ما استدبرت ما غسل رسولَ الله صلى الله عليه وسلم إلا نساءه.

(سنن داؤد:۸/۴۲۱حدیث:۲۷۳۳'مسند احمد:۵۳/۲۶۰حدیث:۲۵۱۰۲'دلائل النبوۃ بیہقی:۸/۳۶۹حدیث:۳۱۹۶'منتقی ابن جارود:۲/۱۷حدیث:۵۰۲)

یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے اور مرادِ مصنف کے زیادہ قریب ہے

لـمـا أرادوا غسلَ رسولِ الله ﷺ اختلفوا فيه. فقالوا' والله ما ندري كيف نصنع' أ نُجرِّدُ رسولَ الله ﷺ كما نُجرِّد موتانا أم نـغسله و عليه ثيابُه؟ قالت' فلما اختلفوا ارسل الله عليهم السِّنَةَ' حتى و الله ما من القوم من رجلٍ إلا ذَقَنُه في صدره نائما. قالت: ثـم كـلـمهـم من ناحية البيت لا يدرون من هو؟ فقال' اغسلوا النبي صلى الله عليه وسلم و عليه ثيابه. قالت' فثاروا إليه' فغسلوا رسول الله ﷺ و هو في قميصه' يفاض عليه الماء و السِّدرُ و يَدلِكُهُ الرجالُ بالقميص. و كانت تقول' لو استقبلت من الأمر ما استدبرت ما غسل رسولَ الله ﷺ إلا نساءه. (مسند جامع:۴۹/۳۷۱حدیث:۱۶۴۳۴'مسند احمد بن حنبل:۵۳/۲۶۰حدیث:۲۵۱۰۲)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ''مدارج النبوۃ'' میں لکھتے ہیں کہ اگر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات از قسم احکام سنے تو اس پر عمل نہ کرے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت میں شک ہے بلکہ یہ اس سبب ہے کہ خواب دیکھنے والے کا ضبط مفقود ہے۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ احکام شرعیہ سے ہماری مراد وہ احکام ہیں جو دین کی قرارداد کے خلاف ہوں اور اگر وہ ایسے نہیں تو ان کے قبول کرنے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اصل عبارت یوں ہے

ومراد احکام شرعیہ کہ مخالف قرارداد دین ست والا بعضے علوم کہ نہ ازیں قبیل باشد در قبول آں وعمل بداں خلافے نخواہد بودہ بسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت وی نمودہ عرض کردہ کہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمود آں حضرت نعم اولا و در رویت کہ در یقظہ است بعضے مشائخ نیز ہم چنیں استفادہ علوم نمودہ اند۔

احکام شرعیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو دین کے قرارداد کے مخالف نہ ہو۔ ورنہ بعض علوم کہ جو اس قبیل سے نہیں ہیں ان کو بھی قبول کر کے انھیں جامہ عمل پہنا دیا گیا ہے۔ اور بہت سے محدثین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح احادیث کے سلسلہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ' کیا فلاں حدیث آپ سے مروی ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یا نہیں۔ اور عالم بیداری میں جو رویت ہوتی ہے اس سے بھی بعض مشائخ نے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح مفسر روح البیان نے بھی لکھا ہے کہ عالم رویا میں بہت سے علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حاصل کی ہیں۔

جب کشف ومنامات اولیا کی یہ حقیقت ظاہر ہوگئی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ جب اہل مکاشفہ نے عمل میلاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش پایا' مجلس میں انوارِ الٰہی دیکھے' بعض عین مجلس میں زیارت سے مشرف بھی ہوئے اور بعضوں کو خواب میں فرمایا کہ ہم بھی وہاں آتے ہیں۔ اب جب ہم اس کشف ومنام کو شریعت (کی کسوٹی) پر پیش کرتے ہیں تو اس کو دین متین کی قرارداد کے مخالف نہیں پاتے' اس لیے کہ مکانِ مجلس یقیناً زمین کا کوئی ٹکڑا ہوگا تو اقطار الارض میں داخل ہوگا اور اقطارِ ارض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے پھرنے کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث وآثار سے ثابت کیا ہے' لہٰذا اس مکاشفہ کا مضمون' مضمون حدیث کے افراد وحصص میں سے ایک فرد اور حصہ ہوا' دین کے مقررہ احکام سے کسی حکم کا مخالف تو نہ ہوا' اس لیے مقبولین امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے اس کو بسر وچشم قبول کیا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھ دیا کہ جب کوئی صاحب دل' ذوق وشوق سے ہمت لگاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی طرف نزول (۱) فرماتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب مصطفےٰ

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ روح مبارک کو خبر ہو جانی' علم غیب ہے اور علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے

(۱) حاشیہ: مولف براہین کا یہ کہنا کہ یہ قصہ ملائکہ کا ہے سخت غلطی ہے' اس لیے کہ یہاں ''متوجہ الی الخلق'' اور ''کل ذی کبد'' کے الفاظ ہیں نیز ذات مقدس رحمۃ للعالمین ہے' اور قبر مبارک کے زائر کے حالات اور نیت قلبی وغیرہ پر مطلع ہونا تو علی العموم ہے' پھر اس جہد ہمت اور ذی کبد مشتاق کی قید کا کیا فائدہ۔ لہٰذا مکاشفہ عام ہے۔ ہاں' اگر یہ کہیں کہ یہ قصہ شاہ صاحب پر مدینہ میں منکشف ہوا تو بعید نہیں۔ ۱۲ منہ

سورۂ نمل میں فرمایا

قُلْ لاَ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَ الأَرْضِ الْغَيْبَ إلاَّ اللّٰهُ . (۱)
تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جوکوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۂ اعراف میں حکم کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہہ دو

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوءُ . (۲)
اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہیں پہنچی۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہے تو مبارک ہو، بہت اچھی بات ہے لیکن چاہیے کہ دوسری آیتوں کو بھی سچی جانو۔ سورۂ آل عمران میں ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ. (۳)
اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو، تمھیں غیب کا علم دیدے، ہاں، اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

سورۂ جن میں ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَداً إلاَّ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (۴)
غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ان چاروں آیتوں کو ملانے سے اہل سنت و جماعت کا مسئلہ اعتقادی کھل جاتا ہے یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب تو اللہ تعالیٰ ہے، زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم والہام الٰہی، جان لے، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہے غیب کی خبریں بتا دیتا ہے تو جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہ جانتے تھے وہ اللہ کے کلام کا منکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

غیب کی خبروں کے لیے جس کو چاہے چھانٹ لیتا ہے۔

نیز حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی منکر ہوا کہ مشکوۃ کے ''باب المعجزات'' میں عمرو بن اخطب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز جماعت سے پڑھائی، اور منبر پر چڑھے، ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا، آپ منبر سے اُترے، نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھ کر ہم کو نصیحت فرماتے رہے کہ عصر کا وقت آگیا، آپ اُترے، نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، ہم کو سب بتا دیا، اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے، جس کو اس دن کی زیادہ باتیں یاد ہیں۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔(۵)

(۱) سورۂ نمل؛ ۲۷/۶۵, (۲) سورۂ اعراف؛ ۷/۱۸۸ (۳) سورۂ آل عمران؛ ۳/۱۷۹ (۴) سورۂ جن؛ ۷۲/۲۶

(۵) (مشکوۃ المصابیح: ۳/۲۹۰ حدیث: ۵۹۳۶، صحیح مسلم: ۱۴/۴۷ حدیث: ۵۱۴۹، مسند احمد: ۴۶/۳۶۶ حدیث: ۲۱۸۱۷، الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۶/۱۷۸ حدیث: ۱۹۲۴، معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۴۱۶ حدیث: ۱۳۵۲۳، دلائل النبوۃ بیہقی: ۷/۸۶ حدیث: ۲۵۷۴، مسند ابویعلی موصلی: ۱۴/۱۰۴ حدیث: ۶۶۹۶، صحیح ابن حبان: ۲۷/۳۲۱ حدیث: ۶۷۶۴، الایمان ابن مندہ: ۳/۱۲۱ حدیث: ۱۰۲۲، الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی: ۳/۴۹ حدیث: ۹۳۵، مسند جامع: ۳۲/۴۳۲ حدیث: ۱۰۷۰۰، تحفۃ الاشراف: ۹/۴۹۲ حدیث: ۱۰۶۹۶، فتح الباری شرح بخاری ابن حجر: ۹/۳۷۴ حدیث: ۲۹۵۳، الدیباج علی مسلم: ۶/۲۱۹ حدیث: ۲۸۹۲ >>

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی خبریں دی ہیں۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی جو ہم کو نہ بتائی ہو۔(۱)

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس عالم سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ ہم کو ہر چیز بتا گئے، اگر کوئی جانور بھی آسمان میں بازو ہلاتا ہے تو وہ بھی آپ ہم سے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے۔(۲)

ریاض الصالحین: ۱/۱۹۹-باب المنثورات والملح، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۰/۱۳۹، الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۳/۳۳۰، تہذیب الکمال: ۲۰/۲۹۴، البدایۃ والنہایۃ: ۱/۸، النہایۃ فی الفتن والملاحم: ۱/۶-اشارات نبویۃ الی الاحداث، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۰۸ فوقعت کما اخبر)

متن حدیث یوں ہے

و عن عمرو بن أخطب الأنصاري قال صلى بنا رسولُ الله ﷺ يوما الفجرَ و صعد المنبرَ فخطَبَنا حتى حضرت الظهرُ فنزل فصلى ثم صعد المنبرَ فخطبنا حتى حضرت العصرُ ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمسُ فأخبرنا بما كانَ و بما هو كائنٌ فأعلمُنا أحفظُنا.

(۱) متن حدیث یوں ہے :عن حذيفة بن اليمان قال : خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرنا بما هو كائن إلى يوم قيام الساعة . (الایمان لابن مندہ: ۳/۱۹احدیث: ۱۰۲۰، مسند بزار: ۷/۲۷۶حدیث: ۲۴۳۷، السنن الواردۃ فی الفتن دانی: ۱/۳حدیث: ا، کنز العمال: ۱۲/ ۴۲۶حدیث: ۳۵۴۸۳، مسند الجامع: ۱۴/۳۲۷حدیث: ۴۵۹۹)

- عن المغيرة بن شعبة أنه قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فأخبرنا بما يكون في أمته إلى يوم القيامة وعاه من وعاه و نسيه من نسيه . (مسند احمد: ۳۷۰/۷حدیث: ۱۷۵۱۴، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴/۱۴، معجم کبیر طبرانی: ۱۵/۳۷۷حدیث: ۱۷۴۵۰، الضعفاء الکبیر عقیلی: ۵/۴۴۵حدیث: ۱۲۷۵، مسند الجامع: ۳۶/۱۴۵حدیث: ۱۱۷۷۲)
- عن أبي سعيد قال : قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فحدثنا بما هو كائن إلى يوم القيامة . (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۰/۱۴۰)

(۲) اس حدیث کا متن الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ مختلف کتابوں میں درج ہے

- عن أبي ذر قال : لقد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و ما يقلب طائر جناحين في السماء إلا ذكر لنا منه علما ء. (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۰/۱۴۰، روضۃ المحدثین: ۱۲/۲۹۹حدیث: ۵۷۹۹)
- لقد تركنا محمدٌ صلى الله عليه وسلم و ما يحرك طائر جناحيه في السماء إلا أذكرَنا منه علما . (مسند احمد: ۴۳/۳۶۵حدیث: ۲۰۳۹۹، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴/۱۴، مسند جامع: ۳۸/۳۶حدیث: ۱۲۳۴۱)
- لقد تركنا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم و ما يتقلب في السماء طائر إلا ذكّرنا منه علما . (مسند احمد: ۴۳/۳۳۳حدیث: ۲۰۴۶۷، مسند طیالسی: ۱/۴۹۲حدیث: ۴۷۵، الزہد لوکیع: ۲/۹۰حدیث: ۵۱۴)
- تركنا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم و ما طائر يقلّب جناحيه في الهواء إلا و هو يذكّرنا منه علما . (معجم کبیر طبرانی: ۲/۲۱۱حدیث: ۱۶۲۴، معجم الشیوخ صیداوی: ۱/۱۹۱حدیث: ۹۳، کنز العمال: ۱۲/۴۲۳حدیث: ۳۵۴۷۸)
- قال أبو الدرداء لقد تركنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و ما في السماء طير يطير بجناحيه إلا ذكرنا منه علما . (مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/۳۶۷حدیث: ۳۹۸۱، المطالب العالیہ عسقلانی: ۱۱/۱۲۳حدیث: ۳۹۴۵، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴/۱۴)

مزید آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اگلے پچھلے سب امتیوں کو جانتا ہوں جیسے تم اپنے ایک دوست کو پہچانتے ہو اس سے کہیں زیادہ میں ہر آدمی کو پہچانتا ہوں۔ رواہ الطبرانی۔

قطع نظر اس سے کہ اعمال امت آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں

روی البزار بسند جید عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ حَیٰوتِي خَیرٌ لَکُمْ وَ مَمَاتِي خَیرٌ لَّکُمْ .تُعْرَضُ عَلَيَّ أعْمَالُکُمْ فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَلَیْہِ وَ مَا کَانَ مِنْ سَیِّیء اسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ . (۱)

بزار عمدہ سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے، مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو اچھے کاموں پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور برے کاموں پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ میں (و یکون الرسول علیکم شهیدا) کے تحت لکھتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع است بہ نور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الی ان قال در روایات آمدہ ہر نبی را بر اعمال امتیاں خود مطلع می سازند کہ فلانی چناں می کند و فلانی چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواں کرد۔ انتہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ نبوت سے ہر دین دار کے اس رتبہ پر مطلع ہیں کہ جس تک وہ پہنچا ہوا ہے یہاں تک فرمایا کہ ہر نبی اپنی امتوں کے اعمال سے واقف ہوتا ہے کہ فلاں کیا کرتا ہے اور فلاں کیا؟ تا کہ بروزِ محشر اس کی شہادت دے سکیں۔

نیز علامہ اسماعیل آفندی، قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں

(۱) بغیۃ الحارث: ۲۸۸/۱ حدیث: ۱۴، المطالب العالیۃ عسقلانی: ۹۳/۱۱ حدیث: ۳۹۲۵، مسند حارث: ۲۳/۴ حدیث: ۹۴۳، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۶۸/۴۔
یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے

❁ حیاتي خیر لکم تحدثون و نحدث لکم ، و وفاتي خیر لکم تعرض علي أعمالکم ، فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ ، و رأیت من شر استغفرت اللہ لکم . (البحر الزخار مسند بزار: ۳۳۱/۵ حدیث: ۱۷۰۲، کنز العمال: ۴۰۷/۱۱ حدیث: ۳۱۹۰۳

❁ حیاتي خیر لکم تحدثون و یحدث لکم و وفاتي خیر لکم تعرض علي أعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سيء استغفرت اللہ لکم . (بغیۃ الحارث: ۲۸۸/۱ حدیث: ۱۴، المطالب العالیۃ عسقلانی: ۹۳/۱۱ حدیث: ۳۹۲۵، مسند حارث: ۲۳/۴ حدیث: ۹۴۳، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۶۸/۴)

❁ حیاتي خیر لکم تحدثون و یحدث لکم ، فإذا أنا مت کانت وفاتي خیر لکم ، تعرض علي أعمالکم ، فإن رأیت خیرا حمدت اللہ ، و إن رأیت غیر ذلک استغفرت اللہ لکم . (فضل الصلوٰۃ علی النبی اسماعیل بن اسحٰق: ۲۵/۱ حدیث: ۲۴)

❁ حیاتي خیر لکم و موتي خیر لکم ، أما حیاتي فأسن لکم السنن و أشرع لکم الشرائع ، و أما موتي فإن أعمالکم تعرض علي فما رأیت منها حسنا حمدت اللہ علیہ ، و ما رأیت منها سیئا استغفرت اللہ تعالی لکم . (تخریج احادیث الاحیاء: ۲۸۷/۸)

عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم إلا و تعرض على النبي صلى الله عليه وسلم أعمال أمته غدوة و عشية فيعرفهم بسيماهم و أعمالهم فلذلک يشهد عليهم يوم القيامة .

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ جس میں صبح وشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی امت کے اعمال نہ پیش کیے جاتے ہوں آپ اپنے امتیوں کو ان کی علامت ونشانی اور ان کے اعمال سے پہچان لیتے ہیں تبھی تو قیامت کے روز آپ امتیوں کی گواہی دیں گے۔

جب احادیث میں آچکا کہ ہر روز صبح وشام دوبار امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میلاد کی جملہ محفلوں کی بابت معلوم ہو جانا کیا بڑی بات ہے۔

مولف براہین گنگوہی کا یہ لکھنا ایک عجیب قانون ہے

تمام امت کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ علم ثابت کرنا شرک ہے۔انتہیٰ۔

اس تقریر پر تو ایک زمانہ مشرک ہو جائے گا۔ مثلاً کسی نے اپنے استاد کو اپنے ذہن میں بڑا عالم یا اپنے مرشد کو بڑا صاحب کشف سمجھ لیا حالانکہ حق تعالیٰ نے ان کو اس قدر علم اور کشف نہ دیا تھا تو مولف براہین کے نزدیک ذرہ بھر زیادہ سمجھنے سے وہ مشرک ٹھہرے گا۔معاذ اللہ۔

پھر اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو ہم اسی قدر ثابت کرتے ہیں جس قدر شرع میں ثابت ہے (اس سلسلہ کی نصوص اوپر گزر چکیں) اور روحانی حرکت بھی اسی قدر ثابت کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔

مولف براہین صفحہ ۴۵ پر درمختار وغیرہ کے حوالے سے ایک مسئلہ لکھتے ہیں

اگر کوئی نکاح کرے حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کی شہادت کے ساتھ۔ تو فخر عالم کی نسبت علم غیب کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔انتہیٰ۔

یہ مسئلہ بھی آپ نے صحیح نہیں لکھا۔ اس کی اصل تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور گواہ نہ ہوں، صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے نکاح کر لے تو وہ نکاح بالاتفاق ناجائز ہے اس لیے کہ یہاں گواہ دو ہونے چاہئیں کہ اگر نکاح میں جھگڑا ہو تو عدالت میں گواہی دے سکیں۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر نکاح میں شاہد ہوتا ہے پھر شریعت میں اس ذات پاک کے علاوہ اور دو گواہ مطلوب ہیں اور وہ یہاں نہیں، لہٰذا وہ نکاح ہرگز نہ ہوا۔ اس پر اتفاق ہے لیکن بعض علماء نے اس کو کافر بھی کہہ دیا (جس کا ذکر مولف براہین نے کیا ہے) مگر یہ صحیح نہیں کیوں کہ درمختار میں اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے

قيل يكفر . — کہا گیا ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے۔

قیل کا لفظ تضعیف کے لیے آتا ہے، اور فتاویٰ قاضی خان کی "کتاب النکاح" میں لکھا ہے

و بعضهم جعلوا ذلک كفرا . — بعض علماء نے اس کے کافر ہونے کا قول کیا ہے۔

لیکن ابھی بھی واضح نہیں ہوا کہ خود قاضی خان کی رائے اس کے موافق ہے یا نہیں تو یہ بات انھوں نے کلمات کفر میں کھول دی

وہاں انھوں نے یوں لکھا ہے

قالوا یکون کفرا.　علماء نے فرمایا کہ اس کی تکفیر کی جائے گی۔

شرح منیہ وغیرہ میں یہ اصطلاح صراحۃً لکھی ہے کہ لفظ قالوا ایسے موقع میں لکھا جاتا ہے جہاں اپنی رائے میں وہ امر مستحسن نہیں ہوتا۔

شرح منیہ کے ''ذکر قنوت'' میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کا لفظ قالوا لکھنا غیر مختار ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے

و کلام قاضي خاں یشیر إلی عدم اختیاره له ففي قوله قالوا إشارة إلی عدم استحسانه له.

لہٰذا اُن فتاویٰ سے معلوم ہو گیا کہ کافر کہنا ضعیف ہے۔ اب ہم عدم کفر پر واضح تر دلیل لاتے ہیں۔ فقیہ شامی نے درمختار کے قول مذکور پر (جس کی سند براہین میں پکڑی ہے) تحریر کیا ہے

قال في التتار خانية و في الحجة ذکر في الملتقط أنه لا یکفر لأن الأشیاء تعرض علی روح النبي صلی الله علیه وسلم.

تاتارخانیہ اور حجت میں کہا کہ ملتقط میں مذکور ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر پیش کی جاتی ہیں۔

اب اس سے قوی تر دلیل سنو۔ ''خزانۃ الروایات'' میں مضمرات سے نقل کیا ہے

و الصحیح أنه لا یکفر لأن الأنبیاء علیهم السلام یعلمون الغیب و یعرض علیهم الأشیاء فلا یکون کفرا.

صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو کفر کیسا۔

ہم نے اس آخری روایت کو قوی اس لیے لکھا کہ اس میں لفظ ''تصحیح'' موجود ہے، جو الفاظِ فتویٰ سے ہے۔ یعنی اس اختلاف علماء میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ تو درمختار، تضعیف قاضی خان، شامی، تاتارخانیہ، فتاویٰ حجر، تصریح ملتقط، خزانۃ الروایات اور تصحیح مضمرات سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا جہاں کی چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ جب روایت فقہ و حدیث متفق ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ لہٰذا فتاویٰ کا یہ حکم دائمی، حکیم ترمذی، بزار، عبداللہ بن مبارک، اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقولہ اعمال پیش کی جانے والی حدیث کے مطابق، صحیح رہا۔

زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے

تمام انبیا اور ان کے والدین کو ہر جمعہ، امت اور اولاد کے اعمال اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر یہ شرف دیا گیا کہ آپ کو ہر روز دو بار تفصیلاً اور بروزِ جمعہ اجمالاً مطلع کیا جاتا ہے۔ انتہیٰ۔

اب دیکھیے یہ عرض اعمال، علم کا بہترین وسیلہ ہے اور شرعی مسئلہ بھی ہے جس کو مفتیانِ دین لے چکے ہیں۔ اس بنیاد پر یہ جاننا کہ روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفل کی خبر ہو جاتی ہے ہرگز شرک نہیں، تو جو کوئی محفل کرتا ہے، زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ایک دو دن پہلے سے اس کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے سامان شروع ہو جاتے ہیں ورنہ اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح

سے شیرینی یا کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام ہونے لگتا ہے' اور اگر صبح کو محفل ہونی ہے تو شام سے شروع ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اطلاع شروع ہو جاتی ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ جب ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح وشام دو مرتبہ اعمالِ امت کی خبر دی جاتی ہے تو جس کے گھر میں شام کو محفل ہوگی اور اس نے جو کچھ صبح کو سامان کیا ہوگا یا کسی کو خبر دی ہوگی وہ عمل' صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکا ہوگا کہ شام کو ہمارے فلاں امتی کے گھر محفل ہوگی' اور اگر اس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس شخص نے اسباب فراہم کیا ہوگا یا کسی کے سامنے منہ سے نکالا ہوگا کہ میں صبح کو محفل کروں گا تو اس کی اتنی ہی خبر محفل منعقد ہونے سے پہلے پہنچ چکی ہوگی۔

علاوہ ازیں محفل میلاد شریف میں کثرت سے درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق فرشتے مجلس کا درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں درود پڑھنے والوں کی نام بنام اطلاع ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے درود پڑھنے والے کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پہنچاتے ہیں۔ اور اہل محبت' قصائد عشقیہ بھی پورے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں' اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکاشفہ اوپر گزر چکا ہے کہ جو کوئی ذوق وشوق سے متوجہ ہوتا ہے' مدح اور درود وسلام پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ اس مکاشفہ کی تائید حدیث سے بھی پائی جاتی ہے۔ ''دلائل الخیرات'' کے دیباچہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو لوگ آپ سے دور اور نگاہوں سے اوجھل ہیں اور آپ کے مبارک زمانے کے بعد پیدا ہوں گے' ان کے درود کا کیا حال ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا

اسمع صلاة أهل محبتي و أعرفهم و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا .

اپنے شیدائیوں کا درود وسلام میں خود سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا بھی ہوں۔ جب کہ اوروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ مہدی فاسی نے شرح دلائل الخیرات میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں

أسمع بلا واسطة صلاة أهل محبتي الذين يصلون على محبة لي و شوقا و تعظيما و ظاهره سواء صلى عليه المحب له عند قبره أو نائيا عنه و أعرفهم لتألف أرواحهم بروحه و تعارفها معها بالمحبة الرابطة و الأرواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تناكر منها اختلف و لتكرر صلاتهم عليه و إكثارهم لها من أجل المحبة المقتضية لذلک و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا فهو إنما يسمعها بواسطة. انتهىٰ ملخصا.

میں اپنے محبت کرنے والوں کا درود (جو کہ میری تعظیم وعقیدت اور شوق ومحبت میں پڑھتے ہیں) بغیر کسی واسطہ کے سن لیتا ہوں۔ اور حدیث کا ظاہر مطلق ہے خواہ وہ قریب سے درود بھیجیں یا دور سے۔ اور میں انھیں پہچانتا بھی ہوں کیونکہ روحوں میں محبت کے حوالے سے الفت باہم اور جان پہچان ہوتی ہے' اور روحیں لشکر کی مانند ہوتی ہیں جن میں جان پہچان ہو جاتی ہے ان میں الفت بھی ہو جاتی ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوتی ان میں الفت بھی نہیں ہوتی مزید اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور میں ان اہل محبت کو درود کی کثرت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو وہ مجھ پر محبت وعقیدت کے باعث پڑھتے ہیں۔ اور دوسروں کا سلام چوں کہ فرشتے پہنچاتے ہیں تو اس کو بواسطہ سنتا ہوں۔

''مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات'' میں ہے

و أعرفهم می شناسم اہل محبت را بسبب اتصال روحی و قرب معنوی ایشاں باروح مقدس ع: قرب جانی چو بود بعد مکانی سہل است۔ و تعرض صلاۃ غیرھم عرضا یعنی فرشتگان درود غیر آں ہا را بر من عرض می کنند بواسطہ آں ہا می شنوم وشنیدن بلا واسطہ مخصوص بمحبان و عاشقانے است کہ مذکور شدند۔

میں اہل محبت کو روحانی لگاؤ اور معنوی قرب کی وجہ سے پہنچان لیا کرتا ہوں۔ جان سے جب آدمی قریب ہوتا ہے تو بعد مکانی آسان ہو جاتا ہے۔ اور اہل محبت کے علاوہ اوروں کا درود فرشتے مجھ پر پیش کیا کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے میں ان کا درود سنتا ہوں جب کہ عاشقوں اور اپنے شیدائیوں کا درود خود اپنے کان سے سنتا ہوں جیسا کہ مذکور ہوا۔

دلائل الخیرات کی حدیث کو دونوں شارحین نے مسلم رکھا تو معلوم ہوا کہ محبت بھی روحانی قرب کا سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چاہنے والوں کا درود (دور سے) خود سن لیا کرتے ہیں جس طرح مزار شریف کے قریب کا درود سنتے ہیں' یہ ظاہری دوری کوئی رکاوٹ نہیں بنتی۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکاشفہ ظاہر کرتا ہے کہ درود خوانی کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص محبین کی امداد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ''درثمین'' کی بارھویں حدیث میں انھوں نے اپنا حال یوں لکھا ہے

لم أتعيش ليلة من الليالي فألهم بعض أصحابنا أن يهدى إلى إناء من لبن فشربته ثم نمت على الوضوء فرأيت روح النبي صلى الله عليه وسلم قادمت إلى إني أنا الذي أرسلت اللبن و ألقيت الخاطر في قلب الرجل .

ایک دن شب کو میں نے کھانا نہیں کھایا تو ہمارے ایک دوست کو الہام ہوا' وہ دودھ کا ایک پیالہ لایا جسے پی کر میں باوضو سو گیا' قسمت بیدار ہوئی اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو دیکھا' اس نے مجھ سے کہا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا اور اس آدمی کے دل میں دودھ لے جانے کی بات میں نے ہی ڈالی تھی۔

اور قاریِ قرآن والی وہ حکایت گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرآن سننے تشریف لائے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کو عرضِ اعمال کے ذریعہ بھی خبر ہوتی ہے اور اہل محبت کی خبر روحانی قرب کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبردار ہو جانے کا ایک تیسرا اور چوتھا طریقہ بھی ہے لیکن یہ دونوں دقیق ہیں عام فہم نہیں کہ علی العموم ذکر کیے جائیں۔ بہرکیف' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطلاع پانے کے چند طریقے ہیں اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں تو آپ کا علم غیب مستقل اور بالذات نہ ہوا کہ جس سے شرک لازم آئے بلکہ آپ جس طریقے سے امت کے حالات اور دنیا کی چیزوں پر مطلع ہوں گے' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہوں گے۔ اس کا نام شرک ہرگز نہیں ہے۔ عقائد اور علم کلام کی کتابیں دیکھو۔

جب حدیث عرضِ اعمال وغیرہ' متعدد واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (احوالِ امت کا) علم ہو جانا ثابت ہو چکا' ساتھ ہی زمین میں روحوں کا چلنا پھرنا اور ان کی سرعت رفتار بھی احادیث سے معلوم ہو چکی۔ پھر مخلوق کی طرف آپ کی توجہ بھی سب کو معلوم ہے' ساتھ ہی آیت مبارکہ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں امت کے لیے رحمت و شفقت کی دلیل موجود۔ اور جب امتی آپ

کے لیے مال خرچ کریں، درود و سلام اور تعظیم و ادب کے ساتھ آپ کی مدح خوانی کریں، تو اس کے جواب میں آپ کے توجہ و احسان فرمانے پر آیت کریمہ: هَلْ جَزَاءُ الإِحْسَانِ إِلاَّ الإِحْسَانُ موجود۔ پھر معلوم نہیں فریق ثانی، اہل اسلام میں بے جا شقاق و نفاق ڈال کر اچھے خاصے مسلمانوں کو مشرک کیوں بنا رہے ہیں؟۔

ہاں، اگر کوئی جاہل، عقیدۂ شرکیہ رکھے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی اور مستقل علم غیب مانے یوں نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے معاذ اللہ تو اس کے کفر میں کس کو کلام ہے، وہ شخص تو بالاتفاق مردود ہے۔

مولف براہین گنگوہی لکھتے ہیں

مجلس میلاد شریف میں اکثر ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں۔

معلوم نہیں ان کو گھر بیٹھے کس طرح مجلس والوں کی غیبی خبر ہوگئی اور وہ بھی ان کے دلوں کی، ہم نے اپنی عمر بھر میں اب تک اس عقیدہ کا آدمی نہیں دیکھا، اور یہ عقیدہ تو معاذ اللہ بہت ہی برا شرک ہے۔

محفل میلاد شریف منہیاتِ شرعیہ سے پاک ہونی چاہیے

ہم تو جملہ منہیات شرعیہ کو برا کہتے ہیں چاہیے کہ بانی محفل، مخلص، خوش عقیدت اور محبت والا ہو، مال میں احتیاط کرے، اپنی محنت کی تنخواہ یا تجارت کا کمایا ہوا یا ہبہ و میراث وغیرہ کا صحیح شرعی طریقہ سے پہنچا ہوا مال کھانا و شیرینی اور عطر وغیرہ میں صرف کرے، آرائش کے سامان، فرش و برتن وغیرہ میں خلاف شریعت کوئی کام نہ ہو۔ ایسی معتبر روایتیں ہوں جن کو ثقات محدثین نے "باب المعجزات" میں قبول کیا ہو۔ اشعار وہ ہوں جن کے پڑھنے پر مفتیانِ دین نے فتویٰ دیا ہو، پھر ان امور کے بعد شانِ رسالت علیہ السلام کی تسلیم و آداب مدنظر ہو، سامعین حاضرین مجلس کی زبان پر دم بدم درود و سلام کی کثرت ہو، فضائل و معجزات اور قصائد، ذوق و شوق و محبت سے پڑھیں پڑھوائیں اور سنیں سنوائیں۔

الحاصل، جس قدر مجلس کی صفائی میں اور امورِ منہیہ سے بچنے میں جد و جہد کریں گے اتنی ہی حق تعالیٰ کی رضا مندی اور روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف پائیں گے اگر محفل مقبول ہوگئی، اور قبولیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنے مقصد و مراد کو پہنچے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک ایک قسم کے خاص جلوۂ روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہو۔ اور یہ کچھ اسی محفل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کا پھل اسی وقت ملے گا جب اس کی شرطیں بجا لائے گا۔

دیکھیں کہ نماز کے سلسلے میں حدیث وارد ہے۔

إن العبد إذا قام إلى الصلوٰة رفع الله تعالى الحجاب بينه و بينه و واجهه بوجهه الكريم . (۱)	جب ایک بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان سے پردے اٹھا دیتا ہے اور اپنا روئے کریم اس کے سامنے کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور زمین کے کناروں تک بھاگ

(۱) یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے :إن العبد إذا قام إلى الصلوٰة فتحت له أبواب الجنان، و كشفت له الحجب بينه و بين ربه و استقبلته الحور العين ما لم يَمْتَخِط أو يتنخع . (معجم کبیر طبرانی: ۲۸۸/۷ حدیث: ۷۹۰۷، کنز العمال: ۲۹۸/۷ حدیث: ۱۸۹۶۷، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲۴۴/۱)

جاتا ہے اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وضو کر کے اللہ اکبر کہتا ہے تو ابلیس چھپ جاتا ہے اور اللہ جلّ شانہ اس بندے کے سامنے ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔(۱)

خلاصہ یہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ بھی پڑھتے ہیں اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہوتی ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدۂ ربانی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی نمازوں میں مقامات طے ہوتے ہیں، تو اسی طرح محافل میلاد کی مقبولیت کے بھی درجات ہیں۔

نہ انجیر شد نام ہر میوہ   نہ مثل زبیدہ ست ہر بیوہ

الحاصل، مقبول تر آدمی وہ ہے جو زیادہ اخلاص و محبت سے محفل کرے۔

سوال: یہ قیام مروجِ تعظیم، رونق افروزیِ روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یا کسی اور وجہ سے ہے؟

جواب: اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محفل پر مطلع ہو جانا منجملہ اعمالِ امت سے ثابت ہے اور مشتاق نگاہوں کو اپنے خاص جلوۂ روحانی سے مشرف فرمانا بھی ممکن۔ لیکن علی العموم ہر ایک محفل میں قیام اس غرض اور علت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ، تعظیم شانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرحت و خوشی کا اظہار ہے۔(۲)

دیکھیے عالم الامہ مقتدی الائمہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مجلس کے اکابر علماء مدح کا ایک شعر سن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اور اس میں روح کے آنے کا کچھ تذکرہ بھی نہیں، اس کی عبارت یوں ہے

قام الإمام السبكي و جميع من بالمجلس فحصل انس كبير بذلك المجلس . (۳)

اسی طرح اسماعیل افندی نے بھی تفسیر روح البیان میں نقل کیا ہے اور سیرت شامی میں ہے۔

---

(۱) متن حدیث یوں ہے

أن تعبد الله كأنك تراه۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۷ حدیث: ۴۸، صحیح مسلم: ۱/۲۷ حدیث: ۹، سنن ابوداؤد: ۱۲/۳۰۶ حدیث: ۴۰۷۵، سنن ترمذی: ۹/۱۹۲ حدیث: ۲۵۳۵، سنن کبریٰ نسائی: ۶/۵۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱/۲۷ حدیث: ۶۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۱ احدیث: ۲، مسند احمد: ۱/۳۵۰ حدیث: ۳۳۲۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۲۰۳، بغیۃ الحارث: ۱/۲۱، معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۶۱، تفسیر ابن ابی حاتم: ۵۴/۱۷ احدیث: ۱۶۴۶۶، دلائل النبوۃ بیہقی: ۸/۱۲۳ احدیث: ۳۰۰۰، صحیح ابن حبان: ۱/۳۱۱ حدیث: ۱۵۹، صحیح ابن خزیمہ: ۸/۲۰۴ حدیث: ۲۰۵۵، مسند ابن راہویہ: ۱/۲۱۰، موارد الظمآن: ۱/۳۵، الآداب بیہقی: ۳/۱۲۷ احدیث: ۸۲۵، الاربعون آجری: ۱/۶ حدیث: ۵، الاربعون فسوی: ۱/۳ حدیث: ۱، الایمان ابن مندہ: ۱/۳ حدیث: ۱، مسند بزار: ۹/۳۸۸ حدیث: ۳۴۰۷، السنۃ عبداللہ بن احمد: ۲/۳۴۳ حدیث: ۸۰۹، القضاء والقدر بیہقی: ۱/۱۴۹ احدیث: ۱۳۴، تعظیم قدر الصلوٰۃ مروزی: ۱/۳۱۴ حدیث: ۳۲۱، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ الکائی: ۳/۱۰۵ احدیث: ۸۳۱، طبقات المحدثین: ۴/۲۷۳ حدیث: ۱۳۳۳، مسند حارث: ۱/۱۶ احدیث: ۹، مجمع الزوائد: ۱/۱۶، کنز العمال: ۳/۲۲ حدیث: ۵۲۵۴، نصب الرایہ: ۴/۱۱۱- کتاب الزکوۃ- مسند الجامع: ۳۹/۳۳ حدیث: ۱۲۶۲۹، تخریج احادیث الاحیاء: ۹/۲۶۷ حدیث: ۴۲۶۷)۔

(۲) **حاشیہ:** اس صورت میں جو لوگ مشرف بزیارت ہوئے ان کے قیام کی دو وجہیں ہیں: ایک زیارت۔ دوسرے اظہار فرحت و سرور و تعظیم۔ اور باقی علی العموم سب کے حق میں قیام فقط وہی وجہِ فرحت و سرور و تعظیم۔ اور براہین قاطعہ کے صفحہ: ۲۰۸ پر بھی روح کی زیارت ہونے کی صورت میں قیام کو صحیح مان لیا ہے۔ اور صفحہ: ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ تشریف آوری کے دوام پر انکار ہے، نہ امکانِ وقوع احیاناً پر (انتہی کلامہ ملخصا) لہٰذا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اسی وقوع احیاناً کی امید پر کھڑے ہوتے ہیں، جیسے ایک شب قدر پانے کے لیے ساری عمر جاگتے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

(۳) تفسیر روح البیان: ۱۴/۴۱

جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم أن يقوموا تعظيما له . (۱)

بہت سے محبین (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذکر ولادت اور توصیف رسالت سنتے ہیں، تو تعظیم نبوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ نہیں لکھا کہ روحِ مبارک کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔
امام برزنجی نے ''عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر'' میں لکھا ہے

قد استحسن القيام عند ذكر ولادته الشريفة أئمة ذوو رواية و دراية .

ائمہ روایت ودرایت نے ولادت مبارکہ کے ذکر کے وقت قیام کو مستحسن کہا ہے۔

یہ نہیں فرمایا

استحسن القيام عند روية روحه أو عند قدوم روحه صلى الله عليه وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک دیکھنے یا اس کے آنے کے وقت قیام مستحسن ہے۔

عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں تمام بلادِ اسلامیہ کا اسی پر عمل ہے کہ روح پرفتوح کو دیکھے بغیر صرف ولادت شریف کا ذکر سن کر جملہ اہل محفل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ اگر یہ تشریف آوری روح کے سبب نہیں تو پھر تعظیم کس بات کی ہے؟

جواب: اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تشریف آوری کی تعظیم ہی پر منحصر نہیں بلکہ شریعت میں چند مقام پر قیام پایا گیا ہے (۳)

ایک: آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے وقت قیام فرماتی تھیں (كذا فی المشكوٰة) (۴)

دوسرا: وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لیے کھڑے ہونا۔

ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کر چکے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھ کو پسند آیا کہ

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۴۴

(۲) **حاشیہ: تعظیما له :** اس جگہ شامی کی عبارت میں یہ لفظ بھی ہے: **هذا القيام بدعة لا اصل لها.** تو اس اجمال کی تفصیل اور مانعین کے اعتراضات کا جواب پورے شرح وبسط کے ساتھ عنقریب آنے والا ہے۔۱۲۔منہ

(۳) ان لوگوں پر یہ اعتراض ہے کہ تم کو روح نظر نہیں آتی تو کیوں اُٹھتے ہو؟ جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ ہم اس موقع میں تقلیداً کھڑے ہوتے ہیں جہاں اہل مکاشفہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہر محفل میں کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ شب قدر یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی پھر بھی جاگتے ہیں اور کئی راتوں کو جاگتے ہیں اگرچہ شب قدر تو درحقیقت سال میں ایک ہی رات ہوگی، جب بھی ہو۔ تو اسی طرح یہ لوگ ہر محفل میں اس امید کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ آخر قیام کبھی تو قدومِ روحِ مبارک کے مطابق ہو جائے گا۔ اگر عمر بھر میں ایک دن بھی موافق آپڑا، غنیمت ہے ۔

بس بود جاہ واحترام مرا ☆ یک علیک از صد سلام مرا ۱۲۔منہ

(۴) متن حدیث: **و كان اذا دخل عليها قامت إليه ......** (مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۱۴ حدیث: ۴۶۸۹، سنن ابوداؤد: ۱۳/۴۴۳ حدیث: ۴۵۴۰، مستدرک حاکم: ۱۱/۶۱ حدیث: ۴۷۳۶، شعب الایمان بیہقی: ۱۸/۴۳۵ حدیث: ۸۶۴۶، صحیح ابن حبان: ۲۸/۴۴۷ حدیث: ۷۰۷۹)

میں تم کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے۔ انتہیٰ۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ (وضو کا بچا ہوا پانی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے۔

تیسرا: زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پینا۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زم زم کا پانی پلایا تو آپ نے کھڑے ہو کر پیا۔(۲)

الحاصل فقہا رحمہم اللہ ان دونوں پانیوں کو قبلہ رو کھڑے ہو کر پینے کو مستحب اور مندوب لکھتے ہیں۔ اس لفظ سے صاف تعظیم معلوم ہوتی ہے اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان لفظوں میں لکھا ہے

کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ سوا ان دو پانیوں کے کہ یہ مکروہ نہیں۔

اس سے بھی قیام تعظیمی ثابت ہو گیا۔ یعنی کھڑے ہو کر پینے کی جو کراہت شرع میں تھی وہ ان دونوں پانیوں کی عظمت کے باعث ساقط ہو گئی' اس لیے کہ زم زم کا پانی حصول شفا کا سبب ہے اور اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی شفا کا باعث ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبدالغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق 'وضو کا بقیہ پانی حصول شفا کی نیت سے پیتے تھے اور انھیں آرام ہو جاتا تھا۔(۳)

یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی یعنی شرع میں کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے لیکن جب آب زم زم اور وضو کا بقیہ پانی بخیال عظمت کھڑے ہو کر پیے تو قصد تعظیم کی وجہ سے کراہت جاتی رہتی ہے۔ تو بفرض محال اگر قیام مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ شان مصطفیٰ کی تعظیم کی نیت سے کھڑے ہوتے ہیں چاہیے کہ ان کے لیے درست ہو جائے۔ مکروہ' شرک یا حرام ہونے کے کیا معنی۔

چوتھا: عمامہ باندھتے وقت کھڑے ہونے کو بعض فقہا مستحسن کہتے ہیں۔

پانچواں: اذان سن کر کھڑا ہونا۔

درمختار میں ہے

و يندب القيام عند سماع الأذان .(۴)

فتاویٰ برہنہ میں آیا ہے

چوں آواز اذان برآید باید کہ ماشی بایستد و نشستہ زانو زند ہر چہ بہ تعظیم نزدیک تر آن کند۔

اذان کی آواز سن کر راہ گزر رُک جائے' اور ٹیک لگایا ہوا دوزانو بیٹھ جائے۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جس سے تعظیم کا پہلو نکلے بجا لانا چاہیے۔

---

(۱) متن حدیث: ثم قام فاخذ فضلَ طهوره فشربه و هو قائم ثم قال أحببت أن أريكم كيف كان طُهورُ رسول الله صلى الله عليه وسلم (سنن ترمذی: ۱/۸۳ حدیث: ۴۵' مسند احمد: ۳/۱ حدیث: ۹۹۵' سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۷۵' سنن کبریٰ نسائی: ۱/۸۵ حدیث: ۱۰۱' مسند ابو یعلی موصلی: ۱/۳۸۱ حدیث: ۴۷۷)۔

(۲) صحیح بخاری کی حدیث یوں ہے: عن ابن عباس قال: شَرِبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَائِمًا مِنْ زَمْزَمَ . (۱۷/۳۳۳ حدیث: ۵۱۸۶)

اور صحیح مسلم کی یوں ہے: عن ابن عباس سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَ هُوَ قَائِمٌ . (۱۰/۳۰۹ حدیث: ۳۷۷۶)۔

(۳) ردمحتار: ۱/۳۵۱ (۴) درمختار: ۱/۴۲۸' ردمحتار: ۳/۲۲۶ فائدۃ التسلیم بعد الاذان

چھٹا: مطلق ذکر کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہونا۔

تفسیر کشاف میں ابن عمر، عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ لوگ نکل کر عید گاہ گئے اور وہاں ذکر اللہ کرنے لگے، ان میں سے بعض نے کہا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُودًا . (۱) تو وہ سب کھڑے ہو کر ذکر اللہ کرنے لگے۔ (۲)

ساتواں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مناقب و مدائح پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسان منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار فخریہ پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

آٹھواں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت روضہ اطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیام کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا (جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں)۔

نواں: جب کوئی مجلس سے اٹھے تو اس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہو جانا۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے، جب آپ اٹھتے تو ہم سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک گھر میں داخل نہ ہوتے ہم کھڑے رہتے تھے۔ (۴)

ان نو مقامات کے علاوہ اور جگہوں میں بھی قیام کا حکم آیا ہے، جس کی نظر فتاویٰ اور احادیث پر ہوگی وہ دیکھ لے گا۔

الحاصل، ان نظیروں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قیام صرف آنے والے کی تعظیم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اور مقامات میں بھی قیام پایا گیا۔ اور سب میں قدر مشترک یہی مضمون ہے کہ جس امر میں قیام کیا جاتا ہے تو اس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح بزرگانِ دین سے طرح طرح کے مواقع تعظیم میں تعظیم پائی گئی ہے۔

---

(۱) سورۂ آل عمران؛ ۳/۹۱ (۲) تفسیر کشاف: ۱/۳۶۱

(۳) متن حدیث یوں ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَضَعُ لِحَسَّان مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم . (سنن ابوداؤد: ۱۰/۶۶ حدیث: ۴۳۷۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۴۱ حدیث: ۴۸۰۵، شمائل ترمذی: ۱/۲۸۲ حدیث: ۲۴۷، مستدرک: ۱۴/۱۰۸ حدیث: ۶۰۹۹، تہذیب الآثار طبری: ۲/۴۱۶ حدیث: ۵۳۳، مسند ابو یعلی موصلی: ۱۰/۸ حدیث: ۴۶۲۳، معرفۃ الصحابہ: ۶/۳۳۴ حدیث: ۲۰۲۲، مسند الجامع: ۵۱/۳۳۱ حدیث: ۱۷۲۰۱، تحفۃ الاشراف: ۱۳/۴۷۸ حدیث: ۱۷۰۲۰، تخریج احادیث الاحیاء: ۵/۱۷ احدیث: ۲۱۷۱)

اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (۴/۳۴ حدیث: ۳۵۰۱)۔

(۴) متن حدیث یوں ہے

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس معنا في المسجد يحدّثنا فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوتِ أزواجه . (مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۱۸ احدیث: ۴۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۱۲/۳۹۳ حدیث: ۴۱۴۵، شعب الایمان بیہقی: ۱۸/۴۳۸ حدیث: ۸۶۴۹، المدخل الی السنن الکبریٰ بیہقی: ۲/۱۰۳ حدیث: ۵۸۷، مسند الجامع: ۴۲/۲۰۹ حدیث: ۱۳۷۳۳، تحفۃ الاشراف: ۱۲/۲۰۹ حدیث: ۱۴۹۰۱، مسند ابن ابی شیبہ: ۱/۴۹۰ حدیث: ۴۷۷، کنز العمال: ۷/۲۲۱ حدیث: ۱۸۷۱۰)

انھیں میں سے یہ ہے کہ احمد بن حنبل اور علی بن مدینی وغیرہ جلسہ تعلیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے (چنانچہ ہم یہ روایت سابقا لکھ چکے ہیں)۔

انھیں میں سے یہ بھی ہے کہ بہاء الدین ملک ظاہر کا وزیر قصیدہ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس سے اس کے گھر میں دین و دنیا کی بہت سی خیرات و برکات حاصل ہوئیں۔

کشف الظنون میں در باب قصیدہ بردہ لکھا ہے

و لما بلغت الصاحب بهاء الدين وزير الملك الظاهر استحسنها و نذر أن لا يسمعها إلا حافيا واقفا مكشوف الرأس و كان يتبرك بها هو و أهل بيته و رأوا من بركاتها أموراً عظيمة في دينهم و دنياهم. (۱)

اور جب یہ وزیر الملک بہاء الدین ظاہر کے پاس یہ قصیدہ پہنچا تو اس نے کافی پسند کیا اور یہ نذر مان لی کہ وہ اسے ننگے پاؤں اور ننگے سر کھڑا ہو کر سنا کرے گا۔اس کی برکت سے وہ اور اس کے اہل خانہ خوب خوب نفع اندوز ہوئے اور دین و دنیا میں اس کی بے شمار برکتیں انھوں نے دیکھیں۔

انھیں میں سے ہمارے شیخ الطریقہ امام الشریعہ خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مرشد کے روضہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا بھی ہے۔شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات معروف بہ ''فوائد السالکین'' میں لکھتے ہیں

ایک بار خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ سلوک کے سلسلہ میں وعظ فرما رہے تھے، جب داہنی طرف نظر پڑتی کھڑے ہو جاتے تھے، سو باریوں ہی کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے۔جلسہ ختم ہونے کے بعد ایک بے تکلف آدمی نے عرض کیا کہ (دورانِ وعظ) آپ بار بار کھڑے کیوں ہو جاتے تھے۔فرمایا جب میری نظر مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ پر پڑتی، کھڑا ہو جاتا تھا، اس لیے کہ پیر کی تعظیم زندگی و موت ہر حالت میں برابر واجب ہے بلکہ مرنے کے بعد اور زیادہ۔

انھیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی صاحب معرفت پر عشق الٰہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جملہ حاضرین کو کھڑے ہو جانا چاہیے۔یہ مسئلہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں ذکر فرمایا ہے۔

ان جملہ احادیث و آثارِ صحابہ اور مشائخ حدیث و طریقت کے فعل کی روشنی میں ایک انصاف پسند اور حق طلب آدمی پر خوب خوب واضح ہو جائے گا کہ بلاشبہ قیام تعظیمی صرف کسی کے آنے کی تعظیم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے۔پھر کیا ضرور ہے کہ مروجہ محفل میں روح مبارک کے آنے کے عقیدہ کے ساتھ ہی قیام کیا جائے بلکہ اس میں شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پر نظر رکھی جائے۔اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں فرمایا

وَ مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ. (۲)

اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

---

(۱) کشف الظنون: ۲/۱۳۳۱ باب قصیدۃ البردۃ الموسومۃ (۲) سورۂ حج: ۳۲/۲۲

مولوی اسماعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو اس آیت کی تعمیل اور شعائر اللہ کی تعظیم میں شامل کیا ہے۔ ''صراط مستقیم''، مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۴۳ میں ان کی عبارت یوں ہے

اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمانِ محبّ وعلامت تقوی اوست ذٰلِکَ وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ۔ انتہی۔

اگر آپ اپنی فکر کو مہمیز دیں اور سوچیں تو آپ پر آشکار ہوجائے گا کہ ایسی برگزیدہ شخصیات کی محبت خود ایک شیدائی کے ایمان کی نشانی اور اس کے تقویٰ کی علامت ہے۔ اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالائے تو سمجھیں کہ یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔

جب اولیاء اللہ، شعائر اللہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عظیم ترین شعائر سے ہوئے۔ چنانچہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷۱ میں شاہ ولی اللہ نے بھی آپ کو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے، اور جب آپ معظم شعائر ہوئے تو گویا آپ کی ولادت، اعظم شعائر اللہ کا ظہور ہے، لہٰذا ہم کو چاہیے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو سب سے عظیم جانیں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَ مَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ. (۱)

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں فرما کر ان کے وجود باجود کا ہمارے گردنوں پر احسان رکھا

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلاً. (۲)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

تو جس وقت آپ کے ان انوار وآثار کا تذکرہ، تعظیم وآداب اور جاہ وجلال کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو آپ کی ولادت باسعادت کے وقت عالم دنیا میں ظاہر ہوئے تو دل کے رگ وریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے، آنکھوں کے سامنے آپ کی ولادت کے وقت فرشتوں اور حور عین کی آمد کا نقشہ کھنچ جاتا ہے، دل عظمت شان رسالت سے بھر جاتا ہے اور دل میں غایت درجہ تعظیم پیدا ہوجاتی ہے۔ تو اس عالم میں بصد آداب وتعظیم سب لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنی ہیئت جلوس کو قیام سے بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو باطن کا عنوان قرار دیا گیا ہے یعنی اگر دل میں توحید ورسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے۔ اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش وحاجت ہے تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تا کہ ظاہر وباطن کا نقشہ یکساں ہوجائے۔ باریک بینوں کو شریعت سے اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

انھیں میں سے، زینت محفل کی بابت چند مثالیں ''دافع الاوہام'' میں مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل میں جو عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھری ہوتی ہے اس کے اظہار کے لیے قیام کیا جاتا ہے تا کہ ظاہر وباطن دونوں ایک سے ہوجائیں اور جس طرح دل کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے اسی طرح تعظیم وآداب کے ساتھ قیام کرنا اس عظمت کا ایک نقشہ وصورت ہے، گرچہ اس وقت آنکھوں کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود، مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکرِ ظہور تو موجود وظاہر ہے اور ذکر ظہور کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے۔

(۱) سورۂ انبیا: ۲۱/ ۱۰۷ (۲) سورۂ آل عمران: ۳/ ۱۶۴

مولوی اسماعیل صاحب ''صراط مستقیم'' مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں

ازفروع حب منعم است تعظیم شعائر او مثل تعظیم نام اووکلام اوولباس او۔ انتہیٰ۔ | یعنی منعم کے شعائر کی تعظیم مثلاً اس کے نام وکلام اور اس کے لباس کی تعظیم کرنا دراصل اس کی محبت ہی کی ایک شاخ ہے۔

جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام وبیان اور فکر کی تعظیم بھی ہوگئی تو یہ ذکر کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے

حتیٰ صار تعظیمها عندهم تعظیما لله . (۱) | ان شعائر کی تعظیم ان کے نزدیک اللہ ہی کی تعظیم ہے۔

اس مضمون کی موافقت میں آیتیں بھی لکھ چکے ہیں

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ . (۲) | جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ . (۳) | وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

الحاصل، یہ قیام نہ شرک ہے اور نہ بدعت ضلالت بلکہ جمہور علمائے امت کے اتفاق سے یہ مستحب و مستحسن ہے، جس پر شرعاً دلیلیں بھی قائم ہیں۔

فائدہ: اب ہم مولف براہین گنگوہی کے نزدیک بھی مسلم ایک قاعدہ سے اس قیام کا ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ ہم نے مجلس میلاد کے امور مروجہ کے لیے لکھا ہے کہ کسی امر مستحسن ومباح کا (جو پہلے نہ تھا) زیادہ کرنا جائز ہے۔ اس کی نظیر یہ لکھی کہ اگر کوئی تعظیم وآداب کی نیت سے التحیات میں **اللهم صل على سيدنا محمد** پڑھے تو ''درمختار'' میں اس کو افضل لکھا گیا ہے، حالانکہ اس درود میں لفظ سیدنا منقول نہیں۔

اس کا جواب مولف براہین صفحہ ۱۵۴ پر لکھتے ہیں

صیغہ درود شریف میں لفظ سیدنا کی زیادتی کو یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں زیادتی یا تبدیل کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے وہاں انہی کہاں ہو سکتی ہے وہ تو خود ماورد بہ الشرع میں داخل ہے تو لفظ سیادت کے اضافے کی اجازت خود يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه میں موجود ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کے معنی تعظیم کے ہیں۔ اور صلوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں، اور اگر دعا کے معنی میں ہو تب بھی اس کی تعظیم لازم ہے کیونکہ جس کے واسطے دعا کی جائے گی اس کی توقیر وتعظیم لازم آئے گی۔ تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے سو ہر جگہ کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے فخر عالم کی تعظیم فرماتے ہیں تو جو لفظ وصیغہ کہ تعظیم کے معنی دے گا وہ خود مطلوب ہوگا جب کہ اس کی کوئی نہی وارد نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ قیام زیادہ کرنے کی اجازت بھی شرع میں موجود ہے۔ تعظیم وتوقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب ہونے کے سلسلہ میں دلائل، قیام کی ابتدائی بحث میں ہم لکھ چکے ہیں، شرعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی فردِ تعظیمی ہو کر مطلوبہ افرادِ تعظیم میں شامل اور ماورد بہ الشرع میں داخل ہے۔ نیز یہ کہ ذکر ولادت شریف کے وقت، درود وسلام بھی کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں تو جیسا لفظ صلوا بمعنی عظموا سے صیغہ تعظیم ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا یوں ہی اس وقت درود وسلام پڑھنے کے لیے یہ ہیئت

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۳۱ (۲) سورۂ نساء: ۴/ ۸۰ (۳) سورۂ فتح: ۴۸/ ۱۰

تعظیمی یعنی قیام ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا لہٰذا لفظ سیدنا کی طرح' قیام بھی افضل ہوگا۔ اور اسی پر درمختار کا قول بھی قیاس کر لیں (جسے مولف براہین گنگوہی نے بھی بطورِ سند رکھا ہے) تو یہ قیام فریق ثانی کے بتائے ہوئے دلائل سے بھی صحیح اور ثابت الاصل ہے۔ اسی وجہ سے سید برزنجی وغیرہ مفتیانِ دین اس قیام کے استحسان پر برابر فتاوے دے رہے ہیں۔

قیام کے سلسلے میں منکرین کے متفرق شبہات

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں صحابہ کرام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے' پھر اب قیام کس طرح جائز ہو؟

جواب: واقعی قیام نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتے دیکھتی کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ تخت پر بیٹھا رہتا اس وقت تک جملہ رعایا اس کے آگے پورے تواضع کے ساتھ کھڑی رہتی' ایسا قیام حقیقۃً ممنوع شرعی ہے جب کہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور اس قیام کو پسند کرے۔

لیکن محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل کے منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ وہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو۔ یہاں تو یہ بات ہے کہ میلاد خواں منبر پر کھڑا ہو کر درود وسلام اور نعت و مدح کے اشعار پڑھ رہا ہے جو خود فعل صحابہ سے ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم يَضَعُ لِحَسَّان مِنبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے جس پر کھڑے ہو کر حسان بن ثابت فخر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تھے۔

محفل میلاد شریف میں بھی میلاد خواں' منبر پر کھڑا ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے' اور جس وقت میلاد خواں کھڑا ہو جاتا ہے حاضرین بھی کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں ایک دوسری حدیث کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے جو مشکوٰۃ کے "باب القیام" کی تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَاماً . (۲)

حضور ﷺ ہمارے جلسہ میں ہمارے ساتھ بیٹھے حدیثیں بیان فرما رہے ہوتے' پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔

---

(۱) سنن ابوداوٗد: ۱۰/ ۶۶ حدیث: ۳۷۷۲' مشکوٰۃ المصابیح: ۳/ ۴۱ حدیث: ۴۸۰۵' شمائل ترمذی: ۱/ ۲۸۲ حدیث: ۲۴۷' مستدرک: ۱۴/ ۱۰۸ حدیث: ۶۰۹۹' تہذیب الآثار طبری: ۲/ ۴۱۶ حدیث: ۵۳۳' مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/ ۸ حدیث: ۴۶۲۳' معرفۃ الصحابہ: ۶/ ۳۳۴ حدیث: ۲۰۲۲' مسند الجامع: ۵۱/ ۳۳۱ حدیث: ۱۷۲۰۱' تحفۃ الاشراف: ۱۳/ ۴۷۸ حدیث: ۱۷۰۲۰' تخریج احادیث الاحیاء: ۵/ ۱۷۱ حدیث: ۲۱۷۱

اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (۴/ ۳۴ حدیث: ۳۵۰۱)

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ۳/ ۱۸ حدیث: ۴۷۰۵' سنن ابوداوٗد: ۱۲/ ۳۹۳ حدیث: ۴۱۴۵' شعب الایمان: ۱۸/ ۱ حدیث: ۸۲۳۶' المدخل الی السنن الکبریٰ: ۲/ ۱۰۳ حدیث: ۵۸۷' مسند ابن ابی شیبہ: ۱/ ۴۹۰ حدیث: ۴۷۷' کنز العمال: ۷/ ۲۲۱ حدیث: ۱۸۷۱۰' مسند الجامع: ۴۴/ ۲۰۹ حدیث: ۱۳۷۳۳' تحفۃ الاشراف: ۱۲/ ۲۰۹ حدیث: ۱۴۸۰۱

اس سے ثابت ہوا کہ حاضرین مجلس کو قیام میں موافقت کرنی چاہیے۔(۱)

تو اس قیام میں اور ترمذی کی منع قیام کی روایت (جسے مانعین بطورِ سند لاتے ہیں) میں بہت فرق ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے تو یہ بالکل غلط ہے۔ ابھی گزرا کہ حضرت حسان، فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کھڑے ہو کر کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی گزرا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو صحابہ بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لاتیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے' اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہو جاتی تھیں۔(۲) نیز صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ یہ اُسامہ بن شریک سے' بروایت صحیح' قسطلانی نے روایت کی ہے۔

نیز زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حنین میں حلیمہ سعدیہ کے آنے کی وجہ سے کھڑے ہوئے۔ اور سیرت حلبی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی باپ کے آنے کے وقت کھڑے ہوئے۔ نیز شاہ ولی اللہ نے مانعین قیام کا رد کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے) ''حجۃ اللہ البالغۃ'' دیکھیں۔

اعتـــــراض: حضرت کا نام سن کر تو کھڑے ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ کے نام پر نہیں کھڑے ہوتے' گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دے دی۔

جـــــواب: یہ اعلیٰ درجہ کی کم فہمی ہے۔ دیکھیں ہم نمازوں میں بکمال ادب' رو بہ قبلہ' اللہ تعالیٰ کے واسطے قیام کرتے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بحالت سجدہ خاک پر گر جاتے ہیں۔ ہر روز نماز فرض ونوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اس قدر کہ ولادت شریف کے ذکر پر آپ کے ظہورِ عظیم کی وجہ سے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب خیال کریں کہ رسول کی تعظیم' خدا سے زیادہ کہاں ہوئی؟۔

اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اذان وخطبہ میں بہت جگہ آتا ہے کہیں نہیں کھڑے ہوتے سوائے میلاد شریف کے' اور اس میں بھی جب خاص ذکر ولادت شریف آتا ہے۔

جـــــواب: ولادت شریف میں یہ مناسبت ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہوئے کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے' اور آنے والے کی تعظیم کے لیے جمہور فقہا ومحدثین کے مذہب کے مطابق' شرع میں قیام مستحسن ہے۔ اور یہ خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا بہت عظیم ہے۔

مبرد نے وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ کی تفسیر میں لکھا ہے

---

(۱) اور اگر حضرت حسان ایسا کرتے کہ پہلے بیٹھ کر پڑھتے پھر کھڑے ہو کر تو حاضرین مجلس بھی بالضرور ان کی موافقت کے ساتھ کھڑے ہو جایا کرتے لیکن وہاں یہ ہوتا کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان حضرت حسان کھڑے ہو کر اول سے شروع کرتے تھے تو وہ حالت خطیب کی حالت سے مشابہ ہوتی تھی ایسی صورت میں حاضرین نہیں اٹھا کرتے' بخلاف اس صورت کے کہ بیٹھنے میں شروع ہی سے شریک ہیں اور پھر اٹھے تو حاضرین اس کے ساتھ موافقت کرتے تھے۔ یہ احیاء العلوم کے قیام مجلس سماع کی شکل ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) متن حدیث: كانت إذا دخلت عليه قام إليها و كان اذا دخل عليها قامت إليه (مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۱۴۳ احدیث: ۴۶۸۹' سنن ابوداؤد: ۱۳/۳۴۳ حدیث: ۴۵۴۰' مستدرک حاکم: ۱۱/۶۱ حدیث: ۴۷۳۶' شعب الایمان بیہقی: ۱۸/۴۳۵ حدیث: ۸۶۴۶' صحیح ابن حبان: ۲۸/۴۴۷ حدیث: ۷۰۷۹)

أي تبالغوا في تعظيمه صلى الله عليه وسلم (۱)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ سے کام لو

اسی بنیاد پر محبین اُمت نے بطورِ مبالغہ یہ تعظیم کیا کہ جو قیام بادشاہ وامیر کی عین تشریف آوری کے موقع پر تعظیماً کیا جاتا ہے وہ آپ کے ذکر قدوم میمنت لزوم میں کیا گیا۔ اس پر کوئی اعتراض شرعی نہیں پڑسکتا سوا اس کے کہ ایجاد ہے تو طریقہ آداب کی ایجاد مستحب و مستحسن ہے۔ اس کا ذکر چند بار گزر چکا اور بدعت حسنہ کا وجود بھی شرع سے ثابت کیا جاچکا ہے۔

اعتراض: قیام کرنے والوں کو اس بات کی تعظیم منظور ہوتی ہے کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جائے تو وقت ولادت کی کیا خصوصیت تھی چاہیے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تھے یا حج یا جہاد سے پھر آئے تھے ہر قدوم کا ذکر سن کر کھڑے ہوجایا کرتے۔

جواب: ان قدومات میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے۔ یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اُسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے کہ جن میں آپ رونق افروز نہ ہوئے برخلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا تمام جہانوں پر رحمت ہے، جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائے گا اور جو چیز ثریا سے عرش تک ہے آپ کی ولادت سب کے لیے رحمت ہے

وَ مَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ . (۲)	اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

تو اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے اس اعلیٰ درجہ کے قدوم میں قیام کرنا امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں رائج ہوا، جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئی ہیں۔

اعتراض: اگر یہ قیام ذکر ولادت شریف کے واسطے خاص ہوا کہ اس میں معنی قدوم وجودی کے ہیں تو بہت وقتوں میں یہ ذکر احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں ہے: **لقد جاء كم رسول** اور حدیث میں ہے: **ولد النبي صلى الله عليه وسلم مختونا** اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ علاوہ بریں بہت مرتبہ آپ کی ولادت کا مضمون کسی شعر یا فقرۂ نثر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے، وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا۔

جواب: بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی خاص موقع میں جب دل اللہ کی طرف راغب ہوتا ہے تو وہاں ذوق و شوق سے جل جلالہ، جل شانہ، عم نوالہ۔ باقی اکثر اوقات میں دل غافل اور بے خبر ہوتا ہے، سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آجاتا ہے تو جل جلالہ وغیرہ الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے، بس یہی حال قیام کا بھی ہے بعض حالات میں نام رسول آتا ہے دل کو اس تعظیم خاص یعنی قیام سے غفلت ولاپرواہی ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں ہر قسم کے آداب و تعظیم کے سامان موجود ہیں خواہی نہ خواہی ہر عامی کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں اور تعظیم بجالاتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز نہ ہو، جب فرض نہیں بلکہ

(۱) دوسری تفاسیر میں اسی مفہوم کی ایک دوسری عبارت ملتی ہے
أن تبالغوا في تعظيمي . (بحر المدید: ۶/۳۱۲، تفسیر روح البیان: ۲۰/۴۸۱)

(۲) سورۂ انبیا: ۲۱/۱۰۷

مستحب اور مستحسن ہے تو موقع محفل میں کہ (وہاں امورِ استحسان و آداب موجود و مہیا ہیں) قیام بھی کرتے ہیں تا کہ اکرام اپنے جملہ لوازم کے ساتھ بتمام وکمال ہو اور جہاں تمام لوازم مروجہ منفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے صرف درود شریف پڑھ دیا یہ بھی تعظیم کا فائدہ دے جاتا ہے۔ اور اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ تعظیم مفروضہ کسی فرد میں بھی ادا ہو جاتی ہے اور عید میلاد کی تعظیم کو کثیر سامان اور متعدد افراد کے ساتھ ادا کرنا استحباب کے درجہ میں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف اور حدیث پڑھتے وقت جو یہ ذکر آئے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے کچھ خصائص ہوتے ہیں جو ہر جگہ نہیں کیے جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں اس کی صرف ایک مثال لکھی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''قول جمیل'' میں لکھتے ہیں

جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو تو اس کے سامنے جاتے وقت پڑھے: کھیٰعص کُفیتُ، اور ہر حرف پر داہنے ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے۔ پھر پڑھے: حمعسق حُمیتُ، اور ہر حرف پر بائیں ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے، پھر حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کھول دے۔ انتہیٰ۔

اب سمجھنا چاہیے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور کھولنا اس عمل کا خاصہ ہے، تو اب اگر کوئی کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی تلاوت کے دوران **کھیعص** اور **حمعسق** پڑھے تو وہاں بھی انگلیاں کھول اور بند کر لیا کرے۔ تو ہر عقل مند یہی کہے گا کہ اے بھائی وہ تو اس عمل کا خاصہ ہے جسے اسی عمل کے ساتھ خاص رکھنا چاہیے اور جب قرآن پڑھیں تو اس وقت قرآن کے آداب تلاوت ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ بس اسی طرح جب حدیث سیکھنے اور سکھانے یا وعظ و بیان وغیرہ کی غرض سے پڑھی جائے تو وہاں وہ آداب چاہئیں، اور جب اذان وغیرہ میں آپ کا نام آئے تو وہاں جو ماثور ہو وہ ادا کریں اور جب یہ ذکر مسرت و شادمانی کے اس جلسہ شکر و سپاس میں آئے تو وہاں تعظیم و سرور کا یہ عمل قیام کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور میلاد شریف اُخروی ثواب کو شامل ہونے کی وجہ سے خیر و برکت کا ایک بہترین عمل بھی ہے۔ چنانچہ ابو سعید بورانی، ابن جزری، سخاوی اور علی قاری وغیرہ نے اس عمل سے دین و دنیا کے منافع میں بے پایاں برکتوں کا حاصل ہونا لکھا ہے۔ نیز یہ عمل بہت سے اسلامی شہروں میں اہل اسلام کیا کرتے ہیں۔

یہ بھی ظاہر اور کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام نے اس عمل میں ذکر ولادت کے وقت بطور خاص قیام کیا ہے، لہٰذا بطورِ خاص سے یہ عمل خاص اسی موقع کے لیے قیام کا خاصہ ٹھہرا تو یہ قیام تمام خارجی مواقع مثلاً تلاوت قرآن، احادیث اور اذان وغیرہ میں جاری نہ کیا جائے گا جس طرح **کھیعص** میں بطورِ عمل انگلیاں کھولی اور بند کی جائیں گی مگر قرآن شریف پڑھتے وقت ایسا نہ کیا جائے گا، اور اعمال کی خصوصیات کو فقہا کی تخصیصات و تعینات مکروہہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

مولوی اسماعیل صاحب کی ''صراط مستقیم'' دیکھو کہ یک ضربی، دو ضربی، سہ ضربی اور حبس نفس و خیالات وغیرہ کے کیا کچھ تعینات اذکار اس میں درج ہیں۔ اس سے ہٹ کر ہم کہتے ہیں کہ علمائے دین کا کسی چیز کو مستحسن قرار دینا بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل و حجت ہے اور علمائے عرب و عجم نے صدہا سال سے اس موقع خاص میں قیام کو مستحسن فرمایا ہے۔ لہٰذا دوسرے موقع میں قیام کا یہ معمول عام نہ کیا جائے گا جب تک ان مواقع پر بھی علمائے امت استحسان کا فتویٰ نہ صادر فرمائیں۔ کسی امر استحسانی کو خاص موقع استحسان میں معمول کرنا ثابت ہے نہ کہ علی العموم۔

دیکھو بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت (حجاج) اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں جس کی دلیل علامہ زیلعی نے یہ لکھی کہ مقتضاے ادب یہی ہے کہ دربارِ شاہی سے یوں ہی الٹے پاؤں پشت پھیرے بغیر واپس ہوا جاتا ہے (بدعت حسنہ کے مباحث میں یہ مسئلہ فقہی روشنی میں ہم تشریح کے ساتھ لکھ چکے ہیں)۔

الحاصل حاجی لوگ جب اپنے دیس آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس وقت وہاں سے الٹے پاؤں پھرتے ہیں اور جب پنج وقتہ نماز پڑھ کر بیت اللہ سے نکلتے ہیں تو اس وقت اُلٹے پاؤں نہیں پھرتے حالانکہ ''دربارِ شاہی سے یوں ہی پھرا جاتا ہے'' والی علت پانچوں وقت میں موجود ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے خاص اسی وقت الٹے پاؤں پھرنے کو مستحسن کہا ہے تمام اوقات کی بابت نہیں۔ تو اب یوں ہی اس قیام کو بھی سمجھو کہ علماء کا استحسان خاص اسی موقع میں ہوا ہے۔

اعتراض: ولادت شریف ہونے کے وقت قیام ہونا چاہیے، اب یہ ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے، اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے بلکہ شریعت میں یہ حرام ہے، لہٰذا یہ قیام حرام ہوا۔

جواب: ذِکرِ ولادت شریف تو کوئی فرضی امر نہیں، یہ تذکرہ تو امر حسی اور موجود فی الخارج ہے زبانوں پر اس کے الفاظ جاری، کانوں میں اس کی صورت طاری اور دلوں میں اس کا ذوق ساری ہے تو ایسی حالت میں محبت اور ذوق وشوق کے ساتھ تعظیماً کھڑے ہو جائیں تو ایسا شرعاً محبوب ہے کیونکہ یہ تو آیت کریمہ: وَ مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ کی تعمیل میں داخل ہے۔

اور یہ بات کہ واقعہ گزر جانے کے بعد، اصل واقعہ کی طرح اس کا معاملہ کرنا شرع میں نہیں آیا تو یہ غلط ہے۔ صوم عاشورا کو دیکھو کہ کہاں فرعون کا ڈوبنا، موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور پھر اس کے شکرانے میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا۔ اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ نوروز چلا جاتا ہے حالانکہ فرعون کے غرق ہونے اور موسیٰ کی نجات پانے کا واقعہ تو اسی دور میں ہوا تھا، اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں لیکن روزہ کا معاملہ وہی کرتے ہیں جو اصل واقعہ کے وقت کیا تھا۔

اس کی دوسری نظیر یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لائے، مدینہ میں بخار کی بیماری تھی، مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست اور لاغر و نزار کر دیا ہے، ان سے تو طواف بھی نہ ہو سکے گا، یہ کہا اور مقام حجر کی طرف سے مشرکین ان کا تماشا دیکھنے لگے، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو، انھوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ لڑائی کے وقت کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے (یہ دیکھ کر) کفار یوں بول اٹھے، یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں۔ یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔(۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت رمل تو کفار کو دکھانے کے واسطے کیا گیا تھا لیکن پھر زمانے کے بعد جب حجۃ الوداع درپیش ہوا تو اس وقت بھی رمل کے طور پر وہی قوت رفتار دیکھنے میں آئی حالانکہ اس وقت وہاں قطعاً کوئی مشرک نہ تھا لیکن اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفتارِ تبختر کو برقرار رکھا، پھر آپ کے بعد خلفاے راشدین اور تابعین نے بھی قائم رکھا یہاں تک کہ اب تک کیا جاتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۶/ ۳۴۸ حدیث: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد: ۵/ ۲۳۴ حدیث: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۶/ ۳۹ حدیث: ۲۵۰۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/ ۸۲، سنن کبریٰ نسائی: ۲/ ۴۰۵ حدیث: ۳۹۴۲، شعب الایمان: ۹/ ۹۲ حدیث: ۳۹۰۲، صحیح ابن خزیمہ: ۱۰/ ۲۷ حدیث: ۲۵۱۴

اب دیکھیے کہ اصل حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ معاملہ آج تک بالکل حقیقت کا سا کیا جاتا ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا، حالاں کہ اب اصل علت موجود نہیں یعنی اب تو حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جس کو اپنی طاقت، جواں مردی اور بہادری کی چال دکھائی جائے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ اس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

ثم بقي الحكم بعد زوال السبب في زمن النبي عليه السلام و بعده.(۱)

سبب ختم ہو جانے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آپ کے بعد بھی یہ حکم بدستور باقی رہا۔

شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے

معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز ایں حکم باقی ست۔

علت زائل ہو جانے کے باوجود یہ حکم ابھی تک باقی ہے۔

تو حضرت سلامت! حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی حقیقت کا سا معاملہ کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں، اور جس چیز کی نظیر پائی جائے وہ مولوی اسماعیل صاحب کے قاعدے کے مطابق بدعت نہیں ہوتی۔

الحاصل! جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوعِ ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں۔ چنانچہ میلاد کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں، آدمی کا تو وہاں کوئی گزر ہی نہ تھا جس کا گزر تھا وہ حالت قیام میں تھا، تو اب بھی جب ذکر آئے تو وہی قیام امت تعظیماً جاری ہے تو اصل شرعی کے مخالف ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دو اصلیں اس تحقیق میں ابھی منقول ہوئیں اور تماشا یہ ہے کہ جناب معترض صاحب صوفی بھی ہیں اور آپ کے یہاں تصور شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے۔ آپ کے بزرگوار فرماتے ہیں

و الركن الأعظم ربط القلب بالشيخ على وصف المحبة و التعظيم و ملاحظة صورته. انتہیٰ.

رکن اعظم دل کو شیخ کی محبت و تعظیم سے مربوط رکھنے اور اس کی صورت کو ملاحظہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اسی رسالہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں

فاحضر في خيالك صورة شيخك فإنه يرجى ببركته تبدل التفرقة بالجمعية.

اپنے شیخ کی صورت اپنے خیال کے سامنے رکھ، کیوں کہ امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ، جمعیت سے بدل جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے (اپنے والد کی وفات کے بعد) سلوک کی تکمیل کی ہے، اپنی سبیل الرشاد میں مرشد (یعنی شاہ ولی اللہ) کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں

اگر وقت دوری شیخ کسے استفاضہ خواہد طریقش آنست کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گزارد و ہماں جا نشستہ صورت شیخے کہ از وے فیض می جوید بجمع ہمت و دفع خطرات ملاحظہ نماید۔ الیٰ آخرہ۔

اگر کوئی اپنے شیخ سے دور رہ کر مستفیض ہونا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فارغ دل ہو کر وضو بنائے، نماز پڑھے اور اسی جگہ بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ اپنے شیخ کی صورت ذہن نشین کر کے دفع خطرات کے لیے ان کی مدد طلب کرے۔

---

(۱) عنایہ شرح ہدایہ: ۴۳۹/۳۔ باب الاحرام

امام ربانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب سی ام (۳۰) میں کثرت تصور شیخ کے لیے لکھتے ہیں

ایں قسم دولت سعادت منداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند۔(۱)	یہ دولت بے بہا صرف سعادتمندوں ہی کو حاصل ہے یہاں تک کہ تمام حالات میں ضرورت منداپنا ایک واسطہ سمجھ کر ہر حالت میں اس کی جانب متوجہ ہو۔

مولانا مرحوم شیخ محمد محدث تھانوی (جن سے مولوی رشید احمد صاحب نے بھی کچھ حدیث پڑھی ہے) ''انوارِ محمدی'' میں لکھتے ہیں

باید کہ مرشد وے را (یعنی مرید را) بوقت پراگندگی خاطر وعدم جمعیت برائے ملاحظہ صورت خود بدیں معنی امر فرماید کہ صورت مرا واوضاع مرا واطوار مرا واخلاق مرا مثل ریش وخال و خدولباس وغیرہ آں چناں بصورت خیالیہ خود منقوش خاطر کن کہ دراں محو گردی۔الخ۔	پریشانی اور پراگندگی خاطر کے وقت ایک مرید کو اپنے مرشد کی صورت مدنظر رکھنا چاہیے۔اسی معنی میں انھوں نے یہ حکم دیا کہ میری ظاہری صورت وسیرت اور اخلاق اطوار جیسے داڑھی، خد وخال اور لباس وغیرہ کا تصور اپنے خیال میں جما کر اپنی ذات کو محو کردے۔

خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے باادب بیٹھتے ہیں ویسے ہی حالت دوری میں یہ تصور شیخ کر کے مودب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مدنظر رکھتے ہیں۔

اس سے دو فائدے پیدا ہوئے۔

ایک یہ کہ جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح وخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہادیِ سبل اور مرشد کل ہیں، غلبہ محبت کے ساتھ ان کا تصور کیوں کر نہ نفع بخش ہوگا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب تعظیم مرشد حالت تصور میں بھی ہے تو گویا حقیقت کا یہ معاملہ حقیقت کی عدم موجودگی میں کیا جاتا ہے 'لہٰذا معترض صاحب پر از روئے طریقت ہماری یہ حجت قائم ہوگئی' اور صوم عاشورا اور حالت طواف میں رمل کے ساتھ چلنے کی دو حجتیں از روئے شریعت قائم ہوئیں۔فالسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

اعتراض: کہتے ہیں (۲) کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شمار کیے جاتے ہیں وہ خود قیام کو بدعت اور لا اصل لہا لکھتے ہیں تو یہ قیام بدعت سیۂ ضلالت ہوا۔سیرت شامی میں ان کی عبارت یوں ہے

جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم أن يقوموا تعظيما له صلى الله عليه وسلم و هذا القيام بدعة لا أصل لها . (۳)	بہت سے اہل محبت کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذکر ولادت اور توصیف رسالت سنتے ہیں، تو تعظیم نبوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔جب کہ یہ قیام بدعت ہے، شریعت میں جس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب: اس عبارت سے جو لوگ قیام کا ضلالت اور برا ہونا نکالتے ہیں، کمال بوالعجبی ہے اس لیے کہ اس کا بدعت ہونا تو مسلم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس کا رواج نہ تھا لیکن اس وقت رائج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ

(۱) مکتوبات دوم:۷۰　(۲) حاشیہ: یہ اعتراض مولوی عبدالواحد وغیرہ منکرین نے کیا ہے۔۱۲۔منہ　(۳) سبل الہدیٰ والرشاد:۳۴۴/۱

ضلالت ہو، کیوں کہ مجتہدین اور محدثین کے قول سے بدعت کا حسنہ اور سیئہ ہونا ثابت ہو چکا ہے (جسے نورِ اول کے لمعہ خامسہ میں ہم نقل کر چکے ہیں)۔

سیرت حلبی میں ہے

و قد قال ابن حجر الهيثمي : و الحاصل أن البدعة الحسنة متفق على ندبها، و عمل المولد و اجتماع الناس له كذلك أي بدعة حسنة. انتهى.(۱)

علامہ ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے، اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنا اور اس میں لوگوں کا اکھٹا ہونا بدعت کی اسی قسم حسنہ میں شامل ہے۔

اور یہ ابن حجر اس رائج قیام کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ جوازِ قیام کے سلسلے میں ان کے "مولد کبیر" کی عبارت عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے۔ لہٰذا ہیئت مروجہ کے ساتھ یہ عمل مولد بالاتفاق بدعت حسنہ ٹھہرا اس لیے کہ لفظ 'کذالک' کا اشارہ جس طرح بدعت حسنہ کی طرف ہے یوں ہی 'متفق على ندبها' کی طرف بھی ہے (کمالا یخفیٰ) تو قیام کے بدعت سیئہ ہونے کے سلسلے میں مانعین کا استدلال (جو وہ سیرت شامی سے کرتے تھے) اس تقریر کی روشنی میں ساقط ہو گیا۔ اور اگر لفظ 'لا اصل لها' سے مانعین کو کچھ دھوکا ہے کہ انھوں نے جو لا أصل لها لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ جہاں لفظ لا أصل لها آیا کرے وہاں بدعت سیئہ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے۔ اس پر دو دلیلیں پیش کرتا ہوں۔

"مجمع البحار" مطبوعہ نول کشور جلد ثالث کے خاتمہ پر صفحہ ۵۱۲ میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو سونگھنے کے وقت درود پڑھنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہے

أما الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم عند ذلک و نحوه فلا أصل لها و مع ذلک فلا كراهة في ذلک عندنا الخ .

ایسے موقعوں پر درود شریف پڑھنے کی کوئی اصل تو نہیں ملتی، تاہم ایسا کرنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا أصـــل لهـــا سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناجائز ہو جایا کرے۔ اور مولوی محمد اسحٰق صاحب "مسائل اربعین" کے چودہویں مسئلہ یعنی نوشہ کو سلامی کے طور پر کچھ دینار اور دولہن کو منہ دکھائی کے طور پر کچھ دینار دینا کیسا ہے؟ کے جواب میں فرماتے ہیں

درشریعت محمدی اصل ایں چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں چیز ہا کہ دادن سلامی ورونمائی است مباح باشد۔ الیٰ آخرہ۔

گرچہ ان چیزوں کی شریعت محمدی میں کوئی اصل تو نہیں ملتی، تاہم سلامی و رونمائی کے طور پر کچھ دینا مباح ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بدعت ہونے اور عہد رسالت میں اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی حرمت وکراہت نہیں لازم آتی۔ تو سیرت شامی میں بدعت کو لا اصـل لها کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور جب مانعین کی دلیل ٹوٹ گئی تو اب ہم سیرت شامی کے وہ قرائن ودلائل پیش کر رہے ہیں جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے

(۱) السیرۃ الحلبیۃ: ۱۲۲/۱

جرت عادة كثير من المحبين .

اول تو لفظ 'اجرائے عادت' کسی چیز کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا ہے

و بذلک جرت العادة الفاشيَّة وهي من إحدى الحجج . (۱)

اس کے ساتھ یوں ہی عادت ظاہرہ جاری ہوئی اور یہ عادت ظاہرہ دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر مابعد کی عادت ہو تو بھی ایک طرح کی سند ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ . (۲)

جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

یہاں "مسلمون" سے صحابہ کی ذات مراد لینا درست نہیں' اس لیے کہ نصوص میں لفظ کا اطلاق لیا جاتا ہے: العبرة لعموم الألفاظ. (یعنی اعتبار عموم لفظ ہی کا ہوتا ہے) تو حدیث میں لفظ 'مسلمون' آیا ہے' اور مطلق لفظ میں فرد کامل مراد ہوتا ہے تو (مطلب یہ ہوا کہ) جس دور کے کامل مسلمان یعنی علمائے کرام کسی بات کو اچھا جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہوگی۔

---

(۱) العنایہ شرح الہدایہ: ۱۹۶/۴۔ فصل فی جزاء الصید

(۲) معجم اوسط طبرانی: ۲۶۳/۸ حدیث: ۳۷۴۰' مستدرک حاکم: ۲۵۷/۱۰ حدیث: ۴۴۳۹' مسند احمد: ۴۵۳/۷ حدیث: ۳۴۱۸' امالی ابن مردویہ: ۱۹/۱ حدیث: ۱۸' فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۲۶/۲ حدیث: ۵۱۷' معجم ابن الاعرابی: ۳۴۴/۲ حدیث: ۸۴۳' مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱۰۷/۱' المقاصد الحسنہ: ۱۹۶/۱' الدرر المنتثرہ: ۱۹/۱' کشف الخفاء: ۱۸۸/۲ حدیث: ۲۲۱۴' تذکرۃ الموضوعات: ۹۱/۱' نصب الرایہ: ۴۳۴/۱۰-اخذ اجرۃ الحمام والحجام-' تفسیر آلوسی: ۳۹۳/۲۱' تفسیر رازی: ۱۸۰/۱' درمنثور: ۱۲۹/۴' الاحکام فی اصول القرآن: ۸۴/۱-باب فی الاجماع-' الحبائک فی اخبار الملائک: ۶۶/۱' محبۃ الرسول بین الاتباع والابتداع: ۱۲۱/۱' شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیۃ: ۱۳۴/۳' شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۵۳۰/۱' علل دارقطنی: ۶۶/۵ حدیث: ۷۱۱' حاشیۃ رد المحتار: ۴۲۰/۱' تحفۃ الفقہاء: ۲۳۹/۱' المبسوط: ۲۷۹/۱۴-کتاب الوقف-' تبیین الحقائق ۱۶۶/۱۰-کتاب الشرکۃ-' فتح القدیر: ۳۱۰/۱۵-باب الربا-' درغرر: ۳۷۴/۳-فصل لبس الرجل للحریر-' الفتاویٰ الہندیہ: ۲۲۸/۵۰-فی الاشربۃ-' الاحکام آمدی: ۲۱۹/۱' الاشباہ والنظائر: ۸/۱-فی شرح القواعد-' تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام: ۱۶/۴' درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام: ۶۵/۱' سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۷۷/۱۰' زاد المعاد: ۴۰۷/۵' الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱۰۳/۱' تاریخ الخلفاء: ۲۵/۱' البدایۃ والنہایۃ: ۳۶۱/۱۰' معجم الادباء: ۲۹۲/۱' فص الخواتم فیما قیل فی الولائم: ۱۰/۱' الفقہ والشریعۃ: ۴۵/۱' بہجۃ قلوب الابرار وقرۃ عیون الاخیار فی شرح جوامع الاخبار: ۵۹/۱

ذیل کی کتابوں میں "المسلمون حسنا" کی بجائے "المومنون حسنا" کا لفظ ملتا ہے

کنز العمال: ' معجم کبیر طبرانی ۱۲/۸ حدیث: ۸۵۰۴' معرفۃ السنن والآثار: ۷/۳' معرفۃ الصحابہ: ۵۷/۱ حدیث: ۴۱' مسند طیالسی: ۲۵۵/۱ حدیث: ۲۴۰' کشف الخفاء: ۱۸۸/۲ حدیث: ۲۲۱۴' کنز العمال: ۴۸۵/۱۲ حدیث: ۳۵۵۹۰' تفسیر آلوسی: ۴/۱' شرح ابن بطال: ۴۳۰/۱۵' فیض القدیر: ۵۷۷/۵' بحر الفوائد المسمّٰی بمعانی الاخبار کلاباذی: ۱۹۶/۱ حدیث: ۱۲۹' بدائع الصنائع: ۲۳۵/۶-فصل فی شرائط رکن الیمین باللہ-' العنایۃ شرح الہدایۃ: ۴۰۱/۱-باب الاذان-' بحر الرائق: ۴۲۵/۱۴-جعل الواقف غلۃ الوقف لنفسہ-' مجمع الانہر: ۱۸۶/۷-باب الاجارۃ الفاسدۃ-' فتاویٰ السبکی: ۳۳/۲-تنزل السکینۃ علی قنادیل المدینۃ-' فتاویٰ الرملی: ۱۱/۴-شروط قبول الوصیۃ-' قوت القلوب: ۱۰۹/۱-کتاب محاسبۃ النفس ومراعاۃ الوقت-' بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ وشریعت نبویہ: ۹۷/۵' اعلام الموقعین عن رب العالمین: ۸۳/۱' شرح الکواکب المنیر: ۴۰/۳' الطرق الحکمیۃ: ۱۲۸/۱' تاریخ دمشق: ۲۹۴/۳۰

اس کی چند نظیریں ملاحظہ کریں۔

مجمع البحار جلد سوم کے صفحہ ۱۰۷ پر ہے

إن محبة قلوب العباد علامة محبة الله و ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن .

بندگانِ خدا کا کسی چیز کو محبوب و مقبول رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کو بھی محبوب ہے' کیوں کہ جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

فقیہ شامی نے لکھا ہے کہ اذان وتکبیر کے درمیان تیاریِ نماز کے لیے کسی عمل متعارف کے ساتھ لوگوں کو مطلع کرنا مستحسن ہے' اس کی دلیل یہ ہے

ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن .

جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

اور چند موذن جمع ہو کر اذان کہنے کے سلسلے میں بھی اسی کو پیش کیا کہ: ما رآه المسلمون حسنا .الخ.

درمختار میں ہے

لأن التعامل يترك به القياس لحديث : ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن . (۱)

کیوں کہ تعامل کی بنیاد پر قیاس متروک ہوجاتا ہے' دلیل وہی حدیث ہے کہ جسے اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

اس کے ذیل میں فقیہ شامی نے لکھا ہے

و ظاهر ما مر في مسئلة البقرة اعتبار العرف الحادث ' فلا يلزَم كونه من عهد الصحابة . (۲)

مسئلہ بقرہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تعامل میں کچھ صحابہ ہی کی کوئی قید نہیں' عرف حادث بھی نص کا سا کام دیتا ہے جس کی دلیل ما رآہ المسلمون حسنا ہے۔ الخ۔

لہٰذا ما رآہ المسلمون حسنا کا حکم صحابہ پر منحصر رکھنا فتاویٰ' شروح ومتون اور اکابر مفتیانِ دین کی تصانیف کے خلاف ہے۔ جس کی ان علماء نے صحابہ کے بعد امورِ مروّجہ کے استحسان پر سند پکڑی ہے' نیز مفتیانِ دین جا بجا فتوے کے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں

عليه العمل' و عليه المسلمون' و به جرى التعامل' و هو المتوارث .

اسی پر عمل ہے' مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں' یوں ہی لوگوں کا برتاؤ جاری ہے' اور ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم کی جلد دوم میں ''قیام کی تحقیق میں'' لکھتے ہیں

و لكن إذا لم يثبت فيه نهي عام فلا نرى به بأسا في البلاد التي جرت العادة فيها بإكرام الداخل بالقيام . (۳)

لیکن چونکہ قیام کے سلسلے میں کوئی نہی عام ثابت نہیں ہوئی اس لیے ہم اس میں ان شہروں کی بابت کچھ حرج نہیں سمجھتے جہاں قیام کی عادت جاری ہوگئی ہے۔ کیوں کہ اس میں تو آنے والے کی تعظیم ہے۔

(۱) درمختار: ۵۶۱/۴ (۲) ردالمحتار: ۲۵۰/۷۔ مطلب فی وقف المنقول قصدا (۳) احیاء علوم الدین: ۱۴۲/۲

دوسرا قرینہ: یہ کہ شامی نے عادۃ لکھا تو کثیر کی عادۃ لکھا، اور اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت کا کسی ایک عمل پر قائم ہوجانا بھی ایک سند ہے۔ شامی شارح درمختار نے لکھا ہے

و الاعتماد علی ما علیه الجم الکثیر . (۱) اعتماد و بھروسا اس پر ہوتا ہے، جس پر ایک بڑی جماعت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ . (۲) سوادِ اعظم کی اتباع کرو۔

لہٰذا سوادِ اعظم کا عمل بھی استحباب کی ایک دلیل ہے۔

تیسرا قرینہ: یہ کہ یہ عمل کثیر کس کا ہے؟ محبین کا۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اہل ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے

لاَ یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِیْنَ . (۳) تم میں کا کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد و اولاد بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و عزیز نہ ہوجاؤں۔

تو جب اہل محبت کا ایمان ہی کامل ہوا، اور اہل محبت ہی کا عمل اس پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے اگر ایسے مومنین کاملین کی ایک بڑی جماعت کا یہ فعل ضلالت یا برا قرار دیں۔

چوتھا قرینہ: یہ کہ شامی نے ان کے قیام کی وجہ بھی بتادی کہ ان کا قیام کسی نفسانی غرض یا ہوائے شیطانی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ یہ تو خاص تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اور یہ بات جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا شرع نے ہم سے مطالبہ کیا ہے یا نہیں، اور یہ کہ ادب کی نیت سے کھڑے ہونا مفید تعظیم ہے یا نہیں، پھر جب اُن کا قیام تعظیم پر مبنی ہوا

---

(۱) ردالمحتار: ۷/۳۰۴ (باب صدقۃ الفطر)

(۲) کنز العمال: ۱/۲۰۶ حدیث: ۱۰۳۰، کشف الخفاء: ۲/۳۹۱ حدیث: ۳۲۲۳، المقاصد الحسنۃ: ۱/۹۶

(۳) صحیح بخاری: ۱/۲۴ حدیث: ۱۴، صحیح مسلم: ۱/۱۵۶ حدیث: ۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱/۷ حدیث: ۶۶، مشکوۃ المصابیح: ۱/۲ حدیث: ۷، مسند احمد: ۲۵/۳۹۵ حدیث: ۱۲۳۴۹، سنن کبریٰ نسائی: ۶/۵۳۴ حدیث: ۱۱۷۴۴، مستدرک: ۸/۴۹۴ حدیث: ۳۷۶۴، معجم اوسط طبرانی: ۱۹/۱۸۸ حدیث: ۹۱۰۵، شعب الایمان: ۳/۴۱۴ حدیث: ۱۳۶۴، سنن دارمی: ۸/۴۱۶ حدیث: ۲۷۹۷، مستخرج ابوعوانہ: ۱/۸۰ حدیث: ۳، مسند ابویعلی موصلی: ۷/۸۳ حدیث: ۲۹۷۰، صحیح ابن حبان: ۱/۳۵۱ حدیث: ۱۷۹، مسند عبد بن حمید: ۳/۲۹۸ حدیث: ۱۱۷۸، مسند الشامیین: ۷/۳۷۳ حدیث: ۲۵۲۶، الاربعون الصغریٰ بیہقی: ۱/۵۳ حدیث: ۳۹، الایمان لابن مندہ: ۱/۳۵۱ حدیث: ۲۹۰، السنۃ لابی بکر خلال: ۳/۳۱۱ حدیث: ۱۲۴۸، جامع معمر بن راشد: ۳/۱۰۲ حدیث: ۹۳۵، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ لالکائی: ۴/۲۰۲ حدیث: ۱۳۱۴، معجم ابن الاعرابی: ۳/۱۵ حدیث: ۱۰۱۴، کنز العمال: ۱/۳۷ حدیث: ۷۰، مجمع الزوائد: ۱/۸۸، المسند الجامع: ۱/۳۴۲ حدیث: ۲۰۶، تحفۃ الاشراف: ۳/۳۵۴ حدیث: ۱۲۴۹، اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنۃ: ۱/۲۳۳ حدیث: ۳، محبۃ الرسول بین الاتباع والابتداع: ۱/۵۴، فتح الباری لابن رجب: ۱/۲۲ حدیث: ۱۵، شرح الاربعین النوویۃ فی الاحادیث الصحیحۃ النبویۃ: ۱/۳۶، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی: ۱۴/۳۱۳، فی خصائص النبی، الفتاویٰ الکبریٰ: ۷/۲۴۴، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۱/۴۳۰، جذوۃ المقتبس من ذکر ولاۃ الاندلس: ۱/۱۲۲، معجم اصحاب القاضی ابی علی الصدفی: ۱/۱۲۲، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس: ۱/۴۶

تو ضرور بالضرور وہ مستحب اور مستحسن ٹھہرا۔(۱)

پانچواں قرینہ: یہ کہ اگر محدث شامی کو قیام کا منع کرنا منظور ہوتا تو وہ اس قسم کے الفاظ لکھتے جو منکرین قیام نے لکھے ہیں جیسا کہ جون پوری صاحب فرماتے ہیں

ما یفعله العوام عند ذکر وضع خیر الأنام علیه التحیة و السلام لیس بشیء بل مکروہ .

سیرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے وقت عوام جو عمل کرتی ہے وہ بالکل بلاوجہ اور مکروہ ہے۔

دوسرے گجراتی صاحب لکھتے ہیں

قد أحدث بعض جهال المشائخ أمورا کثیرۃ لا نجد لها أصلا و لا اسما في کتاب و لا سنة منها القیام عند ذکر ولادته صلی الله علیه وسلم .

بعض نا آشنائے شریعت شیخوں نے کچھ ایسے کام ایجاد کر رکھے ہیں جن کی اصل نہ تو کتاب میں ملتی ہے اور نہ ہی سنت میں۔ جیسے ذکر ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا۔

تو اس فعل پر انکار کرنے والے یہ مانعین تو قیام کرنے والوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ و غضب سے ان کو عوام اور جہال وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

الحاصل! عبارت شامی کے ماقبل و مابعد کے قرائن اور سیاق وسباق سے قطع نظر اس ایک فقرہ کے یہ خاص خاص قرینے صریح دلالت کرتے ہیں کہ محدث شامی کی مراد یہ ہے کہ قیام کی اصل صدر اول سے تو نہیں پائی گئی لیکن اہل اسلام سے محبین کی ایک بڑی جماعت تعظیماً قیام کرتی ہے تو یہ الفاظ تو درحقیقت اہل ایمان کو ترغیب دیتے ہیں کہ جس کے دل میں محبت ہو اور تعظیم رسول مدنظر ہو وہ قیام کرے۔ اس عبارت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے ایک تو مادۂ علمی درکار ہے اور دوسرے، ہدایت الٰہی جو کہ قلب مومن میں القا ہوتی ہے۔ لیکن جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجیے!

وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ . (۲)

اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

اب دیکھیے اسی عبارت شامی کے لفظ **لا أصل لها** کی بیدار دل محدثین کس طرح شرح کرتے ہیں۔ علامہ نورالدین حلبی نے شامی کی یہ عبارت لکھ کر اس کے آگے یہ لکھا ہے

أی لکن هي بدعة حسنة لأنه لیس کل بدعة مذمومة . (۳)

مگر یہ بدعت حسنہ ہے کیوں کہ ہر بدعت مذموم ہی نہیں ہوتی۔

---

(۱) حاشیہ: سیرت شامی میں قیام کی جو یہ وجہ بیان کردی کہ ''تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں'' تو اس سے ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی۔ یعنی یہ بات شرع میں خود ثابت ہے کہ جو کوئی شعائر کی تعظیم کرے تو یہ تقویٰ دل پر دلیل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعظم شعائر اللہ سے ہیں اور یہ بھی شرعاً ثابت ہے کہ قیام مفید تعظیم ہے۔ چنانچہ اس رسالہ ہی میں چند مواقع پر قیام تعظیمی کو شرعاً ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی کہ اس قیام میں تعظیم رسول ہے اور تعظیم رسول امر محمود ہے۔ لیکن چوں کہ عہد صحابہ میں یہ خاص فردِ تعظیم اس ہیئت کے ساتھ نہ پائی گئی تو اسی کے پیش نظر شامی نے ''لا اصل لہا'' لکھ دیا۔ ورنہ حضرت شامی رحمہ اللہ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اس قیام کے جواز واباحت یا استحسان پر کوئی دلیل اور کوئی اصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کا ''ان یقوموا تعظیما لہ'' لکھ دینا خود تصریح ہے قیام کی دلیل اور اصل بیان کرنے پر۔۱۲۔ منہ

(۲) سورۂ نور: ۲۴/ ۴۰

(۳) السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۱۲۱

یہ عبارت سیرت حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۱۴ میں موجود ہے۔ اور علامہ حلبی نے اپنی اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ سیرت الشّمس کی عبارت لیتا ہوں شروع میں لفظ أی لاتا ہوں، تو اس جگہ لفظ أی کا آنا اس کی دلیل ہے کہ صاحب سیرت الشّمس بھی اس قیام کو بدعت حسنہ فرماتے ہیں لہٰذا دونوں محدثوں یعنی حلبی اور صاحب سیرت الشّمس کا اس پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ سیرت شامی کے کلام سے جو قیام بدعت معلوم ہوتا تھا وہ سیئہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔

پھر حلبی نے لکھا کہ بدعت بالاتفاق جائز ہے۔ تو تقریر حلبی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ یہ قیام جائز ہے۔ چنانچہ مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ ۲۴۲ میں اس کو مان لیا ہے مگر یہ مغالطہ دیا کہ

وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں: مولف کا یہ لکھنا کہ اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ نہ تھا' غلط ہے۔ اس لیے کہ خود سیرت حلبی میں یہ لفظ موجود ہے

إذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم. (۱) جب ولادت شریف کا ذکر سنتے ہیں اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تو اُن کا قیام اِس قیام کے ساتھ مقید تھا۔ دوسری بات یہ کہ عوام کا کوئی اندیشہ نہ تھا' یہ بھی صحیح نہیں' اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک کسی وقت میں عوام لوگ صفحہ روزگار سے غائب نہیں ہوئے' اور عوام کی طرف سے کبھی مطمئن اور بے اندیشہ نہیں ہوئے' احادیث و آثار اور فتاوی پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں' اس بنیاد پر یہ بات بہت لچر ہے کہ حلبی کے وقت' اندیشہ عوام نہ تھا۔ کیوں صاحب! کیوں اندیشہ نہ تھا؟ خود تمہارے جون پوری کی عبارت اس قیام کی بابت قریب ہی گزری

ما يفعله العوام .الخ.

دوسرے حضرت گجراتی کی عبارت بھی اوپر گزر چکی

قد أحدث بعض جهال المشائخ .الخ.

دیکھیے آپ کے پیشواؤں نے عوام اور مشائخ جہال کو قیام کرتے دیکھا لیکن یہ اُن سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ عوام اور جہال ہی نے یہ قیام ایجاد کیا ہے' اُن کو یہ خبر نہ ہوئی کہ بڑے بڑے علماء محبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شیخ عبداللہ سراج رحمۃ اللہ علیہ مفتی عرب نے لکھا ہے

أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام و أقره الحكام. میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے وقت جب ذکر ولادت آتا ہے اس وقت قیام کرنے کو بڑے بڑے علماء کرام اس کو جائز قرار دیتے چلے آئے ہیں اور بادشاہان حکام نے بھی اس کو باقی رکھا۔(۲)

(۱) نفس مصدر: ۱/۱۲۱

(۲) حاشیہ: تو اس مفتی بلیغ نے کیا عمدہ عبارت لکھی ہے اس لیے کہ اُولی الأمر منکم کی تفسیر بعض نے سلاطین کے ساتھ کی ہے اور بعض نے علمائے دین کے ساتھ؛ تو جب اس مفتی نے یہ ثابت کر دیا کہ بڑے بڑے علمائے دین اور ائمہ وقت طبقۃً بعد طبقۃ اس کو جائز رکھتے آئے ہیں اور بادشاہان اسلام نے اس قیام کو مقرر و قائم رکھا ہے تو حکم قیام دونوں فریق سے ثابت ہو گیا۔ اور ان دونوں فریق کی اطاعت قرآن کی رو سے ہم پر ضروری ہے لہٰذا اس قیام کا ہرگز انکار نہ کرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاوتعظیما قیام کے ساتھ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے سلسلے میں فرماتے ہیں

و علماء العرب و المصر و الشام و الروم و الأندلس کلهم رأوه حسنا من زمان السلف إلى الآنز. الخ.

اس عمل میلاد مع القیام کو عرب، مصر، شام، روم اور اندلس وغیرہ کے علمائے کرام سلف صالحین کے عہد ہی سے جائز سمجھتے آرہے ہیں۔

الحاصل! مولف براہین کا اس قیام کے بارے میں یہ لکھنا کہ علماء اس کو جائز جانتے تھے نہایت صحیح ہے۔ پھر یہ شاخ نکالی کہ اُس وقت اندیشہ عوام نہ تھا یا یہ کہ وہ قیام مقید نہ تھا بالکل غلط ہے۔

اعتـــــــراض: یہ لوگ اگر قیام کو مباح و مستحسن جانتے تو واجب کی طرح دائمی کیوں کرتے ہیں حالاں کہ امر مستحب بھی اصرار کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔

جواب: امور مستحبّہ کا دوام علی العموم مکروہ نہیں بلکہ بعض مخصوص صورتوں میں بعض فقہا تحریر فرماتے ہیں جسے ہمارے فحوائے کلام سے سمجھ لو۔ اس مسئلہ قیام کی تحقیق یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسنات سے سمجھتے ہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے اور تمام اسلامی شہروں میں اسی پر عمل ہے۔ منکرین میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اس قیام کو حرام کہتا ہے، بعض بدعت مطلقہ اور بعض شرک قرار دیتا ہے۔ تو اس صورت میں اگر مجوزین قیام بھی ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں یہ بات سما جائے کہ یہ قیام بلاشبہہ ممنوع ہے کہ انھوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں حکم شرعی بدل جائے گا۔ اور ہم دلائل شرعیہ سے اس قیام کے اباحت و استحسان کو اس کتاب میں ثابت کر چکے ہیں تو جب ایک امر مباح و مستحسن کو لوگ، شرک و کفر اور حرام سمجھنے لگیں تو حدودِ الٰہیہ میں اس سے زیادہ تعدی اور کیا ہوگی، جس طرح ایک مستحب کو واجب سمجھنے میں شریعت کا تغیر ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں بھی احکام الٰہیہ میں تغیر و تبدل ہے۔ تو اسی مصلحت کی بنیاد پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس قیام کو ترک نہ کیا کریں، ہاں! اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ اس کے استحباب میں کسی کو کلام نہ ہوتا تو اس صورت میں اس کا دوام واہتمام (بقول ان بعض فقہا کے) نہ کیا جاتا کیوں کہ ایک ایسا امر جو سب کے نزدیک بالاتفاق محمود ہو اور کوئی اس میں انکار نہ کرتا ہو بلکہ سب اس کو کمالِ اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت سے عوام کے دلوں میں وجوب و فرضیت کا شبہہ البتہ پڑسکتا ہے اور وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور سبھی کمال تاکید اور التزام و اہتمام کے ساتھ بالاتفاق کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض یا واجب ہوگا تو صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلا سند میں لاتے ہیں درحقیقت وہ ایسے ہی متفقہ مندوب و مستحب کے حق میں ہے

المندوب ینقلب مکروها إذا خیف أن یرفع عن رتبته.

مندوب اس وقت مکروہ سے بدل جاتا ہے جب اس کا خوف ہو کہ وہ اپنے مقام سے بلند ہو جائے۔

برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کو کیا کیا گفتگوئیں ہیں بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین قیام، قیام کے سلسلہ میں استحسان کے اقرار کے فتاوے جابجا چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقل سلیم اس بات کو باور کرے گی کہ قیام کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شائبہ بھی کسی دل میں پیدا ہوگا۔ حاشا وکلا۔

قلب الدلیل: ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مندوب کا مکروہ ہو جانا صاحب مجمع البحار سے نقل فرمایا ہے تو مجمع البحار میں یہ

بھی لکھا ہوا ہے کہ بعض احکام تبدیلی زمانہ کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔اور مسجد کی زینت کو صاحب مجمع البحار نے ممنوع لکھا تھا لیکن جب لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو زینت نہ دی جائے تو مسجد کی تحقیر لازم آئے گی۔

مجمع البحار کی جلد دوم 'شرف' کے معنی کی تحقیق کے تحت' قبر پر تعمیر کے بارے میں لکھا کہ منع ہے پھر لکھا کہ علمائے سلف نے بعض مصلحت کی بنیاد پر اس کو جائز رکھا

و قد أباح السلف أن يبنى على قبور المشائخ و العلماء المشاهير ليزورهم الناس و يستريحون بالجلوس فيه . (١)

مشائخ کرام اور مشہور و معروف علمی شخصیتوں کے مزار کی تعمیر کو سلف صالحین نے مباح قرار دیا ہے' تاکہ لوگ ان کی زیارت سے برکات حاصل کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام کریں۔

صاحب روح البیان نے شیخ عبدالغنی نابلسی کے رسالہ ''کشف النور عن اصحاب القبور'' سے نقل کیا ہے

إن البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء و الأولياء و الصلحاء أمر جائز إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر . (٢)

مقصودِ شرع کے مطابق' بدعت حسنہ سنت کہلاتی ہے' تو علماء واولیا اور صالحین کی قبروں پر قبوں کی تعمیر جائز ہے' جب کہ اس کا مقصود یہ ہو کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی قدر و تعظیم بڑھے اور لوگ اس صاحب قبر کو حقیر نہ سمجھیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح سفر السعادہ'' میں لکھا ہے۔اور روح البیان جلد ثانی میں احیاء العلوم کے حوالے سے نقل کیا ہے

أكثر معروفات هذه الأعصار منكرات في عصر الصحابة ' إذ من عد المعروف في زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقية و قد كان يعد فرش البواري في المسجد بدعة كانوا لا يرون أن يكون بينهم وبين الأرض حائل .(٣)

اکثر باتیں جو اس وقت عمدہ گنی جاتی ہیں وہ صحابہ کے وقت میں بری گنی جاتی تھیں۔اب مساجد میں عمدہ فرش بچھانا اچھا جانا جاتا ہے جب کہ پہلے دور کے لوگ مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی پسند نہ کرتے تھے' اور یوں کہتے تھے کہ ہمارے اور زمین کے بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ فقہا نے لکھا ہے کہ زمین پر بلا حائل نماز پڑھنا افضل ہے۔

''خزانۃ الروایات'' میں ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے وقت جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت اور مکروہ ہے۔ لیکن ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر شہر کے آدمی یوں نہ کہنے لگتے کہ یہ عام دعا کو منع کرتا ہے تو میں ان کو منع کر دیتا

هذا شيء لا يفتى به لأنه لا ينبغي أن يقال للعامة شيئا لم يفهموا .

یہ بات ایسی ہے کہ جس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے کیوں کہ عوام میں وہ بات نہ کہنا چاہیے جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔

(١) مجمع بحار الانوار: ٣/٢١٠ مطبع دار الایمان مدینہ منورہ۔١٤١٥ھ۔ مصدقہ حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی

(٢) تفسیر روح البیان: ٥/٦ (٣) نفس مصدر: ٥/٥

اسی طرح ''فتاویٰ سراجیہ'' میں بھی ہے۔

اب مختصر طور پر سنیں کہ اول تو اموات کی فاتحہ کے لیے تعیین ایام' اور اسی طرح قیام کے ساتھ امورِ مروجہ محفل میلاد علیہ السلام کو ہم دلیل سے ثابت کر چکے۔ اب بطورِ تنزل الزاماً کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ امور تمہارے بقول' مکروہ بھی ہوتے کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے' تب بھی مجمع البحار اور دیگر تصریحات مذکورہ کی منشا کے مطابق اب زمانہ بدل جانے کی وجہ سے یہ جائز ہونے چاہئیں' کیوں کہ اس پرآشوب زمانہ میں غیر مذاہب کے لوگ جابجا اپنی اپنی کفریات کے اعلان کر رہے ہیں تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسی مجالس منعقد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومعجزات' عالم میں پھیلائیں' پڑھیں' پڑھائیں اور سنیں سنوائیں۔ اور اب چوں کہ لوگوں کے اندر ہر ہر بات میں تکلف وزینت (کی روایت) چل گئی ہے تو دین کے مواقع کو بے آراستہ رکھنا تحقیر کا باعث ہے۔ اور تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم بجالانے سے اہل ایمان کے دلوں میں عظمت وتوقیر پیدا ہوتی ہے' اور کفار کی نظر میں شوکت اسلام ظاہر ہوتی ہے۔

اور فاتحہ اموات میں یہ بات ہے کہ تعیین ایام کی پابندی کے باوجود بھی میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے' مساکین کا پیٹ بھر جاتا ہے اور ان کو کھانا بھی تعیین کے باوجود جائز ہے۔ چنانچہ براہین قاطعہ میں ان باتوں کو مان لیا ہے۔

اب باقی رہی ہماری تمہارے نزدیک اس کھلانے والے کے اوپر کراہت تعیین تو یہ سمجھ کر اس سے قطع نظر کر لو کہ پابندیِ ایام کی یاد دہانی میں تو خیرات ہو بھی جاتی ہے' جب یہ تقاضا اُٹھ گیا تو پھر کون صدقہ کرتا ہے' خیرات بند ہو جائے گی' اس دورِ عسرت میں مساکین کثرت سے مارے مارے پھرتے ہیں' کہیں سہارا نہیں پاتے' ان کی حاجت برآری پر نظر چاہیے' اور ان باتوں کو منع کرنے سے جابجا یہ کہنے میں آتا ہے کہ یہ لوگ اموات کی خیرات کو اور تعظیم وذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے ہیں۔ اس بنیاد پر امام ابوالقاسم صفار کے بقول (جو کہ علمائے حنفیہ کے ائمہ کبار میں گزرے ہیں) ہرگز فتویٰ نہ دینا چاہیے' جس طرح کہ انھوں نے نہ دیا۔ یہ الزامی گفتگو ہوئی اور تحقیقی ثبوت وہ ہیں جو جابجا اس کتاب میں تحریر کیے گئے ہیں۔

اعتراض: بانیانِ محفل میلاد شریف منکرین قیام پر اس طرح ملامت کرتے ہیں جیسے ترک وواجب پر۔

جواب: اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ قیام نہیں کرتے ان میں اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے عقائد وہابیہ نجدیہ کے سے ہوتے ہیں اور وہ قیام کو کفر اور شرک اعتقاد کرتے ہیں۔ تو اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک قیام کرنے والے مشرک اور کافر ٹھہرتے ہیں' تو اگر کسی کو اس بات پر غصہ آجائے اور ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی ایک حرکت سے اس کے دوسرے گھناؤنے عقائد کا بھی خیال آجاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ خوراک وپوشاک اور معاملات کی سیکڑوں باتوں میں یہ صحابہ کی مخالفت اور قرون ثلاثہ کے خلاف کرتے ہیں اور صرف قیام کرنے اور میلاد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کرتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں یہ نہیں ہوئی' اور اس پر باہم عناد وفساد پیدا کرتے ہیں' اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ اس شخص کے جملہ عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی یہ برا نہیں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی زجر وتوبیخ نہیں کرے گا۔ ہاں! یہ تو کہیں گے کہ آداب محفل کا تقاضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر تھا۔

امام غزالی نے ''باب السماع'' میں لکھا ہے کہ یہ بات آدابِ حقوق صحبت کے آداب کے خلاف ہے کہ کھڑے ہونے میں موافقت نہ کرے۔

تو اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ قیام نہ کرنے والے پر غصہ آجانا اور سبب سے ہوتا ہے' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسے فرض وواجب جانتے ہیں۔ مفتیانِ دین اپنے فتاویٰ میں یہ تو بالاتفاق تصریح فرما چکے ہیں کہ قیام فرض وواجب نہیں بلکہ مستحسن اور ادب کی بات ہے۔ غور سے دیکھیے تو بعض اوقات' یہ تارکِ قیام' نص قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَ إِذَا قِيْلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا . (۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو' اللہ تمھیں جگہ دے گا' اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو۔

اب معلوم کرنا چاہیے کہ جب میلاد خواں نے پڑھا ع

اُٹھو ذکر میلادِ حضرت ہے اب

یا اس طرح پڑھے ع

کرنا قیام سے آداب چاہیے

یا یہ کہ ان کھڑے ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اُٹھ کھڑے ہو اور اس نے یہ کیا کہ کھڑا تو نہ ہوا اُٹھ کر باہر چلا گیا تو دیکھیے کہ اس وقت وہ حکم خداوندی کا مخالف ہو بیٹھا کیوں کہ اس آیت کے نزول کا منشا یہی تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجیے کہ آپس میں محبت پیدا ہو' اور بغض وعناد رخصت ہو۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورہ کے شروع میں لکھا ہے

اعلم أنه تعالىٰ لما نهى عباده المومنين عما يكون سببا للتباغض و التنافر ' أمرهم الآن بما يصير سببا لزيادة المحبة و المودة . (۲)

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایسی چیز سے منع فرمایا جو نفرت وکدورت کا سبب ہو جائے۔ بلکہ ایسی چیز کا حکم دیا جو الفت ومحبت میں اضافے کا باعث بن جائے۔

اب اربابِ انصاف خیال فرمائیں کہ اگر وہ کھڑا ہو جاتا تو باہمی اتحاد ووداد کا سبب بن جاتا مگر کھڑا نہ ہو کر بغض ونفرت کا سبب بن گیا تو اس کا یہ فعل' منشاے خداوندی سے کس قدر دور جا ٹھہرا۔ فاعتبروا يا أولی الأبصار۔

لمعہ سابعہ

اعتراض: محفل میلاد شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت' مخاطب حاضر کے اشعار پڑھے جاتے ہیں حالانکہ آپ نظر سے غائب ہیں اور یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔

جواب: یہ بات تو معلوم ہے کہ عالم الغیب بالذات تو وہی ایک جل جلالہ کی ذات ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی نہیں جو اللہ کے الہام وکشف کردینے کے بغیر خود بخود یقینی طور پر امورِ غیبیہ کو جان لے' نیز یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تحت الثری

(۱) سورۂ مجادلہ: ۱۱/۵۸ (۲) تفسیر رازی: ۲۷۴/۱۵

تک ہر مکان، ہر زمان اور ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان لوگوں پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی نسبت حاضر کے الفاظ بولنے کفر ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں خاص جزئیہ پیش کرتے ہیں۔ قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں ہے

و منها أن المصلي يخاطبه بقوله : السلام عليك أيها النبي ' و الصلوٰة صحيحة و لا يخاطب غيره .

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتا ہے اور تشہد کی حالت میں حاضر کا لفظ بولتا ہے: **السلام عليك أيها النبى و رحمة الله و بركاته** یعنی اے نبی محترم! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت۔ اور ایسا خطاب کرنا نماز میں صحیح ہے جب کہ دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کیا جا سکتا اور اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی۔ انتہی۔

بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصہ معراج کی نقل نکالتے ہیں حالانکہ اس میں حضرت کا خطاب مراد نہیں تو ان کا قول اس عبارت سے رد ہو گیا کیوں کہ اس میں **يخاطبه** لفظ صریح موجود ہے۔ علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے

لا يقصد الإخبار و الحكاية عما وقع في المعراج .

وہ اپنی نماز میں معراج کے اندر ہوئے واقعہ کی حکایت کرنے اور خبر دینے کا قصد و ارادہ نہ کرے۔ (۱)

درمختار میں بھی رد کیا ہے

و يقصد بألفاظ التشهد الإنشاء كأنه يسلم على نبيه .

الفاظ تشہد میں یہ ارادہ کرے کہ اب میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج رہا ہوں۔ (۲)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے ''تنبیہ'' میں ''السلام علیک ایہا النبی'' کی شرح اس طرح کی ہے

يا محمد ! عليك السلام .

صاحب احیاء العلوم ''تفصیل ماینبغی ان یحضر فی القلب'' کے بیان میں لکھتے ہیں

و احضر في قلبك النبي صلى الله عليه وسلم و شخصه الكريم و قل السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو اپنے دل میں حاضر جان کر یوں عرض کر، السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امام شعرانی کی ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں ہے کہ التحیات میں نمازی کو درود و سلام کا حکم شارع نے اس وجہ سے کیا تاکہ غفلت برتنے والوں کو آگاہ کر دے کہ جس پروردگار کے سامنے تم بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی بھی موجود ہیں

فإنه لا يفارق حضرة الله تعالىٰ أبدا فيخاطبونه بالسلام مشافهة .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درگاہِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے اس لیے نمازی آپ کو روبرو سمجھ کر سلام سے خطاب کرتے ہیں۔

---

(۱) حاشیہ: یعنی نمازی اپنی نماز میں یہ ارادہ نہ کرے کہ میں خبر دیتا ہوں یا حکایت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو شب معراج میں اس طرح فرمایا تھا: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی طرف سے نقل کا ارادہ کرے گا تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا سلام ہوگا یہ محض نقال ہو گیا۔ اور فقط ایک سلام ہی میں کیا ہے، التحیات، رسول ﷺ طرف سے ہو جائے گی، اور اشہد ان لا الہ الا اللہ فرشتوں کی طرف سے ہو جائے گا تو یہ تو صرف نقل ہو جائے گی اور نمازی نقال محض ٹھہرے گا۔ ۱۲ منہ

(۲) حاشیہ: مولف کہتا ہے کہ یہ بالکل ہی حق ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شب معراج میں فرمایا تھا۔ اور اب تو نمازی اپنی زبان سے کہتا ہے: السلام علیک۔ لہٰذا اب تو یہ سلام اسی کا ہے۔ ۱۲ منہ

مسئلہ : قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ عمرو بن دینار نے (جو کبارِ تابعین اور فقہائے مکہ سے ہیں) کہا کہ جب تم گھروں میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو "السلام علیک أیها النبي و رحمة الله و برکاته" کہا کرو۔(۱)

ملا حسن حمزاوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں

لأن روحه حاضر في بیوت أهل الإسلام . کیوں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے بھی علی قاری کی شرح شفا سے روح مبارک کے گھروں میں موجود ہونے کا یہ مضمون اسی طرح نقل کیا ہے۔اصل حقیقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مولف کی ناقص عقل میں آتا ہے لکھتا ہوں' چونکہ آپ ﷺ کی روح مبارک 'اب الارواح' ہے۔اور حدیث میں ہے

المؤمنون من فیض نوري . (۲) اہل ایمان کی تخلیق میرے نورانی فیضان سے ہوئی ہے۔

یہ روح البیان اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کے کلام میں موجود ہے۔ نیز محدث دہلوی وغیرہ کے کلام میں یہ بھی ہے کہ آپ کی روح اُس عالم میں مربی ارواح تھی۔

قرآن شریف کی سورۂ احزاب میں ہے

النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ . (۳) یہ نبی' مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

یعنی ایمان والوں کو نبی سے اپنی جان سے زیادہ لگاؤ ہے۔اور اس آیت میں لفظ أنفسهم کے بعد یہ قراءت بھی آتی ہے

و هو أب لهم . رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مومنین کے باپ ہیں۔

علامہ بیضاوی اور صاحب روح البیان اس مقام پر لکھتے ہیں کہ جب آپ مومنین کے مربی اور باپ ٹھہرے تو اسی واسطے یہ ٹھہر گیا

المومنون إخوة . (۴) ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔

نیز یہ بھی کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں' اور امت کے درود بھی آپ ﷺ کو نام بنام پہنچتے ہیں یہ سب اس پر وجوہِ دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق اور گہرا ربط ہے نیز یہ بھی کہ اہل اسلام کے گھروں میں نماز بھی جاری ہے' بچے' عورتیں اور کبھی مرد بھی (جو مسجد نہ گئے تو) گھر ہی میں پڑھ لیتے ہیں' غرض کہ تمام مرد و عورت التحیات میں السلام علیک أیها النبي ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھتے ہیں تو اہل اسلام کے گھروں سے برابر آپ ﷺ کو سلام پہنچتا ہے۔اس بنیاد پر آپ ﷺ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق ہے' تو روحوں کی تخلیق اول سے لے کر اس وقت تک برابر آپ ﷺ کا تعلق ثابت ہے' اور روحِ مبارک گر چہ ملأ اعلیٰ میں ہے لیکن اس کا اشراق ادھر بھی ہے اور اس کا تعلق عالم خاک سے بھی ہے مثلاً قبر شریف میں بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس تعلق و ربط سے بدن مبارک زندہ اور حساس و درّاک ہے' نیز آپ ﷺ کو اطراف زمین میں پھرنے اور امت

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/۶۷ (۲) روح البیان: ۳/۱۴۷' ۸/۳۵۰

(۳) سورۂ احزاب: ۳۳/۶ (۴) تفسیر بیضاوی: ۵/۵' تفسیر روح البیان: ۱۰/۴۹۷

کے اعمال پر نظر کرنے کی اجازت دی گئی جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

یوں ہی حسن حمزاوی اور علی قاری رحمہما اللہ کی تحریر بھی سمجھنی چاہیے کہ آپ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے ربط و تعلق ہے۔اس مقام پر یہ مسئلہ "السلام عليک أيها النبي" کے ذکر کی وجہ سے لکھ دیا گیا ہے۔

الحاصل! تشہد کے سلام میں نقل و حکایت مراد رکھنا اور اپنی طرف سے سلام نہ بھیجنا نہایت غیر درست ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ایک نمازی اس سلام میں یہ ارادہ کرے کہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہوں کہ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو۔ ورنہ کم نصیب اُس حکم الٰہی کی تعمیل سے محروم رہے گا جو قرآن میں لفظ 'سَلِّمُوا'[(۱)] آیا ہے' کیونکہ سلام اس سے خود مطلوب تھا مگر اس نے خود نہ کیا بلکہ معراج کی حکایت سمجھ لی۔

امر عجیب: بعض دشمنانِ خطاب یہاں تک غلو کر گئے کہ کہتے ہیں' نماز میں **السلام علیک أيها النبي** نہ پڑھنا چاہیے کہ صحابہ نے چھوڑ دیا تھا۔ اس عاجز نے ایک مستقل رسالہ بنام "قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبی"، لکھا ہے' جس میں اس قول کی دھجی اُڑا کر رکھ دی گئی ہے۔ یہاں طول کی گنجائش نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تشہد یعنی التحیات کی روایت عبداللہ بن عباس' عمر بن الخطاب' ابن عمر' جابر بن عبداللہ' ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے' اور سب میں لفظ خطاب موجود ہے۔ تو عبداللہ بن مسعود کی یہ بات کہ وفات کے بعد السلام علیک کا خطاب ترک ہو گیا کسی نے روایت نہیں کی سوائے ابن سنجرہ کے۔ اور تشہد کی یہ روایت ان سے چند راویوں یعنی شقیق' علقمہ' اسود' ابوالاحوص' ابوعبیدہ اور عبداللہ بن سنجرہ نے کی ہے۔ اور ابن سنجرہ سے آگے دو راوی ہیں' ایک اعمش' دوسرے سیف بن سلیمان' تو اعمش کی روایت میں وہ فقرہ نہیں' سیف بن سلیمان کی روایت میں ہے' اور وہ اگرچہ ثقہ تھا لیکن اس پر بدعت قدر (یعنی قدریہ فرقے سے ہونے) کی تہمت ہے تو جب کہ جملہ صحابہ سے طبقۃً بعد طبقۃٍ اس وقت تک وہی تعلیم خطاب ہوتی چلی آئی حتیٰ کہ ابن مسعود سے بھی' سوا اس روایت کے جو بخاری میں سیف بن سلیمان سے مروی ہے۔ تو اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا اور کیونکر عمل کیا جائے حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہم کو صحیح طور سے بھی تعلیم خطاب پہنچی ہے۔

ہم مذہب حنفی رکھتے ہیں اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح بصیغۂ خطاب تعلیم ہوئی' پھر ہم کو اسی طرح اُن سے پہنچی' ہمارے امام اعظم کے استاد! یہی فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑا حماد نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ حماد نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا ابراہیم نے اور مجھ کو تشہد سکھایا ابراہیم نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا علقمہ نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ علقمہ نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا عبداللہ بن مسعود نے اور مجھ کو تشہد سکھایا اور عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مجھ کو تشہد سکھایا جس طرح کی قرآن کی سورت سکھائی تھی۔ پھر آپ کا وہ سکھایا ہوا تشہد کتب حنفیہ' فتاویٰ و شروح و متون میں موجود ہے' جس میں لفظ خطاب کی تعلیم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب یعنی حنبلی' مالکی اور شافعی کی کتابیں بھی دیکھی گئیں تو ان میں بھی یہی خطاب کی تعلیم موجود ہے۔

---

(۱) حاشیہ مسلم و بخاری کی احادیث کی شرح میں امام نووی اور صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا: صلوا علیہ وسلموا۔ تب آپ نے درود تعلیم فرمایا اور سلام کو یہ فرمایا کہ سلام کا طریقہ تم پہلے جان چکے ہو یعنی تم التحیات میں پڑھا کرتے ہو: السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور بعض صحابہ نے درود اس طرح پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھنا بتائیے' کس طرح پڑھیں؟۔۱۲ منہ

اللہ رے عناد! دیکھیں کہ تمام صحابہ کی روایتیں اور خود عبداللہ بن مسعود کی روایتیں بجز ایک روایت' چاروں ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مطلقہ یعنی حیات ووفات اور زمانی ومکانی قرب وبعد کی کسی قید کے بغیر علی العموم یہ فرمانا

فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ .إلى آخره. (۱)

نیز

فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ .إلى آخره. (۲)

فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ . (۳)

ان سب روایتوں میں خطاب موجود ہے حتیٰ کہ مولوی اسحٰق صاحب کی ''مائۃ مسائل'' کے چوبیسویں سوال میں بھی اقرار موجود ہے

در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ۔

التحیات کے اندر سلام پہنچانے کے لیے خطاب آیا ہوا ہے۔

پھر ان سب احادیث وآثار وفتاویٰ اور شرقاً وغرباً' جنوباً وشمالاً اجماع امت محمدیہ نیز اپنے مقتدا و پیشوا مولوی اسحٰق صاحب کا قول چھوڑ کر ایک غیر معمول روایت پیش کرنا کیسی بے انصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔

الحاصل! امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ چھوٹے بڑے' عورت مرد سبھی' السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی نماز میں خطاب آپ کو حاضر سے ہو رہا ہے۔

اعتراض: بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے' اسی طرح منقول ہوا ہے۔

جواب: امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے۔ اب بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور کراہت پر کون سی آیت یا حدیث ہے؟ پیش کرو۔

عقلی گڑھی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں (کسی کو) شریک کرنے کا حکم نہیں پھر خاص اسی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل! ۔ اب ہم سے جواز کی سندیں سنو۔

شاہ ولی اللہ صاحب اوراد فتحیہ پڑھنے کے واسطے ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں

فریضہ نماز بامداد گذارد وچوں سلام دہد باوراد فتحیہ خواندن مشغول شود کہ از برکات انفاس ہزار وچہار صد ولی کامل شدہ است۔ الخ۔

صبح نماز فجر کا سلام پھیرنے کے بعد اوراد فتحیہ پڑھنے میں لگ جائے جو چودہ سو اولیائے کاملین کے فیوض وبرکات کا گنجینہ ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۳/۳۳۰حدیث:۷۸۸، سنن کبریٰ بیہقی:۲/۱۳۸، معرفۃ السنن والآثار:۳/۹۹حدیث:۹۲۳، معرفۃ الصحابہ:۱۲/۴۱۰حدیث:۴۰۰۴، الاوسط ابن منذر:۴/۴۹۶حدیث:۱۴۶۹، سنن صغیر بیہقی:۱/۳۸۰حدیث:۳۳۹، مسند شاشی:۲/۴۰حدیث:۶۲۴، جزء الالف دینار للقطیعی:۱/۱۹۸حدیث:۱۹۷

(۲) صحیح بخاری:۱۹/۳۹۹حدیث:۵۸۵۳، صحیح مسلم:۲/۳۶۸حدیث:۶۰۹، مسند احمد:۸/۲۵۹حدیث:۳۷۲۴، سنن کبریٰ نسائی:۱/۳۷۸حدیث:۱۲۰۲، متخرج ابوعوانہ:۴/ ۳۵۹حدیث: ۱۶۰۶، مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/ ۳۹۶ حدیث: ۵۰۱۰، کنز العمال: ۷/ ۴۷۸حدیث: ۱۹۸۶۵، المسند الجامع: ۲۷/۳۸۲حدیث:۹۰۳۳، نصب الرایہ:۲/۳۹۳-باب صفۃ الصلوٰۃ-فتح القدیر:۲/۱۰۷-باب صفۃ الصلوٰۃ

(۳) صحیح بخاری:۱۹/۲۴۱حدیث:۵۷۶۲، سنن ابوداؤد:۳/۱۵۵حدیث:۸۲۵، مشکوٰۃ المصابیح:۱/۱۹۸حدیث:۹۰۹، مسند احمد:۷/۴۷۴حدیث:۳۴۳۹، سنن کبریٰ بیہقی:۲/۱۵۳، سنن کبریٰ نسائی:۱/۳۸۵حدیث:۱۲۲۱، معجم کبیر طبرانی:۸/۳۵۶حدیث:۹۷۵۷، متخرج ابوعوانہ:۴/۳۵۶حدیث:۱۶۰۳، صحیح ابن خزیمہ:۳/۱۴۸حدیث:۶۸۱، مسند شاشی:۱/۴۹۰حدیث:۴۱۴، مسند ابن ابی شیبہ:۱/۲۵۰حدیث:۲۴۰

حالانکہ اس اوراد فتحیہ میں (جس کا دل چاہے شمار کرلے) سترہ بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں ندا ہے۔

الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول الله ' یا حبیب الله ' یا خلیل الله. إلیٰ آخرہ.

اس کے علاوہ خود مولوی اسحٰق صاحب ''مائۃ مسائل'' میں لکھتے ہیں

اگر کسے یارسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است۔ انتہیٰ۔	درود وسلام پہنچانے کے لیے ''یارسول اللہ'' کہنا جائز اور درست ہے۔

دیکھیے! یہ علماء نماز کے باہر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا جائز لکھتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک مانعین کو گنجایش ہے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود وسلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔

اس لیے اب ہم ایسی نظیریں پیش کرتے ہیں جس میں درود وسلام کے پہنچنے کی نیت سے خطاب نہیں بلکہ کشف حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنا ہے۔

ابن ماجہ قزوینی ''باب صلوٰۃ الحاجۃ'' میں عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لیے دعا کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا' اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر دعا کرانا چاہے تو دعا کر دوں۔ اس نے کہا دعا فرما دیجیے۔ آپ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو' دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا پڑھو

اللّٰهُمَّ إنِّي أسْأَلُکَ وَ أتَوَجَّهُ إلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ إنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ إلیٰ رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ لِتُقْضَی اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ. (۱)

اس مقام پر شارح مواہب زرقانی نے لکھا ہے کہ اس دعا میں پہلا سوال' اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن بخشے تو حاجت مند نے کہا' یا اللہ میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں اور نبی رحمت حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب اللہ سے شفاعت مانگ چکا تو اپنی حاجت کے سلسلہ میں آپ کا وسیلہ پکڑ کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا اور یوں شفاعت طلب کی یا محمد! میں متوجہ ہوں تاکہ میری یہ حاجت روا کی جائے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے اس حاجت کو روا کر دے۔ جب حاجت مند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کر چکا تو اب پھر دوبارہ اللہ کی طرف پلٹ کر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! حضور کی شفاعت میری حاجت کے سلسلے میں قبول فرمایا۔

الحاصل! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حل مشکل میں اپنی شفاعت طلبی اور یا محمد کا خطاب تعلیم فرمایا ہے۔

اس مقام پر ایک تماشا ہوا ہے یعنی اس خطاب اور ندا کو مٹانے کے لیے ایک بڑے مشہور عالم نے اس حدیث کے اسناد میں

(۱) سنن ترمذی: ۱۱/۴۹۷ حدیث: ۳۵۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴/۲۹۶ حدیث: ۱۳۷۵، مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۶۱ حدیث: ۲۴۹۵، مسند احمد: ۳۵/۱۰۹ حدیث: ۱۶۶۰۴، سنن کبریٰ نسائی: ۶/۱۶۹ حدیث: ۱۰۴۹۵، مستدرک حاکم: ۳/۲۰۲ حدیث: ۱۱۲۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۶/۳۵۲ حدیث: ۲۴۱۵، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۴۴۶ حدیث: ۱۱۵۲، مسند عبد بن حمید: ۱/۴۳۱ حدیث: ۳۸۲، معرفۃ الصحابہ: ۱۴/۸۰ حدیث: ۴۳۹۴، منتقی من عمل الیوم واللیلۃ: ۱/۲۱، الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۲۲۱ حدیث: ۱۹۳، معجم الصحابہ ابن قانع: ۵/۱۰ حدیث: ۱۲۰۹، کنز العمال: ۲/۱۸۱ حدیث: ۳۶۴۰، مسند الجامع: ۲۹/۱۲۶ حدیث: ۹۶۲۸، روضۃ المحدثین: ۱۰/۲۹۷ حدیث: ۴۷۲۲

اعتراض کیااور لکھ دیا کہ اس کے اسناد میں عثمان بن خالد بن عمر ایک راوی آتا ہے جس کو ''تقریب'' میں متروک الحدیث لکھا ہے۔ اس عاجز نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کے اسناد نکالے تو ان دونوں محدثوں کے اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اور ''تقریب'' میں اس کو متروک الحدیث نہیں بلکہ عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا ہے اور یہ کوئی اور آدمی ہے۔والحمدلله علیٰ ذالک۔

یہ حدیث تو محدثوں کی پرتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہوسکتی ہے۔ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے نیز بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے کذافی شرح المواہب اور حاکم نے کہا کہ یہ روایت شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے[1]۔ یہ بھی شرح مواہب زرقانی میں ہے اور تین ابن ماجہ نے لکھا۔ قال ابو اسحق هٰذا حديث صحيح.[2]

تو گویا اس حدیث کو آٹھ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے ترمذی نسائی ابن ماجہ اور حاکم نے (جیسا کہ حصن حصین اور زرقانی میں ہے)، بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں (جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے)۔

بھلا ایسی حدیث میں زبان زوری کر کے اگر کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہوسکتا ہے!۔ خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے نماز پڑھ کر دعا مانگی تو بخاری ابونعیم اور بیہقی کی روایت میں ہے

و قد أبصر ببركته صلى الله عليه وسلم.

وہ اندھا اُٹھ کھڑا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

طبرانی نے روایت کی

كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ.[3]

اس کی آنکھیں ایسی روشن ہوگئیں کہ گویا اس میں کبھی کچھ خلل ہی نہ ہوا تھا۔

واضح ہو کہ یہ دعا اور یہ نماز اور یہ خطاب یعنی یا محمد کہنا آپ کے مبارک زمانہ میں خاص آپ کی تعلیم سے ہوا۔اور شرح ابن ماجہ نیز ''جذب القلوب'' میں ہے کہ یہ عمل عہد صحابہ میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا گیا ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حاجت تھی بارہا جاتا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی تو عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر کے آ، دو رکعتیں پڑھ پھر یہ دعا مانگ

اللّٰهُمَّ إنِّي أسْـألُكَ وَ أتَـوَجَّـهُ إلَيْكَ بِنَبِيِّنَـا مُـحَـمَّدٍ صلى الله عليه وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إنِّي أتَوَجَّهُ بِكَ إلىٰ رَبِّي فَتَقْضِي حَاجَتِيْ.[4]

یااللہ! میں نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تجھ سے طالب امداد ہوں ۔ یامحمد! میں نے اپنی اس حاجت کے پوری ہوجانے کے سلسلے میں آپ کے وسیلے سے رب کی بارگاہ میں استغاثہ کیا ہے تو اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

---

(۱) مستدرک حاکم:۳/۲۰۲ حدیث:۱۱۲۸ (۲) سنن ابن ماجہ:۴/۲۹۶ حدیث:۱۳۷۵

(۳) دلائل النبوۃ:۶/۳۵۴ اور معجم کبیر طبرانی:۷/۴۱۲ حدیث:۸۲۳۲- کے الفاظ یوں ہیں: كَأنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ قَطُّ.

(۴) حصن حصین امام جزری:۱۵۱، سنن ابن ماجہ:۴/۲۹۶ حدیث:۱۳۷۵، معجم صغیر طبرانی:۲/۱۰۶، دلائل النبوۃ بیہقی:۶/۳۵۴ حدیث:۲۴۱۷، معرفۃ الصحابہ:۱۴/۸۱ حدیث:۴۳۹۵، مجمع الزوائد:۲/۲۷۹، الترغیب والترہیب:۱/۱۰۵ حدیث:۴۱۵۔کتاب النوافل

پھر یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت عرض کردے، غرض کہ وہ آدمی عثمان بن حنیف کی تعلیم کے موافق گیا، وضو، نماز اور دعا (جس طرح انھوں نے بتائی تھی) پڑھی۔ اب اذان کے بعد وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنی مسند خاص پر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت ہے؟ اس نے بیان کیا اور آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی اور یہ فرمایا کہ اب سے جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کرو۔

وہ آدمی بہت خوش حال ہو کر حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے گیا اور کہا جزاک اللہ خیرا حضرت عثمان میری طرف نظر بھی نہ فرماتے تھے، لیکن شاید تم نے ان سے میری کچھ سفارش کی ہے۔ عثمان بن حنیف صحابی نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی! میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، ایک اندھا آیا، اس نے فریاد کی یا رسول اللہ! میری آنکھ جاتی رہی، آپ نے فرمایا صبر کر، وہ بولا کوئی میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا نہیں، مجھ پر بڑی مصیبت ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نماز اور یہ دعا تعلیم کی تھی، پھر وہی ابن ماجہ والا قصہ جو ہم اوپر بیان کر چکے، عثمان بن حنیف نے بیان کیا۔

الحاصل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی عہد صحابہ میں اس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہوا، اور اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے۔ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ ''حصن حصین'' میں فرماتے ہیں

من كانت له ضرورة .إلى آخره. (۱) جس کسی کو کوئی ضرورت، حاجت یا مشکل آپڑے، یہ نمازِ حاجت اور یہ دعا پڑھے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس کی تعلیم ملتی ہے۔ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کی ہیں ان میں دو صلوٰۃ الحاجۃ لکھے ہیں ایک کو بیان کر کے لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ حلبی نے اس کو لکھ کر بیان کیا کہ یہ حسن اور صحیح ہے۔

الحاصل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، صحابہ کی تلقین، محدثین کی تعلیم اور فقہا کے افتا و تصحیح سے اب تک یا محمد کا یہ خطاب جاری ہے۔

اس کے علاوہ اشعار وغیرہ میں خطاب کے اور بھی صیغے ہم نقل کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ نے آپ کی وفات کے بعد غم کے بہت سے اشعار پڑھے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ (۲)

ألا يا رسول الله كنت رجاءنا ❁ وكنت بنا برا ولم تك جافيا

فلو أن رب الناس أبقى نبينا ❁ سعدنا ولكن أمره كان ماضيا

یا رسول اللہ! آپ ہی ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھے، آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ ہمارے ساتھ سختی کرنے والے نہ تھے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھتا تو ہم خوش ہوتے مگر حکم الٰہی تو ہو چکا تھا۔

حضرت حسان صحابی نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا

(۱) حصن حصین، امام جزری: ۱۵۱۔ مطبع مجتبائی، دہلی

(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۷۱، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۴۳۳/۳، طبقات ابن سعد: ۳۲۵/۲۔ ذکر من رثی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

كـنـت السـواد لـنـاظـري ❁ فـعـمـي عليـك الـنـاظـر
من شـاء بـعـدك فـليـمـت ❁ فـعـليـك كـنـت أحـاذر

آپ میری آنکھ کی پتلی تھے اب اندھے ہوگئے آپ کے پیچھے دیکھنے والے۔ اب آپ کے بعد جو مرنا چاہے مرجائے مجھ کو تو صرف آپ کا ڈر تھا۔

اسی طرح آپ کی وفات کے بعد اور بھی صحابہ کے اشعار پائے گئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہے۔ اور قاضی عیاض نے ''شفا'' کے ''باب لزوم محبت'' میں روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر کا پاؤں سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس و حرکت ہوگیا۔ کسی نے کہا کسی آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو۔ تب وہ چلا کر پکار اٹھے

يا مُحمَّداه !

تو اسی وقت ان کا پاؤں درست ہوگیا اور اس میں قوت آگئی۔ انتہیٰ۔ (۱)

یہ عبد اللہ بن عمر ایک جلیل القدر صحابی اور اتباع سنت میں نہایت سخت تھے۔ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبوبت میں حاضر کے لفظ کے ساتھ **یا محمداہ** خطاب کر رہے ہیں۔

فتوح الشام کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح نے ایک ہزار سوار دے کر کعب بن ضمرہ کو قنسرین سے حلب کے ارادہ سے روانہ کیا، اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی جس کے پانچ ہزار سپاہ تھے۔ یہ لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ یوقنا کے پانچ ہزار سپاہ اور بھی دوسری طرف سے مسلمانوں پر آپڑے، غرض کہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا، اس وقت مسلمان جاں بازیاں دکھا رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چین ان کے گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے

يا محمد يا محمد يا نصر الله إنزل .

مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے

معاشر المسلمين اثبتوا إنما هي ساعة و يأتي النصر و أنتم الأعلون . (۲)

حالت غیبت میں خطاب کی یہ ایک اور بھی نظیر ہے۔ اور یہ کعب بن ضمرہ بھی صحابہ میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انھوں نے جہاد کیے تھے۔ غرض کہ صحابہ کے وقت سے غیبت کے باوجود یہ خطاب اور ندائے رسول اللہ جاری رہا ہے۔

علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی (۶۹۴ھ) جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدہ بردہ، مشائخ کے اوراد میں داخل، نہایت بابرکت اور مقبول ہے۔ بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ کمالِ تعظیم سے برہنہ سر برہنہ پا کھڑا ہو کر اس قصیدہ مقبولہ کو سنا کرتا تھا۔ حلبی و زرقانی اور قسطلانی سبھی قصیدۂ بردہ کے مداح ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدہ کو پڑھا اور اس کی اسناد حاصل کی۔ ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں

و أما قصيدة البردة فأخبرنا بها أبو طاهر عن الشيخ أحمد النحلي عن محمد بن العلاء

قصیدہ بردہ شریف کی اجازت ہم کو ابو طاہر سے ملی انھیں شیخ احمد نخلی سے اور انھیں محمد بن علا باہلی سے (یہاں تک کہ اخیر

(۱) الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/۲۳، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی: ۱/۳۱۹

(۲) فتوح الشام: ۱/۱۹۸۔ باب فتح مدینۃ حلب وقلاعہا

الباهلي (إلى أن قال) عن ناظمها شرف الدين محمد ابن سعيد بن حماد البوصيري رحمة الله عليه .انتهى.

میں فرمایا) کہ اور انھیں ناظم قصیدہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ سے عطا ہوئی۔

الحاصل اس مقبول قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر کے ساتھ جابجا خطاب ہے۔ان میں دو مقام تو ایسے ہیں جہاں خاص ندا بطورِ فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے۔

یـــا أكـــرم الـخـلـق مـــا لي من ألــوذ بـه
سـواک عـنـد حـلـول الـحـادث الـعـمـم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتے ہیں کہ اے برگزیدۂ خلائق! بلاے عام اترنے کے وقت میرا اپنا ایسا کوئی نہیں جس کی میں پناہ پکڑوں۔

دوسرا شعر یہ ہے۔

ولـن يـضـيـق رسـول الـلّـه جـاهک بـي
إذا الكــريـم تـجـلـىٰ بـاسـم منتـقـم

اس میں عربی قاعدہ کے مطابق 'رسول اللہ' منادیٰ اور لفظ ندا محذوف ہے۔

یارسول اللہ آپ کی شان کچھ کم نہ ہوگی ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ تعالیٰ صفت انتقام کے ساتھ ظہور فرمائے گا۔

اسی معنی کے قریب شیخ شرف الدین مصلح الدین معروف بہ سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱) جو واصلین طریقت اور کاملین شریعت سے تھے۔حضرت خضر سے ملاقات کی، ساتوں ولایت پھرے، بارہا پیدل حج کیا۔اور یہ عالم فاضل ولی کامل حاضر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں۔

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے ❁ ز قدر رفیعت بدرگاہ حے
کہ باشند مشتے گدایان خیل ❁ بمہمان دار السلامت طفیل
چہ وصفت کند سعدی ناتمام ❁ علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

خداوند قدوس کی بارگاہِ بلند میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس میں سے اے میرے سردار کیا کچھ کم ہوجائے گی (کچھ نہ ہوگی) اگر تھوڑے سے آپ کے بھکاری آپ کے طفیل میں آپ کے مہمان خانہ جنت میں داخل ہوجائیں۔آپ کی تعریف وتوصیف یہ سعدی بے ہنر کیا کرسکتا ہے، بس آپ پر بے شمار درود وسلام نازل ہوں اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا احمد تھانیسری (جو کہ امیر تیمور کے عہد میں بڑے مشہور فاضل وکامل تھے) صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے ایک موقع پر ان کی گفتگو ہوئی۔امیر تیمور نے جب دیکھا کہ یہ تو شیخ الاسلام کو دبا دیں گے تو ان کی اظہارِ عظمت کے لیے یہ کہا کہ یہ صاحب

ہدایہ کے نبیرہ ہیں۔ مولانا نہ ڈرے اور اس پر یہ کہا کہ ان کے دادا نے ''ہدایہ'' میں چند محل پر خطا کھائی ہے تو اگر انھوں نے اس وقت ایک خطا کھائی تو کیا ڈر ہے۔

غرض کہ یہ بڑے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ قلعہ کالپی میں ان کا مزار ہے بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس سے دو تین شعر لکھتا ہوں۔

یا حیاتي و یا روحي و یا جسدي ❁ و یا فؤادي و یا ظهري و یا عضدي

آتي إلیک بقطع البید من قبل ❁ و لیس لي باصطبار عنک من مدد

اے میرے حاصل زیست، سامانِ تسکین روح، آرام جان، باعث قلب حزیں، پشت پناہ، میں آپ کی بارگاہ میں صحرا نوردی کرتے ہوے حاضر ہوں۔ آپ کی نصرت و امداد کے بغیر مجھے یارائے صبر نہیں۔

دیکھیے کہ اس میں بھی حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندوستان سے خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا نظامی (متوفی ۱۲۰۳ھ) علوم معقول و منقول میں فاضل کامل، تارک الدنیا عارف صاحب دل، سلاطین روزگاران سے برکت چاہتے، وہ کسی کے در پر نہ جاتے تھے۔ غرض کہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت حاضر سے خطاب کر رہے ہیں۔

من از کم تریں استان خاک تو ❁ بدیں الاغرے صید فتراک تو

نظامی کہ در گنجہ شد پاے بند ❁ مباد از سلام تو نا بہرمند

''گنجہ'' ایران کا ایک شہر ہے۔ وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن ابن احمد جامی متوفی (۸۹۸ھ) جن کا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں۔ شرح ملا، شرح فصوص الحکم، شرح نقایہ، اور شرح لمعات وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خطاب کرتے ہیں۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم ❁ ترحم یا نبی اللہ ترحم

تو آخر رحمۃ للعالمینی ❁ ز مہجوراں چرا غافل نشینی

جدائی سے دنیا کی جان نکل گئی اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے، اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے۔ آپ تو رحمت کل جہاں ہیں محروموں اور عذاب ہجر کاٹنے والوں سے آپ غافل ہو کر کیوں بیٹھیں گے۔

ملک خراسان میں جام ایک شہر کا نام ہے، جو جامی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن ہے۔ وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب، غیبوبت میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اہل کشف کی طرح، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روے مبارک مناجات کے وقت ان کے سامنے تھا، اس لیے کہ ان کا یہ شعر بھی انھیں اشعار کے ساتھ ہے۔

شبِ اندوہ مارا روز گرداں ❁ ز رویت روز ما فیروز گرداں

تو ابر رحمتے آں بہ کہ گاہے ❁ کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

مصیبت کی رات کو دن کے اجالے میں بدل دیں اور مجھے کامرانی سے ہم کنار فرمائیں۔ بلاشبہ آپ رحمت الٰہی کا بادل

ہیں تو یہی بہتر ہے کہ کبھی کبھی خشک لبوں کے حال زار پر بھی ایک نگاہِ کرم فرمادیا کریں۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب، محدث فقیہ، حنفی مشرب، جن کی فارسی وعربی میں ایک سوتیس کتابیں ہیں۔ان کی تاریخ ولادت ''شیخ اولیا'' (۹۵۸ھ) اور تاریخ وفات ''فخر العالم'' (۱۰۵۳ھ) ہے۔ اخبار الاخیار کے اخیر میں مطبوع اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ❁ بلطف خود سروساماں جمع بے سروپا کن

محبّ آل و اصحاب تو ام کار من حیراں ❁ بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

یارسول اللہ، جس صورت سے بھی ہو کرم فرمایئے، اور اپنی مہربانی سے اس گروہ بے ساماں کے اسباب فراہم فرمایئے۔ میں آپ کا اور آپ کے اصحاب کرام کا شیدائی ہوں اور پھر بھی میرے کام پورے نہ ہوں، تو ہم پر آج اور کل بھی مسلسل اپنی عنایت کے شامیانے تانے رکھیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب فرماتے ہیں۔

گر نبودی یا رسول اللہ ذات پاک تو ❁ ہیچ پیغمبر نبودی دولت پیغمبری

یارسول اللہ، اگر آپ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو شاید کوئی پیغمبر شرف پیغمبری سے سرفراز نہ ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''قصیدہ اطیب النغم'' میں فرماتے ہیں۔

و صلى عليك الله يا خير خلقه ❁ و يا خير مأمول و يا خير واهب

و يا من يرجى لكشف زرية ❁ و من جوده قد فاق جو سحائب

آپ نے اس قصیدہ کے اول میں لکھا ہے کہ جب مجھ پر صعوبت ومصیبت ہجوم کرتی ہیں اور کسی مددگار کی جستجو ہوتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پاتا۔ پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان کیے۔اور ان دوشعروں میں یہ خطاب کیا کہ اللہ آپ پر رحمتوں کے پھول برسائے۔اے مخلوق میں سب سے اچھے اے عمدہ امید گاہ، اے بہترین بخشش کرنے والے، اے وہ جس سے مصائب دور کرنے کی التجا کی جاتی ہے اور جس کی بخشش، بادل کی بخشش سے فوقیت لے گئی۔

اس دورِ اخیر میں بھی اہل سنت وجماعت کے جو علماء وصلحا ہیں وہ سب خطاب حاضر ''یارسول اللہ'' کہنا جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ قدوۃ السالکین، اسوۃ العارفین، محی السنۃ، ماحی البدعۃ حضرت مرشدی ومولائی المشتہر بالالسنۃ والافواہ باسمہ المقدس شاہ امداد اللہ الحافظ الحاج المہاجر نفعنا اللہ بفیضہ الوافر المتکاثر فرماتے ہیں۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہ ❁ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یارسول اللہ

کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی ❁ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ

اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ❁ بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یارسول اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گردابِ غم میں ناخدا ہوکر ❁ مری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ

اگرچہ ہوں نہ قابل واں کے پر امید ہے تم سے ❁ کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یارسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کے ہاتھوں ❁ بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو ❁ بس اب قید دوعالم سے چھڑاؤیارسول اللہ

جس وقت حضور، حج کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں یہ قصیدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک مصرع کا یہ مضمون بالکل صاف ہے ؎ :

کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یارسول اللہ

غرض کہ اس قصیدہ میں جو یہ ندائے یارسول اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنا ہے، یہ سب ملک ہندوستان سے خطاب واستمداد کیا گیا ہے، اور مقبول بھی ہوا۔ چنانچہ پھر حضرت ممدوح ہندوستان سے ملک عرب میں بلوائے گئے اور زیارتِ مدینہ سے مشرف ہوئے۔ ان کی تعریف محتاج بیان نہیں۔

مختصر یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (جن کو ہمارے وقت کے سب منکرین بھی بالاتفاق معتمد علیہ اور مسلم الثبوت مانتے ہیں) وہ حضرت کی توصیف میں لکھتے ہیں۔

بحق مقتدائے عشق بازاں ❁ رئیس و پیشوائے جاں گدازاں
امام راست بازاں شیخ عالم ❁ ولی خاص صدیق معظم
شہ والا گہر امداد اللہ ❁ کہ بہر عالم ست امداد اللہ

یہ اشعار شجرۂ منظومہ صابریہ میں ہیں، جو قصائد قاسمی کے آخر اوراق (مطبع عین الاخبار مرادآباد) میں مطبوع ہوئے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ''صدیق'' کے معنی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں یہ لکھے ہیں

صدیق آنست کہ قوت نظریہ او مثل قوت نظریہ انبیا علیہم السلام کامل باشد۔ الخ۔

صدیق وہ ہوتا ہے جس کی قوت نظریہ انبیا علیہم السلام کی قوت نظریہ کی مانند کامل ہوتی ہے۔

تو مولوی محمد قاسم صاحب کا حضرت کو صدیق معظم فرمانا ان بعض ناانصافوں کی تردید کے لیے حجت کافی ہے جنھوں نے حضرت کی نسبت یہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ آپ علم شریعت سے ناواقف ہیں۔ اور ہم ان کے مرید ہیں لیکن پیر سے افضل ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ جس کی قوت نظریہ ایسی بڑھی ہوئی ہوگی وہ تو احکام شریعت کے حقائق سے ایسے واقف ہوں گے کہ تم ان کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچو گے۔

خیر! آمدم برسر مطلب۔ جناب مرشدی ومولائی نے ''یارسول اللہ'' کا خطاب جائز رکھا، خود اس پر عمل کیا، نیز مولوی محمد قاسم صاحب کے کلام میں ہم ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے خطاب وندائے یارسول اللہ کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ قصائد قاسمی (مطبوعہ مرادآباد) کے صفحہ ۷ پر ان کے اشعار یوں ہیں۔

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت ❁ گناہِ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار

اور صفحہ ۸ میں ہے۔

اگر جواب دیا بے کسوں کو تونے بھی ❁ تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروڑوں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام ❁ کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار

بہت دنوں سے تمنا ہے کیجیے عرض حال ❁ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ❁ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

یہ دیکھیے کہ خطاب وندا کرنا اور مدد مانگنا سب کچھ ان اشعار میں موجود ہے۔ اللہ ہدایت کرے منکرین کو کہ بے جا شور وشغب سے باز آئیں۔

مولف براہین کا یہ لکھنا کہ

ان صاحبوں کا خطاب وندا کرنا غلبہ شوق ومحبت سے تھا' وہ جائز ہے' اور دوسرے آدمی جو خطاب کرتے ہیں وہ اس طرح نہیں بلکہ وہ حضرت کا علم مستقل ذاتی سمجھ کر کہتے ہیں' یہ شرک ہے۔

نہایت درجہ بے اصل اور دعویٰ بے دلیل ہے۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم کو ذاتی اور مستقل سمجھے بلکہ سب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کو جو کچھ علم وقدرت ہے سب اللہ کے دیے سے ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ارادہ اور اذن سے ہوتا ہے۔ اب ہم خطاب وندا کی توجیہات بیان کریں۔

واضح ہو کہ بعض محبین درجہ عشق کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں جیسے حضرت ابوالحسن شاذلی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ایک لحہ بھی فوت نہ ہوتا' اب اگر ایسے لوگ خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر وناظر ہیں' حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا۔ جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے۔ تو ایسی شخصیتوں کے حق میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب' کچھ محل کلام ہی نہیں۔ باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری حاصل نہیں تو ان کے حق میں بھی یہ خطاب کرنا درست ہے۔

قطب ربانی امام شعرانی ''میزان الشریعہ'' میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداح رسول تھے' اکثر حالت بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تھے۔ ایک بار ایک آدمی نے اپنے واسطے ان سے ایک حاکم کی سفارش چاہی' یہ گئے اور حاکم نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا' اس دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا۔ اس مقام خاص پر میزان کی عبارت یوں ہے

فلم یزل یطلب من رسول الله صلی الله علیه وسلم الرویة حتی قرء له شعراً فتراء ی له من بعید فقال تطلب رویتي مع جلوسک علی بساط الظلمة فلم یبلغنا أنه رآه ذلک حتی مات .

پھر وہ مداح رسول ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا رہا کہ اپنا دیدارِ مبارک کرا دیجیے یہاں تک کہ ایک دفعہ اس نے شعر پڑھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کچھ دور سے دکھائی دیے اور فرمایا' تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر۔ پھر ہم کو اس کے مرنے تک ایسی کوئی خبر نہیں ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کو کبھی نظر آئے۔ انتہیٰ۔

اب دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن زین مداح کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہ آتے تھے' اس کے باوجود وہ اسی غیبوبت کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجیے۔

تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے اگر وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

دیدار کی درخواست کریں اور غلبۂ شوق میں خطابیہ وندائیہ قسم کے اشعار پڑھیں تو صحیح اور جائز ہے۔ جیسے حضرت مرشدی ومولائی نے جدائی اور درد اشتیاق کے عالم میں ہندوستان میں پڑھے تھے۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہ
مجھے دیدار تم اپنا کراؤ یارسول اللہ

اگر کوئی نیم ملا خطرۂ ایمان اس کو شرک بتادے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جانتے ہو تو کہہ دو کہ اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیتا ہے تو ان کو بھی خبر ہو جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا کلام یادرکھو کہ حضرت مطلع ہیں اپنے ہر امتی کے حال سے کیوں کہ ان کو سب امتیوں کی خبر دی جاتی ہے۔ اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ امت کے احوال صبح وشام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔(۱)

تبصرہ: حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم، ہرقل کو جو نامہ مبارک لکھا تھا بروایت بخاری اس کے الفاظ یہ تھے

أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ. (۲) — میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں اسے قبول کرکے تو دنیا وآخرت میں سرفراز ہو جائے گا۔

اس میں بادشاہ روم کو حاضر کا خطاب ہے حالاں کہ آپ ملک عرب تھے اور وہ روم میں۔ اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب وہاں سے معلوم کرلیتا لیکن چونکہ بات یہ تھی کہ قاصد اس خط کو لے جاکر اس کے ہاتھ میں دے دے گا، جب یہ خط اس کی نظر کے سامنے سے گزرے گا تو خطاب صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو، اور تاکید جانو فقط اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دے دے گا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جائے گا۔ جب قاصدوں کی چٹھی رسانی کے اعتماد پر حالت غیوبت میں یہ خطاب جائز ہوا تو مضمون حدیث کے اعتماد پر کہ ہمارے اعمال واقوال ہر روز دوبار صبح وشام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں کیوں کر خطاب جائز نہ ہوگا۔

جب ہمارے اقوال مخفی نہ رہے بلکہ آپ تک پہنچائے گئے تو اگرچہ آپ کو ہم سے بعد مکانی ہو لیکن آپ حاضر کی طرح ہیں لہٰذا

---

(۱) ليس من يوم إلا تعرض على النبي صلى الله عليه وسلم أمته غدوة و عشية فيعرفهم بسيماهم و أعمالهم فلذلك يشهد عليهم. (تفسیر قرطبی:۵/۱۹۸، تفسیر حقی:۲/۴۷۳)

(۲) صحیح بخاری:۱/۸حدیث:۶، صحیح مسلم:۹/۲۳۵حدیث:۳۳۲۲، مشکوۃ المصابیح:۲/۳۹۲حدیث:۳۹۲۶، مسند احمد:۵/۲۸۴حدیث:۲۲۵۲، سنن کبریٰ بیہقی:۹/۱۷۸، مصنف عبدالرزاق:۵/۳۴۶، سنن کبریٰ نسائی:۶/۳۱۱، معجم کبیر طبرانی:۷/۱، دلائل النبوۃ:۴/۴۹۷حدیث:۱۷۲۱، مستخرج ابوعوانہ:۱۳/۲۵۴ حدیث:۵۴۰۹، صحیح ابن حبان:۲۷/۱۴۲حدیث:۶۶۶۴، مسند شامیین:۹/۱۹حدیث:۳۰۶۰، مشکل الآثار:۵/۶ حدیث۱۶۸۶۔ کنز العمال:۴/ ۳۸۴حدیث:۱۰۳۵، نصب الرایہ:۱۳/۴۶۵، مسند الجامع:۱۷/۴۶حدیث:۵۲۱۲

حاضر کا خطاب کرنا جائز ہے۔(۱)

اگر کوئی ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہ ہو تو ایک تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے' تو اس اعتبار سے حاضر کا خطاب کر دیتے ہیں۔ عرب کے اشعار میں یہ بات کثرت سے ہے۔ انہی میں سے دو شعر ''جذب القلوب'' سے نقل کرتا ہوں۔

على ساكن البطن العقيق سلام ❁ و إن أسهروني بالفراق و ناموا

حظرتم على النوم و هو محلل ❁ و حللتم التعذيب و هو حرام

بطنِ عقیق پر بسنے والوں کو سلام ہو جو مجھے ہجر کے عذاب میں مبتلا کر کے خود چین سے سو رہے ہیں۔ تم نے مجھ پر سونا حرام کر دیا حالاں کہ سونا تو حقیقۃً ایک حلال چیز ہے۔ اور تم نے میرے لیے عذاب کو روا کر دیا حالاں کہ یہ تو حرام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی زلیخا کا حال جو مولوی جامی صاحب نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جب تک نکاح نہ ہوا تھا کس کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ ان میں سے دو شعر اس جگہ لکھتا ہوں۔

خیال یار پیش دیده بنشاند ❁ ہم از دیده ہم از لب گوہر افشاند

کہ از پاکیزه گوہر از چکائی ❁ کہ از تو دارم ایں گوہر فشانی

دلم بروے ونام خود نہ گفتی ❁ نشانی از مقام خود نہ گفتی

خیال یار کو نگاہوں میں بسا لینے سے آنکھیں اور ہونٹ ہیرہ و جواہر ٹپکاتے ہیں۔ کہ آپ کی طرف سے یہ موتیاں لٹانی مجھے نصیب ہوئی ہیں۔ میں نے اپنا دل تو ان پر وار دیا لیکن اس نے ابھی تک نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ اپنے مقام کی کوئی نشانی دکھائی۔

زلیخا عالمِ غیبوبت میں حضرت یوسف علیہ السلام سے خطاب کر رہی ہیں جو نہ شرک ہے نہ کفر۔

اور خود حضرت یوسف علیہ السلام راستہ میں اپنے باپ کو پکار کر فریاد کرتے تھے جب بھائیوں کی خشونت' درشت خوئی اور آزار و دست درازی دیکھتے تھے' جب وہ ان کو کنویں یعنی چاہ میں ڈالنے کو چلے تھے۔ حضرت جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

گہے در خوں گہ در خاک می خفت ❁ ز اندوهِ دل صد چاک می گفت

کجائی اے پدر آخر کجائی ❁ ز حال من چنیں غافل چرائی

بیا بنگر مراتا در چہ عالم ❁ بدست ایں حسوداں پائمالم

(۱) حاشیہ: مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۳ میں تینوں طرح کا خطاب مان لیا ہے خواہ دل کے ساتھ ہو یا اعتماد پر کہ اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ ہمارا خطاب بھی پیش ہو جائے گا اگر چہ بغیر درود کے ہو۔ تیسرے یہ کہ غلبہ عشق و محبت میں پکارتا ہے اور یہ ندا بھی جائز ہے۔ الحاصل! جس طرح انوارِ ساطعہ میں ''یارسول اللہ'' کا ثبوت دیا گیا ہے وہ سب مان لیا۔ پھر مولف کا یہ لکھنا کہ ہم منع اس لیے کرتے ہیں کہ عوام عالم آپ کو مستقل اور بالذات عالم الغیب جانتے ہیں تو خطاب کرنے میں اس عقیدہ کی تاکید ہوتی ہے۔ یہ بالکل ہی غلط ہے اس لیے کہ سب آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم' خدا کا دیا ہوا جانتے ہیں نہ کہ مستقل و بالذات۔ اور جب شرع شریف میں اجزاے خطاب التحیات میں ایہام پر نظر نہ فرمائی گئی تو شعر اور قصیدہ میں ایہام کا وہم کیوں ڈالتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کبھی میں خاک اور کبھی خون میں نہایا ہوا ہوتا ہوں۔اور میرے دل صد چاک کے غم واندوہ پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اے میرے پدر بزرگوار آخر آپ کہاں ہیں؟ میرے حال سے اتنی غفلت کیوں برت رہے ہیں؟ آئیں ذرا دیکھیں کہ میری کیا حالت بنی ہوئی ہے؟ اوران حاسدوں کے ہاتھوں کیا برا حال ہوا ہے۔

پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطورِ خطاب حاضر کیے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ چونکہ آپ کا تصورُ دل میں بندھا ہوا ہے، غلبہ اشتیاق میں حاضرانہ خطاب، حضور فی الذہن کے باعث کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو ایسا تصور اور ایسا خیال میسر نہیں ان کی سمجھ میں یہ آنے والا بھی نہیں کہ

كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ . (۱) اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا۔

یقیناً کلام الٰہی سچا ہے۔

چوتھی توجیه: خطاب کی ایک چوتھی توجیہ بھی ہم بتادیں۔

قرآن شریف میں آیا ہے

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ . (۲) ہائے افسوس ان بندوں پر!۔

یہاں لفظ یَـــا حرف ندا ہے، جس سے مخاطب حاضر کو پکارا جاتا ہے، یہ لفظ یا، حسرت پر داخل ہو رہا ہے، اور حسرت ایک ایسی بے ادراک شعور چیز ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے۔ اس جگہ امام رازی کا کلام یہ ہے

المقصود ان ذلک وقت الحسرة.. فإن النداء مجاز و المراد الإخبار.(۳)

غرض کہ تمام مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ ندا کلام عرب میں شائع ہے اور اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حسرت کا وقت ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے اور بلاتے ہیں، تو یہاں پر ندا مجازاً ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجازاً ہوتی ہے اور اس سے خبر دینا مقصود ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اس جگہ بھی سمجھ لو جب کوئی کہتا ہے۔

تمہارے نام پہ قربان یارسول اللہ
فدا ہے تم پہ مری جان یارسول اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے، اس کی مراد جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے، کیا ضرور کہ یوں کہو کہ یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ البتہ تم خود شرک اور کفر کے معنی یہ کہہ کر لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو کہ لفظ یا حاضر کے لیے ہوتا ہے اور اس سے صرف حاضر کو خطاب کیا جاتا ہے حالاں کہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (۴)

غائب کو خطاب اور ندا کرنے کی مثال صحابہ کے کلام میں موجود ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کے وقت میں ایک رات

(۱) سورۂ یونس، ۳۹/۱۰ (۲) سورۂ یٰس، ۳۰/۳۶ (۳) تفسیر الرازی، ۳۲/۱۳

(۴) **حاشیه**: اور یہ لوگ کس طرح اپنی نماز کو بھولے ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے غائب ہیں پھر آپ کی بہ نسبت پڑھتے ہیں: السلام علیک ایہا النبی۔ تو اگر نظر سے غائب کو خطاب جائز نہ ہوتا تو نماز میں یہ خطاب کیوں درج ہوتا اور یہ بات نحوی رسالوں میں ثابت کی گئی ہے کہ السلام علیک ایہا النبی پڑھتے وقت خاص خطاب ہی مراد ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

حضرت علی جب مسجد کی طرف آئے تو دیکھا کہ مسجد میں چراغ کثرت سے روشن ہیں، تو حضرت عمر کو دعا دی۔ دعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۲۳۵ میں یوں ہیں

نَوَّرْتَ مَسَاجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرُكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ . (۱) اے عمر ابن خطاب، جس طرح آپ نے ہماری مسجدوں کو منور کیا یوں ہی اللہ آپ کی قبر مبارک روشن فرمائے۔

دیکھیے یہاں حضرت عمر کو ان کی وفات کے بعد، حضرت علی خطاب فرمارہے ہیں اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا (جو کہ ندا کا فائدہ ہوتا ہے) مقصود نہیں، مقصود ان کو دعا دینا ہے کہ اللہ عمر کی قبر روشن کرے۔ چنانچہ روایت بالمعنی کرنے والے بعض راویوں نے معنی مقصود کو دعا کے قالب میں ڈھال کر روایت کردیا ہے

نور الله قبر عمر كما نور مساجدنا . اللہ عمر کی قبر کو منور فرمائے جیسے کہ انھوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا ہے۔

اب فقہ کا ایک مسئلہ لکھتا ہوں۔

درمختار اور قہستانی وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جس وقت اذان میں موذن کہے

الصلوٰة خير من النوم . نماز سونے سے بہتر ہے۔

تو سننے والوں کو چاہیے کہ اس کا جواب یوں دیں

صدقت و بررت . تو نے سچ اور بھلا کہا۔ (۲)

فقیہ شامی لکھتے ہیں کہ یہ جواب حدیث میں آیا ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ میں اس بات کے ساتھ ہرگز مقید نہیں کہ موذن کے پاس آکر جواب دیں بلکہ دور ہی سے پڑھ لیا کریں۔ تو اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو موذن اذان کہتا ہے، اس وقت اکثر آدمی اپنے اپنے مکانات و منزل میں ہوتے ہیں، نہ ان کو موذن وہاں سے نظر آتا ہے کہ وہ تو نظر سے غائب ہے، اور نہ خود موذن ان کے جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے، لیکن اس حالت غیبوبت میں بھی جہاں موذن نے: الصلوٰة خير من النوم کہا سب مسئلہ داں آدمی جواب دیتے ہیں: صدقت و بررت یعنی تو نے سچ اور حق کہا۔ یہ غائب کو حاضر کا خطاب ہوتا ہے۔ تو چاہیے کہ ان فقہائے آخر الزماں کے نزدیک یہ سب جواب دینے والے کافر ہوں حالانکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے خطاب کیا لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ موذن نے سچ بات کہی ہے۔ تو اسی طرح جو شخص کہتا ہے ؎

ماسوائے تو یارسول اللہ شد برائے تو یارسول اللہ

تو اگرچہ یہاں خطاب کیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے یعنی ان کے سبب پیدا کیا ہے۔

اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے ''یارسول اللہ'' تو اس کی بہ نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ''شرح ملا'' اور ''غایۃ التحقیق'' وغیرہ میں ہے کہ لفظ يا بمعنی أدعو ہے اور أدعو کے معنی ہیں، میں پکارتا ہوں۔ تو جس نے یارسول اللہ کہا، تو اس کے معنی عربی قاعدہ سے یہ ہوئے کہ

(۱) سیرت حلبیہ: ۲/۲۰۵ (۲) درمختار: ۱/۴۲۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہوں یعنی ان کو یاد کرتا ہوں اوران کا نام لیتا ہوں۔اب کہو اس میں کیا شرک وکفر ہو گیا!۔
یہ لفظ یا کی نسبت کلام عرب میں یہ ضابطہ بھی متفقہ ہے

ینادی بها القریب و البعید . لفظ یا سے نزدیک اوردور ہر طرح پکارا جاتا ہے۔

الحاصل! ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کر چکے۔ نیز عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک' الفاظ خطاب اور صیغہ حاضر کے ساتھ نماز وغیر نماز' دعا وغیر دعا' اور نظم ونثر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کا ثبوت کامل' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقبولین اولیا' علماء اور صلحا سے دے چکے ہیں۔اب دیکھنا چاہیے کہ حالت غیوبت کے باوجود' خطاب کرنے والے یہ سب مقبولین معاذ اللہ ان منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود ان کی تکفیر انہی کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ ہمارے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

وَ مَنْ دَعَىَ رَجُلاً بِالْكُفْرِ ' أَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ لَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ. متفق عليه (۱) صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ کفر ولعنت کا کلمہ خود اسی کہنے والے پر اُلٹ آئے گا۔

اب چاہیے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منائیں اور کبھی گستاخانہ الفاظ بے باکانہ زبان پر نہ لائیں۔اور ابھی تازہ ان ایام میں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا سے ''یارسول اللہ'' کے جواز کا فتویٰ آیا ہے۔بطورِ تلخیص اس کا مضمون نقل ہوتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۱۹۷ حدیث: ۹۳' مشکوۃ المصابیح: ۳/۴۴ حدیث: ۴۸۱۷' مسند احمد: ۴۳/۴۵۸ حدیث: ۲۰۴۹۲' الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۳/۵۹ حدیث ۱۰۳۵' الترغیب والترہیب: ۲/۲۰۹ حدیث: ۱۹۸۵' کنز العمال: ۲/۱۹۱ حدیث: ۱۵۳۰۳' المسند الجامع: ۳۷/۳۰۵ حدیث: ۱۲۲۴۵' الایمان لابن مندہ: ۲/۱۹۴ حدیث: ۶۰۱

اسی مفہوم کی دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں

لا يرمي رجل رجلا بالفسوق و لا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك . (صحیح بخاری: ۱۸/۲۶۷ حدیث: ۵۵۸۵' مسند احمد: ۴۴/۵۶ حدیث: ۲۰۵۹۰' شعب الایمان: ۱۴/۱۷۸ حدیث: ۶۳۸۸' مستخرج ابوعوانہ: ۱/۴۷ حدیث: ۴۲' مشکل الآثار: ۲/۳۵۰ حدیث: ۷۲۳' الآداب بیہقی: ۱/۱۵۱ حدیث: ۱۲۳' الادب المفرد بخاری: ۲/۱۵۰ حدیث: ۴۴۶' الایمان لابن مندہ: ۲/۱۹۴ حدیث: ۶۰۱' مسند بزار: ۹/۲۹۴ حدیث: ۳۳۳۵' السنۃ ابوبکر بن خلال: ۴/۱۳۶ حدیث: ۱۵۷۳' مساوئ الاخلاق خرائطی: ۱/۱۵ حدیث: ۱۲' مجمع الزوائد: ۳/۳۹۹' المسند الجامع: ۳۷/۳۰۵ حدیث: ۱۲۲۴۵' تخریج احادیث الاحیاء: ۶/۴۵۲ حدیث: ۲۸۷۷)

تحریر مفتی مدینہ

ما قولكم يا علماء الملة السمحة البيضاء و مفاتي الشريعة الغراء في النداء بقول يا رسول الله هل هو يجوز أم لا و هل يكفر قائله أم لا ؟

الجواب :

الحمد لله تعالیٰ أسأل الله المولى الكريم ذا الطول والتوفيق و الإعانة في الفعل و القول نعم يجوز النداء برسول الله صلى الله عليه وسلم و التوسل و الإستغاثة في مهام الأمور فنعم الوسيلة هو إلى ربنا في مدة حياته في الدنيا و بعد موته في مدة البرزخ و بعد البعث في عرصات القيامة و لا نعتقد تأثيرا و لا خلقا و لا نفعا و لا ضرا و لا إيجادا و لا عدما إلا لله وحده لا شريک و لا يقول بكفر المتوسل به إلى ربه على هذا الوجه إلا من انطوت على فساد العقيدة طوية و لا فرق بين أن يعبر بلفظ الإستغاثة أو التوسل و التشفع و التوجه و إن كلا منها واقع في كل حال قبل خلقه و في مدة حياته في الدنيا و بعد موته في البرزخ و في القيامة قال في المواهب: أما التوسل به صلى الله عليه وسلم بعد موته في البرزخ فهو أكثر من أن يحصیٰ الخ . و بالجملة فالمسئلة واضحة جلية قد أفردت بالتاليف فلا حاجة إلى الإطالة فإن من نور الله بصيرته يكتفي بأقل من هذا و من طمس الله بصيرته فلا يغني عنه الآيات و النذر و لم يزل السلف و الخلف يتوسلون بسيد الوجود و يستغيثون به و قد شذت طائفة عن السواد الأعظم منهم من يجعله محرما و منهم من يجعله كفرا و إشراكا و كل ذلک باطل و لله در الشيخ محمد بن سليمان الكردي رحمه الله حيث قال في رسالته يخاطب محمد بن عبد الوهاب حين قام بالدعوة : يا ابن عبد الوهاب ! سلام على من اتبع الهدیٰ فإني أنصحک لله تعالیٰ أن تكف لسانک عن المسلمين فإن سمعت من شخص أنه يعتقد تاثير ذلک المستغاث به من دون الله فاعرفه الصواب واذكر له الأدلة على أنه لا تأثير لغير الله تعالیٰ فإن أبى فكفره حينئذ بخصوصه و لا سبيل لک إلى تكفير السواد الأعظم من المسلمين و أنت شاذ عن السواد الأعظم فنسبة الكفر إلى من شذ عن السواد الأعظم أقرب لأنه اتبع غير سبيل المومنين و قال تعالیٰ : و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدیٰ و يتبع غير سبيل المومنين نوله

ما تولیٰ و نصله جهنم و ساء ت مصيرا ' و إنما يأكل الذئب القاصية و الله سبحانه و تعالیٰ ولي الهداية و به العصمة و الحماية .

نمقه الفقير إلى عفو ربه القدير

عثمان بن عبد السلام داغستاني

﴿المدينة المنورة الحنفي﴾

اے علمائے ملت اور مفتیانِ شریعت! اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے جو ''یارسول اللہ'' پکارے۔ کیا ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں' اور ایسا کہنے والے کی تکفیر ہوگی یا نہیں؟۔

الجواب : ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اپنے قول وفعل میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ ہاں ''یارسول اللہ'' پکارنا جائز ہے۔ اور مشکل گھڑی میں توسل اور فریادرسی بھی جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ظاہری حیات میں ہمارے لیے اللہ تک پہنچنے کے کیسے بہترین وسیلہ تھے' اور عالم برزخ (میں بھی وہ ہمارے وسیلہ ہیں) اور عرصہ محشر میں بھی (وہ ہمارے وسیلہ ہوں گے)۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلق وتاثیر' نفع وضرر اور وجود وعدم سب کچھ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ذات سے ہوتا ہے' تو اس عقیدہ کی بنیاد پر رب تک پہنچنے کے لیے وسیلہ پکڑنے والوں کو کافر وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں فاسد عقیدہ رچا ہوا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت' لفظ استغاثہ یا توسل یا شفاعت طلبی یا توجہ کے الفاظ بولنے میں کچھ فرق نہیں کیوں کہ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے' آپ کی مدت حیات' عالم برزخ اور میدان محشر میں واقع ہیں۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ سے وسیلہ پکڑنا اس قدر واقع ہوا ہے کہ شمار نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور بے غبار ہے۔ اس موضوع پر میں نے مستقل کتاب لکھی ہے لہٰذا طول دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کی آنکھیں نورِ الٰہی سے روشن ہوں گی اس کے لیے اس سے کم بھی کفایت کرے گا اور جس کی آنکھ اللہ نے بے نور کردی اس کو آیات اور واضح دلیلیں بھی ناکافی ہیں۔ سلف وخلف ہمیشہ سے سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے اور آپ سے فریادرسی کرتے رہے ہیں۔ لیکن سوادِ اعظم سے اب کچھ گروہ بچھڑ گئے ہیں' ان میں کوئی اس کو حرام کرتا ہے اور کوئی کفروشرک کہتا ہے جب کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اللہ بھلا کرے شیخ محمد بن سلیمان کردی کا انھوں نے اپنے رسالہ میں محمد بن عبدالوہاب کو خطاب کرکے کیا خوب فرمایا ہے کہ اے ابن عبدالوہاب سلام علی من اتبع الہدیٰ۔ میں تجھ کو خداواسطے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی زبان مسلمانوں سے بند کرلے' اگر تو کسی کو یہ کہتے سنے کہ وہ تاثیر کے سلسلے میں اللہ کے سوا اعتقاد رکھتا ہے تو دلائل کی روشنی میں تو اس کو صحیح راہ کی تعلیم کر کہ غیراللہ میں تاثیر نہیں' جب وہ نہ مانے تو اس وقت' خاص اس کی تکفیر کر' یہ نہیں کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو تو کافر کہنے لگے۔ اور تو خود سوادِ اعظم سے بچھڑا ہوا ہے۔ تو سوادِ اعظم سے بچھڑے ہوئے کی طرف کفر کی نسبت کرنا صحیح ہے' اس لیے کہ اس نے وہ راہ لی جو اہل ایمان کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اور جو رسول کیخلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے' ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے

دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی''۔اور بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جوگلہ سے دور جاکر کھڑی ہوتی ہے ۔اللہ پاک ہی ہدایت کا مالک ہے اور اسی سے عصمت وحمایت ہے۔

نمقه الفقير إلى عفو ربه القدير

عثمان بن عبدالسلام داغستانی

﴿المدينة المنورة الحنفي﴾

عبارت مفتیانِ مکہ معظّمہ

[۱] قول القائل يا رسول الله بطريق الإستغاثة جائز كما في المواهب اللدنية وغيرهما. و الله سبحانه أعلم.

قائل کا امداد طلبی کے طور پر ''یارسول اللہ'' کہنا جائز ہے۔مواہب لدنیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

أمر برقمه :

خادم الشريعة و المنهاج عبد الرحمن بن عبد الله سراج

مفتي مكة المكرمة. كان الله لهما.

عبدالرحمٰن سراج

یہ مکہ معظّمہ میں حنفی مفتی ہیں

[۲] حامدا ومصليا و مسلما أصاب من أجاب .

محمد رحمت اللہ

یہ حضرت استاذنا ومولانا شیخ العلماء محمد رحمت اللہ دامت فیوضہم وہ ہیں جن کا شہرہ تمام ہندوستان ملک حجاز اور روم وغیرہ میں ہے۔اور حضرت سلطان روم اب تک دوباران کو باعزازِ تمام بلا چکے ہیں۔اور آپ کا اصل وطن ملک ہندوستان ہے۔

[۳] حامدا ومصليا و مسلما لله در من أجاب .و الله سبحانه و تعالى أعلم بالصواب.

محمد عبدالحق

یہ عالم محدث اور بابرکت صوفی ہیں۔

[۴] ما حرره مفتي الأحناف هو عين الصواب و الموافق للحق بلا شک و ارتياب .و الله سبحانه و تعالىٰ أعلم.

مفتیانِ احناف نے جوفتوئ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست اور بلا شک وشبہہ حق کے موافق ہے۔

خادم الشريعة ببلدة الله المحميه

ابوبکر حجی سیوفی

یہ مالکی مفتی ہیں۔

[۵] قول الشخص يا رسول الله متضمن لندائه و التوسل به صلى الله عليه وسلم أما النداء فلا شک في جوازه إذا كان على وجه التعظيم يا نبي الله و أما التوسل به فهو أيضا جائز بل مطلوب روي الطبراني و البيهقي أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه في زمن خلافته في حاجته فكان لا يلتف إليه و لا ينظر إليه في حاجته فشكى ذلک لعثمان بن حنيف رضي الله عنه فقال ائت الميضاة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل ثم قل اللهم إني أسئلک و أتوجه إليک بنبينا محمد نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بک إلى ربک (الحديث) فهذا توسل و نداء بعد وفاته صلى الله عليه وسلم و في هذا القدر كفاية لمن هداه الله تعالىٰ والله سبحانه و تعالىٰ أعلم(۱)

''یارسول اللہ'' کہنا آپ سے توسل اور ندا کو شامل ہے۔ندا کے جواز میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں اگر تعظیم کے طور پر یا نبی اللہ کہے۔اور آپ سے توسل بھی جائز بلکہ مطلوب ہے۔طبرانی وبیہقی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس ان کے ایام خلافت میں بار بار اپنی حاجت لے کر جایا کرتا مگر آپ اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت ہی روا کرتے۔ بالآخر اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا' وضو کرو اور مسجد جا کر نماز پڑھو' پھر کہو' اے اللہ میں اپنے رحمت والے نبی کے ذریعہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے توسل سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوں۔تو یہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے توسل اور ندا کی مثال ہے۔اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔

وكيل مفتي الشافعية بمكة المحمية

محمد سعيد بن محمد بايصل عفي عنه

محمد سعید بابصیل

(۱) حاشیہ: یہ وہی روایت ہے جسے ہم طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے مفصلا بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب وندا آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمل میں آیا ہے۔مفتی شافعی بھی اس روایت کے مطابق ''یارسول اللہ'' کے جواز کا حکم دے رہے ہیں۔۱۲۔منہ

[٦] أمـا قـول يـارسـول الله فهو من باب التوسل به صلى الله عليه وسلم إلى الله و هو أنفع الوسائل عند الله تعالىٰ والله سبحانه و تعالىٰ أعلم

یعنی ''یارسول اللہ'' کہنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے ہی کی ایک قسم ہے' اور اللہ کے تئیں یہ سب سے نفع بخش وسیلہ ہے۔

أمر برقمه :

الحقير خلف بن إبراهيم

خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة

راجی عفو الرحیم

خلف بن ابراہیم

[٧] مـا أجـاب به مفاتي الإسلام فوجدتها في غاية الصواب الموافق لمذهب هداة الأنام لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و بصيرته فيجب على المسلمين اتباع ما قالوه.

مفتیانِ کرام کے صادر کیے ہوئے یہ فتاوے میں نے نہایت ہی درست اور مذہب حق کے موافق پائے' اس کی مخالفت کی امید صرف اسی سے کی جاسکتی ہے جس کی بصارت وبصیرت دونوں اللہ نے زائل کردی ہو۔ لہٰذا اہل اسلام پر ان مفتیانِ کرام کی اتباع ضروری ہے۔

كتبه راجي رضاء الخبير

عبد القادر بن محمد علي خوكبير

المدرس و الإمام بالمسجد الحرام

لمعہ ثامنہ ٔاعتراضات متفرقہ

اعتراض اول

میلادشریف پڑھتے ہیں ٔبڑی زیب وزنیت کرتے ہیں ٔپرتکلف فرش بچھاتے ہیں ٔچوکی اورمسندلگاتے ہیں۔

جواب

بانی محفل کے اپنے گھر میں چاندنی اور جو کچھ اس کو بہم پہنچے قالین وغیرہ بچھا کر زیب وزینت کرنا مفتیانِ دین کے فتاویٰ کی روشنی میں جائز ہے۔ فتاویٰ عالم گیری کی جلد خامس ''الباب العشر ون فی الزینۃ'' میں لکھا ہے

یجوز للإنسان أن يبسط في بيته ما شاء من الثياب المتخذة من الصوف و القطن و الكتان المصبوغة وغيرها و المنقشة وغيرها .

ایک انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر میں جس طرح کے چاہے کپڑے بچھائے ٔاون ٔروئی اور چھال کے۔ رنگین ہوں یا سادہ ٔنقش ونگار والے ہوں یا بےنقش ونگار۔

درمختار کے ''مسائل شتیٰ'' آخر کتاب میں ہے

و أباح الله الزينة بقوله تعالىٰ 'قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ .الآية.

اللہ تعالیٰ نے زیب وزینت کو اپنے اس قول سے مباح فرمادیا ہے ٔتم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی۔

چوکی ٔخوشبو اور لوبان وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ وجمال اور معجزات وغیرہ کا بیان کرنا اصطلاحِ محدثین میں حدیث رسول اللہ ہے۔ جیسا کہ اوپر تحقیق ہوچکی۔ اور حدیث کے لیے امورِ مذکورہ کے استعمال کو محدثین بالاتفاق مستحب لکھتے ہیں

و يستحب الغسل و التطيب لقراءة حديثه و روايته و استماعه و أن يقرء على مكان مرتفع عال.

حدیث شریف پڑھنے اور سننے کے لیے غسل کرنا اور خوشبو کا استعمال مستحب ہے نیز یہ کہ حدیث مبارک کسی بلند وبالا مقام پر پڑھی جائے۔

امام مالک غسل کر کے ٔنفیس کپڑے پہن کر چوکی پر بیٹھتے اور جب تک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے برابر خوشبو کی دھونی سلگتی رہتی تھی۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں

و لا يزال يخبر بالعود حتى يفرغ من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم إجلالا له فإنه كان يحب الرائحة الطيبة فيجعل مجلس حديثه كمجلسه حيا صلى الله عليه وسلم .

جب تک حدیث رسول اللہ کا درس ہوتا برابر عود سلگتی رہتی ٔاور ایسا اس لیے ہوتا تھا تاکہ عظمت وجلال ظاہر ہو کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ خوشبو پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے آپ کی مجلس حدیث بھی ویسی ہی خوشبودار کرتے تھے جیسی ظاہری زندگی میں آپ کی مجلس خوشبودار اور پاکیزہ ہوتی تھی۔

زرقانی نے لکھا کہ امام مالک جو کچھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعظیم کرتے تھے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب سعید بن مسیّب تابعی کے عمل کے موافق کرتے تھے۔ بھلا جن امور کی اسناد تابعین اور تبع تابعین سے ملتی ہو اس پر طعن کرنا کیسی کج فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔ اور ان امور کا ثبوت ایک دوسری حدیث سے اوپر بھی گزر چکا ہے۔

اعتراض ثانی

قصائد و اشعار بہت خوش الحانی سے بنا کر پڑھتے ہیں۔

جواب

یہ ہے کہ آواز کو مزین کرنا شرع میں مطلوب ہے۔

زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ . (۱) اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۴/۲٦۷ حدیث: ۱۲۵٦، سنن ابن ماجہ: ۴/۲۴۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۹۷ حدیث: ۲۱۹۹، مسند احمد: ۳۷/۴۵۰ حدیث: ۱۷۷۶۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۵۳، مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۸۴ حدیث: ۴۱۷۵، سنن کبریٰ نسائی: ۱/۳۴۸ حدیث: ۱۰۸۹، مستدرک: ۵/۱٦۴ حدیث: ۲۰۵۴، معجم اوسط طبرانی: ۱۵/۴۸۸ حدیث: ۷۴۲۱، شعب الایمان: ۵/۱۵٦ حدیث: ۲۰۷۳، سنن دارمی: ۱۰/۴۱۲ حدیث: ۳۵٦۴، مستخرج ابوعوانہ: ۸/۱۷۲ حدیث: ۳۱۵۹، مسند ابویعلی موصلی: ۴/۲۵٦ حدیث: ۱٦۵۰، صحیح ابن حبان: ۳/۴۹۲ حدیث: ۷۵۰، صحیح ابن خزیمہ: ٦/۱۸ حدیث: ۱۴٦۵، معرفۃ السنن والآثار: ۱٦/۲۹ حدیث: ٦۱٦۳، مسند الشامیین: ۳/٦۲ حدیث: ۷۴۹، مسند طیالسی: ۲/۳۱۳ حدیث: ۷٦۷، موارد الظمآن: ۱/۱۷۲، اخلاق حملۃ القرآن آجری: ۱/۸۸ حدیث: ۷۷، مسند بزار: ۳/۲۵۷ حدیث: ۹۲٦، سنن صغیر بیہقی: ۲/۳۴۳ حدیث: ۷۹۲، الضعفاء الکبیر عقیلی: ۷/۴۸۷ حدیث: ۱۷۹۴، خلق افعال العباد: ۱/۹۷ حدیث: ۹۲، طبقات المحدثین: ۴/۱۱۰ حدیث: ۱۰۹٦، فضائل القرآن قاسم بن سلام: ۱/۲۰۵ حدیث: ۱۸۴، فوائد العراقیین: ۱/۴۷ حدیث: ۳۲، فوائد تمام: ۲/۴۸۹ حدیث: ۹۸۹، مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/۱۹۳ حدیث: ۱۵۰، مسند ابن الجعد: ۴/۳۷٦ حدیث: ۱٦۷۸، مسند الرویانی: ۱/۴۰۹ حدیث: ۳۵۰، معجم ابویعلی موصلی: ۱/۱٦۸ حدیث: ۱۵۸، معجم ابن الاعرابی: ۲/۲۷۹ حدیث: ۷۷۸، معجم ابن المقرئ: ۲/۲۱۳ حدیث: ۷۰۹، مجمع الزوائد: ۳/۲۴۹، المقاصد الحسنۃ: ۱/۱۲۷، الجوہر النقی ابن ترکمانی: ۱۰/۲۲۹، کنز العمال: ۱/٦۰۵ حدیث: ۲۷٦٦، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ٦/۳۴ حدیث: ۲٦۵۰، المسند الجامع: ٦/۳۰۸ حدیث: ۱۷۷٦، تحفۃ الاشراف: ۳/۳۷۲ حدیث: ۱۷۷۵، تخریج احادیث الاحیاء: ۲/۳۸۱ حدیث: ۸۸۱، الترغیب والترہیب: ۲/۸۴ حدیث: ۱۴۴۹، صفۃ الصلوٰۃ: ۱/۱۲۵، علل الدارقطنی: ۱۰/۱۴۸ حدیث: ۱۹۳۹، فتح الباری: ۲۱/۱۰٦، شرح ابن بطال: ۲۰/۲۲۴، شرح النووی: ۳/۱۴۴ حدیث: ۱۳۱۸، سرح سنن نسائی: ۲/۲۲۳ حدیث: ۱۰۰۵، حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ: ۳/۱۳۵ حدیث: ۱۳۲۳، الدیباج علی مسلم: ۲/۳۹۲، تفسیر قرطبی: ۱/۱۱، تفسیر رازی: ۱/۵۵، اضواء البیان: ۸/۲۷٦۴، الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۲۸، فضائل القرآن وتلاوتہ: ۱/۸، فضائل القرآن: ۱/۹، التغنی بالقرآن: ۱/٦۲، تاریخ القرآن الکریم: ۱/۲۰۳، التبیان: ۱/۱۰۷، احکام القرآن بجصاص: ۷/۳٦۹، جامع الرسائل: ۱/۱٦۳، شرح الطحاویہ: ۱/۳٦۴، فیض القدیر: ۳/۵۱۲، بحر الفوائد مسمیٰ بمعانی الاخیار کلاباذی: ۱/۱۷ حدیث: ۴٦، مجمع الانہر: ۸/۲۰۵- فصل فی المحفر قات- شرح مختصر خلیل خرشی: ۳/۱۰۸- فصل فی الاذان- حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۳/۱٦۰- فصل فی سجود التلاوۃ- حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۲/۲۰۹- مکروہات سجود التلاوۃ- منح الجلیل شرح مختصر خلیل: ۲/۲۲۷- فصل فی سجدۃ التلاوۃ- المجموع: ۲۰/۲۴۲، اسنی المطالب: ۱/۴۲۲۳- فصل ما یحرم بالحدث- الشرح الکبیر ابن قدامہ: ۱/۵۲٦، کشف القناع عن متن الاقناع: ۳/۲۸۸- فصل حفظ القرآن- مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی: ۳/۲۵٦، المغنی: ۲/۳۴٦، الفتاویٰ الکبریٰ: ۳/۱٦۷، احیاء علوم الدین: ۲/۱۳۳- الوجد- حلیۃ الاولیاء: ۲/۲۷۲، قوت القلوب: ۱/۸۳، المدخل: ۱/۷۱، زاد المعاد: ۱/٦۳۴، لسان المیزان: ۱/۳۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۰۱، میزان الاعتدال: ۲/۱۵۸، تاریخ دمشق: ۳۷/۳۳۴، الکامل لابن عدی: ۴/۲۰۹، تاریخ ابن معین- الدوری: ۲/۱٦٦، المعرفۃ والتاریخ: ۱/۲۰۳، تاریخ بغداد: ۲/۲۹۳، تاریخ یحییٰ بن معین: ۱/۱۰۱، البدایہ والنہایہ: ۱۰/۳٦۱، الاغانی: ۵/۴۳، تنبیہ الغافلین وارشاد الجاہلین: ۱/۴۸، الفائق فی غریب الحدیث والاثر: ۱/۸، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر: ۷/۹۰، لسان العرب: ۱۳/۲۰۱، تاج العروس: ۱/۸۵۲۸، النہایہ فی غریب الاثر: ۲/۸۱۹، جمہرۃ انساب العرب: ۳/۳۹۷

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے، نیز دارمی میں ہے

فَإِنَّ الصَّوتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْاٰنَ حُسْناً . (۱)

خوش آوازی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کا حسن و جمال بڑھ جاتا ہے۔

خود اس فریق کے مسلم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثالث میں فرماتے ہیں

دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغییر حروف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت بآں بطریق الحان باتصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است۔ انتہیٰ۔

دوسرا میلاد خوانی کے سلسلہ میں مندرج تھا کہ نفس قرآن اور نعت و منقبت کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں قرآن کی تحریف اور اس کے حروف کی تبدیلی حرام ہے۔ نغمہ اور آواز کے اتار چڑھاؤ کی رعایت کا خوش آوازی اور تالی کے ساتھ التزام شعر میں بھی غیر مباح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے میلاد پڑھنا جائز ہے۔ ہاں تالی بجانا اور راگنی کے قواعد کی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ان کا قول ہے۔

علامہ قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' میں لکھتے ہیں

و الحق ان السماع إذا وقع بصوت حسن بشعر متضمن للصفات العلية أو النعوت النبوية المحمدية عريا عن الآلات المحرمة. و أثار كامن المحبة الشريفة العلية. كان من الحسن في غاية و لتمام تزكية النفس نهاية .إلىٰ آخره.(۲)

سچی بات یہ ہے کہ حرام آلات سے پاک، سماع جب خوبصورت لب ولہجہ، صفات محمودہ و نعت ہائے محمدیہ اور عظمت مصطفےٰ کو اجاگر کرنے والے اور پاکیزہ محبت کو ابھارنے والے اشعار پر مشتمل ہو تو اس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس سے نفس کی پاکیزگی کا پورا پورا سامان بھی ہوگا۔ اور ایسا کرنا نہایت خوب اور بے پناہ تزکیہ نفس کا باعث ہے۔

نیز مولوی اسماعیل صاحب ''صراطِ مستقیم'' کے اندر (حب عشقی کے بیان میں) لکھتے ہیں

از جملہ مویدات آں استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز ست۔ انتہیٰ۔

خوش الحانی، دلکش آوازی، شوق آمیز قصے اور عشق انگیز اشعار اُس استماع کے جملہ مویدات میں سے ہیں۔

اب مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں کہ وہ سماع کو درست فرماتے

(۱) مشکوۃ المصابیح: ۱/۴۹۹ حدیث: ۲۲۰۸، مستدرک: ۵/۲۱۷ حدیث: ۲۰۸۳، شعب الایمان: ۵/۱۵۷ حدیث: ۲۰۷۴، سنن دارمی: ۱۰/۴۱۰ حدیث: ۳۵۶۵، کنز العمال: ۱/۶۰۵ حدیث: ۲۷۶۶، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۶/۳۴ حدیث: ۲۶۵۰، حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ: ۳/۱۳۵ حدیث: ۱۳۲۳، فیض القدیر: ۳/۵۱۲، المغنی: ۳/۴۰۵۔ فصل القراءۃ بالالحان۔ فوائد تمام: ۲/۴۸۹ حدیث: ۹۸۹، مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/۱۹۳ حدیث: ۱۵۰، طبقات المحدثین: ۴/۱۱۰ حدیث: ۱۰۹۶، معجم ابن الاعرابی: ۴/۵۰ حدیث: ۱۵۴۳، المقاصد الحسنہ: ۱/۱۲۷، المسند الجامع: ۶/۳۱۰ حدیث: ۱۷۷۷

(۲) مواہب اللدنیہ: ۴/۵۰۳۔ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات

ہیں۔ وسیلۃ النجاۃ یعنی شاہ بخارا سے مسئولہ دس سوالات کے جواب میں فرماتے ہیں

جواب سوال ثامن آں کہ قال السرخسي في البديع و السماع في أوقات السرور تاكيداً للسرور مباح إن كان ذلک السرور مباحا كالغناء في أيام العيد و في العرس و في وقت مجيء الغائب و وقت الوليمة و العقيقة و عند الولادة و الختانة و ختم القرآن .

آٹھویں سوال کا جواب یہ ہے کہ امام سرخسی نے بدیع میں فرمایا' خوشی کے وقت میں خوشیاں دوبالا کرنے کے لیے گانا سننا درست ہے بشرطیکہ کہ وہ خوشی بھی درست ہو۔ جیسے کہ عید و شادی کے دنوں میں' پردیس سے آئے ہوئے کی خوشی میں' ولیمہ وعقیقہ کے وقت اور ولادت وختنہ اور ختم قرآن کے وقت۔

یاد رکھیں کہ خود رسول اللہ ﷺ خوش آوازی کو پسند فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری کی قراءت سنی تو فرمایا

لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ . (۱)

بلاشبہ اِسے آل داؤد کی بانسریوں میں سے کوئی بانسری عطا ہوئی ہے۔ یعنی حضرت داؤد جو کہ کمالِ خوش آواز تھے ان کی آوازوں میں سے ابوموسیٰ کو آواز ملی ہے۔

جب یہ خبر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عرض کی

يَا رَسُولَ اللّٰهِ 'لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُهُ لَكَ تَحْبِيراً . (۲)

اے اللہ کے رسول' اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سماعت فرمارہے ہیں تو میں خوب ہی بنا کر پڑھتا۔

غرض کہ اچھی آواز اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلید الطبع اور ٹھنڈ مزاج ہیں وہ اس کی قدر کیا جانیں!۔
علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۲۳۹/۴حدیث:۱۳۴۱' سنن کبریٰ بیہقی:۱۲/۳' مصنف عبدالرزاق:۴۸۵/۲حدیث:۴۱۷۸' سنن کبریٰ نسائی:۳۴۹/۱حدیث:۱۰۹۴' اخبار مکہ فاکہی:۴۰۴/۴حدیث:۱۶۷۰' مستدرک:۱۲۱/۱۸حدیث:۷۸۶۵' معجم کبیر طبرانی:۱۳۹/۶حدیث:۶۱۹۴' شعب الایمان:۱۶۴/۵حدیث:۲۰۸۱' سنن دارمی: ۳۷۸/۴ حدیث: ۱۵۴۱' متخرج ابوعوانہ: ۱۶۹/۸ حدیث: ۳۱۵۶' صحیح ابن حبان: ۴۲۰/۲۹ حدیث: ۷۳۱۸' مسند عبد بن حمید:۱۰۲/۴حدیث:۱۴۸۰' مشکل الآثار:۱۶۳/۳حدیث:۹۸۱
صحیحین وغیرہ میں یوں آیا ہے' اور بعض کتابوں میں اوتیت کی جگہ اعطیت بھی مذکور ہے
لقد أوتيت مزمارا من مزامير آل داود . (صحیح بخاری:۴۷۰/۱۵' صحیح مسلم:۲۰۸/۴حدیث:۱۳۲۲' سنن ترمذی:۳۵۲/۱۲حدیث:۳۷۹۰' مشکوٰۃ:۳۵۲/۳حدیث:۶۱۹۴' مسند احمد:۱۲۴/۴۹حدیث:۲۲۹۶۸)
ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے
إنه يقرأ على مزمار من مزامير آل داود . (مسند ابویعلی موصلی:۱۲۴/۹حدیث:۳۹۸۶)

(۲) سنن کبریٰ بیہقی:۱۲/۳' شعب الایمان:۱۲۸/۶حدیث:۲۴۹۸' معرفۃ السنن والآثار:۳۰/۱۶حدیث:۶۱۶۴' تفسیر قرطبی:۱۱/۱' مجمع الزوائد:۲۴۹/۳' المطالب العالیہ:۱۵۰/۱۰حدیث:۳۵۷۷' روضۃ المحدثین:۲۶۵/۱۲حدیث:۵۷۶۵

و هذا الجمل مع بلادة يتأثر بالحداء تأثيرا يمد عنقه و يصغي سمعه إلى الحادي فمن لم يحركه فهو فاسد المزاج بعيد العلاج .

یہ اونٹ بے شعور اور کند طبیعت ہونے کے باوجود حدی خوانوں کے گانوں سے متاثر ہوکر اپنی گردنیں بڑھاتے ہیں اور گانے والوں کی طرف اپنا کان لگادیتے ہیں' تو پھر اگر کوئی ایسا ہو کہ گانے سے اس کا دل ذرا بھی نہ بہلے تو سمجھ لو کہ اس کا مزاج بگڑا ہوا ہے اور اس کا علاج بہت مشکل ہے۔

اسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اشتر بشعر عرب درحالت است وطرب
گر ذوق نیست ترا کج طبع جانوری

جب منکرین سے کسی طرح خوش آوازی رد نہیں ہوسکتی تو کہتے ہیں کہ بے ریش لڑکوں سے قصائد و مدح پڑھواتے ہیں۔ اور براہین قاطعہ صفحہ ۹ میں لکھا ہے
دیکھو درمختار میں امرد صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے تو مجلس میں مدح خوانی کب درست ہوگی؟۔انتہیٰ۔

جواب

ہزاروں محافل میلاد ایسی ہوتی ہیں کہ جنھیں جوان علماء وصلحا اور قراء وحفاظ پڑھتے ہیں اور لڑکوں کے پڑھنے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ منکرین ان سب کو چھوڑ کر ایسی محفل کو زبان پر لائے کہ جس میں بعض لڑکوں کی مدح خوانی بھی ہوئی' تو پہلے تو یہ بات خود قابل استدلال نہیں یعنی کسی مجلس میں لڑکوں کے پڑھنے سے علی العموم جملہ مجالس میلاد پر طعن نہیں کیا جاسکتا' اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ مانعین کے پاس کوئی سند ایسی نہیں جس میں صراحۃً یہ مذکور ہو کہ بالغ یا نابالغ لڑکوں کا نعت پڑھنا ناجائز ہے' ناچار قیاس کی ضرورت محسوس ہوئی تو امرد کی امامت کا مسئلہ پیش کردیا تو اب اس کی حقیقت سنیں۔

ابوالمکارم شرح نقایہ نیز دیگر کتب فقہ میں ہے کہ لڑکا جب تک پورا بالغ نہ ہوجائے' اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے

في النفل صح عند محمد رحمه الله و لم يصح عند أبي يوسف رحمه الله.

امام محمد کے نزدیک نابالغ کے پیچھے نوافل ہوجاتی ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ہوتیں۔

کافی میں ہے

قال مشائخ بلخ جاز الإقتداء بالصبي في التراويح و السنن المطلقة و النوافل .

بلخ کے بڑے بڑے علماء نے فرمایا کہ نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز تراویح' اور مطلق سنتوں اور نفلوں کا پڑھنا جائز ہے۔

خلاصہ میں ہے

جوزها في التراويح مشائخ خراسان و به نأخذ و عن الشافعي رحمه الله انها يجوز في الفرائض أيضا .

خراسان کے مشائخ کرام نے نابالغ کے پیچھے نماز تراویح کو جائز رکھا ہے اور اسی پر ہمارا بھی عمل ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے پیچھے فرض تک جائز ہے۔

جو علماء ناجائز کہتے ہیں (اور یہی صحیح ہے) توان کی دلیل یہ نہیں کہ نابالغوں کو جہر کے ساتھ پڑھنا اور اس کا سننا مفسد صلوٰۃ ہے بلکہ بالاتفاق یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں اور اس کے پیچھے پڑھنے والے بالغوں پر فرض ہے' لہٰذا فرض اپنی قوت اور شان کے سبب غیر فرض ضعیف پر بنا نہیں ہوسکتا۔ جب منع کی دلیل یہ ہے تو نابالغوں کی نعت خوانی اس پر قیاس نہیں کی جاسکتی کیوں کہ یہ ایک دوسری چیز ہے' تو چاہیے کہ وہ بالاتفاق جائز ہو' یہ حال تو نابالغ کا تھا۔ اور جب لڑکا بالغ ہوگیا پھر تو اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں بلکہ اس کے پیچھے فرض ونفل بالاتفاق جائز ہیں' اس لیے کہ بالغ پر احکام فرض ہوجاتے ہیں تو اب فرض پر فرض کی بنا صحیح ہے۔

قہستانی شرح نقایہ میں ہے

و یقتدی ببالغ غیر ملتح . بالغ بے ریش کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

درمختار میں جو کراہت ثابت کی ہے تو شارح درمختار شامی نے کھول دیا ہے

الظاهر أنها تنزيهية . (۱) یہ کراہت تنزیہی ہے۔

مکروہ تنزیہی کے بارے میں صدر الشریعہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے

و أما المكروه كراهة تنزيه فإلى الحل أقرب اتفاقا . (۲) جو چیز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے وہ متفقہ طور پر حلال ہونے سے قریب تر ہوتی ہے۔

فاضل چلپی نے لکھا

و أما عند محمد فهو ما كان تركه أولىٰ مع عدم المنع عن الفعل . امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا چھوڑ دینا بہتر ہو مگر ہاں' اس کا کرنا منع نہیں ہوتا۔

فتح القدیر وغیرہ میں بھی مکروہ تنزیہی کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔ بھلا جب یہ بات مانعین کے نزدیک اس درجہ کی کراہیت میں تھی کہ اگر کی جائے تو گناہ بھی نہیں بلکہ حلت کی طرف اقرب ہے جیسا کہ صدر الشریعہ اور چلپی سے معلوم ہوا تو ایسی صورت میں انھوں نے باہمی جنگ وجدال اور مخاصمت ونزاع کیوں پیدا کیا جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور یہ اختلاف بھی باقی ہے کہ وہ امرد کی امامت کی کراہت تنزیہی کس وجہ سے ہے۔

بعض علماء نے لکھا کہ وہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ ایسی عمر والے اکثر مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور لوگ ان کی امامت سے نفرت کیا کرتے ہیں۔ بعض نے اس کی کراہت کی وجہ یہ بیان کی کہ امرد کے آگے کھڑے ہونے سے اندیشہ ہے کہ شاید لوگوں کو شہوت پیدا ہوجائے۔ یہ دونوں تعلیل فقیہ شامی نے بحث امامت میں لکھی ہے۔

شق اول کے موافق' نعت خوانی کے منع کا قیاس بالکل جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ اگر امرد کی آواز کراہت کا باعث ہوتی تو جہری نمازیں مکروہ ہوتیں اور سری قراءت کی نمازیں مکروہ نہ ہوتیں مگر ایسا ہے نہیں بلکہ علی العموم' جہری وسری ہر نماز مکروہ ہے' تو یہ کراہت آواز کے باعث نہ ہوئی۔ لہٰذا اس تقریر سے ان کی آواز' ضابطہ منع میں داخل نہیں ہے' پھر ان کی مدح خوانی کیوں منع ہو۔

اب باقی رہی دوسری شق کہ یہ کراہت مقتدیوں کو شہوت کا احتمال پیدا ہوجانے کی وجہ سے ہے تو اس صورت میں قیاس علی

(۱) ردالمحتار: ۲۰۵/۴۔ باب الامامۃ (۲) درمختار: ۶۵۲/۵

الامامت کی ہم ممانعت کرتے ہیں' اس لیے کہ مجلس کا امام ہم اس کو قرار دیتے ہیں جو میلاد خواں ہوتا ہے اور منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتا ہے' تو جس طرح ایک امام اپنی قوم پر مقدم ہے' اسی طرح وہ میلاد خواں مجلس پر مقدم اور عالی مقام پر بیٹھا ہے۔ اور حلقہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ مقتدیوں سے مشابہت رکھتے ہیں' تو حلقہ مجلس میں اگر کسی بالغ یا نابالغ لڑکے نے نعت پڑھی تو اس کی نظیر یہ ہے کہ جب مسجد میں مرد و عورت' لڑکے اور مخنث سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں تو شرع میں ان کا حکم یہ ہے

و یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثیٰ ثم النساء . (۱)

امام پہلے مردوں' ان کے پیچھے بچوں' ان کے پیچھے مخنثوں اور پھر ان کے پیچھے عورتوں کو صف باندھنے کا حکم دے۔

دیکھیے مخنث' عورت اور لڑکوں کو شرع میں مسجد سے نکال دینے کا حکم نہیں دیا گیا' ہاں اگر کوئی ان کو امام بناتا تو منع کا حکم دیا جاتا۔ جب بات یہ ٹھہری کہ امام تو وہی ہے جو قابل امامت ہے۔ باقی مسجد کے اندر صف اقتدا میں جو لوگ اپنے طور پر تسبیح و تحمید اور تشہد وغیرہ پڑھ رہے ہیں وہ سب حکم جواز میں داخل ہیں خواہ عورتیں ہوں خواہ بالغ و نابالغ لڑکے۔ اسی طرح محفل میلاد کے حلقے میں جس طرح تمام آدمیوں کی زبان پر درود شریف وغیرہ کے کلمات جاری ہیں تو ان میں سے کسی امرد بالغ (یا نابالغ) نے نعت شریف بھی پڑھ دی تو جائز ہے' اس کو امامت پر قیاس کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں' مقتدیوں کی حالت اقتدا پر قیاس کرنا (جیسا کہ ابھی بیان کیا) ہم مانتے ہیں اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔

دیکھنے کے مسائل

اب ہم مسئلہ نظر بھی لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ امرد کا شہوت سے دیکھنا مکروہ اور بلا شہوت دیکھنا درست ہے۔ یہ بھی درمختار میں مذکور ہے جس سے مولف براہین نے سند پکڑی ہے۔ عبارت یوں ہے

فإنه یحرم النظر إلی وجه الأمرد و إذا شک في الشهوة أما بدونها فمباح و لو جمیلا .

شہوت کا شبہہ ہو تو کسی امرد بے ریش لڑکے کو دیکھنا حرام ہے' اور اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو درست ہے گرچہ وہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔

اُسی درمختار کے مسائل نظر میں لکھا ہے

(و ینظر الرجل من الرجل) و من غلام بلغ حد الشهوة و لو أمرد صبیح الوجه . (۲)

ایک مرد دوسرے مرد کا بدن شہوت کی حد تک پہنچے ہوئے لڑکے کو دیکھ سکتا ہے' گرچہ وہ بے ریش اور بلا کا حسین ہو۔

شارح درمختار فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر عورت کے بیان میں لکھا ہے

و أجمعوا علی جوازه بغیر قصد اللذة و الناظر مع ذلک آمن الفتنة . (۳)

علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بلا قصد شہوت' امرد کو دیکھنا جائز ہے مگر ہاں' دیکھنے والا فتنہ سے محفوظ بھی ہو۔

(۱) درمختار: ۱/۶۱۵' ردالمحتار: ۴/۲۶۸۔ باب الامامة (۲) درمختار: ۵/۶۸۱ (۳) ردالمحتار: ۳/۲۶۰۔ مطلب فی ستر العورة

اس سے معلوم ہوا کہ بلا شہوت دیکھنا بالاجماع جائز ہے۔ نیز شامی نے مسائل نظر میں لکھا

و أما الخلوة و النظر إليه لا عن شهوة فلا بأس به و لهذا لم يؤمر بالنقاب . (۱)

امرد کو خالی مکان میں لے کر بیٹھنا اور بلا شہوت اس کی صورت دیکھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی وجہ ہے کہ امرد کو پردے کا حکم نہیں ہے۔

بھلا جب امرد کے ساتھ خلوت جائز ہوئی تو مجمع عام میں بیٹھنا کیوں جائز نہ ہوگا! اپنے شیخ الشیوخ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پیرانِ پیر شمس الدین ابوالخیر بن جزری رحمۃ اللہ علیہ کو بھول گئے' وہ فرماتے ہیں

میں ۷۸۵ھ (1383ء) میں بادشاہِ مصر کی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی' اس میں پچیس حلقے تو صرف نوآموز قاری لڑکوں کے موجود تھے۔

ابن جزری کا یہ قصہ ملا علی قاری نے ''مورد الروی'' اور ابوسعید بورانی نے ''میلاد فارسی'' میں لکھا ہے (جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گزر چکی) ہاں! یہ بات ثابت ہے کہ متقی اور محتاط لوگوں نے امردوں پر نظر کرنے سے احتیاط فرمائی ہے۔ چنانچہ فقیہ شامی کی تحریر کے مطابق ہمارے پیشوا جناب امام اعظم عطر اللہ تربتہ' امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ستون کے پیچھے یا اپنے پس پشت بٹھا کر درس دیا کرتے تھے' کیوں کہ آپ نہایت خوبرو اور حسین تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امرد خوبرو کے ساتھ ہم کلامی کرنا اور اس کی آواز کا سننا تو منع نہیں مگر صورت دیکھنے میں احتیاط اولیٰ ہے۔ تو محفل میلاد شریف کے کسی گوشہ میں اگر کوئی امرد بھی حاضر ہو اور کچھ پڑھے تو منع نہیں' ہاں محتاط آدمی اپنی نظر کو بچائے رکھیں تو اچھی بات ہے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ حضرات مانعین (جو امردوں کی بابت امر بالمعروف فرمارہے ہیں) اپنے مکتبوں اور مدرسوں میں خوبرو اور حسین امرد لڑکوں کو بھی سبق دیتے ہیں' تو وہاں کسی کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ نہیں یاد آتا کہ شاگرد کو آنکھوں سے جدا کرکے کسی ستون کی آڑ میں یا پس پشت بٹھا کر سبق پڑھائیں۔

کیوں صاحب! آپ تو تعلیم شریعت کے منصب پر بیٹھ کر اس حالت میں بھی اس تقویٰ کو یاد نہ فرمائیں اور محفل میلاد میں اگر کسی لڑکے نے نعت شریف پڑھ دی تو اس کی ناک میں دم کردیں' کیا انصاف اسی کا نام ہے۔ اللہ اللہ

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ . (۲)

کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مانعین جو اندیشہ شہوت صرف لڑکوں کی نسبت ثابت کرتے ہیں' وہ ڈاڑھی والوں اور بدشکل کالے کلوٹوں میں بھی موجود ہے۔ فقیہ شامی ''فرض ستر عورت'' کے بیان میں لکھتے ہیں

و هذا شامل لمن نبت عذارُه بل بعض الفسقة يفضّله على الأمرد خالي العذار . (۳)

یہ حکم کہ شہوت کے ساتھ عورت اور لڑکوں کی طرف دیکھنا منع ہے تو یہ اس کو بھی شامل ہے جس کے گال پر سبزہ خط نکل

(۱) ردالمحتار: ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورۃ (۲) سورۂ بقرہ: ۴۴/۲ (۳) ردالمحتار: ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورۃ

آیا ہو بلکہ بعض فاسق تو ڈاڑھی والوں کو ایسے لڑکوں سے بہتر سمجھتے ہیں جن کے گال بالکل صاف ہوں۔ تو اس تقریر سے ڈاڑھی والوں کا دیکھنا بھی منع ٹھہرا۔

پھر دو سطر کے بعد لکھا

و المراد من كونه صبيحا أن يكون جميلا بحسب طبع الناظر و لو كان أسودَ لأن الحسن يختلف باختلاف الطبائع . (۱)

اس کے خوب رو ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کے جی کو بھلا لگتا ہو چاہے حقیقت میں وہ کالا بدصورت ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ حسن کا پسند آنا طبیعتوں پر موقوف ہوتا ہے کسی کو کچھ پسند آیا کسی کو کچھ۔ تو اس تقریر سے کالے بدشکل کا دیکھنا بھی حرام رہا۔

جب بعض مغلوب الشہوۃ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو مستی کے دھن میں نہ ڈاڑھی کا خیال نہ رنگ و بے رنگ کا امتیاز تو معلوم نہیں ایسے بہائم سیرت لوگوں کے اندیشہ سے میلاد و وعظ و نکاح کی مجلس، مدارس اور دستار بندی کے جلسے وغیرہ کے مجمع کو (جو امرد و غیر امرد کے اختلاط سے غالباً خالی نہیں ہوتے) کہاں کہاں تک مکروہات و محرمات میں شمار کیا جائے گا۔ الامان الامان۔

فقہا و مفتیانِ دین نے یہ نہیں لکھا کہ امرد مساجد میں نہ آئیں، مجالس نکاح میں نہ جائیں، اور فرائض و سنن و نوافل مثلاً تراویح و استسقا و کسوف وغیرہ میں شریک نہ ہوں کہ شہوت پرستوں کی ان پر نظر پڑے گی، بلکہ صرف یہ لکھا کہ ان کا امام ہونا مکروہ ہے۔ لہٰذا ہم بھی ان کی امامت کو مکروہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ان کا میلاد شریف کی مجلسوں میں شریک ہونا منع نہیں (اس سلسلے میں فقہی روایات نقل ہو چکی ہیں اور حضرت جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسی مجلس میں شریک ہونا بیان ہو چکا ہے)۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جوان مرد و عورت اور تمام لڑکے خوش ہو ہو کر جا بجا پکارتے پھرتے تھے

جاء محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم الله أكبر جاء محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه الحاكم في الإكليل عن البراء .

اللہ اکبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہو گئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ آرا ہو گئے۔ حاکم نے اس کی روایت اکلیل میں براء سے کی ہے۔

اور اسی حالت میں بنو نجار سے چند لڑکیاں نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور دف بجا بجا کر یہ شعر پڑھتی تھیں ۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ☆ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ (۲)

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیا خوب پڑوسی ہیں۔

---

(۱) نفس مصدر: ۲۶۰/۳۔ مطلب فی ستر العورۃ

(۲) سنن ابن ماجہ: ۱۲/۶ حدیث: ۱۸۸۹، دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۶۷/۲ حدیث: ۵۵۷، مسند ابو یعلی موصلی: ۴۲۹/۷ حدیث: ۳۳۱۵، مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۴/ ۳۳۸، مسند جامع: ۴۸/۵ حدیث: ۱۵۲۱، تحفۃ الاشراف: ۱۲۷/۳ حدیث: ۵۱۱۔

یہ روایت محدث بیہقی اور ان کے استاد حاکم نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلیوں اور راہوں میں امرد و غیر امرد کا مجمع دیکھنا، لڑکیوں کا یہ شعر پڑھنا سننا اور پھر آپ کا منع نہ فرمانا صریح، دلیل جواز ہے۔ وہاں قدوم مبارک کی خوشی میں یہ باتیں وقوع میں آئیں اور یہاں یعنی مجلس میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی ولادت کی خوشی میں ہو رہی ہیں۔

اعتراض ثالث

سلامی و جوابی مثل مجالس شیعہ کے معین کرتے ہیں۔

جواب

راقم کو مجالس شیعہ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں کے حال تفصیلاً معلوم ہوں تاہم محافل میلاد شریف کے شامل ہونے میں بعض مواقع پر ایسا دیکھا گیا کہ میلاد خواں نے جب کوئی روایت ختم کی تو بعض حاضرین نے نظماً یا نثراً درود و سلام پڑھا، پھر میلاد خواں نے دوسری روایت پڑھی پھر ان لوگوں نے درود و سلام یا منقبت پڑھی، اگر سلامی جوابی اسی کا نام ہے تو یہ بات عرب میں اور خاص حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں کثرت سے رائج ہے، اور اہل حرمین جس قدر شیعہ سے نفرت کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں، تو یہ ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ جن سے عداوت اور مذہبی بے زاری ہو اُن سے کوئی امر لے کر اپنی عبادات میں داخل کرلیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استنباط کی ہے۔

صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ مہاجرین و انصار صحابہ، خندق کھودتے، مٹی نکالتے اور زبان سے یہ پڑھتے جاتے تھے۔

نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّداً ☆ عَلَی الجِهَادِ مَا بَقِینَا أَبَداً (۱)

ہم ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اس اقرار کے ساتھ بیعت کرلی کہ تا حیات جہاد کرتے رہیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے۔

اللّٰهُمَّ لاَ عَیشَ إلاَّ عَیشُ الآخِرَهْ ☆ فَاغْفِرِ الأنصَارَ وَ المُهَاجِرَه (۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۰/۱۹۱حدیث: ۲۷۴۱، صحیح مسلم: ۹/۳۰۱حدیث: ۳۳۷۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۳۹حدیث: ۴۷۹۳، مسند احمد: ۲۵/۳۱۷حدیث: ۱۲۲۷۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۴۳، مستدرک: ۱۶/۴۴۸حدیث: ۲۲۳۷، دلائل النبوۃ بیہقی: ۳/۴۸۵حدیث: ۱۲۹۴، مستخرج ابوعوانہ: ۱۳/۴۴۷حدیث: ۵۵۸۵، مسند جامع: ۴/۲۳۶حدیث: ۱۲۸۰، مسند ابویعلی موصلی: ۸/۴۳۶حدیث: ۳۸۰۸، صحیح ابن حبان: ۲۴/۱۰۹حدیث: ۵۸۸۳، مشکل الآثار طحاوی: ۷/۳۴۴حدیث: ۲۸۰۹، کنز العمال: ۱۰/۴۵۶حدیث: ۳۰۱۰۴

بعض حدیثوں میں علی الإسلام مابقینا أبدا، بعض میں علی الجهاد ما حیینا أبدا، اور بعض میں علی القتال مابقینا أبدا کے الفاظ بھی آئے ہیں

(۲) صحیح بخاری: ۱۲/ ۱۵۳حدیث: ۳۵۱۱، صحیح مسلم: ۹/ ۲۹۸حدیث: ۳۳۶۷، سنن ترمذی: ۱۲/ ۳۵۳حدیث: ۳۷۹۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۳۹حدیث: ۴۷۹۳، مسند احمد: ۲۶/ ۳۲۸حدیث: ۱۲۷۸۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/ ۳۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۶۲حدیث: ۱۹۹۱۲، سنن کبریٰ نسائی: ۵/۸۵حدیث: ۸۳۱۶، الاحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۵/۲۱۷حدیث: ۱۵۹۷، معجم کبیر طبرانی: ۵/۴۵۰حدیث: ۵۷۴۲، دلائل النبوۃ بیہقی: ۳/۴۸۹حدیث: ۱۲۹۸، شعب الایمان: ۲۱/۳۹۵حدیث: ۱۰۰۷۴، کنز العمال: ۱۰/۴۵۶حدیث: ۳۰۱۰۴، مستخرج ابوعوانہ: ۱۳/۴۳۷حدیث: ۵۵۷۵، مسند ابویعلی موصلی: ۷/۲۴۰حدیث: ۳۱۲۷، صحیح ابن حبان: ۲۴/۱۰۹حدیث: ۵۸۸۳، مسند جامع: ۴/۲۳۶حدیث: ۱۲۸۰

بعض حدیثوں میں فارحم الانصار والمهاجره، بعض میں فاصلح الانصار والمهاجره، اور بعض میں فاکرم الانصار والمهاجره کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کذا فی المشکوۃ فی باب البیان والشعر

یعنی اے اللہ، عیش و آرام کی زندگی تو وہ آخرت ہی کی زندگی ہے تو ان انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔

لہٰذا یہ بات قابل طعن نہیں ہاں! اگر موسیقی کے قوانین کی پابندی اور اہل فسق کے طریقہ پر نغمہ خوانی کریں تو یہ دوسری بات ہے ۔اہل اسلام اپنی مجالس میں فاسقوں کے طریقے کیوں پیدا کریں، اور اسی طرح اگر کوئی محض اپنی آواز کا حسن ظاہر کرنے کے لیے پڑھے اور دل میں اخلاص ہرگز نہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ جیسے بعض خوش الحان قاری محض دکھاوے کے لیے مجمع میں قرآن پڑھنے لگتے ہیں بس اس نیت سے پڑھنا منع ہے، امورِ خیر میں اخلاص ضروری ہے

وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ . (۱)

اور لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔

لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اخلاص مدنظر رکھیں نیز اپنی خوش الحانی کو فاسقوں کے قواعد موسیقی کا پابند نہ کریں، کیا فقہاء رحمہم اللہ نے ان کے لیے جو جائز فرمادیا وہ تھوڑا ہے، مجمع البحار میں ہے

بتحسين صوته و تحزينه .فسر الشافعي بتحسين القراءة و ترقيقها .

خوش آوازی کے ساتھ سنوار کر اور پر درد لہجہ میں پڑھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یوں کی کہ نرم آواز بنا کر اچھی طرح پڑھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

و إنما اختلاف تلك الطريق بمد المقصور و قصر الممدود و الوقف في أثناء الكلمات و القطع و الوصل في بعضها ، و هذا التصرف جائز في الشعر و لا يجوز في القرآن . (۲)

خوش الحانی سے پڑھنے میں مختلف طریقے پیدا ہوتے ہیں کہ جہاں حروف مدہ نہ تھے وہاں کھینچ کر بڑھا دیا اور جہاں تھے وہاں گھٹا دیا، کلمات کے بیچ میں دم توڑ دیا، ایک کلمہ دوسرے کلمہ سے کہیں کاٹ دیا اور کہیں ملا دیا تو ایسا تصرف شعر میں جائز ہے مگر قرآن میں جائز نہیں۔

یہ احیاء العلوم کے ”باب السماع“ میں ہے۔

الحاصل، انصاف یہ چاہیے کہ جو کوئی بات علمائے حقانی کے کلام سے جہاں تک ثابت ہو اس میں مانعین اعتراض نہ لائیں اور فاعلین قدم آگے نہ بڑھائیں

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِي دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ . (۳)

اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ۔

اعتراض رابع

محفل میں روشنی کرتے ہیں جو بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

(۱) سورۂ بینۃ: ۵/۹۸
(۲) احیاء علوم الدین: ۲/۱۳۶۔ باب الوجد
(۳) سورۂ نساء: ۴/۱۷۱

جواب

مجمع البحار کے خاتمہ میں روشنی کی کراہت کے سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے کہ

سب سے پہلے روشنی قوم برامکہ سے نکلی ہے جو آتش پرست تھے لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مسجدوں میں روشنی کر کے مسلمانوں کے ساتھ چراغوں کی طرف سجدے کیے اور ان کا مقصد آگ کو پوجنا تھا۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں، جن علماء نے روشنی پر بدعت سیئہ ہونے کا حکم دیا ہے غالباً اسی روایت پر مبنی ہوگا حالانکہ یہ روایت دو وجہ سے مخدوش ہے۔ اول یہ کہ علمائے کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہی سے روشنی کا ہونا ثابت کرتے چلے آرہے ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر اس وقت اہل اسلام میں قندیلیں لٹکانے کا رواج موجود و مشہور ہے۔ تو بھلا جس کا وجود عہد نبوت سے اب تک موجود ہو اس کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ایجاد "قوم برامکہ" کے زمانے سے ہوئی۔ یہ مانا کہ انھوں نے بھی روشنی کی ہوگی لیکن انھیں موجد اول نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے فقہائے کرام تصریحاً لکھ رہے ہیں

الصحيح أنه لا يكره أن يصلي و بين يديه شمع أو سراج لأنه لم يعبدهما أحدٌ و المجوس يعبدون الجمر لا النار الموقدة . (۱)

صحیح بات یہ ہے کہ اگر نمازی کے آگے شمع یا چراغ ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی کوئی پوجا نہیں کی جارہی ہے، مجوس بھی انگاروں کی پوجا کیا کرتے ہیں جلتی آگ کی نہیں۔

جب مسئلہ یہ ٹھہرا کہ اصل چراغ، شمع اور قندیل کی کوئی آتش پرست بھی عبادت نہیں کرتا تو یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ قوم برامکہ نے چراغوں کو اپنا معبود و مسجود بنا رکھا تھا، لہٰذا جو علماء اس دلیل کی روشنی میں "روشنی" کو مکروہ و بدعت کہہ رہے تھے تو ان کی یہ دلیل بھی ناتمام رہی۔

اب جواز کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ چراغوں میں زینت ہے یا نہیں۔ آیت کریمہ: زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ سے معلوم ہوتا ہے کہ چراغوں کا روشن کرنا موجب زینت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زینت کی حرمت میں بندوں کے لیے کوئی نص شرعی وارد ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ روشنی کی زینت پر کوئی نہی وارد نہیں ورنہ صحابہ کرام بھلا کیوں کرتے؟ اور یہ بات اصول تفسیر میں متفقہ ہے کہ جس زینت کی نہی ثابت نہیں وہ مباح ہے اور اس آیت میں داخل ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ . (۲)

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی۔

اتنا اشارہ تو قرآن سے ملا۔ اب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیے

سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ جب عشا کا وقت آتا تو کھجور کی لکڑیاں جلا کر اُجالا کر لیا جاتا تھا، جب تمیم داری مدینہ میں آئے، قنادیل، رسیاں اور روغن زیتون ساتھ لائے اور مسجد نبوی کے ستونوں سے قنادیل لٹکائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ کو روشنی بخشے۔

بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری یہ قنادیل ملک شام سے لائے تھے اور اپنے غلام کو حکم دیا تو اس نے

(۱) ردالمحتار: ۶۰/۵۔ لاباس باتخاذ المسجد (۲) سورۂ اعراف: ۳۲/۷

جمعرات کو یہاں سے وہاں تک ستونوں میں رسی تان کر اس میں قندیلیں لٹکا دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ روشنی کس نے کی ہے؟ حاضرین بولے، تمیم داری نے۔ آپ نے ان سے فرمایا

نورت الإسلام . تو نے اسلام کو روشن و منور کر دیا۔

حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ الطالبین'' میں ایک روایت لکھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم روشنی کی طرف رغبت دلا رہے ہیں

روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال من علق في بيت من بيوت الله قنديلا لم تزل الملائكة يستغفر له و يصلي عليه و هم سبعون ألف ملك حتى يطفي ذلك القنديل . (١)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی، آپ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قندیل جلائی، تو اس کے بجھنے تک ستر ہزار کی تعداد میں فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔

اب آثارِ صحابہ سے ثبوت لیجیے۔

سیرتِ حلبی جلد ثانی میں ہے کہ مسجدوں میں قندیلوں کا لٹکانا مستحب ہے، یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ لوگوں کو نمازِ تراویح کے لیے جمع کیا اور بہت سی قندیلیں لٹکا دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ جب وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے جگمگا رہی ہے تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے عمر بن خطاب، تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر روشن فرمائے۔

فقیہ ابو اللیث سمر قندی نے ''تنبیہ الغافلین'' اور حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علی نے دعا دی تھی، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی دعا دی۔ اب دیکھیے کہ خلفاے راشدین کا یہ فعل اور پھر اس پر خوش ہو کر دعا دینا کس قدر اس فعل کی پسندیدگی ظاہر کر رہا ہے۔

روایت سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تمیم داری نے قنادیل روشن کیے، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، تو ان دونوں میں علامہ حلبی نے تطبیق یوں دی ہے کہ اولیت حقیقی تو عہد رسالت میں کیے، تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اس فعل ہی کو حاصل ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو جو اول قرار دیا گیا تو وہ دراصل اوّلیت اضافی ہے یعنی کثرت سے قندیلیں روشن کرنا پہلے آپ سے واقع ہوا کیوں کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی قندیلیں گو متعدد تھیں مگر زیادہ نہ تھیں۔

اب عہد خلفاے عباسیہ کی سند لیجیے۔ علامہ حلبی نے ایک عالم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے، وہ عالم کہتے ہیں کہ مجھے مامون بادشاہ نے حکم دیا کہ آئین مملکت میں یہ حکم لکھ دو کہ مسجدوں میں کثرت سے روشنی کیا کریں لیکن مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے لکھوں۔ تو مجھے خواب میں بشارت ہوئی کہ یوں لکھو کہ مسجد میں کثرت سے روشنی کی جائے، اس لیے کہ تہجد گزاروں کا اس میں دل لگتا ہے اور مسجدیں چوں کہ خانہ خدا ہیں تو خانہ خدا سے اندھیرے کی دہشت و وحشت دور ہوگی۔ جب میں نے یہ بشارت دیکھی تو ہوشیار ہو گیا اور میں نے یہ حکم لکھ دیا۔

یہ تو خلفاے عباسیہ کا دستور العمل بیان ہوا۔ اب بعض اولیاء اللہ کا حال سنیے۔

(١) مسند شامیین طبرانی: ۳۰۶/۴ حدیث: ۱۲۹۵، کنز العمال: ۶۵۶/۷ حدیث: ۲۰۷۶۸

مولف ''تذکرۃ الاولیاء'' حضرت خواجہ فرید الدین (۱) عطار رحمۃ اللہ علیہ احمد خضرویہ قدس سرہ کے احوال میں لکھتے ہیں

وقتے درویشی مہمان احمد رحمۃ اللہ علیہ آمد احمد (۲) ہفتاد شمع برافروخت درویش گفت مرا ایں ہیچ خوش نمی آید کہ تکلف باتصوف نسبت ندارد احمد گفت بروو ہر چہ نہ از بہر خدا برافروختہ ام بکش آن شب آں درویش تا بامداد آب وخاک براں شمع ہا میزد یک شمع باز نتوانست نشاند۔

ایک بار احمد خضر کے پاس ایک درویش مہمان بن کر تشریف لائے' تو آپ نے ستر شمعیں جلائیں' درویش نے کہا کہ یہ مجھے پسند نہیں کہ تکلف کا تصوف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ احمد نے فرمایا اچھا جو شمع میں نے رضائے الٰہی کے لیے نہیں جلایا ہے اسے بجھا کر دکھادو۔ تو وہ درویش پوری رات شمع پر پانی اور مٹی ڈالتا مگر ایک شمع بھی گل نہ کرسکا۔

جب دوسرا دن ہوا' ستر (۷۰) نصاریٰ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے' اس کا حال اس طرح لکھا ہے

آں شب احمد بخواب دید کہ حق تعالیٰ گفت اے احمد از برائے ماہفتاد شمع درگرفتی ما از برائے تو ہفتاد دل بنور ایمان بر افروختیم۔

اس شب احمد خضرویہ نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ ان سے فرمارہا ہے اے احمد تو نے میری خاطر ستر چراغ جلائے تو میں نے تمہارے لیے ستر دلوں کو نورِ ایماں سے منور کردیا۔

غرض کہ چند مقامات پر اولیائے مقبولین مثلاً شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کاملین سے خالصاً اللہ تعالیٰ روشنی کرنے کا ثبوت امام غزالی اور علامہ عبد الرحمٰن صفوری وغیرہ کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کی نقلیں نہیں پیش کی جارہی ہیں۔

اب مومنین کا روزانہ کا معمول سنیے کہ وہ مسجدوں میں ہمیشہ سے روشنی کرتے چلے آرہے ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان (جلد اول) میں ہے

رجل بنی مسجدا و جعله لله تعالیٰ فهو حق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواری الحصير و القناديل .

جس کسی نے خالصاً لوجہ اللہ الکریم مسجد بنائی' تو دوسروں کی بہ نسبت اسے زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی مرمت' اس کو بسانے' بوریا وچٹائی وغیرہ فرش بچھانے اور قندیلیں روشن کرنے کا اہتمام کرے۔

پھر (جلد ثالث) میں لکھا

و يجوز الإنفاق على قناديل المسجد من وقف المسجد ' ذكره الناطقي.

مسجد میں روشنی کرنے کے لیے مسجد کے فنڈ سے پیسے لگانا جائز ہے۔ ناطقی نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت غوث الثقلین ''غنیۃ الطالبین'' میں دعائے ختم قرآن کی بابت ماہِ رمضان کی فضیلت میں لکھتے ہیں

(۱) **حاشیہ**: حضرت خواجہ فرید الدین کی وہ عالی مرتبہ ذات ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جن کی صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف کو دیکھ کر اسرار تصوف حاصل کیے ہیں۔ مولانا روم ان کی تصنیف اپنے پاس رکھتے اور ہمیشہ انہی کے تصوفانہ اسلوب وطرز پر کلام فرماتے۔ مولانا جامی نے یہ بات نفحات الانس میں لکھی ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۲) **حاشیہ**: احمد خضرویہ بڑے مقبولین خدا میں تھے۔ ان کے ایک ہزار مرید ایسے تھے جو ہوا میں اُڑتے تھے اور پانی پر اس طرح بے تکلف چلتے تھے جس طرح کوئی زمین پر چلتا ہو۔ ۱۲۔ منہ

شهر فيه المساجد تعمر و المصابيح تزهر . رمضان شریف وہ مہینہ ہے جس میں مسجدیں خوب آباد ہوتی ہیں اور چراغ روشنیاں بکھیر رہے ہوتے ہیں۔

یوں ہی غنیۃ الطالبین کے چند مقامات پر مصابیح اور قنادیل کا لفظ آیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شمع و چراغ کا رواج و معمول، اہل اسلام میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ جس طرح زیادہ روشنی کرنا مسجد سے تاریکی کی وحشت دور کرتا ہے (جیسا کہ کلام حلبی کی نقل گزر چکی) اسی طرح اللہ و رسول کے ذکر جمیل کے موقع پر بھی روشنی سے تیرگی کی وحشت دور ہوتی ہے۔ اور جس طرح زیادہ روشنی سے نمازیوں کا دل لگتا ہے اسی طرح اس مجلس پاک میں بھی دل لگتا ہے کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان ہوتا ہے۔ تو صحیح یہی ہے کہ چراغاں کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور جن علماء نے منع کیا ہے تو شاید ان تک وہ حدیث و آثار نہیں پہنچے جو صراحۃ جواز پر دلالت کر رہے ہیں ناچار انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ آتش پرست قوم ''برامکہ'' کا فعل ہے اور اس پر بدعت و کراہت کا حکم لگا دیا۔ یا یوں کہیے کہ درحقیقت تمام علماء کا قول ایک ہی ہے جو منع کرنے والے ہیں وہ حد سے زیادہ کو منع کرتے ہیں اور جو جائز کہنے والے ہیں وہ ضرورتِ زینت کی حد تک جائز کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روشنی کے تین درجے ہیں

ایک بقدر حاجت لازم و ضروری، جو صرف اتنے سے حاصل ہے کہ جیسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابتدائے امر میں کھجور کی لکڑیاں جلا دیا کرتے تھے جس سے مسجد کا فرش، مقام سجدہ اور نمازی ایک دوسرے کو نظر آجاتے تھے۔

دوسرا: زینت کے لیے، جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کثرت سے قندیلیں روشن کرنے کی وجہ سے پوری مسجد جگمگا اٹھی۔

''غنیۃ الطالبین'' میں ہے

إن عليا رضي الله عنه اجتاز بالمساجد و هي تزهر بالقناديل . حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد کا مشاہدہ فرمایا تو وہ روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کی ''تنبیہ الغافلین'' میں ہے

رأى القناديل تزهر في المساجد . ایسے چراغ نظر آئے جس سے مسجد پر رونق تھی۔

اسی طرح حلبی وغیرہ میں ہے۔ غرض کہ کل روایتوں میں لفظ تزہر صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے جو زہور سے مشتق ہے۔ اور زہور کے معنی صراح میں یہ لکھے ہیں

زہور روشن شدن آتش و بالا گرفتن آں۔

اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بلاشبہہ حاجت و ضرورت سے زیادہ تھا لیکن ساتھ یہ بھی کہ ضرورتِ زینت کی مقدار سے زیادہ نہ تھا۔

تیسرا یہ کہ مکان کی زینت و آرائش تو متعدد قندیلوں سے ہو چکی تھی لیکن کسی بوالہوس نے فضول خرچی کر کے محض فخر و نمود وغیرہ کی نیت سے حد سے زیادہ روشنی کر دی تو اگر مانعین کی اس سے یہی آخری صورت مراد ہے تو پھر کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔

فتاویٰ قنیہ وغیرہ اگلی کتابوں میں منع کے الفاظ اسی صورت کے لیے لکھے گئے ہیں۔ کسی نے لکھا

کثرة الوقيد زيادة على الحاجة .

کسی نے لکھا

إسراج السرج الكثيرة .

تو اس زیادتی کو کہ ضرورت زینت سے بھی زائد ہو اگر منع کیا جائے تو یہ کوئی برا ماننے کی بات نہیں ہے۔ ہاں ہمارے معاصرین جو ایک چراغ سے زیادہ دوسرا چراغ روشن کرنے کو بدعت وضلالت اور اسراف وحرام کہتے ہیں تو یہ بڑی شوخی کی بات ہے۔ اُن کو چاہیے کہ حضرت تمیم داری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ادب ملحوظ رکھیں کہ پہلے پہل یہ کام انھوں ہی نے کیا' اور زینت کے لیے حاجت ضروریہ کی مقدار سے زیادہ روشنی کی۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی روضہ کے اردگرد جھاڑ فانوس اور قندیل اتنے وافر مقدار میں (کہ یہاں کسی کو میسر بھی نہیں) روشن دیکھتے ہوں گے تو معلوم نہیں یہ لوگ اپنی آنکھیں روشنی سے موند لیتے ہوں گے اور اس سے جل بھن کر زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے' اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں' وہاں محروم رہے یہاں بھی محروم رہے۔ لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جا کر زیارت کی تو جس طرح روضہ اقدس کی زیارت مستحب ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور مدائح ومناقب کا سننا بھی مستحب ہے تو یہاں بھی روشنی میں آکر سنیں' ظاہری روشنی سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کریں۔ وہ روضہ پرانوار جس ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی انھیں کی شرح صفات کا موطن ہے۔

اخیر میں یہ گزارش ہے کہ اگر ان حضرات کا دل روشنی کے سبب مکدر ہوتا ہے تو روشنی والی محفلوں میں نہ آئیں بہت سی محفلیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک دو چراغ پر اکتفا ہوتا ہے انہی میں آئیں' اگر ایک دو چراغ بھی ناگوار ہو تو کتنی ہی محفلیں دن میں سجتی ہیں جہاں ایک چراغ بھی نہیں ہوتا وہاں تشریف لائیں بھلا کہیں تو اپنا قول سچا کر دکھائیں۔

اعتراض خامس

بانیانِ محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا اور یہ بدعت ہے۔

جواب

ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل میلاد شریف میں کسی کو مقید نہیں کیا یعنی میلاد ومعجزات کی روایتوں کا پڑھنا جس طرح ربیع الاول میں ہوتا ہے اسی طرح دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق' مقید کہاں ہوا؟ جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں قیام کرتے ہیں (چنانچہ وہ مقامات' تحقیق قیام کے سلسلہ میں کچھ بیان ہوئے ہیں) تو قیام بھی مقید نہ ہوا کہ قیام خاص میلاد شریف ہی میں ہو اور اس کے علاوہ اور کسی زمان ومکان میں نہ ہو۔ اسی طرح شیرینی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا دین ودنیا کی اور بھی بہت ساری تقریبات میں ہوتا ہے جیسے ختم قرآن' تراویح' مجلس بسم اللہ اور عقد نکاح وغیرہ میں۔ میز یا چوکی اور فرشوں کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں بھی۔ اور قصیدہ ومنقبت جس طرح محفل میلاد

میں پڑھے جاتے ہیں یوں ہی بعض دوسری مجلسوں میں بھی پڑھے جاتے ہیں اور بعض لوگ تنہا بھی شوقیہ پڑھتے رہتے ہیں۔اب یہ صاحب فرمائیں کہ ہم نے کون سے مطلق شرعی کو اس طرح مقید کر دیا کہ اب اس مطلق کو کسی وقت بلا قید ناجائز سمجھتے ہوں۔

باقی رہی یہ بات کہ مجلس میلاد شریف میں اجتماع امورِ مذکورہ اس نقطہ نظر سے کرنا کہ جس قدر تعظیم و محبت کا اظہار اور مستحسنات شرعیہ کی کثرت ہوگی اسی قدر خیر و برکت میں اضافہ ہوگا تو یہ اور بات ہے، تقیید مطلق اس کا نام نہیں، یہ بات ہر سلیم الطبع انسان بدل و جاں قبول کرے گا۔ یہ لوگ خوب اُلٹ پلٹ کر رہے ہیں کہ مغالطہ دے کر کس طرح اس محفل کا بدعت سیئہ ہونا ثابت کر دیں مگر ایسا ہوا نہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ جملہ محققین علمائے دین کے نزدیک یہ محفل مستحسن ہے کیوں کہ جو علماء بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں

البدعة ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۱)

بدعت وہ چیز ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ رہی ہو۔

پھر اس کی دو قسم کرتے ہیں، ایک حسنہ دوسری سیئہ۔تو ان کے نزدیک محفل میلاد شریف بدعت حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے۔اور جو علماء تقسیم بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

بدعت وہ چیز ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی شریعت کے خلاف ایجاد کی جائے۔

محفل میلاد شریف بالاتفاق درست ہے

ان علماء کے نزدیک محفل میلاد شریف خود سنت میں داخل ہے کیونکہ یہ گرچہ محدَث ہے لیکن محدث علی خلاف الحق نہیں ہے کہ قرآن، حدیث یا اجماع کے کسی حکم میں تغیر و تبدیلی کر دیتا ہو، تو اصل حال یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو گروہ کے محققین کے نزدیک مستحسن ہے۔باقی بعض علماء جو انکار کر رہے ہیں تو وہ دراصل اس باریک نکتے تک پہنچ ہی نہ سکے اور اسی غلطاں پیچی میں یہ منکرین آ گئے۔حق سبحانہ وتعالیٰ ہدایت فرمائے۔اللهم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه .

اعتراض سادس

جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتے ہیں۔میلاد نامے کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا۔

جواب

یہ بات ہرگز نہیں بلکہ منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا اس سبب سے ہے تاکہ میلاد خواں، اہل مجمع کو اور اہل مجمع، میلاد خواں کو نظر آئیں، نیز اوپر بیٹھنے سے آواز بلند ہو کر ہر طرف پھیلتی ہے اور نیچے بیٹھے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے۔اور واعظوں کا بھی کچھ یہی حال ہے کہ وہ شعر و قصہ اور حکایات وغیرہ کو سب سے اوپر کسی بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے

(۱) الاتصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والانصاف: ۱/۱۸

ہیں پس منبر پر بیٹھ کر پڑھنا دراصل مجمع عام کا تقاضا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی میلاد نامہ تنہائی میں شوقیہ پڑھتا ہے تو کسی منبر و چوکی کا اہتمام نہیں کرتا۔

اعتراض سابع

قرآن پڑھتے وقت نہ فرش بچھائیں اور نہ کچھ اور سامان کریں اور مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے۔

جواب

عیدین کی نماز کے لیے (جو فرض نہیں) نہانا، عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور طرح طرح کے تکلّفات ہوتے ہیں، اور پنج وقتہ نماز (جو فرض قطعی ہے) اس کے لیے استنجا و وضو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سال بھر میں دو بار اور یہ ایک دن میں پانچ بار۔ تو پنج گانہ نماز میں عید کی طرح سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھادیا ہے

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ . (١) اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

تو یہی سمجھ لو کہ قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے اور میلاد شریف کا پڑھنا سال میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی ہوا کرتا ہے، اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہوسکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہوسکتی۔ دوسری بات یہ کہ عید کی نماز میں نماز کی نیت سے وہ سامان نہیں کیے جاتے بلکہ خوشی کے دن میں خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں میلاد نامہ پڑھنے کے لیے یہ سامان نہیں ہوتا بلکہ (یہ سب) حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں کیا جاتا ہے۔ اگر صرف میلاد نامہ پڑھنے کے لیے وہ سامان ہوتا پھر یہ اعتراض ہوتا کہ قرآن پڑھنے کے لیے وہ سامان کیوں نہیں کیا۔

اعتراض ثامن

میلاد شریف میں بے اصل و موضوع روایتیں اور ناجائز اشعار پڑھے جاتے ہیں۔

جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا، دائی حلیمہ کا دودھ پلانا، چالیسویں سال نبوت کا اعلان کرنا، معجزات کا رونما ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سید المرسلین ہونا یہی کچھ میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے اور یہ سب صحیح ہے۔ اگر شاید باید فضائل میں کوئی مطعون فیہ یا موضوع حدیث بھی بیان ہوگئی یا کسی کم سمجھ نے کوئی شعر خلاف شرع پڑھ دیا تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان لوگوں کو منع کرنا چاہیے کہ ایسی روایات نہ پڑھیں نہ یہ کہ علی العموم میلاد شریف کی ساری محفلوں ہی کو حرام کہنے لگیں۔ ہم نے بہت سنا ہے کہ آج کل اکثر واعظین، موضوع روایتیں بیان کر جاتے ہیں اور ان کو تمیز بھی نہیں ہوتی، تو کیا بعض واعظوں کی حالت سے جملہ مجالس وعظ عمومی طور پر حرام ٹھہر جائیں گی؟۔

اعتراض تاسع

خلاف شریعت ریشمی اور زریں لباس پہن کر محفل میلاد شریف میں آتے ہیں اور بعض ڈاڑھی منڈے بھی آتے ہیں اور بعض

(١) سورۂ حج: ۲۲/ ۷۸

موقع میں عورت اور مرد جمع (۱) ہوتے ہیں۔

جواب

مجالس نکاح وغیرہ نیز عیدین کی نماز پڑھنے عیدگاہ میں اسی طرز سے لباس فاخرہ کے ساتھ اور ڈاڑھی منڈے بھی جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہوجانے سے مجالس نکاح اور عیدگاہ وغیرہ کے مجمعے بھی محرمات شرعیہ ہوجائیں اور کوئی دیندار وہاں نہ جایا کرے۔ حالانکہ بات ایسی تو ہے نہیں بلکہ جہاں خاص کوئی شرعی قباحت نظر آئے تو اس کو منع کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے اصل جز ہی کو منع کر دیں۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حسن المقصد'' میں تاج الدین فاکہانی کے اعتراض کا یہی جواب دیا ہے جو اس نے اپنے رسالہ ''مورد'' میں لکھا تھا کہ مولد شریف میں امرد اور ناچنے گانے والی عورتیں ہوتی ہیں نیز مرد اور عورت باہم جمع ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یوں ہے

إن التحريم فيه إنما جاء من قبل هذه الأشياء المحرمة التي ضمت إليه لا من حيث الاجتماع لإظهار شعار المولد بل لو وقع مثل هذه الأمور في الاجتماع لصلوة الجمعة مثلا لكانت قبيحة شنيعة و لا يلزم من ذلک ذم أصل الاجتماع لصلوة الجمعة كما هو واضح ، و قد رأينا بعض هذه الأمور يقع في ليال من رمضان عند اجتماع الناس لصلوة التراويح فهل يتصور ذم الاجتماع لصلوة التراويح لأجل هذه الأمور التي قرنت بها ؟ كلا بل نقول أصل الاجتماع لصلوة التراويح سنة و قربة و ما ضم إليها من هذه الأمور قبيح و شنيع و كذلک نقول أصل الاجتماع لإظهار شعار المولد مندوب و قربة و ما ضم إليه من هذه الأمور مذموم ممنوع . (۲)

یہاں حرمت ان حرام چیزوں کے شامل ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے، یہ نہیں کہ میلاد شریف کے شعار کے اظہار کے لیے جمع ہونا حرام ہے۔ مثلاً اگر ایسی چیزیں جمعہ کی نماز کے اجتماع میں پیش آجائیں تو وہاں بھی منع ہوں گی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل جمعہ کا مجمع ہی برا ہوجائے۔ ہم نے رمضان کی تراویح میں اس قسم کی چیزیں موجود دیکھی ہیں لیکن ان کے سبب سے تراویح کو منع نہیں کیا جائے گا بلکہ یوں کہیں گے کہ یہ اصل اجتماع تو اچھا ہے، ہاں اس میں ان چیزوں کا ہونا برا ہے۔ لہٰذا اسی طرح یہاں بھی کہنا چاہیے کہ میلاد شریف تو اصلاً عمدہ اور مستحب کام ہے لیکن اس میں محرمات کا شامل ہونا برا ہے۔

اعتراض عاشر

جب کسی کے گھر محفل میلاد شریف رات کو ہوتی ہے، اور سامعین جو زیادہ رات گئے فارغ ہوکر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی

(۱) **حاشیہ** : یعنی ہم نے جو اکثر مقامات پر میلاد شریف دیکھا ہے تو جس طرف عورتیں ہوتی ہیں اس طرف قنات یا پردہ وغیرہ ضرور ہوتا ہے، تو اس میں ہرگز شرعاً کوئی عیب نہیں۔ مرد ایک جگہ جمع ہوتے اور عورتیں ایک جگہ پردہ میں ہوتی ہیں لیکن چوں کہ منکرین ایک جگہ جمع ہونا لکھتے ہیں تو شاید کہیں ہوا ہو، اس کو ہم بھی منع کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ اس ہیئت خاص کے ساتھ اجتماع منع ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۲) الحاوی للفتاوی: ۱/۱۹۳۔ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان

کی نماز میں دیر ہوگئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہوگئی تو اس بات کو میلاد شریف کی مذمت کے لیے دلیل عام ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اگر برائی کی یہی دلیل ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز کچھ آگے پیچھے ہو جائے اور اکثر ہو جاتی ہے نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں اور بعضوں کی نمازِ صبح قضا ہو جاتی ہے تو اس دلیل سے چاہیے کہ سحری بھی علی العموم حرام ہو جائے۔

ہر چند یہ واہیات قسم کے اعتراضات ہماری نگہ التفات کے لائق نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعض صاحب علم بھی یہ باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں' اور کچھ نادان ان کو کمال درجہ کے حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں' اس لیے ان کے جواب میں یہ چند الفاظ لکھ دیے گئے۔ نیز عطر ولوبان' پھولوں وغیرہ کا ذکر' زیب وزینت محفل کا بیان اور چوکی یا منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اصلیت' ان تمام باتوں کی تحقیق ایک مختصر اور منظوم رسالہ بنام ''دافع الاوہام فی محفل خیر الانام'' میں بھی کی گئی ہے لیکن اس کا طرز اور ہے۔ ع:

ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است

طالبانِ حق کو چاہیے کہ وہ رسالہ بھی اپنے پاس رکھیں۔ اس کتاب ''انوارِ ساطعہ'' میں طولِ کلام نہ صرف فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ منکرین کے چند رسالوں کے مغالطوں اور شبہوں کی تردید بھی مدنظر تھی۔

جو شخص اس کتاب اور ''دافع الاوہام'' کو جملہ قیود اور شقوں کے ساتھ بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں خوب جمالے؛ تو خداوند کریم سے امید ہے کہ وہ (پھر کبھی) دھوکا اور مغالطہ نہ کھائے گا۔ اور منکرین کے تمام فسادی رسالوں کی ان میں صراحتہً یا اشارۃً تردید پائے گا۔ اس بنیاد پر ضروری سمجھا گیا کہ سمند خامہ کی لگام کو طول تقریر کی وادی میں دوڑانے سے اختصار کی جانب موڑ دیا جائے' اور جن علمائے ربانی اور عرفائے حقانی نے میلاد شریف کو جائز رکھا ہے ان کا ذکر کر دیا جائے۔

مجوزین میلاد' فقہا و محدثین کے اسمائے گرامی

لمعہ تاسعہ

اس کے اندر اُن محدثین وفقہا کا نام ذکر کیا جا رہا ہے جنھوں نے میلاد شریف کے عمل کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔

﴿۱﴾ شیخ عمر بن محمد الملا الموصلی (من الصالحین المشہورین)۔

﴿۲﴾ علامہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلسی۔

یہ دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے (ذکرہ الزرقانی)۔ نیز سلطان ابوسعید مظفر کی محفل میں بہت سے علماء وصلحا آیا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی کہاں تک شمار کیے جائیں۔ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔

وحضر عندہ فیہ العلماء والصلحاء من غیر نکیر منہم۔

﴿۳﴾ علامہ ابوالطیب السبتی نزیل قوص' من اجلۃ العلماء المالکیۃ (ذکرہ الزرقانی)۔

﴿۴﴾ امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل' استادِ امام نووی معروف بہ ''ابوشامہ''۔

﴿۵﴾ علامہ ابوالفرح بن جوزی محدث وفقیہ حنبلی۔

﴿۶﴾ امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف بہ ''ابن طغربک''۔

﴿۷﴾ امام القرا والمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری۔

﴿۸﴾ حافظ عماد الدین ابن کثیر۔

﴿۹﴾ علامہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ البکری۔

﴿۱۰﴾ علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان لولوی الدمشقی۔

﴿۱۱﴾ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی۔

﴿۱۲﴾ علامہ سلیمان برسوی امام جامع سلطان۔

کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مجالس ومحافل اور ملک روم کے مجامع میں انہی کا تالیف کردہ مولد شریف پڑھا جاتا ہے۔

﴿۱۳﴾ ابن الشیخ آقا شمس الدین (ذکرہ صاحب کشف الظنون)۔

﴿۱۴﴾ المولیٰ حسن البحری۔

﴿۱۵﴾ الشیخ محمد بن حمزۃ العربی الواعظ۔

﴿۱۶﴾ الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی۔

﴿۱۷﴾ علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی۔

﴿۱۸﴾ سید عفیف الدین الشیرازی۔

﴿۱۹﴾ ابوبکر الدنفلی۔

﴿۲۰﴾ برہان محمد ناصحی۔

﴿۲۱﴾ برہان ابوالصفا۔ان کے مولد شریف کا نام ہے"فتح اللّٰہ حسبی و کفی في مولد المصطفی"۔

﴿۲۲﴾ الشمس الدمیاطی معروف بہ"ابن السباطی"۔

﴿۲۳﴾ برہان بن یوسف الفاتوش۔ان کا مولد شریف چارسو اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے۔

﴿۲۴﴾ حافظ زین الدین عراقی۔

﴿۲۵﴾ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی (صاحب قاموس) ان کے مولد شریف کا نام ہے"النفحات العنبریة في مولد خیر البریة"۔

﴿۲۶﴾ امام محقق ولی الدین ابوزرعہ العراقی۔

﴿۲۷﴾ ابوعبداللہ محمد بن النعمان۔

﴿۲۸﴾ جمال الدین العجمی الہمدانی۔

﴿۲۹﴾ یوسف الحجاز۔

﴿۳۰﴾ یوسف بن علی بن زراق الشامی الاصل المصری المولد۔

﴿۳۱﴾ ابوبکر الحجاز۔

﴿۳۲﴾ منصور بشار۔

﴿۳۳﴾ ابوموسیٰ ترہونی (وقیل) زرہونی۔

﴿۳۴﴾ الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالملک معروف بہ"المخلص"۔

﴿۳۵﴾ ناصر الدین المبارک مشہور بہ"ابن الطباخ"۔(۱)

﴿۳۶﴾ امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر السینی۔

﴿۳۷﴾ فاضل عبداللہ بن شمس الدین الانصاری۔

﴿۳۸﴾ الشیخ الامام صدر الدین موہوب الجزری الشافعی۔

﴿۳۹﴾ علامہ ابن حجر عسقلانی۔

﴿۴۰﴾ شیخ جلال الدین سیوطی، مجدد مائۃ تاسعۃ۔

﴿۴۱﴾ محمد بن علی الدمشقی (مصنف سیرت شامی)۔

﴿۴۲﴾ شیخ شہاب الدین قسطلانی (صاحب مواہب لدنیہ، وشارح صحیح بخاری)۔

(۱) حاشیہ: ابن طباخ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ جب کوئی اس رات میں خرچ کرے، اور آدمیوں کو جمع کر کے کچھ کھلائے اور ان کو سنوائے تو ان کا سننا جائز ہے۔اور سنانے والے یعنی میلاد خواں کو میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں لباس عطا کرے، تو یہ سب درست ہے، اگر کرنے والے کی نیت نیک ہو۔سیرت شامی۔۱۲۔منہ

﴿۴۳﴾ نورالدین علی حلبی شافعی (مصنف سیرت حلبیہ)۔
﴿۴۴﴾ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (شارح مواہب، ودیگر کتب احادیث)۔
﴿۴۵﴾ علی بن سلطان محمد ہروی معروف ''ملاعلی قاری''۔
انھوں نے اپنے مولد شریف ''موردالروی'' میں میلاد شریف کا یہ عمل، مصر، شام، روم، اندلس، مغرب، بلاد ہندوستان اور مکہ ومدینہ زادہما اللہ شرفا جملہ اسلامی ممالک سے ثابت کیا ہے۔ تو درحقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے۔ نیز علی قاری نے اس میں لکھا کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ علماء ومشائخ میں سے کوئی اس میں شامل ہونے سے انکار نہیں کرتا۔
﴿۴۶﴾ عبدالرحمٰن صفوری شافعی (صاحب نزہۃ المجالس)۔
﴿۴۷﴾ نورالدین ابوسعید بورانی۔
انھوں نے بھی تمام ملکوں سے میلاد شریف کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور بادشاہِ مصر کے احوال میں لکھا ہے

سائبانے ساختہ بود کہ دوازدہ ہزار کس درسایہ آدمی نشستند درغایت آراستگی ازجہت آں کہ دریں شب وروز آں را برافرازند درغیر آں پیچیدہ باشد۔	اس نے ایک بے حد خوبصورت سائبان بنا رکھا تھا کہ جس کے سائے تلے بارہ ہزار لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ اور اس شب وروز میں لوگ خوب خوب نوازے جاتے تھے۔

﴿۴۸﴾ سید امام جعفر برزنجی۔
ان کا مولد شریف منثور مقفیٰ اور فصیح وبلیغ عبارت کے لیے مشہور ہے، دیارِ عرب میں کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔
﴿۴۹﴾ سید زین العابدین برزنجی۔
ان کا مولد شریف منظوم، دیارِ عرب شریف میں رائج ہے۔
﴿۵۰﴾ شیخ احمد بن علامہ ابوالقاسم بخاری۔
ان کا نسب محمد بن اسماعیل بخاری تک پہنچتا ہے۔
﴿۵۱﴾ شیخ اسماعیل حقی افندی (مفسر وواعظ اور مصنف تفسیر روح البیان)۔
﴿۵۲﴾ احمد بن قشاشی مدنی۔
﴿۵۳﴾ محمد بن غرب مدنی۔
﴿۵۴﴾ شیخ عبدالملک کردی۔
﴿۵۵﴾ فاضل ابراہیم باجوری۔
﴿۵۶﴾ امیر محمد استاد ابراہیم باجوری۔
﴿۵۷﴾ شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری۔
﴿۵۸﴾ شیخ عبدالباقی پدر واستاد علامہ زرقانی۔

﴿۵۹﴾ شیخ محمد رملی۔

﴿۶۰﴾ علامہ احمد بن حجر۔ مولف "تحفة الأخيار بمولد المختار".

﴿۶۱﴾ حافظ ابن رجب حنبلی۔

﴿۶۲﴾ ابوزکریا یحییٰ ابن عائذ حافظ کبیر اندلسی۔

﴿۶۳﴾ سعید بن مسعود گازرونی۔

انھوں نے بھی بہت سے ملکوں کے علماء اور صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے۔

﴿۶۴﴾ مولانا زین العابدین محمود نقشبندی۔

﴿۶۵﴾ علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی (شارحِ شفا) وغیرہ۔

عمل مولد کے جواز میں ان کا بھی ایک رسالہ ہے۔

﴿۶۶﴾ حضرت مولانا جمال الدین میرک۔

﴿۶۷﴾ علامہ محمد رفائی مدنی (الساکن فی زقاق البدور)۔

﴿۶۸﴾ قاضی ابن خلکان شافعی۔ (۱۲۸۲ھ)

﴿۶۹﴾ مولانا معین الدین الواعظ الہروی معروف بہ "ملا مسکین"۔

انھوں نے "معارج النبوۃ" اسی لیے تصنیف فرمائی کہ میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھا کریں۔ اسے کتاب کے دیباچہ میں بیان کیا ہے۔

﴿۷۰﴾ علامہ ابواسحٰق ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ۔

ملا علی قاری نے ان کا حال یوں لکھا ہے کہ وہ مولد شریف میں کھانا کھلاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اگر میرے قدرت واختیار میں ہوتا تو میں ربیع الاول میں مہینہ بھر مولد شریف کیا کرتا۔

﴿۷۱﴾ شیخ محمد بن طاہر محدث۔ مصنف "مجمع البحار"۔

﴿۷۲﴾ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

﴿۷۳﴾ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

انھوں نے "فیوض الحرمین" کے اندر محفل میلاد شریف میں اپنا شریک ہونا اور اس میں انوار کا دیکھنا بیان کیا ہے۔ ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں فرشتے انوارِ رحمت لایا کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے فرمایا

فتأملت تلك الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهد وبأمثال هذه المجالس و رأيت يخالط أنوار الملائكة أنوار الرحمة.

پھر میں نے تجسس اور غور سے ان انوار کو دیکھا تو وہ ان فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے اس بات پر معین کر رکھا ہے کہ وہ ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں، نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ انوارِ رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ آئے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جملہ مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مستند ومقتدا اور **من ينتهي إليه إسنادهم و اعتمادهم** ہیں۔ تو فاتحہ طعام بھی ہم نے ان سے ثابت کردی اور اب مبحث میلاد شریف کا اثبات بھی ہم نے انھیں کے نام پر ختم کردیا اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس میلاد کا محل نزولِ ملائکہ اور موردِ رحمت ہونا بھی ثابت کردیا۔ **كفىٰ به حجة.**

علمائے عرب کے نقل مواہیر

حضرت مولانا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھے اپنے رسالہ کے اندر ''قیام'' کے سلسلے میں علمائے عرب کے مفتیانِ مذاہب اربعہ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں، اس کے علاوہ ''غاية المرام'' (مطبوعہ کلاں کوٹھی) میں بھی علمائے عرب کا وہ فتویٰ منقول ہے، جسے طوالت سے بچتے ہوئے بطورِ تلخیص لکھتا ہوں۔

[۱] **قد اجتمعت الأمة المحمدية من أهل السنة و الجماعة على استحسان القيام و هي بدعة مستحبة لما فيه من إظهار الفرح و السرور و التعظيم.**

قاله بفمه و أمر برقمه:

عثمان حسن الدمياطي الشافعي

المقيم بالمسجد الحرام

[۲] **نعم استحسن كثيرون.**

كتبه:

عبد الله بن محمد الميرغني الحنفي

مفتي المكة المكرمة

[۳] **القيام عند ذكر ولادة سيد الأولين و الآخرين صلى الله عليه و آله وسلم استحسنه كثير من العلماء.**

كتبه:

حسين بن إبراهيم

مفتي المالكية بمكة المحمية

۴ نعم القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه و آله وسلم استحسنه العلماء و هو حسن .

الفقير لربه :

محمد بن أبي بكر الرئيس

مفتي الشافعية بمكة المكرمة

۵ نعم يجب القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه و آله وسلم لما استحسنه العلماء الأعلام و قداة الدين و الإسلام .

كتبه الفقير إلى الله تعالىٰ :

محمد بن يحيىٰ

مفتي الحنابلة في مكة المشرفة

۶ أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام و أقره الأئمة الحكام من غير نكير منكر و رد راد . و الله ولي التوفيق والهادي إلى سواء الطريق.

حرره خادم الشريعة و المنهاج :

عبد الله بن المرحوم عبد الرحمن سراج

المفسر و المحدث بمسجد الحرام

واضح ہو کہ یہ عبداللہ سراج بڑے اکمل رجال میں تھے۔ اس عاجز نے مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم سے بہت کچھ ان کی تعریف سنی ہے۔ اور حضرت مولانا احمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں

مولانا عبداللہ سراج حنفی مفسر ومحدث حرم شریف یکتاے عہد خویش بود وراس رئیس فرقہ محدثہ بزانوے ادب در درس او شان می نشست واعتراف بجامعیت مولانا موصوف می نمود۔

مولانا عبداللہ سراج حنفی مفسر ومحدث حرم شریف اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔ نو پید فرقے کے رئیس نے بھی نہ صرف ان کے درس میں زانوے تلمذ طے کیا بلکہ ان کی جامعیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

الحاصل، ایسے نادرِ روزگار علامہ کا قیام جائز رکھنا کہ (جس کی جامعیت وکاملیت کا ہر موافق ومخالف کو اقرار ہو) واقعی سند کامل ہے۔ پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اس قیام کا اپنے سے پہلے بڑے بڑے علماء اور ائمہ اعلام سے متوارث وجاری ہونا، تحریر فرماتے ہیں (جیسا کہ ابھی ان کی عبارت منقول ہوئی)۔

عرب کے سید امام برزنجی رحمۃ اللہ علیہ "عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر" میں فرماتے ہیں

و قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف أئمة ذوو رواية و دراية .

ائمہ روایت ودرایت نے ولادت مبارکہ کے ذکر کے وقت قیام کو مستحسن کہا ہے۔

افسوس ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک کتنی صدیاں گزر چکیں۔اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ہے کہ ہر صدی میں بدعت کو اکھاڑنے اور سنت کو قائم کرنے کے لیے ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔کیا سبب کہ بلادِ متبرکہ ہندوستان میں تو جب سے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا وہاں سے استیصال کرتا!۔لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قیام ہر گز ضلالت نہیں بلکہ بلا شک وشبہہ جائز اور مستحسن ہے۔خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے علماء اس کو مستحسن کہتے رہے اور عبد اللہ سراج مفتی مکہ معظمہ نے لکھا کہ کسی نے اس پر رد اور انکار بھی نہیں کیا ہے۔

مولوی قطب الدین صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں وہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔''مظاہر الحق'' (مطبوعہ میرٹھ) کے صفحہ ۸۷ پر بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں

سنیوں کا مذہب سچا ہے' مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ بھی سنی ہیں اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور شیعوں کا اچھا ہوتا تو وہ یعنی مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہوتے۔انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر قیامِ میلاد شریف کا انکار اچھا ہوتا تو اول علمائے عرب انکار کرتے کیوں کہ پختہ اہل سنت و جماعت وہی ہیں۔

اب ہم بطورِ اختصار علمائے عرب کا دوسرا فتویٰ نقل کرتے ہیں' جس کو ۱۲۸۸ھ (1871ء) میں مولوی عبد الرحیم صاحب دہلوی کرا کرلائے تھے اور ''روضۃ النعیم'' کے آخر میں چھاپا تھا۔

سوال کی عبارت یوں ہے

سوال: ما قولكم رحمكم الله في أن ذكر مولد النبي صلى الله عليه وسلم و القيام عند ذكر الولادة خاصة مع تعيين اليوم و تزيين المكان و استعمال الطيب و قراءة سورة من القرآن و إطعام الطعام للمسلمين هل يجوز و يثاب فاعله أم لا . بينوا توجروا.

سوال: کیا فرماتے ہیں (مفتیانِ کرام) اس سلسلے میں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا' ذکر ولادت کے وقت بطورِ خاص قیام کرنا' دن کو معین کرنا' مکان کی آرایش کرنا' خوشبوؤں کا استعمال کرنا' قرآن کی کوئی سورہ پڑھنا اور مسلمانوں کو کھانا کھلانا کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں اور کیا اس کا کرنے والا ثواب بھی پائے گا یا نہیں۔

بطورِ تلخیص علمائے مکہ معظّمہ کے جواب

اعلم ان عمل المولد كما جاء في حديث ابن مسعود قال : ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و المراد من المسلمين الذين كملوا الإسلام

جواب: یعنی عمل میلاد کے سلسلے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں آیا ہے کہ جسے مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔اور مسلمانوں سے

كالعلماء العاملين و علماء العرب و المصر و الشام و الروم و الأندلس كلهم رأوه حسنا من زمان السلف إلى الآن فصار الإجماع و الأمر الذي ثبت بالإجماع فهو حق ليس بضلال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يجتمع أمتي على ضلالة، فعلىٰ حاكم الشرع تعزير منكره .والله أعلم.

کامل الاسلام مسلمان مراد ہیں جیسے باعمل علمائے کرام۔ اور عرب ومصر، شام وروم اوراندلس کے علماءِ سلف صالحین کے زمانے سے لے کرآج تک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سمجھتے آئے ہیں تو گویا کہ اس عمل مبارک پر اجماع ہوگیا اور جو چیز اجماع سے ثابت ہوجائے وہ حق ہوتی ہے، ضلالت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی کسی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا حاکم شرع کو چاہیے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاریوں کو سزا دے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن سراج(۱)	احمد دحلان	حسن	عبدالرحمٰن جمال	حسن طیب	محمد شرقی
مفتی حنفی	مفتی شافعی	مفتی حنبلی	حنفی	حنفی	مفتی مالکی
سلیمان عینی	عبدالقادر خوکیر	ابراہیم الفتن	محمد جاراللہ	احمد الداغستانی	عبدالقادر شمس
عبدالرحمٰن افندی	احمد ابوالخیر	عبدالقادر سخینی	محمد سعید	عبدالمطلب	احمد کمال
محمد سعید الادیب	علی جودہ	سید عبداللہ کوشک	حسین عرب	ابراہیم نوموسی	احمد امین
شیخ فردوس	عبدالرحمٰن عجی	عبداللہ مشاط	عبداللہ قماشی	محمد بابصیل	محمد سیوتی
علی ریتی	محمد صالح زواری	محمد حبیب اللہ	احمد النحراوی	عبداللہ زواری	سلیمان عقبہ
عمر سید شطی	عبدالحمید الداغستانی	مصطفےٰ عفیفی	منصور	منشاوی	محمد راضی

بطورِ تلخیص علمائے مدینہ منورہ کے جواب

اعلم ان ما يصنع من الولائم في المولد الشريف و قراءته بحضرة المسلمين و إنفاق الميراث و القيام عند ذكر ولادة الرسول الأمين و رش ماء الورد و إيقاد البخور و تزيين المكان و قراءة شيىء من القرآن و الصلوة على النبي صلى

جواب: یعنی سوالِ مذکورہ کے جواب میں علمائے مدینہ منورہ فرماتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا، اہل اسلام کے مجمع میں اسے پڑھنا، پاک چیزوں کا خرچ کرنا، ذکر ولادت نبوی کے وقت قیام کرنا، گلاب جل چھڑکنا، لوبان وغیرہ جلانا، مکان کی آرائش کرنا، قرآن کے

(۱) عبدالرحمٰن سراج، مفتی عبداللہ سراج کے بیٹے ہیں جن کی علمیت کا بڑا شہرہ تھا۔ ۱۲ منہ

الله عليه وسلم و إظهار الفرح و السرور فلا شبهة في أنه بدعة حسنة مستحبة و فضيلة شريفة مستحسنة فلا ينكرها إلا مبتدع لا استماع لقوله بل على حاكم الإسلام أن يعزره. والله أعلم و صلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه و سلم.

کسی حصہ کی تلاوت کرنا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور مسرت وخوشی کا مظاہرہ کرنا بلا شبہہ بدعت حسنہ ومستحبہ ہے اور فضل وشرف کا کام ہے۔ ان کا انکار کوئی بدعتی ہی کرسکتا ہے جس کی بات نہ تو سنی جائے بلکہ حاکم اسلام کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس پر سزا مسلط کرے۔ واللہ اعلم۔

محمد امین	جعفر حسینی البرزنجی	عبدالجبار	جمال الدین سید	ابراہیم بن خیار	یوسف سید
السید محمد علی	السید عبداللہ بن سید احمد	محمد بن احمد رفاعی	عمر ابن علی	علی حریری	مصطفٰے سید
احمد سراج	حسن ادیب	ابوالبرکات	عبدالقادر مشاط	سید سالم	احمد الحبشی
محمد نور سلیمانی	عبدالرحیم البرعی	محمد عثمان کردی	قاسم	عبدالعزیز ہاشمی	یوسف رومی
محسن	مبارک ابن سعید	حامد	محمد ہاشم ابن حسن	عبداللہ ابن علی	عبدالرحمٰن صفوی

بطورِ تلخیص علمائے جدہ کے جواب

اعلم ان ذكر مولد النبي صلى الله عليه وسلم بهذه الصورة المجموعية المذكورة بدعة حسنة مستحبة شرعا لا ينكرها إلا من في قلبه شعبة من شعب النفاق و كيف يسوغ له ذلك مع قوله تعالىٰ 'وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ' والله أعلم.

سوال میں جو صورتیں بیان کی گئی ہیں ان مجموعی صورتوں کے مطابق ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنا شرعاً بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ اس کا انکار وہی کرسکتا ہے کہ جس کے دل میں نفاق کا کوئی حصہ ہوگا' اور پھر ایسا ممکن کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

علی بن احمد باصبرین	عباس ابن جعفر بن صدیق	احمد فتاح	محمد سلیمان	احمد حبلس
محمد صالح	احمد عثمان	احمد بن عجلان	محمد صدقہ	عبدالرحیم بن محمد زبیدی

علمائے حدیدہ کے جواب

قـراءـة الـمولـد الشـريف مع الأشيـــاء الـمـذكـورة جـائز بل مستحبـة يثـاب فاعلها فقد ألف في ذلک الـعـلماء و حثوا على فعله و قالوا لا ينكرها إلا مبتدع فعلى حاكم الشريعة أن يعزره .

سوال میں مذکورہ چیزوں کے ساتھ میلاد شریف پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب بھی ہے جس کا کرنے والا ثواب پائے گا ۔علمائے کرام نے اس سلسلہ میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور اس عمل خیر پر ابھارا ہے ۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا انکاری کوئی بدعتی ہی ہوسکتا ہے تو ایک حاکم اسلام کا فرض ہے کہ اس کی ٹھیک سے خبر لے۔

الفقیر الی اللہ یحییٰ ابن مکرم	علی شامی	علی بن عبداللہ	محمد بن سالم عایش	محمد بن ابراہیم حشیری	علی طحان
محمد بن عبداللہ	محمد بن داؤد بن عبدالرحمٰن	علی بن ابراہیم الزبیدی	علی بن محمد حباب	احمد ابن محمد ابن الخلیل	عبدالرحمٰن بن علی حضرمی

اِن تازہ دنوں میں علمائے عرب کی تحریریں، راقم السطور کے پاس آئی ہیں۔مفتیانِ مذاہب اربعہ کی عبارتیں بطورِ تلخیص نقل کرتا ہوں

سـوال: مـا قولكم (دام فضلكم ، رحمكم الله تـعالىٰ) في عمل المولد النبوي و القيام فيه هل هما جائزان أم لا ، .بينوا توجروا.

سوال: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں قیام جائز ہے یانہیں؟۔

[۱] جـواب: الـحـمـد لـمن هو به حقيق و منه استمد العون و التوفيق ، نعم هما جائزان و عليه عمل الـمسـلـمين في عـامة بلاد الإسلام و الاستدلال على الجواز مبسوط في كتب الأئمة الأعلام و لا عبرة بمنع المانعين من الجهلة اللئام ، و الله أعلم.

أمر برقمه :

خادم الشريعة راجي اللطف الخفي

محمد صالح بن المرحوم صديق الكمال الحنفي

مفتي المكة المكرمة حالا كان الله لهما

محمد صالح

جواب: مسلمانوں کا تمام اسلامی شہروں میں اس پر عمل ہے' اور اس سلسلے کے دلائل تفصیلی طور پر اجلہ علماء کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جو جاہل بد بخت اسے منع کریں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مفتی حنفی مکہ)

[۲] عمل المولد استحسنه جمهور السلف و الخلف و قال العلامة الشهاب الخفاجي محشي البيضاوي في رسالته في عمل المولد : أنه بدعة حسنة .

أمر برقمه :

خادم الشريعة و المنهاج

عبد الرحمٰن بن عبد الله سراج الحنفي

عبدالرحمٰن سراج

جواب: جماہیر سلف وخلف نے اس عمل کو اچھا سمجھا ہے اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ نگار علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنے میلاد نامہ میں اسے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ (مفتی حنفی)

[۳] ما حرره مفتي الأحناف هو عين الصواب . والله سبحانه أعلم.

خادم الشريعة ببلدة الله المحمية

أبو بكر حجي بسيوني

مفتي المالكية

ابوبکر حجی بسیونی

جواب: حنفی مفتیوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریری حکم فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست ہے۔ (مفتی مالکی)

[۴] ما أجاب به مولانا هو المذهب الذي لا ينكره أحد .

كتبه راجي العفو من واهب العطية

محمد بن المرحوم الشيخ حسين

مفتي المالكية ببلدة الله المحمية

محمد بن الشیخ حسین

جواب: مولانا نے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہی عین مذہب ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو کوئی انکار نہیں ہے۔ (مفتی مالکی)

[۵] اللهم هداية للصواب في كتاب قصة المولد للعلامة الشهاب ابن الحجر ان عمل المولد بدعة لكنها حسنة لما اشتملت عليه من الإحسان و قراءة القرآن و إكثار الذكر و إظهار السرور و الفرح به صلى الله عليه وسلم و المحبة له و إغاظته أهل الزيغ و العناد من الزنادقة و الملحدين و الكفرة و المشركين و لم يزل أهل الأقطار في سائر المدن و الأمصار يحتفلون بعمل المولد في شهره (الخ) و أما القيام في المولد فقيل أنه مندوب شرعا و قيل أنه بدعة حسنة .

أمر برقمه المرتجى من ربه كمال النيل

محمد سعيد بن محمد بابصيل

مفتي الشافعية بمكة المحمية

محمد سعید بابصیل

جواب: یہ ایک اچھا عمل ہے کیوں کہ یہ احسان اور قراءت قرآن پر مشتمل ہے نیز اس میں ذکر پر ابھارنا، خوشیاں منانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرحت ومحبت کا اظہار کرنا ساتھ ہی کفار وملحدین کو جلانا بھی پایا جاتا ہے اور وہ دیکھ کر رشک کرتے ہیں۔ اہل اسلام نے ہر دور اور ہر شہر میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں سجائی ہیں۔ رہی بات قیام کی تو بعض نے اسے شرعاً مستحب اور بعض نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ (مفتی شافعی)

[٦] نعم عمل المولد جائز لإجماع المسلمين عليه و القيام عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم فهو أدب حسن و لا يخالف مشروعا و يوخذ من فعل الإمام أحمد الجواز و ذلك أنه ذكر عنده إبراهيم بن طهمان و كان متكئا فاستوى جالساً و قال لا ينبغي أن يذكر الصالحون فنتكي قال ابن عقيل فأخذت من هذا حسن الأدب فيما يفعله الناس عند ذكر إمام العصر من النهوض لسماع توفيعاته قال في الفروع و معلوم ان مسئلتنا أولىٰ فمن تركه مع قيام الناس على اختلاف طبقاتهم فقد سلك مسلك الجفا و ربما يحصل عليه من الذم و التوبيخ ما لا خير فيه استخفاف بالجناب الأعظم صلى الله عليه وسلم و ذكر ابن الجوزي أن ترك القيام كان في الأول ثم صار ترك القيام كالهوان بالشخص فاستحب لمن يصلح له القيام . والله سبحانه أعلم.

أمر برقمه الحقير :

خلف بن إبراهيم

خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة حالا

راجی عفو الرحیم

خلف بن ابراہیم

جواب: محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں قیام کرنا مسلمانوں کے اجماع سے جائز ہے۔ ادب کی بات بھی یہی ہے اور یہ کوئی شرع کے مخالف بھی نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے اس فعل سے بھی اس کے جواز کا پتا چلتا ہے کہ آپ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے آپ کے سامنے ابراہیم بن طہمان کا تذکرہ چھیڑ دیا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ٹیک لگا کر صالحین کا ذکر سننا ادب کے خلاف ہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ جو لوگ اس زمانے میں امام عصر کے تذکرے کے وقت ان کے فرمان کو سننے کے لیے (تعظیماً) کھڑے ہوتے ہیں تو اس سلسلہ میں مذکورہ واقعہ سے مجھے حسن ادب کی تعلیم مل گئی۔ انھوں نے ''فروع'' میں کہا کہ یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ یہ مسئلہ دائرہ اس کا اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے۔ پس مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے قیام کرنے کے باوجود جو قیام نہ کرے تو سمجھ لو وہ پورا گنوار اور اُجڈ ہے۔ اور بسا اوقات اس سے اس حرکت پر وہ مذمت و توبیخ نصیب ہوگی جس میں کچھ بھی بھلائی نہیں، کیونکہ اس میں بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ پہلے زمانے میں قیام کا کوئی رواج نہ تھا۔ پھر ترک قیام آدمی کی تذلیل و تحقیر کے درجے میں ہو گیا۔ تو اب مستحق قیام کے لیے قیام مستحب ہے۔

﴿۷﴾ قد أجمع عليه العلماء الأعلام من المذاهب الأربعة فلا يجوز خرق الإجماع و من انفرد برده فكلامه باطل مردود عليه . و الله سبحانه تعالىٰ أعلم.

أمر برقمه الراجي من الله التوفيق

عبده عباس بن جعفر بن صديق

المدرس و الخطيب للحرم المكي الشريف

عباس بن جعفر

جواب: چونکہ اس عمل پر مذاہب اربعہ کے اجلہ ائمہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے لہٰذا اب یہ اجماع توڑنا جائز نہیں۔ اور جو کوئی اس سے انکار کر کے اپنی انفرادیت قائم کرنا چاہے تو اس کا کلام باطل ہوگا اور اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

﴿۸﴾ نظرت في هذه الأسئلة و ما أجاب به مفاتي الإسلام و علماء الأنام فوجدتها في غاية الصواب لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و بصيرته .

كتبه راجي رضاء الخبير :

عبد القادر بن محمد خو كبير

المدرس و الإمام بالمسجد الحرام

عبدالقادر بن محمد علی

جواب: میں نے ان سوالات اور اس سلسلے میں تحریر شدہ مفتیانِ دین متین کے جوابات ملاحظہ کیے اور انھیں عین درست پایا جس سے انکار کی صرف وہی سوچ سکتا ہے جس کی بصیرت و بصارت دونوں جواب دے گئی ہوں۔

[۹] ما أجاب به مفاتي الإسلام ببلد الحرام هو الحق الذي يعول عليه و يجب المرجع و المصير إليه.

كتبه العبد الراجي رحمة ربه المنان :

محمد رحمت الله بن خليل الرحمٰن .عفا الله عنهما.

محمد رحمۃ اللہ

یہ حضرت استاذنا و مولانا محمد رحمت اللہ مہاجر مکی ہیں جن کا ذکر جوازِ ''یارسول اللہ'' کے فتویٰ میں اوپر گزر چکا ہے۔
جواب: یعنی اللہ کے مقدس حرم کے مفتیانِ اسلام نے اس سلسلہ میں جو فتوے صادر فرمائے ہیں یقیناً وہ حق و درست ہیں۔

[۱۰] ما كتب في هذا القرطاس صحيح لا ريب فيه . و الله سبحانه أعلم.

حرره :

محمد عبد الحق عفي عنه

محمد عبدالحق

یہ صاحب، ہندوستان سے ہجرت کرکے اب عرب میں مقیم ہیں۔ عالم، عادل، صوفی اور قلب سلیم کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت دے۔

جواب: یعنی اس کاغذ پر (مفتیانِ کرام کے جو فتاوے) تحریر ہیں وہ بلاشبہہ حق و درست ہیں۔

واضح ہو کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے قدیم و جدید یہ فتاوے ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ بعض علمائے سنت نے اجماع حرمین کو حجت مانا ہے حتیٰ کہ امام بخاری نے یہ قرار دیا ہے کہ جس پر حرمین طیبین مکہ و مدینہ کا اجماع ہو جائے وہ حجت ہے۔

ما اجمع عليه الحرمان مكة و المدينة . (۱)

شارح بخاری لکھتے ہیں

و عبارة البخاري مشعرة بأن اتفاق أهل الحرمين كليهما إجماع . (۲)

امام بخاری کی یہ عبارت بتارہی ہے کہ اہل حرمین کا اتفاق اجماع ہے۔

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/۳۰۱۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) فتح الباری لابن حجر: ۳۸۰/۲۰۔ ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن لوگوں نے وہاں کے اجماع کو دلیل قطعی کے درجہ میں نہیں رکھا ہے تو اتنا ضرور کیا ہے کہ ترجیح مذہب مخالف کے لیے اس کو معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ ٹھہرایا ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں مالک یوم الدین اور مَلک یوم الدین دو قراءتیں ہیں اور ہر چند دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود علامہ بیضاوی نے مَلِک یوم الدین کی قراءت کو ترجیح دی ہے اور یہ لکھا ہے

و هو المختار لأنه قراء ة أهل الحرمين . (۱)

ہدایہ میں ہے

و المستحب في الجلوس بين الترويحتين مقدارُ الترويحة، و كذا بين الخامسة و بين الوتر لعادة أهل الحرمين . (۲)

ترویح تین کے درمیان ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے، یوں ہی خامسہ اور وتر کے درمیان بھی۔ اہل حرمین کی عادت چوں کہ ایسی ہی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کی (کتاب الحظر والاباحۃ) میں ہے

لا بأس بأن ينقش المسجد بماء الذهب و الفضة من ماله فإن الكعبة مزخرفة بماء الذهب و الفضة مستورة بألوان الديباج و الحرير .

اپنے مال سے مسجد کے در و دیوار کی آرایش و زیبایش آب ہائے سیم و زر سے کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ کعبہ بھی چاندی و سونے کے پانی سے آراستہ اور ریشم و دیبا کے رنگوں سے ڈھانپا گیا ہے۔

اور جمعہ کے روز پہلے پہر قبروں کی زیارت کو جو بعض لوگ منع کرتے ہیں تو فقہا فعل حرمین کی وجہ سے اس کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

و روز جمعه فاضل تر ست از روز دیگر خصوصاً در اول روز جمعه و همیں ست در حرمین شریفین و آں چه مشهور شده است از منع زیارت روز جمعه اصلی صحیح ندارد۔ انتہیٰ۔

جمعہ کے دن خصوصاً اس کے پہلے پہر کی دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ فضیلت ہے۔ اور حرمین شریفین میں یوں ہی رائج ہے۔ اور وہ جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور جائز نہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ چند نظیریں بطورِ تلخیص لکھ دی گئی ہیں اس کے علاوہ اور بھی نظائر موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مفتیان دین نے علمائے حرمین کے رواج دیے ہوئے اعمال پر اعتماد کیا ہے لیکن وائے بر حال مخالفین کہ وہ اس طرح بے توقیری سے حرمین کا نام لیتے ہیں کہ اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں۔

لطیفہ

ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی، ایک میلاد شریف کے قائل تھے اور دوسرے منکر۔

انکاری نے کہا کہ قصبۂ دیوبند استفتا بھیجو پھر دیکھو وہ مولود کو کیا لکھتے ہیں۔

(۱) تفسیر البیضاوی: ۶/۱ (۲) العنایۃ شرح الہدایۃ: ۲/۴۷۳۔ فصل فی قیام شہر رمضان

اقراری نے کہا کہ دیوبند کوئی دارالاسلام تو ہے نہیں، یوں کہیے کہ آئیں حرمین شریفین زادہ اللہ شرفا وتعظیماً کو استفتا بھیجیں۔ یعنی اس لیے کہ وہ دین وایمان کا گھر ہے۔ حدیث پاک میں ہے

دین مکہ مدینہ میں ایسے سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔(۱)

یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر ہر طرف گھوم پھر کر پھر اپنی بل ہی میں قرار پاتا ہے اور سانپ بل میں گھس کر ایسی قوت سے چمٹ جاتا ہے کہ اس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح پہلے پہل دین، مکہ مدینہ سے نکلا پھر آخر زمانہ میں بھی اگر دین کہیں نہ ہوتو یہاں ضرور ہوگا اور یہاں سے دین کو نکالا بھی نہ جا سکے گا۔

مشکوٰۃ کے ''باب ذکر الیمن والشام'' میں ہے

الإِيْمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ .رواه مسلم. (۲)　　ایمان حجاز والوں میں ہے۔

ملک حجاز، مکہ ومدینہ کو شامل ہے۔

غرض کہ فتویٰ اگر لکھواؤ تو اس ملک کے علماء سے لکھواؤ جس کی شہادت اور تعریف احادیث میں آئی ہے، دیوبند کی شہادت کون سی حدیث میں آئی ہے!۔

انکاری صاحب بولے مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا، رہزنی اور مال لوٹنا یہ سب اطراف کے رہنے والے بدو لوگ کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت سے ہے۔

قرآن شریف میں ہے

أَوَ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَماً آمِناً وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ . (۳)　　اور کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرمت والی زمین پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔

(۱) صحیح بخاری: ۶/۳۱۴ حدیث: ۱۷۴۳، صحیح مسلم: ۱/۳۵۲ حدیث: ۲۱۰، سنن ترمذی: ۹/۲۱۹ حدیث: ۲۵۵۴، سنن ابن ماجہ: ۹/۲۵۷ حدیث: ۳۱۰۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۵ حدیث: ۱۶۰، مسند احمد: ۱۶/۱۵۱ حدیث: ۷۵۱۰، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۳۸۹ حدیث: ۷۷۵، متخرج ابوعوانہ: ۱/۲۴۶ حدیث: ۲۲۰، صحیح ابن حبان: ۱۵/۴۵۵ حدیث: ۳۷۹۷، معرفۃ الصحابۃ: ۱۴/۲۳۷ حدیث: ۴۵۰۳، موارد الظمآن: ۱/۲۵۵، امثال الحدیث: ۱/۴۰۹ حدیث: ۲۵۶، الایمان ابن مندہ: ۲/۶ حدیث: ۴۲۴، فضائل المدینۃ جندی: ۱/۱۸ حدیث: ۲۰، مسند سعد بن ابی وقاص: ۱/۸۸ حدیث: ۸۷، معجم الصحابۃ ابن قانع: ۴/۲۹۱ حدیث: ۱۰۷۹، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲/۲۳، کنز العمال: ۱/۲۳۸ حدیث: ۱۱۹۰، مسند الجامع: ۱۸/۴۵ حدیث: ۱۴۸۸۰، تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱۸ حدیث: ۱۰۷۷۸

متن حدیث یوں ہے: إن الإيمان ليأرزُ إلى المدينةِ كمَا تأرزُ الحيَّةُ إلى جُحْرِهَا .

بہتیری کتب میں یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے: إن الدين ليأرزُ إلى الحجاز كمَا تأرزُ الحيَّةُ إلى جُحُرِهَا .

(۲) صحیح مسلم: ۱/۱۷۸ حدیث: ۸۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۳۶۷ حدیث: ۶۲۶۱، مسند احمد: ۲۹/۱۱۷ حدیث: ۱۴۰۶۸، متخرج ابوعوانہ: ۱/۱۴۷ حدیث: ۱۳۳، مسند ابویعلی موصلی: ۴/۴۵۷ حدیث: ۱۸۴۹، الایمان لابن مندہ: ۲/۳۳ حدیث: ۴۵۰، فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۴/۹۲ حدیث: ۱۵۵۹، تحفۃ الاشراف: ۴/۸۳ حدیث: ۲۸۳۹

(۳) سورۂ عنکبوت: ۲۹/۶۷

تو یہ مار پیٹ اور اُچک لینے کی باتیں زمانہ قدیم ہی سے وہاں بدوخارجی کر رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر وشرک سے پاک ہیں۔ وہاں کے بدوے گنوار آدمی بھی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کریں تو کریں ورنہ کفر اور شرک تو اس ارض مقدس کے آس پاس کہیں نہیں ہوتا' اور دیو بند میں تو کفر وشرک بھرا ہوا ہے۔ جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے' مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سنکھ بج رہے ہیں' پھر دیو بند اچھا ہوا یا حرمین شریفین۔

انکاری صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیو بند کے عامی جاہل مسلمان اور قوم ہندو کے مشرکوں سے سند نہیں پکڑتے' ہم تو وہاں کے علمائے اہل اسلام کی سند پکڑتے ہیں۔

اقراری نے کہا بس' ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین شریفین کے علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی سند پکڑتے ہیں اور وہ سب بالاتفاق محفل میلاد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لٹیروں کا کیوں ذکر کرتے ہو؟ پہلے بھی حرمین کے خواص علماء کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا اور (علی ہذاالقیاس) اب بھی۔ لہٰذا علمائے خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن انکاری کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفتا بھیجا تو وہاں کے سبھی علماء محفل میلاد کے استحباب کا حکم لکھ دیں گے' اس لیے اس نے انکار کر دیا کہ ہم حرمین کو نہیں مانتے (معاذ اللہ) ہم تو دیو بند کو مانتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا: آپ کو دیو بند مبارک ہو اس پر ایمان رکھیے۔ ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں اور ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ گفتگو اسی پر ختم ہوگئی۔

اب دیکھیں کہ ان لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ دیو بند کے آگے حرمین شریفین کو حقیر جاننے لگے' اہل حرم کی حقارت' تحقیر حرم کی نوبت کو پہنچاتی ہے۔ قضیہ مشہور ہے' شرف المكان بالمكين. (یعنی مکان کی زینت رہنے والے سے ہوتی ہے)

ہائے وہ حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اس کی طرف کریں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ . (۱)　ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

سوتے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے سونا ہے۔ اور مرنے کے بعد قبر میں دفناتے وقت بھی یہی حکم دیا ہے

یوجه إلى القبلة .　اس کا رخ قبلہ کی طرف کیا جائے۔

اور وہاں کے باشندے تو وہ ہیں جن کی بابت صحیفہ آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ کا خداوند ہوں' وہاں کے رہنے والے میرے ہم سایہ ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے

جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ بیت اللہ کے ہمسایہ کی تعظیم کرے۔

نیز یہ بھی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ پر امیر کیا تو یہ فرمایا' تو جانتا ہے تجھ کو کس پر مقرر کیا ہے؟ تو اہل اللہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ وہ اہل اللہ کون ہیں؟ یہی مکہ معظمہ کے رہنے والے۔ تو ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔

کلام اللہ میں والیان کعبہ کی نسبت ارشاد ہے

(۱)　سورۂ بقرہ: ۲/۱۴۴

إنْ أوْلِيَاءُ هُ إلَّا الْمُتَّقُوْنَ . (۱) اس کے اولیا تو پرہیز گار ہی ہیں۔

تو کعبہ کے مسلمان اولیا کو اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے تعبیر فرماتا ہے۔

افسوس یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے رہنے والوں کو (جو اہل اللہ ہمسایہ خدا اور پرہیز گار ہیں) کن کن حقیر لفظوں سے یاد کرتے ہیں (العظمۃ للہ) حق سبحانہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے۔ "تحفۃ العرب والعجم" میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں

عرب کے علماء پر جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطا پر ہیں اس لیے کہ وہ 'خیر البقاع' کے رہنے والے ہیں۔ انتہیٰ۔

شاہ ولی اللہ صاحب "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں

خبردار خبردار اہل مدینہ سے دل میں ہرگز کدورت نہ رکھنا ورنہ فیضان انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے۔ ہذا کلامہ ملخصاً۔

آمدم برسرِ مطلب ہاں! اے محمد یو! دینداران حرمین کا اقتدار اور مفتیانِ حرم کا شرف واعتبار دل میں جما کر ذرا دیکھو تو سہی کہ وہ کن دل رُبا الفاظ ومعانی سے مدعا ثابت فرما رہے ہیں اور یہ نہیں لکھتے کہ صرف اہل حرم ہی اس عمل محترم کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ یہ ثبوت بھی فراہم کر رہے ہیں کہ عرب وعجم مصر وشام اور اندلس کے علماء بھی اس کو مستحسن فرماتے ہیں۔ میلاد کو جائز سمجھنے والوں کے اسمائے گرامی شمار کرتے وقت ہم بتا چکے ہیں کہ سعید بن مسعود گازرونی ملا علی قاری اور نور الدین ابو سعید بورانی نے تمام ملکوں کے علمائے کرام سے محفل میلاد کے مستحسن ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے لہٰذا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف اہل حرمین ہی اس عمل کا حکم کرنے والے اور اس کے جواز کا قول کرنے والے ہیں بلکہ حرمین کے فتاوے تو ادباً اور تعظیماً سب سے پہلے نقل کر دیے ہیں۔ اب لیجیے حرمین کے علاوہ اور چند مقامات کے فتاوے بھی ملاحظہ کیجیے۔

فتاواے بغداد شریف

بغداد شریف دو وجہوں سے نہایت بابرکت ہے ایک تو یہ کہ وہاں حضرت امام اعظم کا مزار مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضرت غوث اعظم کا روضہ اقدس ہے۔ علاوہ ازیں وہاں مقبولین خدا کی تعداد حد وشمار سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شہر علماء وصالحین کی آماجگاہ ہے اور وہاں کے فضلا ومحدثین اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ دیکھیے کہ وہاں کے مفتیان عالی جاہ اور محققین ژرف نگاہ کیا فرماتے ہیں چوں کہ لفظ بہ لفظ عبارت نقل کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے ان کے خاص خاص چیدہ جملے مختصراً نقل کرتا ہوں۔

[۱] مولانا سید محمد سعید آفندی دوری ادام اللہ برکاتہ

یہ حضرت غوث الثقلین کے دربار معلیٰ میں خطیب ہیں بروزِ جمعہ وہاں خطبہ دیا کرتے ہیں انھوں نے اثبات مولد وقیام میں چار ورق کا رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) سورۂ انفال: ۸/۳۴

حمدا لمن من علينا بإظهار أنوار سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم. أما بعد! فقراءة المولد الشريف له أصل أخرجه حجة الإسلام الشيخ أبو الفضل ابن حجر العسقلاني. إلى آخره. و قد ذكر ابن تيمية في كتاب "اقتضاء الصراط المستقيم" ان ثواب قراءة المولد المبارك غير يسير لما في ذلك من حجة الرسول صلى الله عليه وسلم و قد بسط الكلام فيه و في سائر البدع المقبولة و غيرها، و قال السيوطي، ظهر لي تخريجه علي أصل آخر إلى آخره. و رأيت الإمام ابن الجزري قال في عرف التعريف فما حال المسلم الموحد من أمة النبي صلى الله عليه وسلم يبذل ما تصل إليه قدرة في محبته صلى الله عليه وسلم لعمري إنما يكون جزاءه من الله الكريم أن يدخله بفضله جنات النعيم، و قال الحافظ ناصر الدين الدمشقي مثله في كتابه " في مولد الهادي " و قال الكمال الأدفوي الطالع حكى لنا صاحبنا العدل ناصر الدين محمد بن العماد ان أبا الطيب محمد بن إبراهيم السبتي المالكي نزيل قوص أحد العلماء العاملين كان يجوز بالمكتب في اليوم الذي ولد فيه النبي صلى الله عليه وسلم فيقول يا فقيه هذا يوم السرور اصرف الصبيان فيصرفنا فهذا منه دليل على تقريره و عدم إنكاره و هذا الرجل كان فقيها مالكيا متقنا في العلوم متورعا أخذ عنه أبو حيان وغيره و مات سنة خمس و تسعين و ست مائة و القيام حين تذكر ولادته صلى الله عليه وسلم بقصد التعظيم و الفرح و السرور بقدوم سيد الأولين و الآخرين وجدته من العلماء الأعلام و قد أفتى جماعة باستحبابه عند ذكر ولادته صلى الله عليه وسلم و في مولد المدابغي رحمة الله عليه جرت العادة بقيام الناس إذا انتهى المداح إلى ذكر مولده صلى الله عليه وسلم وهي بدعة مستحسنة مستحبة. انتهىٰ. و تعظيمه واجب على كل مسلم و لا شك أن هذا القيام من باب التعظيم، قال المولف و الذي أرسله رحمة للعالمين لو استطعت القيام على رأسي لفعلت أبتغي بذلك الزلفىٰ عند الله عزوجل.

ترجمہ: حمد وشکر اس کی جس نے انوارِ محمدی ظاہر کر کے ہم پر احسان فرمایا۔ میلاد شریف کا پڑھنا درست ہے اور اس کی اصل حجۃ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بیان فرمائی ہے۔ الیٰ آخرہ۔

ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے کہ میلاد شریف پڑھنے کے اجر کو کچھ کم نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا برملا اظہار ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تفصیل سے بحث کی ہے نیز بدعت حسنہ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھ پر میلاد شریف کی ایک اور اصل آشکار ہوئی ہے۔ الیٰ آخرہ۔

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلاد

شریف پرخوشیاں مناتا ہے اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراواں سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

حافظ ناصر الدین دمشقی نے بھی اپنی کتاب ''مولد الہادی'' میں یوں ہی تحریر فرمایا ہے۔

کمال ادفوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک منصف دوست نے کہا کہ ابو الطیب سبتی مالکی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو مکتب جاتے اور فرماتے کہ اے فقیہ، آج خوشی کا دن ہے بچوں کو چھٹی کردو۔ یہ ابوالطیب پرہیزگار اور بڑے پختہ عالم تھے ابوحیان وغیرہ کاملین ان کے شاگرد ہوئے ہیں۔ ۶۹۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

رہا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت موقع پر کھڑے ہونے کا مسئلہ تو بڑے بڑے علمائے کرام نے اس کے استحباب کا فتویٰ دیا ہے۔ اور مولد مدابغی میں ہے کہ میلاد خواں جب اپنے اختتام کو پہنچتا ہے تو اس وقت لوگوں کا قیام کرنا وراثۃً چلا آرہا ہے اور یہ بدعت مستحبہ مستحسنہ ہے اور تعظیم رسول تو ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یعنی مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو قدرت وطاقت ہوتی تو قربت الہی پانے کے لیے ذکر ولادت کے وقت میں پاؤں نہیں بلکہ سر کے بل کھڑا ہوتا۔

[۲] اس تحریر مذکور کی تصریح جناب مولانا عبدالسلام فرماتے ہیں جو حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کے مدرسہ کے مدرسِ اول اور حضرت نقیب صاحب سجادہ کے استاد ہیں بغداد میں شیخ العلماء کے لقب سے جانے جاتے ہیں ان کی عبارت یوں ہے۔

اطلعت على هذه العجالة فرأيتها صحيحة غير أن من شك فيها فهو مخذول .

حرّره مدرس الحضرة القادرية

عبد السلام

عبدالسلام

یہ رسالہ عجالہ میری نظر سے گزرا مجھے یہ پورے طور پر صحیح ودرست نظر آیا۔ اب اس میں شک کرنا کسی ذلیل وخوار ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

[۳] اور اس فتوے کی تصدیق میں جناب مولانا بہاء الحق صاحب رقم فرماتے ہیں جو سلطان روم کی طرف سے حضرت امام اعظم کے مدرسہ میں مدرس اول ہیں۔

تأملت في هذه الرسالة فوجدتها مبنية على الإيمان و الحب بخاتم الرسالة فطوبىٰ لمن أعطى هذه النعمة الفائقة .

حرره مدرس مدرسة الإمام الأعظم قدس سره عبده

بهاء الحق القرشي

و يُحِقُّ اللّٰهُ الحَقَّ بكلِمَاتِهِ

میں نے اس رسالہ کو بڑی ژرف نگاہی سے دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس رسالہ کی بنیاد ایمان اور جانِ ایمان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت پر اٹھائی گئی ہے۔ تو بڑا خوش بخت ہے وہ جس کے حصہ میں یہ سعادت آئی۔

(۴) بغداد کے مفتی سابق مرحوم (جن کی تفسیر روح المعانی آٹھ جلدوں میں مصر سے چھپی ہے) ان کے خلف رشید سید محمد شکری (جو اپنے باپ مرحوم کی طرح عالم بے نظیر ہیں) تحریر فرماتے ہیں۔

لقد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة فرأيتها مشتملة على نصوص العلماء الأجل مشاهدة لمولفها بأنه حاذ الفضل كله

الفقير إلى الله تعالىٰ

الوسي راحه السيد محمود شكري

السید محمود شکری

اس رسالے کے مطالعہ کا مجھے شرف حاصل ہوا' میں نے اسے اجلہ علماء کے استشہادات سے مزین پایا' اس کا مولف اقبال مند ہے' اس کے ذریعہ اس نے فضل وکمال کے میدان مار لیے۔

(۵) بغداد کے مفتی وقت سخت بیمار تھے تو ان کے فرزند مولانا جمیل صدقی نے فتویٰ ہذا کی یوں تصدیق فرمائی۔

قد نظرت إلى هذه الرسالة الجليلة فرأيتها بإحقاق الحق كفيلة .

وكيل المدرس في المدرسة السليمانية رهادى راحه

جميل صدقي

جمیل صدقی

یہ جلیل القدر رسالہ مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا' تو میں نے اسے احقاق حق کا کفیل پایا۔

(۶) مفتی بغداد کی نگرانی میں کام کرنے والے جو تمام شرعی احکام میں فتویٰ دیتے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

إن هذه الرسالة لحرية بقبول لا يشك فيها إلا مطرود و مخذول .

حسبنی الوہاب

یہ رسالہ شرف قبولیت پانے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے' ایسے رسالہ کے اندر شک وشبہہ کوئی راندہ وخوار ہی کر سکتا ہے۔

(۷) مدرسہ حضرت غوث الثقلین کے دوسرے مدرس جن سے فی الحال آج کل شہزادے درس لیتے ہیں۔

قد قلت إذا لقيت هذه النقول صحيحة حرية بالقبول يا مهملا أهملت حق الرسول تعاميا أو مرضا في العقول .

المدرس الثاني في حضرة القطب الكيلاني راوى راحه

عبد اللطيف

عبداللطیف

اس رسالے کے مضامین پڑھ کر جب اسے قبولیت کا سزاوار پایا تو میں نے کہا' اے غفلت کیش' کیا تواندھے پن یا کسی شقاوت قلبی کی وجہ سے رسول اللہ کے حق سے ست پڑ گیا ہے؟

﴿۸﴾ جامع حسن پاشا کے مدرس علی افندی ترک رقم فرماتے ہیں :

وجدتها مشتملة على نقول صحيحة لا يرتاب فيها إلا معاند أو مكابر مخذول .

حرره مدرس جامع حسن پاشا علی

علی

میں نے اس رسالے کو صحیح ودرست عبارتوں پر مشتمل پایا۔ اب اس میں شک کے کیڑے نکالنا کسی جھگڑالو' نفس دشمن اور خوار ورسوا شخص ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

ماہِ جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ (1886ء) کا بغداد شریف کا محررہ یہ فتویٰ یہاں تبرکاً نقل کیا گیا جسے زیادہ تحقیق درکار ہو' استحسانِ عمل مولد شریف کے مستحسن ہونے پر شرقاً غرباً اجماعِ جمہورِ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرے۔ وہ فتویٰ مطبوعہ بہم پہنچائے جس میں تمام علمائے مصر وشام وغیرہ کی مہریں ہیں۔

علمائے ہندوستان کی مہریں

اب ہندوستان کے ان علمائے کرام کی مہریں نقل کی جارہی ہیں جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے ان میں علمائے فرنگی محل کے فتاوے بھی ہیں جو محمد مصطفےٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں چھپے تھے' جس کو ان کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھیے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص ربیع الاول کے ساتھ میلاد شریف کا تعین کوئی فرض و واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت سے علماء ومحدثین نے اس کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ جو چیز قرونِ ثلاثہ میں نہ ہوئی وہ بدعت سیئہ ہے' صحیح نہیں۔ اور پھر جب آیت کریمہ: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ثابت ہوگئی تو محفل میلاد میں ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونا (جو کہ تعظیم رسالت ہی کا ایک فرد ہے) وہ بھی بخوبی ثابت ہوگیا۔ یہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں ہے۔

(۱) حررہ ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی عفی عنہ

(۲) محمد سعد اللہ عفی عنہ۔

(۳) محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ وحماہ۔

(۴) ابوالاحیاء محمد المدعو بالنعیم۔

(۵) ابوالحسن محمد صالح۔

(۶) محمد عبدالوحید۔

(۷) ابوالبقا محمد عبدالحکیم ۱۲۳۰ھ۔

(۸) حفیظ اللہ ۱۲۳۲ھ۔

(۹) نعیم اللہ ۱۲۳۷ھ۔

(۱۰) علی محمد ۱۲۶۲ھ۔

(۱۱) محمد عبدالحلیم ۱۲۶۲ھ۔

انہی میں دہلی و بریلی اور رام پور افغانان کے علماء کے فتاوے بھی ہیں۔ واضح ہو کہ محفل میلاد شریف اور قیام کے جواز میں ''غایۃ المرام'' نامی ایک کتاب (مطبع علوی) سے یک ہزار و دوصد و ہفتاد و یک (۱۲۷۱ھ) میں چھپی تھی جس میں دہلی و بریلی اور رام پور وغیرہ چند مقامات کے مستند علماء کے فتوے جمع کر کے شائع کیے تھے۔

چونکہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ دہلی بھی محفل میلاد شریف کے استحباب کا عقیدہ رکھتے تھے اور ایک رئیس مسلمان اسلام کی شوکت و احتشام کا سبب ہوتا ہے تو رئیس المسلمین اور رزین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علمائے دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے تو استحسان محفل میلاد شریف پر ان کی مہر بھی لی گئی۔ جسے ہر عالم و فاضل کی تحریر بالتفصیل حرفاً حرفاً دیکھنی منظور ہو اسے اصل کتاب منگوا کر ملاحظہ کرنا چاہیے۔ ایک سو بائیس (۱۲۲) صفحات کی اس کتاب میں محفل میلاد شریف کو اس کے جملہ مروجہ تعینات مثلاً قیام اور تقسیم فاتحہ وغیرہ کے ساتھ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے۔ اس کے متفرق صفحات سے کل (۶۷) اہل علم و فضل کی مہریں اور دستخط یکجا کر کے نقل کرتا ہوں اور ہر عالم کا نام ایک چوکور شکل میں مندرج کر رہا ہوں۔

حکیم احسن اللہ خاں وزیر(۱)	قاضی احمد الدین خاں	قاضی محمد علی خاں صاحب	حضرت شاہ احمد سعید مجددی	حضرت احمد سعید صاحب	خلف حضرت احمد سعید صاحب
محمد عزیز الدین	سید تفضّل حسین	رضوی (۲) سید یعقوب علی	محمد رضا علی خاں	مولوی مخصوص اللہ (۳)	احمد حسین
میر محمود علی	غلام حسین	محمد عبد الواحد	محمد لطیف علی خاں	در شہر علم محمد علی	جلال الدین محمد کمال
طالب المولیٰ مذکر	مولانا فرید الدین (۴)	فخر العلماء محمد عبد الجامع خاں	عبید اللہ ولد محمد رفیع اللہ	ان اللہ جمیل یحب الجمال	واللہ یوید وینصر من یشاء
عبد الکریم	محمد یعقوب علی	کرم نبی	یا حافظ	محمد عبد العلی	علی حسین
محمد لطف اللہ	نور النبی	محمد عبد اللہ	علی الدین	آلِ نبی	مقصود علی
حسین حافظ شریف	شد از ظہور حسن علم وُعدل را شہرت	سبط محمد گل باغِ جاوید	نظام الدین احمد	محمد علی خادم العلماء	وزیر علی
مولانا محبوب علی شاہ علی خلف سید	آمدہ تاج محمد سر عالم علی	محمد سلامت اللہ	فضل رسول فاضل بدایونی	سید بشیر علی امروہوی	مولوی دادار بخش
حسن الزماں	محمد فضل حق	رفیع اللہ	وحید الدین	محمد فضل اللہ	فضل حسن
محمد عبد الحق	محمد حیات	محمد خلیل الرحمٰن	ولد مولوی سید احمد محمد حیات	کریم اللہ صاحب	عمدۃ العلماء شرع متین مفتی مولوی محمد شرف الدین (۵)

(۱) حاشیہ: عبارت ان کی یہ ہے: واعظین نحلۂ وہابیہ بالیقین قدم از دائرۂ سنت بیرون نہادند وداد اعتزال وخروج ورفض دادند ونعم ما قیل واعظ شہر کہ مردم تلاش می خواہی وقول را نیز آئین ست کہ او آدم نیست وبحمد اللہ کہ ہنوز در مذہب حق چنیں علماء ہستند کہ با حقاق حق مے پردازند
مفتی صاحب صدر الصدور دہلی، مدرس اول مدرسہ دہلی جو عالم فاضل تھے، اور حکیم کے لفظ سے دہلی میں مشہور و معروف تھے

(۲) یہ اور مولانا محمد رضا علی خاں صاحب مقبولین بریلی میں سے ہیں

(۳) مولوی مخصوص اللہ صاحب، مولوی رفیع اللہ صاحب کے بیٹے ہیں اور یہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم دہلوی کے

(۴) واعظ جامع مسجد دہلی۔ یہ عالم بڑے منطقی تھے

(۵) مفتی شرف الدین صاحب نواب والی رام پور کی عدالت کے عظیم الشان مفتی اور ایک مشہور و معروف فاضل تھے

قدیمی قلمی نسخے سے علماء اکرام کی مواہیر کا عکس



۲۶۶

حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیر ۔ مفتی صاحب صدر الصدور دہلی ۔ مدرس اول مدرسہ دہلی ۔
عالم فاضل کہ بلفظ حکیم مدرس معروف بود ۔

قاضی احمد الدین خاں صاحب ۔ قاضی محمد علی صاحب ۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددی ۔ خلف حضرت احمد سعید صاحب ۔ خلف حضرت احمد سعید صاحب

محمد مظہر ۔ محمد عمر احمد ۔ فقیر احمد سعید ۔ محمد علی ...

فاضل جامع علوم مولوی کریم اللہ صاحب ۔ مولانا فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد دہلی ۔ عالم بڑے منطقی تھے

دستخط مولوی حسن الزماں محمد عفی عنہ ۔ دستخط مولوی داد ابخش صاحب ۔ دستخط مولانا حیدر صاحب مصنف منتہی الکلام ۔ دین محمد ... در فرید آمدہ

محمد عزیز الدین	سید تفضل حسین	رضو... سید یعقوب علی	محمد رضا علیخاں	محمد اللہ کے مخصوص ہیں	احمد حسین
میر محمود علی	غلام حسین	محمد عبد الواحد	محمد لطیف علیخان	در شہر علم محمد علی	جلال الدین محمد کمال
طالب المولی ... ذکر ...	عمدۃ العلماء شرع ... مولوی محمد شریف الدین	محمد یعقوب علی عفا اللہ عنہ	یا حافظ	کرم نبی	واللہ یؤید وینصر من یشاء
عبد الکریم	عبیداللہ ... محمد رفیع اللہ	فخر العلماء محمد عبد الجبار [illegible] خاں	ان اللہ جمیل ویحب الجمال	محمد عبد العلی	علی حسین
محمد لطف اللہ	نور النبی	محمد عبد اللہ	علی الدین	آل نبی	مقصود علی
حسین حافظ شریف	شد از ظہور حسن علم و عدل [illegible]	سبط محمد گل باغ [illegible]	نظام الدین احمد	محمد علی خادم العلماء	وزیر علی

اہل سنت و جماعت خیال فرمائیں کہ اخیر کے ان دونوں فتوؤں میں ہندوستان کے کیسے کیسے جلیل القدر علماء محفل میلاد شریف کے استحسان پر مہر فرما رہے ہیں۔ مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب، مولانا تراب علی، مولانا سید محمد مدرس اعلیٰ، فضل حق، مولانا محمد حیات، مولانا حیدر علی مصنف ''منتہی الکلام'' مولانا سلامت اللہ صاحب، مفتی صدر الدین خاں صاحب، مفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب (وغیرہ)۔

ہم نے اِس وقت کے علمائے ہندوستان سے مہریں نہیں کرائیں صرف علمائے سلف کی نقل مواہیر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ اس لمعہ تاسعہ میں ہم نے جن علمائے عاملین اور فضلائے کاملین کے نام ذکر کیے ہیں وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے جملہ ملکوں کے تمامی علماء و فقہا کے نام نہیں، اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو اللہ اکبر ایک دفتر تیار ہو جائے جیسا کہ شاعر نے کہا ۔

اگر آں جملہ را سعدی املا کند مگر دفترے دیگر انشا کند

یہ تو صرف چند مقامات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا جم غفیر اور ایک بڑی جماعت ہے۔ تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اہل سنت کی اتباع لازم ہے۔ آپ فرماتے ہیں

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ فإنَّه مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ . (۱)

اس کی تحقیق، محدثین کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو کیوں کہ اس سے بچھڑنے والا آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی جب علماء میں اختلاف رونما ہو تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں ان پر عمل کرنا چاہیے۔

یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ سنیں۔ علامہ شامی نے 'شرح درمختار' جلد دوم باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے

فإن المانعين جمع يسير و المجوزين جم غفير و الاعتماد على ما عليه الجم الكثير . (۲)

منع کرنے والی جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور جائز کہنے والا گروہ خاصا بڑا ہے اور اعتماد اسی پر کیا جاتا ہے جس پر بڑا گروہ ہوا کرتا ہے۔

نیز ''رسم المفتی'' کی جلد اول میں لکھا ہے

فإن اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين .

اگر علماء میں اختلاف پڑ جائے تو اکثریت کا قول لیا جائے گا۔

مولوی قاسم صاحب نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں، چنانچہ ''مصباح التراویح'' (مطبوعہ مطبع ضیائی) کے صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں

اتفاق اکابر و تسلیم اوشان یا جم غفیر از وشاں نیز دلیلے است۔ الی آخرہ۔

کسی چیز پر اکابر کا اتفاق ہو جانا اور اس کو تسلیم کر لینا یا ایک بڑی جماعت کا اس کو مان لینا بھی ایک دلیل ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب بھی ''تذکیر الاخوان'' کی (فصل سادس) میں کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

---

(۱) مشکوۃ المصابیح: ۱/۳۸ حدیث: ۱۷۴، مستدرک: ۱/۳۷۸ حدیث: ۳۵۸، السنن الواردۃ فی الفتن للدانی: ۱/۴۳۰ حدیث: ۳۷۰، الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی: ۱/۴۶۶ حدیث: ۴۱۳، المقاصد الحسنۃ: ۱/۹۶، کشف الخفاء: ۱/۳۳۳، کنز العمال: ۱/۲۰۶ حدیث: ۱۰۳۰

(۲) ردالمحتار: ۷/۳۰۴ باب صدقۃ الفطر

پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دے کر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانہ مگر ہاں اگر اکثر دین دار مفتی پرہیز گار اسی مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔[1]

اب دیکھیے' اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگرچہ سارا جہاں متفق ہو کر نہ مانے مگر اکثر دین دار و متقی اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب' نیز مولوی قاسم صاحب فقہا و محدثین کے تابع ہیں کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اکثر علمائے دین کا متفق ہونا ایک جانب میں دلیل حقیقت ہے' یہ مسئلہ خاص ان کی زبان سے ہم نے سنوا دیا۔ اب اگر استحسانِ میلا دشریف کے اس موقع پر ان کے پیرو کار اس دلیل سے باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر جابر ہو کر موکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں' خود سرکار خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ . (۱)

تم کچھ ان پر کڑوڑا (ضامن) نہیں۔ یعنی اگر وہ حق پر نہیں تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر کچھ ذمہ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا

إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ . (۲)

بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔

ہمارا ذمہ آئینہ حق دکھا دینا تھا اور وہ ہم نے پورا کر دیا اور یہ جو متقی اور دین دار کی قید مولوی اسماعیل صاحب نے لگائی ہے تو ان پرہیز گاروں مثلاً امام ابوشامہ' ابوالخیر سخاوی' ابن جزری اور امام سیوطی و قسطلانی وغیرہ کے حوالے سے محفل میلاد شریف کا جواز ہم نے ثابت کر دیا' ان بزرگوں کی تفصیل لمعہ تاسعہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان مجوزین میلاد میں وہ علماء بھی بہت ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں۔ تو یہ بات ہم نے تحقیق کی انتہا کو پہنچا دی کہ میلاد شریف کرنا ایک جم غفیر سے ثابت ہے' اور فقہ و حدیث اور ان کے مستند علماء سے یہ مضمون بھی ہم ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہو وہ معتبر' ماخوذ بہ' معتمد علیہ اور لازم الاتباع ہے' اور یہ دونوں مقدمے صحت کے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے' لہٰذا اب یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ میلاد شریف کرنا معتبر' ماخوذ بہ' معتمد علیہ اور لازم الاتباع ہے۔

فالسلام علی من اتبع الھدی

---

(۱) سورۂ غاشیہ: ۲۲/۸۸ (۲) سورۂ قصص: ۵۶/۲۸

مناجات بدرگاہِ مجیب الدعوات

یااللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تو سمیع و علیم ہے، تمام باتوں کو سنتا اور دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں نے یہ کتاب صرف اسی لیے لکھی کہ طرفین سے افراط و تفریط دور ہو اور ہر فریق اپنے غلو و تعصب سے نفور ہو۔ اگر اہل ایمان کی تکفیر و تفسیق کی وجہ سے حضرات مانعین پر کچھ تنبیہات ہیں تو طرفِ ثانی کو بھی اصلاحِ نیت اور تصحیح اعمال کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ میں نے اپنے جملہ مسائل و دلائل کی بنیاد دنیا میں مہِ کامل کی مانند مشہور علمائے مقبولین کے دلائل و اقوال پر رکھی ہے، ان کی کتابیں ان ملکوں میں جابجا موجود ہیں، اور ہر ایک مسئلہ میں، میں سلف صالحین کی تصانیف سے حوالہ پیش کر چکا ہوں تو میرا قول درحقیقت انھیں مقبولین کا قول ہے۔

اے اللہ! ان مقبولین کے توسل سے یہ کتاب مقبول فرما اور اس کو فریقین کے لیے ''فصل الخطاب'' (فیصلہ کن) بنا۔

اے اللہ! اس کتاب کی ہر دلیل، مظہرحق اور شک میں گھرے ہوؤں کے لیے ''دافع اوہام'' ہو، اور یہ کتاب اپنے براہین حقانی سے برگشتہ دلوں کو تسکین بخشے۔

یا اللہ! میرے جملہ رسائل میری مغفرت کے وسائل بن جائیں اور یہ ''انوارِ ساطعہ'' میری اندھیری قبر کا چراغ اور میری قبر ''بہارِ جنت'' کا باغ ہو جائے۔ قارئین انوارِ ساطعہ میری اس دعا پر آمین کہنا نہ بھولیں۔

آمین یارب العالمین، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و
أصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين

نورِ چہارم

اس میں وقت کے نامی گرامی محقق فضلا اور بعض مشفق احباب کی تقریظیں شامل ہیں۔

علی گڑھ

صورة ما قرظه و رصعه الإمام الصلهام المقدام رئيس الفضلاء عريف العلماء الذي ذاع صيت فضله في بلاد الإسلام عجما و عربا و شاع شرقا و غربا المشتهر بالألسنة و الأفواه **مولانا محمد لطف الله** مد الله ظلاله و أبقاه.

الحمد لله الذي تخضع له النواصي و يطمع رحمته كل مطيع و عاصي و الصلوٰة و السلام على من بعث داعيا إلى الداني و القاصي و على آله و صحبه الذين زجروا الناس عن سلوك طريق الضلال و ارتكاب المعاصي و بعد فيقول المبتهل إلى الله محمد لطف الله حشره الله تحت لواء نبيه النبيه يوم يفر المرء من أخيه و أمه و أبيه قد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة الشريفة و الصحيفة اللطيفة فوجدتها بحرا يخرج منه اللولو و المرجان و جنته فيها فاكهة و نخل و رمان و شمسا **أنوارها ساطعة** و مرجا فيه تحقيق الأنيق رائعة كيف لا و مولفها من هو فريد عصره و وحيد دهره الذي علمه وسيع و شأنه رفيع أعني مولانا **محمد عبد السميع** حرس ذاته و أسعد أوقاته و مضمونها ذكر ولادة سيد الأولين و الآخرين أفضل الأنبياء و المرسلين حبيب رب العالمين عليه من التسليمات أفضلها و من التحيات أكملها و هذا ذكر لا يخفى علو شأنه و رفعة مكانه تحيط رحمة ربنا الأعلى بمكان يتشرف الناس فيه بهذا الذكر الشريف و تحف الملائكة مجلسا يتمجدون فيه بهذا البيان المنيف و أما طريق الفاتحة التي هي من الرسالة لائحة فليس في استحسانها ارتياب إذ هي لإيصال الثواب إلى الأموات الذين يتوقعونه من الأقرباء و الأحباب و أما ما أحدثه السفهاء فيها من الأمور المنهية فلا يحكم بجوازه أحد من العلماء المتبعين الشريعة السنية لله در مؤلف الرسالة فإنه قد اختار ما هو مختار و آثرها ما هو الماثور عن الجهابذة الأحبار هذا و الحمد لمن منه الإبتداء و إليه الإنتهاء و السلام الأتمّان على من أول المخلوقات ذره و رحمة للعالمين ظهوره.

تقریظ جناب مولانا محمد لطف اللہ صاحب دام فیضہ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کو زیبا ہیں جس کے سامنے سجود نیاز لٹائے جاتے ہیں اور اس کی رحمتوں کی آس لگی ہوتی ہے۔ درود وسلام ہو ان پر جو ہر اعلیٰ وادنی کو جادۂ ہدایت پر گامزن کرنے تشریف لائے اور ان کے آل واصحاب پر

جنھوں نے لوگوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے نجات عطا کی۔

حمد و نعت کے بعد بندۂ عاجز محمد لطف اللہ عرض پرداز ہے اللہ محشر کے کڑے دن میں لوائے حبیب لبیب تلے کھڑا ہونا نصیب فرمائے مجھے یہ رسالہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ رسالہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک سمندر ہے جس سے موتی و مونگے چھلکے پڑتے ہیں۔ ایک باغ ہے جس میں میوے اور چھہارے اور انار لدے ہوئے ہیں۔ ایک سورج ہے جس کی کرنیں پھوٹی پڑتی ہیں۔ ایک **چراگاہ ہے جس میں تحقیق** نفیس کے بچھڑے دندناتے پھر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس رسالہ کا مولف **نادر روزگار اور یگانہ زمانہ** ہے جس کی وسعت علمی مسلم اور جس کا منارۂ فضل و کمال کافی بلند ہے یعنی مولانا محمد عبد السمیع (**اللہ ان کا نگہبان ہو اور** ان کے وقت میں برکتیں اتارے) اس رسالہ کا مضمون سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی **ولادت مبارکہ کے اثبات پر** مشتمل ہے۔ اور پھر رفعت شان رسالت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ اس میلاد کی برکت کا عالم یہ ہے کہ جس جگہ اس ذکر مبارک کے لیے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں وہاں اللہ کی رحمتوں کے برکھے برستے ہیں اور فرشتے پوری محفل اپنے نورانی پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور فاتحہ کا جو طریقہ کتاب کے اندر بیان کیا گیا ہے تو اس کے مستحسن ہونے میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ یہ مردوں کے ایصال ثواب کے لیے ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنے دوست آشناؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہاں! کچھ ناسمجھ لوگوں نے اس میں جو کچھ خلاف شرع بات پیدا کر دی ہے تو یقیناً کسی بھی عالم شریعت نے ان کے جواز کی بات نہیں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب رسالہ کا بھلا کرے کہ انھوں نے مختار و متفق مسائل چن کر ان کو مستند علمائے کرام کے قوی دلائل سے مزین کیا۔ ہر قسم کی تعریفیں پروردگار کو زیبا ہیں اور درود و سلام کے تحفے رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر ہیں۔

سہارن پور

صورة ما نمقه و هذبه مولانا المخدوم المطاع إمام الفضلاء بلا نزاع الغشمشم الأعظم و الغطمطم الأفخم المالک لأزمة حقائق المعاني و البديع و البيان سباق الغايات في مضمار كشف المعضلات يوم الرهان مقدام الجهابذة استاذ الأساتذة الذي زال وجوده الزمن الحاج المولوى فيض الحسن(خصه الله تعالىٰ بجزائل منحاته و جلائل المنن).

لقد وردت علي رسالة كريمة مشتملة على أنوار و لمعات فامعنت، فيها إمعانا بليغا فوجدتها كافية وافية دالة على حسن الإجابة و جودة الإصابة وسعة النظر في الكتب حيث تمسک فيها أقوال العلماء الأعلام و تحريرات عمائد الإسلام و ألزم المنكرين بما قال به مرشدوهم و آمن به معتقدوهم و الله إنها قرة لعيون المخلصين و سخنة لأعيان المنكرين و الحق في هذه المسئلة أنه لا بأس به و إن تمسک بما

قيل ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و ينسب هذا القول إلى عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه فهو مندوب مستحب و من جاء مجلسه فله أن يقوم إن قاموا و إلا فلا و هكذا يقول المولوي أحمد علي المحدث المرحوم تبعا لأستاذه مولانا محمد إسحاق المغفور و ما قيل أنه بدعة فهو بدعة حسنة و قد ذكرت في إثبات البدعة الحسنة و تخصيص كل بدعة ضلالة بحثا طويلا في شرحي للمشكوٰة .

كتبه الفيض السهارن فوري .

تقریظ الحاج مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پوری

ترجمہ: انوار ولمعات پر مشتمل ایک رسالہ میری نظر سے گزرا جسے میں نے دلائل و براہین کی روشنی میں اپنے موضوع پر بھرپور پایا۔ مولف نے جواب کا جو انداز اپنایا ہے، اور جن سچائیوں کو بے نقاب کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے استشہادات میں صرف مستند اور معتبر علمائے کرام اور عمائدین اسلام ہی کی تحریروں کو پیش کیا ہے۔ خدا کی قسم یہ رسالہ اہل اخلاص کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور چشمانِ منکرین کے لیے روڑا ہے۔ اور اس مسئلہ کے حوالے سے حق بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب اس قول ''مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن'' کو دیکھا جائے تو پھر یہ مستحب اور مستحسن ہے۔ اور جو کسی کی محفل میں تشریف لائے تو حق یہ بنتا ہے کہ اس کی تعظیم کے لیے قیام کیا جائے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو کوئی بات بھی نہیں۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم اپنے استاد مولانا اسحٰق کی پیروی میں یوں ہی بیان کیا کرتے تھے۔ اور اسے جو بدعت کہا جاتا ہے تو اس سے بدعت حسنہ مراد ہے۔ اثبات بدعت حسنہ وغیرہ کے سلسلے میں میں نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں کافی لمبی بحثیں کی ہیں۔ (طالب تحقیق وہاں رجوع کرے)

کتبہ فیض سہارن پوری

قصور ضلع لاہور

صورة مـا رسمه الصوفي، المثبت النافي الأصولي المناظر المستدل بقواطع الآيات و سواطع السنن المحقق المدقق المجادل بالتي هي أحسن الفاضل الكبير مولانا **أبو محمد عبد الرحمن غلام دستگير** سلمه القوي القدير.

تقریظ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری

مسمیا حامدا مصلیا فقیر کے ایک دینی کرم فرما دوست سے ''انوارِ ساطعہ فی بیان المولود و الفاتحہ'' پر تقریظ

لکھنے کی تحریک ہوئی، اور فقیر، امرتسر میں مقیم ایک آریا پنڈت کے رسالہ ''تکذیب براہین احمدیہ'' کے بہتانات وہذیانات کا جواب لکھ رہا ہے۔ طبیعت کا پورا لگاؤ جھکاؤ ابھی اسی طرف ہے، اس لیے سردست اتنا ہی لکھ سکتا ہوں کہ فقیر نے عربی اخبار ''شفاء الصدور'' مطبوعہ ۵؍دسمبر ۱۸۸۵ء میں اس رسالہ کی تعریف وتوصیف کے حوالے سے جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم ومغفور سہارن پوری کی عبارت دیکھی ہے، اور میرے گمان میں مولانا موصوف مرحوم اکابر علمائے ہندوستان سے تھے اور بڑے بڑے بزرگوار صوفیہ کبار کے فیض سے فیضیاب بھی۔ تو ان کی تعریف سے اس رسالہ کا موصوف ہوجانا کافی ہے، پھر اس فقیر بے بضاعت کی توصیف کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ فقیر خود محفل مولد شریف کرتا ہے، اور ارواحِ اموات کے ایصال ثواب کو لغزشوں کے مٹانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابنائے زمان سے اختلاف کو رفع فرمائے۔

آمین یارب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعترتہ اجمعین

فقیر غلام دستگیر قصوری کان اللہ لہ

واضح ہونا چاہیے کہ یہ **مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب** وہ ہیں جن کی تعریف میں **خود مولف براہین قاطعہ** نے ریاست بہاول پور میں اپنے قیام کے دوران یہ عبارت لکھی تھی۔

حامی دین متین قامع اساس المبتدعۃ والضالین مولانا مولوی **محمد** ابوعبدالرحمٰن غلام دستگیر قصوری ادام اللہ فیوضہ الی یوم الدین

چنانچہ یہ عبارت ضمیمہ رسالہ ''تصریح ابحاث فرید کوٹ'' کے صفحہ ۱۵ پر موجود ہے

کمال ناانصافی یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے مضامین انوارِ ساطعہ سے منہ پھیرا اور اس کے تسلیم کیے ہوئے عالم ربانی نے جن کو وہ خود حامی دین لکھتا ہے ''انوارِ ساطعہ'' کو حرفاً حرفاً ایسا قبول کیا کہ اس کے مسائل کا طرفدار ہوکر مولف براہین قاطعہ مذکور کو اس کے حمایتیان علمائے دیوبند وغیرہ کے ساتھ ۱۳۰۶ھ (1888ء) ریاست بہاول پور میں شکست فاش دی جو تمام اخبارات میں چھپ کر شائع ہوچکے ہیں۔

ریاست رام پور معروف ازاں افغاناں

صورۃ ما رقمہ البحر القمقام و النحر الهمهام تاج المحدثين سراج المتفقهين الأديب المصقع المتكلم النبيه العارف المحدث المفتي الفقيه جامع الشريعة و الطريقة مجمع البحرين **مولانا محمد إرشاد حسين** صانه الله عن كل شين

الحمد لله سبحانه و تعالىٰ حق حمده، و الصلوة و السلام الأتمان على رسله و عبده، و على الآل و الأصحاب الهداة إلى مناهج رشده، و بعد فإني قد طالعت هذه العجالة النافعة و العلالة الرائعة، التي يفوح منها روائح مسك إخلاص النبوة، و يطوح بها دابته الطغام الغاصبين من الرتبة المحمدية، فالفيتها

مملوءة من الفوائد الخريدة الشريدة ' و العوائد الفريدة العريدة ' موسسة براهينها على الحق الصراح ' مؤيدة مضامينها بالصدق القراح ' لم يأل مؤلفه العلام جهدا في إصابة الحق المبين ' و إبانة غوائل غواية المنكرين ' بها كشفتهم الكواشف ' و كسفت وجوههم الكواسف ' و ضاقت عليهم الحيل ' وعيّت بهم العلل ' و لعمري لا وجه لإصرارهم على النكير إلا لداء العضال الذي عمهم فأعمى أبصارهم ' فأضاعوا في طمس أشعة الرحمة و إشاعة مآثر معدن الرسالة أعمارهم ' ولم يأتوا بشيىء يتعلق به الفهم السليم ' و يتلى به المقلاق الفهيم ' و لا يأتون به و لو جاؤا به من حسبهم و بستهم و يكون بعضهم لبعضهم ظهيرا ' و لا يجدون لأنفسهم و لو ألقوا شراشرهم في تشديد النكير من الله سبحانه معوانا و نصيرا ' ألم يعلموا أن النكير لهذا الأمر البين رشده يؤل إلى إساءة الأدب ' و الخوض فيه يهلك و يخرب ' فلله در مؤلفها النقاد ' حيث أطاب و أجاد ' و أتىٰ بالحق الصريح ' و ميز الباطل من الصحيح .جزاه الله سبحانه عن طالبي الحق المبين و الله سبحانه الموفق و المعين.

و أنا العبد الراقم المحتاج إلى رب النشاتين

محمد إرشاد حسين عفي عنه و عن أسلافه في الدارين

تقریظ مولانا محمد ارشاد حسین رام پوری دام ارشادہ

ترجمہ: جملہ حمد و ثنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں جو صحیح معنوں میں سزاوارِ حمد ہے۔ درود وسلام کے کامل ترین تحفے اس کے مقرب بندے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واصحاب پر بھی جو رہنمائے رشد وہدایت ہیں۔ حمد وصلاۃ کے بعد۔ میں نے اس کتاب نافع اور تعجب خیز رسالہ کو عجلت میں دیکھا جس میں مشک اخلاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئیں مہکتی ہیں' اور اس سے ان کمینوں کی نسل ہلاکت کے گھاٹ اتری ہے جو اپنی آنکھیں رتبہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بند کیے لیتے ہیں۔ میں نے اس بہار کو ایسے فوائد سے بھر پور پایا جو لوگوں کی فہم سے چھپے ہوئے اور ذہن سے نکلے ہوئے ہیں اور ایسے منافع سے مالا مال پایا جو خوبی میں یکتا ومحکم ہیں۔ اس کی دلیلوں کی بنیاد صریح حق پر ہے اور اس کے مضامین بالکل سچے ہیں۔ مولف علام نے امر حق کی پہنچانے میں اور گمراہی منکرین کے فساد کھول دینے میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑی' اس کتاب سے ان کے عیب کھل گئے' وہ رسوا ہو گئے' ان کے احوال بگڑ گئے' ان کے سب حیلے حوالے بے سود ہو کر رہ گئے اور ان کو دلی بیماریوں نے تھکا کر رکھ دیا۔ مجھے قسم ہے کہ ان کی شدت انکار کی سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ایک سخت بیماری نے ان کو دبالیا پھر آنکھوں کو اندھا کر دیا اور اسی سبب سے انھوں نے اپنی عمریں کھپا دیں کہ کسی طرح وہ رحمت کی شعاؤں کو مٹا دیں اور جا بجا ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بند کر دیں۔ (مگر اس سلسلہ میں کبھی وہ کوئی ایسی) دلیل نہ لا سکے

جس سے سمجھ کو کچھ علاقہ ہو اور کسی سمجھ دار و حجت طلب آدمی کی تسلی ہو جا سکے۔ اور (یقین ہے کہ) آئندہ بھی نہیں لا سکیں گے، اگر چہ ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو جائے اور اس میں اپنی جان کو کتنا ہی کیوں نہ کھپا دے لیکن اللہ پاک کی طرف سے کوئی اپنی جانوں کا مددگار نہ پائیں گے۔ کیا نہیں جانا انھوں نے کہ اس کھلے راست و درست امر میں انکار کرنا بے ادبی ہے اور اس سلسلہ میں باتیں بنانا ہلاکت و خرابی کو دعوت دینا ہے۔ واہ مولف کتنا نفیس یار کھی ہے کہ جس نے ایسا اچھا اور عمدہ رسالہ لکھا اور حق صریح کی جھلک دکھا کر سچ کو جھوٹ سے جدا و ممتاز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو طالبین حق کی طرف سے جزائے خیر دے اور وہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

رام پور

صورة ما هذبه و شذ به الفاضل الخبير الفاصل البصير الجليل الشهير الجميل الجهير كشاف دقائق المعقول حلال حقائق المنقول مولانا محمد إعجاز حسين رفع الله درجاته في الدارين.

أحمدك يا من جلت قدرته و عظمت هيبته و ظهرت صنعته الباهرة و علت جلالته القاهرة أرسل رسوله بالحق بشيرا و نذيرا داعيا إلى الحسنات قمرا منيرا و جعل انعقاد مجلس ميلاده منطوقا لنص و رفعنا لک ذکرک و رغم أنف من ترک القيام عند ذکر ميلاده صلى الله عليه وسلم المثبت بنص لتعزروه و تؤقروه و الصلوٰة و السلام على خير الأنام إلیٰ يوم القيام و على صحبه البورة الكرام و أهل بيته العظام و بعد،

واضح رائے عقیدت انتمائے ذوی الافہام عاشقین سید الانام کے ہو کہ عالم باعمل فاضل اجل قامع بدعت جامع سنت حبر محقق بحر مدقق حقائق آگاہ دقائق پناہ، قدوۃ السالکین، عمدۃ الکاملین، زبدۃ علمائے وکیع مولوی محمد عبد السمیع صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ایک تقریر اور تحریر دل پذیر یعنی کتاب لاجواب اور صحیفہ لطیفہ انتخاب یادگار خلف و سلف مضمون فائقہ مسمی بہ انوار ساطعہ فی المولود و الفاتحہ تصنیف کر کے ہر خاص و عام کو اس کے فیض سے شادکام کیا چنانچہ ایک نسخہ اس کا پاس راقم الحروف کے پہنچا نحیف نے وہ کتاب من اولہ إلی آخرہ بالتفصیل دیکھی، واہ واہ سبحان اللہ کیا عمدہ طرز جواب اور طریقہ آداب جاری رکھا ہے اور کلمات اکابر مقتدایان گروہ مخالفین سے جن کی مخالفت ان پر حرام ہے جواب میں تمسک کیا ہے مصنف نے حق جواب دنداں شکن کا ادا کر کے دریائے نور الانوار الساطعہ بہا کر نہر لمعات کی کھول دی اس پر بھی اگر پیاس تشنگان میدان مخالفت کی باقی رہی تو خدا حافظ۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیوان تشنہ می دارد سکندر را

و لله در المجيب فذاک جواب عجيب و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالیٰ علیٰ خاتم النبين و آله و أصحابه أجمعين فقط

و أنا العبد أبو النعمان محي الدين
محمد إعجاز حسين مجددي عفي عنه و عن والديه و المسلمين بحق خاتم النبين

بریلی

صورة ما رصعه الطمطام الغزير و الصلهام الكبير مفحم المناظرين مسكت المجادلين مروج عقائد الحق و الدين قالع أصول المبتدعين فريد العصر و حيد الزمان مولانا محمد **أحمد رضا خان** سلمه الله العزيز الرحمن و صان عن نوائب الزمان و خص بلطفه ما تعاقب الملوان

أنوار ساطعة سطعت من سنا بدر الإيمان ، و أقمار لامعة لمعت من سيناء صدر الإيقان ، فدارت و سارت ، و نارت و أنارت ، و إلى البر تدلت ، و على البحر تجلت ، فهيجت عبابا ، فهيأت سحابا ، فهنأ بقاعا ، جنأت دفاعا ، و أرسلت عرفا ، و عصفت عصفا فحملت وقرا ، فأجرت يسرا ، فقسمت أمرا ، فأقطرت قطرا ، فأمطرت مطرا ، إن الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على سيد المرسلين محمد و آله و صحبه أجمعين رب صلاة و سلاما يعقدان دواما مجالس الأنس في حظائر القدس ، لتبجيل مكانه ، و يقومان قياما ، لوعة و غراما ، في مجامع الأملاك ، و محافل الأفلاك ، بتعظيم شأنه ، و سقى الله ذو الجلال بزلال الأفضال ، تربة من قال

قليل بمدح المصطفیٰ الخط بالذهب ❁ على فضة من خط أحسن من كتب
و أن ينهض الأشراف عند سماعه ❁ قياما صفوفا أو جثيا على الركب

و قلت مضمنا

سواد عيون العين عين و سنا ذهب ❁ و لوح نحور الحور لاح كما يحب
فان يمل جبريل لقال أولو الأدب ❁ قليل بمدح المصطفیٰ الخط بالذهب
على فضة من خط أحسن من كتب
يقوم بحق المدح قوم فلاته ❁ تولـه و قم بالوجد قومة والـه
فحق خضوع الوجه رغما لكاره ❁ و أن ينهض الأشراف عند سماعه
قياما صفوفا أو جثيا على الركب

و بعده فاستمع يا سعد! إن الذي لا قبل له و لا بعد ، قد قضى قبل خلق السماء و صوت الرعد ، إن الواجب على كل من عبد ، بعد ذكر الصمد ، العمد و الصمد ، إلى المدح و الحمد ، لأعظم كرم ، و أكرم نعم ، و أجل رحمة ، و أجلى منة ، سيد الرسل ، و هادي السبل ، و إمام الكل ، و مكثر القل ، رافع الغل ،

دافع الضل ، امجد مولود ، أحمد محمود ، أسعد مسعود ، وجود الجود ، و أصل الوجود ، نعمة الجليل ، و دعوة الخليل ، و بشر المسيح ، و بشر الذبيح و بغية الكليم ، بوادي التكليم ، و أكرم كريم ، على ربه العظيم سيدنا و مولانا محمد النبي الأمي الأمين ، الأمان الأمان ، الضمان الضمين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و علىٰ آله و صحبه و بارک و عظم و قد قال عز من قائل : ألم تر إلى الذين بدلوا نعمة الله كفرا ، نعمة الله محمد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ، قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أخرجه البخاري في الصحيح العلم ، و قال تعالىٰ : و أما بنعمة ربک فحدث ، فوجب التحديث بما من الله به على المومنين ، من وجود هذا الحبيب المكين عليه الصلوٰة و على آله الطيبين . و قال تعالىٰ : و ذكرهم بأيام الله ، و أي أيام الله أعظم من يوم ولادة المصطفىٰ عليه أفضل الصلوٰة و أكمل الثناء و قال تعالىٰ : قل بفضل الله و برحمته فبذلک فليفرحوا ، و من عقائد الإيمان أن محمدا صلى الله تعالىٰ عليه و سلم رحمة المنان ، شهد بذلک الحديث و القرآن ، و كذلک فضل الله محمد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم تسليما جليلا حكاه الماوردي في قوله تعالىٰ : و لو لا فضل الله عليكم و رحمته لاتبعتم الشيطان إلا قليلا . فقد أوجب المولىٰ سبحانه و تعالىٰ على أمته ، الفرحة بولادته ، فحق لنا أن نتخذ مولده عيدا ، و إن رغم أنف من كان بعيدا ، و على هذا مضى جهابذة الأئمة ، و سادة الأمة ، و كاشفوا الغمة عليهم من ربهم رضوان و رحمة حتى جاء قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، و يتحدثون بالحديث فلا يكون راقيهم ، أصلوا أصولا ، ضللت المسلمين قادة و تبعا ، و فصلوا فصولا ففرقوا دينهم و كانوا شيعا ، و كان مخرجهم نجد ، كما جاء به الوعد ، من صاحب المجد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم فهاجوا و ماجوا ، و ثاروا و باروا ، و جاروا و حاروا ، و على الحرمين المحترمين أغاروا ، فالدماء سفكوا ، و الأموال ملكوا ، و المؤمنين فتكوا ، و الحرمات هتكوا ، فظنوا ان أهلكوا و ما هم أهلكوا و لكن هلكوا ، و عما قيل يرون ما سلكوا ، و كان قصارىٰ مرامهم و قصوىٰ مرماهم ، و في الشقاق و النفاق هم ما هم ، ان يخمدوا ذكر من رفع الله ذكره ، و يضعوا قدر من عظم الله قدره ، و يطفئوا نورا من أتم الله نوره يؤذوا المومنين أحياء و أمواتا ، و خالفوا الدين نقضا و اثباتا ، فحاربوا جبارا ، ملكا قهارا ، سرا و جهارا ، و ليلا و نهارا ، و أصروا إصرارا ، و استكبروا استكبارا ، و مكروا بالإسلام مكرا كبارا ، فالأنبياء ثلبوا ، و الأولياء سلبوا ، و الإسلام خلبوا ، و الإلحاد جلبوا ، و بالجملة كلبوا ، فالدين قلبوا ، فماذا يراد ، بمجلس الميلاد ، أو إيصال الأجور إلى أوصال القبور ، حتى يعد إنكاره في مفاسدهم ، و يذكر بجنب مكائدهم ، قاتلهم الله أنى يؤفكون ، و سيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون ، فلما أبادهم الله تعالىٰ إبادة ، و أمطر عليهم مطرا الهلاک و زيادة ، حتى تداعت ربوعهم للدثور ، و تنادت بواكيها بالويل و الثبور ، لجأت بواقيها إلى ديار شاغرة ، عطاش الفتن بأفواه فاغرة ، و لم تدر ان لله في كل حين عباد صالحين ، يذبون عن الدين ، و يوكدون اليقين ، و يؤيدون

الإيمان ، و يشيدون الإيقان ، و لله المنة و منه الإحسان ، فلم يرعها إلا جنود مجندة ، بسيوف مهندة ، من الله مؤيدة ، فردوا المكائد في نحور الكائدة ، و واعوا المفاسد إلى نار موقدة ، تطلع منها على الأكباد و الأفئدة ، حتى التجأت كبراها في الجدل إلى البهت و الإفتراء ، و احتراق الكتب و اختلاف العلماء ، و خلع ربقة الحياء ، عن ربقة الرياء ، فيتحير الناظر ، في زيهم الظاهر ، و طيهم البائر ، و عيتهم الحاسر ، و غيهم الخاسر ، و كيدهم العظيم ، و صيدهم العديم ، فنشيد الحكيم ۔

أقوم آل نجد أم نساء ❁ و لا أدري و سوف أخال أدري
كمن في كفه منهم لواء ❁ فمن في كفه منهم خضاب
و ان تمعن فرشدهم هباء ❁ تظن بداهته فيهم رشيدا
رضيع أو تبيع أو غداء ❁ فما فيهم رشيد الصدق إلا
عسى الحنان يهدي من يشاء ❁ فما معنى تجاورهم و لكن

هذا و ان من أولئک الجنود ، مهلكي العنود ، في الزمان الموجود ، أخانا في الله ذا الفضل و الجاه ، و القدر الرفيع ، و الفجر الوسيع ، و الحكم الوكيع ، و الجد المنيع ، و المجد السنيع مولانا المولوي محمد عبد السميع صين عن كل شنيع ، و فزع فظيع ، كل مساء و سطيع فإني وقفت على بعض ماله من اطائب الكلام ، فوجدت جله دافع الأوهام و راحت القلوب بنهج محجوب و أنوار ساطعة و حجج قاطعة فالله يجزيه الجزاء الحسن بمنح المنح بمنع المحن ، و الحمد لله في السر و العلن ، و الصلوٰة و السلام على السيد الأمن ، و آله و صحبه محاة الفتن ، و حماة السنن ، و هداة السنن ، ما طلع سهيل من اليمن .

قاله بفمه و رقمه بقلمه عبده الفقير الذليل الحقير

عبد المصطفیٰ أحمد رضا

المحمّدي السني ، الحنفي ، القادري ، البركاتي ، البريلوي

غفر الله له و حقق أمله ، و أصلح عمله ، و لم شته و في الصلحاء بعثه آمين .

تقریظ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب

ترجمہ: ایمان کے چاند کی چمک سے روشنیاں اٹھیں، اور سینائے سنیۂ یقین کے پہاڑ سے چمکتے ہوئے چاند روشن ہوئے، پھر دورہ کیا انھوں نے اور سیر کی اور خود روشن ہوئیں اور دوسروں کو بھی روشن کیا، جنگل کی طرف جھکیں، اور دریا پر جلوہ کیا، پھر بہت پانی کا جوش ابھارا، اور ابر تیار کیا اور خوش خبری دی قطعاتِ زمین میں، باغوں اور میدانوں کو لالہ زار کر دیا، پے در پے ہوائیں چلائیں اور زور سے جھونکے دیے، پھر اس نے بوجھ اُٹھوایا اور اس کو نرمی سے چلایا، پھر کاموں کی تقسیم

کی تو بوندیں ٹپکائیں پھر مینہ برسائے' بلاشبہہ حمد وستائش کی سزاوار وہی ذات ہے جو دنیا جہاں کی پالن ہار ہے اور درود وسلام کے تحفے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہیں۔ اے پروردگار (اپنے احمد حبیب مختار) پر وہ درود وسلام نازل فرما جن سے پاکیزہ مقامات میں عظمت محمدی کی سربلندی کے واسطے اُنس کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور عشق ومحبت اور قلبی جھکاؤ کے ساتھ بصد تکریم نوریوں کی انجمن اور آسمان کی محفلوں میں قیام ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شعر کے کہنے والے کی تربت آب ہائے زلال افضال سے سیراب کردے۔

اگر کوئی ماہر خطاط ورق سیمیں پر آب زریں سے نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رقم کرے تو بھی کم ہے اور حق نعت ادا ہونے سے رہا۔ اور اہل شرف ومجد مدحِ حبیب کی تعظیم میں صف بستہ اور گھٹنے کے بل کھڑے ہوئے تب بھی سماعِ نعت کا حق کما حقہ ادا نہ ہوا۔

اور میں نے اس پر تضمین کہی ہے

حورِ عین کی آنکھوں کی سیاہی اگر آب زریں بن جائے اور ان کے سینے خوبصورت تختیاں بن جائیں اور جبرئیل امین اس پر حرفِ نعت اجالیں (تب بھی نعت گوئی کا حق نہیں ادا ہوسکتا) اور شاعر وافر تمیز کہہ اٹھے گا: قلیل لمدح المصطفیٰ.

ذرا دیکھو سرکار کی مدحت ونعت تعظیم تمام کے ساتھ وجد میں آکر اور والہ وشیفتہ ہوکر لوگ کس طرح کررہے ہیں تو تمہارے لیے اس سے غفلت زیبا نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ مدح یوں ہی ٹوٹ کر کرنی چاہیے' خواہ جلنے والے غیظ میں جلتے مرتے رہیں کہ و أن ينهض الأشراف ....

حمد وصلاۃ کے بعد' اے بلند بخت سن' اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ حکم دے چکا کہ تمام عبادت کرنے والوں پر واجب ہے کہ خدائے پاک کے ذکر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ونعت کیا کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بڑی بخشش وجود' نعمت فراواں' رحمت بیکراں اور واضح خوبیوں کی حامل ہے۔ انبیا ورسل کے سردار' نیک راہ بتانے والے' سب کے امام وپیشوا' قلت کو کثرت سے بدلنے والے' قید کا بند اٹھادینے والے' گمراہی دور کرنے والے احمد ومحمود امجد مولود اسعد مسعود بخشش کے سرچشمہ' وجود کے منبع' خدا کی نعمت' دعائے خلیل' بشارت عیسیٰ' نوید ذبیح' تمنائے کلیم' اپنے رب کے تئیں بڑی عظمت وکرامت والے سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا . کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ . اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس کا چرچا ہم پر ضروری ہے۔

اور اللہ نے فرمایا: وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ . اور انھیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاتے رہو۔ تو سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کے یوم ولادت سے بڑھ کر اور کون سا دن بڑا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ اہل ایمان کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ربانی اور فضل الٰہی کا سرچشمہ ہیں اور قرآن وحدیث اس پر گواہ ہیں جیسا کہ ماوردی نے رب تعالیٰ کے اس قول: وَ لَوْ لاَ فَضْلُ اللّٰهِ وَ رَحْمَتُهٗ لاَتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إلاَّ قَلِيلاً کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فضل اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اظہار مسرت امت پر واجب فرمادیا تو ہمیں چاہیے کہ ہم سرکار کے مولود مبارک کو عید بنالیں، اگرچہ مخالف کتنی مخالفت کرتا رہے، اور امت کے بڑے بڑے ائمہ کا یہی موقف رہا ہے اللہ انھیں رحمت ورضوان سے نوازے، پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو قرآن پڑھتے ہیں مگر ان کے گلے سے اوپر نہیں چڑھتا، حدیث پڑھتے ہیں مگر اس سے نفع اندوز نہیں ہو پاتے، ان لوگوں نے ایسے قاعدے گڑھ لیے ہیں جن سے ان کے سب خادم ومخدوم گمراہ ہوگئے اور ایسے دستور وضع کرلیے جس سے ان کے دین میں بگاڑ پیدا ہوگیا حالانکہ وہ بظاہر پیروانِ دین سے گنے جاتے ہیں۔ ان کی اصل نکاسی نجد سے ہوئی جیسا کہ غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش آگاہی فرمادی تھی کہ یہاں سے زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے تو وہ لوگ نجد سے موج درموج نکلے، ظلم وتعدی کا بازار گرم کیا، لوٹ مار عام کردی، اور حرمین شریفین پر چڑھائی کردی، خونِ ناحق کی ندیاں بہائیں، مالوں پر قبضے جمائے، اور مسلمانوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا، قابل عظمت چیزوں کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیے، اپنے زعم میں وہ مسلمانوں کو نابود کرچکے مگر ہلاکت ان کے قریب بھی نہ آئی، دراصل یہ لوگ خود ہی لقمہ ہلاکت بن گئے، اور قیامت کو اپنا کیا پائیں گے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس ذکر کو گل کردیں جسے اللہ بلند فرمانا چاہتا ہے، فرمایا حق تعالیٰ نے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ . اور ناقدری کریں ان کی جن کی قدر ومنزلت اللہ نے بڑھائی ہے: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ . اور بجھادیں ان کا نور جن کو فرمایا: وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الكَافِرُوْنَ. اور زندہ مردہ مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں تو ان لوگوں نے یہ لڑائی دراصل اللہ عزوجل سے باندھی، انبیا کی بے ادبی، اولیا کی ناقدری، اسلام کی تراش خراش اور دامن الحاد میں بودوباش! گویا دین ہی اور ہوگیا، پھر مجلس میلاد کا انکار، اور ایصال ثواب سے بیزاری چہ معنی دارد؟ اللہ ان کی تہمتوں کا انھیں خمیازہ چکھائے۔ عنقریب یہ عقل کے دشمن جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ گرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت کی وادی میں اتاردیا اور نجد میں کہرام مچ گیا، تب بقیہ ماندہ دور دراز شہروں میں پھیل گئے، ان کی کھوپڑی میں یہ بات نہ آئی کہ ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے اور برگزیدہ بندے رہے ہیں جو ایمان ویقین کی کشت کو شاداب رکھتے اور دین متین کی حفاظت میں سرگرداں رہتے ہیں تو اللہ کا شکر واحسان کہ ان کے واسطے بھی اللہ نے جھٹ ایسی فوجیں تیار کردیں جنھوں نے اللہ کی طرف سے تائید یافتہ شمشیر براں

کے ذریعہ مفاسد و مکائد کے پرخچے اڑادیے اور ان کی فتنہ سامانیوں کو آتش سوزاں کی نذر کردیا' تب ان کے بچے بچائے اس بات پر آئے کہ جنگ وجدل اور بہتان وافترا میں حد سے گزر گئے' کتابیں گڑھ ڈالیں' نئے نئے ملا پیدا کیے اور شرم وحیا کا قلادہ اُتار پھینکا' ایک ظاہر بیں ان کا ظاہری پوشاک اور پر مطلب اخلاق وکردار دیکھ کر حیرت میں پڑجاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دلیلوں سے بالکل بے چارے اور ہارے ہوئے مگر بیوقوفوں کے بہکانے اور پھسلانے پر تیار اور بڑے مغالطہ باز اور مکار وعیار ہیں۔ کسی دانائے راز نے درست فرمایا ہے

مجھے نہیں معلوم کہ یہ نجدی مرد ہیں یا عورتیں۔ جن کے ہاتھ حنا آشنا ہیں اور جن ہاتھوں میں نیزے حمائل ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟

اگر تم ان میں کسی کو بہ نظر ظاہر رشید خیال کرو تو ادنیٰ تامل کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ رشد نے انھیں چھوا تک نہیں۔

غرض کہ ان میں کوئی رشد سچا نہیں سب کے سب دغاباز' غارت گر اور مکار ہیں۔

پھر اگر ان لوگوں نے جور و جفا اور ظلم وستم کیا تو یہی ان کے لائق تھا۔ اللہ انھیں ہدایت سے نوازے۔

الحاصل' دو فوجیں جنھوں نے منکرین کو ٹھکانے لگادیا' ان میں سے اس زمانہ میں ایک ہمارے دینی بھائی صاحب عظمت وکرامت اور بہت ساری خوبیوں کے مالک مولانا مولوی محمد عبدالسمیع صاحب ہیں اللہ انھیں تمام آفات وخرافات سے بچائے مجھے ان کے کچھ پاکیزہ کلام مثلاً: ''دافع الاوہام''،'' راحت القلوب'' اور'' انوار ساطعہ'' دیکھنے کا اتفاق ہوا جنھیں میں نے اسم بامسمّٰی پایا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور ظاہر وباطن ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ اے اللہ! اپنے حبیب اعظم ﷺ اور ان کی اولاد واصحاب پر لگاتار درودوں کے پھول اور سلاموں کے گجرے نچھاور فرما جب تک ستارۂ سہیل وادیِ یمن میں چمکتا دمکتا رہے۔

اسے اپنے منہ سے کہا اور خود سے لکھا اللہ کے بندۂ فقیر ذلیل وحقیر

عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی نے

اللہ اسے بخشے' مرادرسا فرمائے اور بروز محشر صلحائے امت میں اٹھائے۔ آمین۔

بدایوں

صورة ما زينه نبراس المؤمنين منور الإسلام و الدين كاشف الظلام كالبدر التمام داعي الأنام إلى سبيل السلام الزاهد المتورع العابد المتبرع جامع العلوم العقلية و النقلية كاشف المكنونات الخفية الحاج **المولوى عبد القادر** لا زال بالمعالي و المفاخر .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رسائل راحت القلوب ودافع الاوہام وانوار ساطعہ وغیرہا مولفات حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحامی دین قویم وصراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی ومتورع گرامی مولانا محمد عبدالسمیع صاحب زاد برکاتہم کہ ہم درفضائل وکمالات جناب حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تالیف فرمودہ اند وہم در دفع

اوہام منکرین مجالس اذکار شریفہ و دیگر اُمور مثوبات لطیفہ تصنیف نمودہ مطابق و موافق تحقیقات جمہور محققین از فقہا و محدثین اند منکران کہ براہِ خدیعت و خیانت کہ شعار طوائف اہل ضلالت ست طعن و تشنیع جاہلانہ می نمایند عوام اہل اسلام بران گوش نہ نہند و سعادت اتباع جمہور ائمہ دین را از دست ندہند حق سبحانہ مولف ممدوح را برکات دارین عطا فرماید و خاتمہ فقیر و جملہ اہل اسلام بخیر نماید آمین۔

حررہ الفقیر احقر الطلبہ : عبدالقادر عفی عنہ

تقریظ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی

ترجمہ: حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حامی دین قویم و صراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی و متورع گرامی مولانا محمد عبدالسمیع صاحب زاد برکاتہم کی تالیفات ''راحت القلوب'' و ''دافع الاوہام'' اور ''انوارِ ساطعہ'' وغیرہ جو جناب حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات سے متعلق ہیں اور اوہام منکرین مجالس اذکارِ شریفہ کو دفع کرنے اور دیگر افعال خیر کے سلسلہ میں تالیف کی گئی ہیں فقہاء و محدثین میں سے جمہور محققین کی تحقیقات کے مطابق و موافق ہیں۔ گمراہوں کی طرح خیانت و دھوکہ دہی اور جاہلانہ طعن و تشنیع کرنے والے منکرین کی باتوں پر عوام اہل اسلام کو بالکل کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اتباعِ جمہورِ ائمہ دین کی سعادت کو ہاتھ نہ جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ مولف ممدوح کو دارین کی برکتوں سے سرفراز فرمائے اور فقیر و جملہ اہل اسلام کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

ممبئی

صورة ما أفاده القلهُد الكبير و الغطمطم الغزير محقق العلوم العقلية مدقق الفنون النقلية الشيخ الأجل الأفل البحر الأوحد الأكمل الصوفي المقتفى بآثار رسول الله صلى الله عليه وسلم مولانا الحاج **مولوى عبيد الله** الحنفي القادري البدايوني المدرس الأعلى للمدرسة المحمدية الواقعة في بلدة بمبئي خصه الله دائما بفيضه الجلي و الخفي.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمنير أنار الحق لأهله فغدت أنواره على منار الهدى ساطعة ' و منور نور الصدق بتنوير أبصار أولي الأبصار فأصبحت مصابيحه من مشكوٰة صدورهم لامعة ' و الصلوٰة و السلام على سيدنا محمد مفتاح خزائن العلوم الذي إشاراته لكنوز الحقائق فاتحة ' و مصباح دفائن الفهوم الذي ترى الأفهام بلمعاته دقائق المعاني على صفحات البيان لائحة ' و على آله و أصحابه الذين بذلوا مهجهم الكريمة لبهيج الدين فتباهجت روضة منمنة يانعة ' دريت بمساعيهم الجميلة شقائق الحقائق فزاها تزهو على رُبا

الإسلام رائقة رائعة ، أما بعد فإني قد تشرفت بمطالعة هذه الصحيفة الشريفة ، و سرحت نظري في مضامينها العجيبة اللطيفة ، فوجدتها بالله كاسمها أنوارا ساطعة ، و رأيت نجوم الهدى من بين أسطارها طالعة ، تهدي إلى الحق لكل ضالة غوية ، و تهدي الصواب إلى كل ذي فطرة سوية ، ما من مسئلة إلا و تركتها واضحة جليلة ، و لا من معنى إلا و كسته ببيانه الحلي حللا سند سية ، جمعت من المطالب رعي الله منشئها كواكب درية ، و نظمت من المآرب حمى الله موشيها جواهر مضيئة ، تهدلت أفنانها بفنون الفوائد وترنحت أغصانها بعيون العوائد ، تقر ببهجتها النواظر ، و تسر بنزهتها الخواطر كيف لا و هي روضة رضية مزهرة بأزهار التحقيق ، و حديقة ندية منورة بأنوار التدقيق ، طوبى لواردها موردا هنيا و بشرى لناظرها منظرا سنيّا ، فما لهولاء القوم عنها راغبون ، و يمرون عليها و هم عنها معرضون ، و قد حق لها أن تترنم على قصباتها بالقبول عنادل فهوم الفحول ، و بلابل العقول ، جزى الله ممهدها جزاء موفورا و جعل سعي منضدها سعيا مشكورا .

حرره و أملاه العبد الأوّاه الراجي رحمة مولاه عبيد الله
عفا عنه ماجناه و حماه بحماه عما لا يرضاه و سلكه فيما يحبه و يرضاه

تقریظ جناب مولوی عبید اللہ صاحب قادری بدایونی

ترجمہ: سب تعریف اس کو ہے جس نے حق والوں کے لیے حق روشن کیا تو ہدایت کے مینار پر اس کی روشنیاں بلند ہوگئیں۔ اور اہل بصیرت کی آنکھوں کو روشن کر کے صدق کو روشن کیا تو راستے کے چراغ ان کے سینوں میں چمکنے لگے۔ اور درود وسلام ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو علوم کی کنجی ہیں ایسی کنجی جس سے اشاروں میں حقیقتوں کے خزانے کھلتے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جس کی روشنی میں معانی کے دقائق صاف نظر آتے ہیں۔ اور آپ کی آل اصحاب پر جنھوں نے دین کو رونق بخشنے کے لیے اپنی جانیں کھپا دی تھیں تو خوب رونق پر آیا اس کا نگارین باغ پھلا ہوا، اور ان کی سعی سے حقائق کا گل لالہ پھولا۔ تو اب اسلام کے بلند مکانوں پر خوش نما پھول کھلے ہوئے دیکھو۔ حمد وصلاۃ کے بعد عرض ہے کہ میں اس صحیفہ شریف کے مطالعہ سے مشرف ہوا اور میں نے اپنی نظر اس کے مضامین لطیفہ کی سیر میں چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم میں نے انوار ساطعہ کو اسم بامسمی پایا۔ میں نے اس کی سطروں میں ہدایت کے تارے چمکتے دیکھے ہیں، ہر بھٹکتے کو اس سے راہ ملتی ہے، ہر اچھی سمجھ والا اس سے راہِ صواب پاتا ہے، ہر مسئلہ کا اس میں شافی بیان ہے اور ہر معنی کو شیریں بیانی سے خلعت زیبا پہنایا ہے۔ اس کتاب میں کیا چمکتے ستارے جمع ہیں (اللہ اس کے مصنف کا نگہبان رہے) اور کیا جواہر مضیئہ اس پر جڑ دیے ہیں اللہ اس کے سجانے والے کی حمایت کرے۔ اس کی گراں باری کثرت فوائد سے ٹہنیاں نیچے جھک گئیں۔ اور شاخیں اس کی عمدہ منافع کے بوجھ سے لچکنے لگیں، اس کے رونق جمال سے آنکھیں روشن

ہوتی ہیں اوراس کی خوبی سے دل خوش ہوتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں کہ وہ ایک باغ ہے جس میں تحقیق کی کلیاں لگی ہیں، اور تدقیق کے پھول کھلے ہیں۔ خوش خبری ہے اس کو جو اس باغ میں آئے اور نظارہ کا مزہ پائے۔ نہیں معلوم کیا ہوا اس قوم کو جو اس سے بے رغبت ہیں اوراس پر چلتے ہوئے کتراتے ہیں اور یہ اس قابل ہے کہ عقل کی بلبلیں اس کی ٹہنیوں پر چہچہا کریں۔ اللہ اس کے آراستہ اور مرتب کرنے والے کو جزائے خیر دے اور سعی کو مشکور فرماوے۔

لکھا اس تقریر کو امیدوار رحمت اور بندہ عبید اللہ نے اللہ اس کی خطا معاف فرمائے اور نامرضیات سے بچائے اور اپنی پیاری مرضیات کے راستہ پر چلائے۔

ممبئی

صـــورـة مــا قــرظه العـابد الـزاهد المرتاض العارف المرشد الفياض هادي السالكين مرشدا لناسكين المولوي الصوفي **السيد عماد الدين** الرفاعي النزيل بمحلة بهندي بازار أجر الله فيوضه الباقية الصالحة إلى يوم القرار.

الـحـمـد لـلـه الـذي بـعـث رسـولا في الأميين و فضله على الأنبياء و المرسلين و جعل ميلاده رحمة لـلعالمين ' و أنزل الفاتحة شافية للمؤمنين ' و الصلوٰة و السلام الأتمان الأكملان على سيدنا محمد شفيع المذنبين ' و آله الطيبين ' و أصحابه المهتدين أجمعين . أما بعد فرأيت الرسالة النافعة "الأنوار الساطعة في بيان الميلاد و الفاتحة " التي ألفها الفاضل الأجل المنيع ' المولوي محمد عبد السميع (سلمه الله تعالىٰ و جزاه خير الجزاء) فوجدتها مشتملة على الأدلة القوية و الروايات الصحيحة الفقهية (جعل الله سعيه مشكورا و نفع به المسلمين موفورا) و من أنكر الفاتحة و مجلس الميلاد فهو من المتوهبين المضلين ' تاب عليهم خير التوابين ' و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين .

كتبه العبد المسكين السيد عماد الدين الرفاعي

كان الله له كما كان لأسلافه ' و عفا عنه و عن والديه و أخلافه

تقریظ جناب مولوی سید عماد الدین صاحب رفاعی

ترجمہ: اللہ کا شکر جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا اوراس کو سب پیغمبروں پر بزرگی بخشی اور ان کے میلاد کو تمام عالم کے لیے رحمت کیا اوراس نے جملہ مومنین کو شفا دینے والی فاتحہ نازل فرمائی۔ اور پورا پورا درود وسلام ہمارے سردار محمد شفیع المذنبین پر اور سب آل پاک اور اور اصحاب ہدایت پر۔ اس کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے رسالہ نافعہ "انوار ساطعہ" دیکھا جس کو بڑے فاضل مولوی عبد السمیع نے تالیف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے اور اچھی جزا

عنایت کرے۔ میں نے اس رسالہ کو قوی دلیلوں پر شامل پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے' اور جو کوئی فاتحہ اور مجلس میلاد شریف کا انکار کرے' وہ فرقہ وہابی اور گمراہوں میں ہے اللہ اس کو توبہ نصیب کرے۔ اب ہم آخیر میں پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العالمین۔

لکھا اس کو بندۂ مسکین سید عماد الدین رفاعی نے اللہ اس کے لیے ایسا ہو جائے جیسا کہ اس کے بزرگواروں کا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اس کے والدین اور پیچھے آنے والوں کی تقصیر معاف فرمائے۔

حیدر آباد دکن

صورة ما رقمه المنطيق الكيّس الخبير النحرير الجهيذة البصير الناظم الناثر المنشىء الأديب الفلسفي الحكيم الطبيب كثير التأليف جيد التصنيف **مولانا وكيل أحمد** نائب صوبه شرقي دكن صانه الله ذو المنن عن نوائب الزمن و حوادث الفتن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستایش مر شارعے را کہ شارع عام شریعت را از خاشاکِ بدعت و ہوا پاک رفتہ' تا در فضاے ایں گلستان ہمیشہ بہار ہزاراں گل ہدایت در شگفتہ' و نیایش مر مفتی را کہ قانونِ اسلام را در کشورستان قلوب اہل ایمان رائج فرمودہ' و از میامن فیوض ایں معنی ابواب تحقیق کمالات بر خواطر آل و اصحاب بر کشودہ۔ اما بعد بندہ درگاہ احد وکیل احمد سکندر پوری مولدا و الحنفی مذہبا و النقشبندی مشربا می گوید کہ بر ضمیر منیر اشراقات تنویر ارباب فضل و ہنر محتجب نخواہد بود کہ ارتکام ظلام بدعت و ہویٰ آفتاب ہدایت را آں قدر تاریک نہ ساختہ کہ طیرانی ذرات حقائق را بال افشانی از پا در نیارد و خاشاک افشانی صرصر ایں وادی چنداں بر طرق اسلام خس خاشاک نیفشاندہ کہ سالک مسالک شریعت را پاسنگ در نیاید' روز افزونی قدر ارج ایں سنگر یزہا کساد بازاری' متاع جوہر تحقیق' و وسوسہ انگریزی خیالات ایں موسوساں برہمزنی خانماں تصدیق' چہ روزگار عبرت انگیز است کہ حکمت دراں در ضلالت افتادہ اند' و چہ زمانہ حسرت خیز است کہ جہالت پروراں در ابحاث متین حکمت آمادہ' حرفی نخواندہ اند و بدعوی تحقیق رسیدہ اند' معنی نذر یافتہ اند و بدم کہنہ تلاشی مضمون آشنا گردیدہ' معانی کہ بضابطہ شریعت نبوی وفاق دارند' بہ ابتداع آں قائل اند' و امورے کہ در تحت من سن سنة حسنة داخل اند بتحریم آں مائل اند' کو ہتے کہ در مسالک ایں وادی سلوکت در زود کجا زہرہ کہ از پائے مخائل و اوہام غابات ایں فیافی را در نوردو بحمد اللہ و بمنہ مصنف ایں انوار ساطعہ چہ سحر بردہ' و چہ اعجاز دمی بہ پایۂ بیان در آوردہ' کہ از سطوع انوارش بر دیدہ بے بصران حکم خفاش درست آمد' و از لموع لمعاتش آب در چشمہ آفتاب می لرزد' الحق نور را با ظلمت تضادے تمام متحقق بود کہ چوں تنویرات شعشانی آفتاب از مشرق نہاریت پرتو انگیزاں گردد' زلف لیلاے لیل راچہ یارا کہ باختراق بازی جمر آتش بال کشاید' مرغان اسولہ معترضان در چنگال اجوبہ ایں رسالہ صید بازی شہباز و فرجگان نمودہ' و قامت اعتراض مانند خار و سر نکشیدہ کہ جلاداں توقیع از شمشیر اشارت فرقش را نہ بریدند' از گل چینیش خار و خاشاک بدعات بریدہ شد و از نضارت فرمایش گلشن کدۂ ہدایت شگفتہ' نخل فقاہت از ریشہ دوانی معانیش در عسل جوشی اجتہاد' و گلبن شریعت از بہار افروزی نسیم کلامش در عطر ریزی ریاض اعتقاد' از افتتاح فاتحہ کلامش معنی فتوحات حاصل' و از

نور باریِ یواقیت اسرارش دیدہ کور سوادان عاطل، عیسیٰ دمے مسائل باریکش مستعد احیائے علومؑ و گنج کاوی سینہ الہام رایش قفل کشائے مخازن فہومؑ اشعہ لمعاتش سرمہ بیز سواد دیدۂ انوارؑ معارف فیوضاتش منور قلوب اسرار، توضیح عبارتش تنقیح فرمائے تلویح معانی، ومنارات معانی مطالبش نور الانوار مواطن روحانی در مختار معاقد بے بہاست، محیط معانی و مدعاست، کشاف طینتی بیتانش، در مختصر بیانی الفاظ مطول فروش و کان مضمون، فتوح غیب عساکر معانیش در ملک گیر طبل نوید گوے افواج معانی موزوں، چوں تمدیح شاری ایں رسالہ سترگ در پاس مقام اطناب سرفرود داردا ولی آنکہ بدیں مدعا اختتام توصیف کنیم ع

قبولِ خاطر اہل ہدیٰ باد فقط

تقریظ مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری

ترجمہ: جملہ مدح وستائش اس شارع کو سزاوار ہیں جس نے جادۂ شریعت کو خاشاک بدعت وہویٰ سے پاک وصاف کردیا تاکہ اس فضائے گلستان میں دائمی بہار کے ہزاروں گلدستہ ہدایت مہکتے رہیں۔ اور وہ مفتی بھی پورے طور پر مستحق ستائش ہے جس نے دلوں کی سلطنت پر قانون اسلام کا سکہ رائج کیا۔ اور اس کے فیوض وکمالات کے حصول کے دروازے آل واصحاب پر وا کردیے۔ امابعد،

بندۂ درگاہِ احد وکیل احمد مولداً سکندر پوری مذہباً حنفی اور مشرباً نقش بندی عرض گزار ہے کہ نوری شعاؤں سے منور ارباب فضل وہنر کے ضمیر روشن پر حجت نہ ہوگی کہ بدعت وہویٰ کی ظلمات نے آفتاب ہدایت کو اتنا تاریک نہیں بنایا کہ حقیقت کے ذرات کی پرواز کو اپنے بال کھولنے سے روک سکے۔ اور اس وادی کے ہوا کی خاشاک افشانی کسی طریقہ سے شاہ راہِ اسلام پر خس وخاشاک نہیں ڈال سکتی کہ راہِ شریعت پر گامزن شخص کے پاؤں کو کہیں کوئی ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس سنگریزے کی بڑھتی ہوئی قدر ارج، کوڑہ بازاری جوہر تحقیق کا سامان اور ان ارباب وساوس کے انگریزی خیالات اور گھریلو جھگڑوں کی تصدیق کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس کی وجہ سے اہل حکمت کے پاؤں بھی جادۂ ضلالت پر پڑے۔ اور کس قدر حسرت ناک زمانہ ہے کہ جہالت کی پشت پناہی کرنے والے حکمت کی متین بحثوں میں پڑ گئے، حال یہ ہے کہ حروف ابجد سے بھی بے خبر ہیں مگر دعویٰ یہ ہے کہ انھیں تحقیق میں کمال حاصل ہے۔ معنی کو خیر آباد کہہ چکے ہیں اور مضمون کی بوسیدہ ترجمانی سے آشنا ہو گئے۔ وہ معانی کہ جو شریعت نبوی کے ضابطے پر برابر اترتے ہیں اس کو بدعت کا لیبل چسپاں کردیا، اور وہ امور جو من سن سنۃ حسنۃ کے تحت داخل ہے ان کو حرمت کے چوکھٹے میں فٹ کردیا۔ کس کی ہمت تھی کہ اس وادیِ سلوک اور مشکلات سے بھرے ہوئے ان جنگلات کو اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ عبور کرسکے۔ ذرا دیکھیں کہ اللہ کے فضل واحسان سے مصنف انوارِ ساطعہ نے کیسے ساحرانہ اور اعجازانہ انداز میں اس بیابان کو اپنے زورِ بیان سے طے کیا ہے کہ اس کے انوار کی تابندگی سے آنکھیں موند لینے والوں پر ایک طرف تو حکم خفاش راست آیا اور دوسری طرف اس کی شعاؤں کی خیرگی سے چشمہ آفتاب کی تابانی بھی لرز اٹھی۔ سچی بات یہ ہے کہ نور وظلمت میں بہر اعتبار تضاد

ہے آپ خود دیکھیں کہ شعلہ آفتاب کی چمک جب مشرق سے پرتو انگیز ہوتی ہے تو لیلہ شب کی زلفوں کی کیا مجال کہ اس کے مقابلے میں جلنے پر اتر آئے اور اپنے بالوں کو کھول دے۔ معترضین کے مرغان اسولہ نے اس رسالہ کے بارے میں سوال وجواب کا ایک سلسلہ شروع کر کے شہباز اور ممولے کا مقابلہ شروع کر دیا۔ لیکن ان کے خار کے مانند اعتراضات کو کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جلاد شمشیر کے اشارے سے ان کے پرخچے اڑا دے۔ اس کی گل چینی سے بدعت کے خس وخاشاک کاٹ دیے گئے اور فرمایشوں کی تازگی سے گلشن کدۂ ہدایت بہار آشنا ہو گیا۔ نخل فقاہت اس کی جڑ سے، اس کے معانی کا برتن جوش اجتہاد سے، شریعت کا گلستان بہار کی آمد سے، اس کے کلام کی بادِ نسیم عقیدے کے باغیچہ عطر بیز سے اور اس کے کلام کے آغاز سے فتوحات معانی حاصل ہو گئیں۔ باری تعالیٰ کے نور کی برکت سے اس کے یاقوت جواہر اندھوں کی آنکھوں کے لیے دم مسیحا ہیں۔ اس کے دقیق مسائل اور اس کے سینۂ الہام کی گنج کاوی احیاے علوم کے لیے آمادہ ہے۔ اس کی رائے عقل ودانش کے خزانوں کے لیے قفل کشا ہے، اس کے "اشعہ لمعات" دیدۂ انوار کے لیے سرمہ بیز ہیں۔ اس کے فیوض وبرکات کے معارف قلوب اسرار کو نور بخشنے والے ہیں۔ اس کی عبارت کی وضاحت تلویح معانی کی تنقیح کرنے والی ہے۔ اس کے مطالب کے معانی کے منار، نور الانوار ہیں۔ درمختار کے روحانی معر کے بیش قیمت موتیوں کے ہار ہیں۔ معانی ومدعا کا محیط سرشت بیتان کے لیے کشاف ہے۔ اس کی مختصر الفاظ بیانی مطول فروش ہے۔ اس کے عساکر معانی کا فتوح الغیب معدن مضمون ہے۔ فتوحات میں خوشی کا نقارہ ہے، معانی موزوں کی فوجوں کا گیند ہے، ایسے عظیم وجلیل رسالے کی تعریف وتوصیف مقام اطناب میں اظہار انکسار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں اپنے مدعاے توصیف کا اختتام اس مصرع پر کردوں ع

قبولِ خاطر اہل ہدیٰ باد فقط

احمد آباد گجرات

صورة ما سطره النحر الفهامة و البحر العلامة واقف أسرار المعقول و المنقول كاشف أستار الفروع و الأصول دامغ جيش الأباطيل مشتت شمل المخاذيل المدعو بمولوي **نذير أحمد خاں** الرامپوري المدرس في بلدة أحمد آباد أبقاه الله بالصدق و السداد و الهداية و الرشاد.

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد للخالق الذي خلق نور نبيه أول جميع المخلوقات فجعل منه الأنبياء و الصديقين و الشهداء و سائر المكنونات و أرسله آخر كل النبيين رحمة للعالمين و سخر له الملك و الملكوت و الأرضين و السموات و أفضل الصلوات و التحيات على خير الأنام الذي من علينا ببعثه العزيز العلام بقوله في كتاب المنزل المكرم الذي هو أقوم البينات و أدوم المعجزات و أمر فيه بتحديث

النعمة و أية نعمة تساوي ولادته فذكرها انفراداً و إجماعا بهيئة الإحترام و الإكرام كيف لا يكون من الحسنات و العبادات و آله و أصحابه الذين عزروه و وقروه بأفئدتهم و جوارحهم فبلغوا في الدرجات إلى أقصى الغايات و من بعدهم من محققي الفضلاء البطول و الكملة الفحول اتفقوا على ممر الأعصار في الأمصار على احتفال ذكر ولادته و استحسنوا القيام عنده على الإقدام فنالوا البركات المتواليات أما بعد فإني طالعت هذا الكتاب أعني " الأنوار الساطعة في بيان المولود و الفاتحة " للعالم الأفضل و الفاضل الأبجل النحرير الرفيع و البحر المنيع المولوي عبد السميع (أطال الله بقاءه و رزقنا و إياه لقاءه و رضائه و جزاه الله عني و عن جميع المؤمنين الصالحين خيرا و كفاه الله أعداءه و حساده ضيرا) فوجدته منورا لقلوب المحبين سيد المرسلين و دليلا قاطعا لإثبات الفاتحة و ميلاد خاتم النبيين و برهانا ساطعا لإثباتهما على المنكرين المتبعين غير سبيل المؤمنين فلا يختفي ضياءه إلا على العنيد الغوي ' الذي مقلته عميا و الأعمى الغبي الذي لا يرى شعاع الذكاء في وسط السماء قال المتنبي في الذي هو كذلک عاذرا له لما هنالک 'شعر ـ

و لو خفيت على الغبي فعاذر   أن لا تراني مقلة عمياء

فجدير للمؤلف اللوذعي في مقابلة مثل هذا أهل العمي و الغي البغي أن يسلک مسلک الشاعر الماهر المتني و أرجو من الله جل برهانه و عظم شأنه أن لا ينكر مضامين هذا الكتاب أحد من العاقلين المنصفين المتأدبين و إن كان من قبله لقلة التدبر و النظر على الكتب من المنكرين لأن المؤلف القمقام النحرير الفهام أوضحها أيضا حالا يأتيه الإنكار و أظهرها إظهار الشمس بلاد الشرق و الغرب في نصف النهار و أقام البينة عليها فصارت عند الإزدحام كالجبال الراسية ' و تصدّى لدفع الاعتراضات التي تقولها أهل البدعات السيئات فأجاب عنها بأجوبة مرضية شافية فلا يسع لمن له قلب سليم إلا التسليم بالتكريم و أما الذين أشرب في قلوبهم حب المكابرة و المعاندة و كان دابهم العداوة و المضادة ديدنهم عن الحق الاستكبار و عن الهداية الاستنكار فلا عجب أن ينتصروا عن مثل هذا التحرير الأزهر و يستدبروا عن هذا التقرير الأظهر و الأطهر ألا ترى أن لا يشم فاقد الشامة المسک الاذفر و لم يؤمن بإعجاز انشقاق القمر المعاند الأكبر فمن ضاهاه و تشابه قلبه كيف يتخلف عنه وضوح هذا الأثر و إن كان أحدهما الأصغر من الآخر ' اللهم احفظنا بلطفک القديم و فضلک العميم عن مثل هذه الضيعة الشنيعة و اغفر لنا كل الخطايا و الذنوب بذريعة جبيبک خير البرية صلى الله عليه وسلم و ارزقنا خلة خليلک الكاملة و أمتنا على الخاتمة الحسنة و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله على خير خلقه محمد و آله و أصحابه أجمعين .

قرره باللسان و حرره بالبنان المفتقر إلى ربه القُدير

محمد نذير المعروف بـ'نذير أحمد خان
عفي الله تعالىٰ عنه و عن والديه جم الخطاء و العصيان

تقریظ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب

ترجمہ: سب تعریف اس کو جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا کیا۔ پھر اسی سے انبیا وصدیقین اور شہدا اور جملہ مکنونات بنائے، اور حضور کو پیغمبروں کے پیچھے سب عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اور جملہ اجسام وارواح اور زمین وآسمان ان کے تابع کر دیئے اور سب سے افضل درود وسلام اور تحیت حضرت خیر الانام ﷺ پر نازل ہو جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان ظاہر کیا کہ ایسا رسول بھیج دیا اور ہم کو نعمت بیان کرنے کا حکم دیا اور پھر بھلا کون سی نعمت حضور کی ولادت شریف کے برابر ہے، تو اس کا تنہا یا جماعت میں باادب ذکر کرنا کیوں کر حسنات وعبادات میں سے نہ ہوگا، اور درود وتحیت ہو آپ کے آل واصحاب پر بھی جنھوں نے آپ کی تعظیم وتوقیر اپنے جسم وجاں سے ادا کی تو وہ اس کے صدقے میں بڑے درجوں کو پہنچے۔ پھر ان کے بعد بڑے بڑے فضلائے کاملین تمام شہروں میں استحسان محفل مولد وقیام پر صدا اتفاق کرتے رہے تو وہ پے در پے برکات کو پہنچے۔ اس کے بعد عرض مدعا یہ ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو ایک بڑے عالم وفاضل یعنی مولوی محمد عبد السمیع نے تصنیف کیا ہے (اللہ ان کا سایہ کرم دراز کرے، ہم کو اور ان کو اپنا دیدار اور اپنی رضا نصیب فرمائے اور میری اور جمیع مومنین صالحین کی طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور سب دشمنوں اور بدخواہوں کے ضرر سے بچائے) میں نے اس کتاب کو عاشقین رسول کے دلوں میں نور کی شعائیں بکھیرنے والی اور فاتحہ ومیلاد کے ثبوت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع پایا۔ اس کی روشنی کسی سے مخفی نہیں۔ ہاں، وہ دشمن کی روح کی آنکھ ہی اندھی ہے جسے آسمان میں سورج بھی نظر نہیں آتا۔ متنبّی شاعر نے کہا کہ۔

اگر میں کسی کند ذہن کے ادراک میں نہ آیا تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے، کیوں کہ مجھ کو اندھی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

لہٰذا مولف انوار ساطعہ کو بھی یہی چاہیے کہ اپنے وقت کے اندھوں کو جو قدر نہیں پہچانتے معذور سمجھے اور امید یہ ہے کوئی عاقل باانصاف اگرچہ وہ پہلے قلتِ اطلاع دلائل کے سبب منکر ہی ہو لیکن اب انکار نہ کرے گا کیوں کہ مولف نے دلائل کو نہ صرف سورج کی طرح روشن کر دیا ہے بلکہ منکرین کے اعتراضات کا جواباتِ شافعیہ سے رد بلیغ بھی کیا ہے۔ اب کسی صاحب قلب سلیم کے لیے گنجائش نہیں کہ انکار کر سکے۔ ہاں، جن کے دلوں میں جھگڑے، عناد اور قبول حق سے انکار وغرور نے جڑ پکڑ لیا ہو تو کچھ عجب نہیں کہ اس روشن اور پاکیزہ تقریر سے نفرت کرنے لگیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ جس کی قوت شامہ نہیں ہوتی وہ مشک وعنبر کی خوشبو بھی نہیں پاتا، اور اس بڑے منکر نے شق القمر کا معجزہ بھی نہ مانا۔ اللہ ہم کو محض اپنے فضل سے منکرین کی ایسی حرکت بد سے بچائے اور ہمارے جرم وخطا رسول اللہ کے صدقے معاف فرمائے، اور ہمیں ان کی سچی محبت نصیب کرے اور خاتمہ بالخیر سے مشرف فرمائے۔ اور ہماری آخری بات یہ ہے: الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اپنی زبان سے یہ تقریر کی اور انگلیوں سے لکھی محمد نذیر معروف بہ نذیر احمد خاں نے، اللہ سب خطا اور گناہ معاف کرے
اس کے اور اس کے ماں باپ کے۔ آمین۔

غازی پور

صورة ما حرره شامخ المكان باذخ الشان العالم الجليل و الفاضل النبيل الشريف النجيب ذكي المنابت طاهر الأغراس اللطيف النظيف جميل الشمائل طيب الأنفاس كنز المكارم معدن الحسنات مولانا محمد أبو البركات لا زال بالخير و الفيض و الإفادات.

المنة لله الفتاح المنان، الذي زين بالفاتحة القرآن، و هو نور الأنوار الساطعة و رب الأقمار الطالعة، السميع العليم، الخبير المنعم القديم، و الصلوٰة على من هو أكرم أولاد آدم، و أفصح مصاقح العالم، أنه خاتم المرسلين، و مولده رحمة للعالمين، و على آله الأصفياء الواصلين، و على أصحابه الأتقياء الكاملين.

أما بعد، فيقول العبد الفقير الراجي رحمة رب البريات، محمدن المدعو بأبي البركات غفر الله له ذنوبه و السيئات ابن فخر العلماء، صدر الفضلاء، بدر الفقهاء، قمر الكملاء، سند الواعظين المحدثين، ناصر المسلمين، مولانا الأعظم، مقتدانا الأكرم، بحر المعاني، الملقب بالجنيد الثاني، لقبه في أسانيده للأحاديث و التصوف الإمام الهمام حضرت مولانا عبد الحق محدث كانفوري (عم فيضه ذو المجد ذوا العز و الجاه) مولانا الحاج محمد أمانت الله الحنفي الفصيحي، لا زال بابه ملاذ الحنفاء الأشراف و جنابه مرجعا للشرفاء الأحناف، ان أفضل السعادات الأبدية و أكمل البركات الصمدية و أقدم الفيوضات الرحمانية و أكرم الكرامات السبحانية ذكر أفضل الأنبياء صاحب الشريعة الغراء، مالك الطريقة الزهراء، من فضائله الجليلة و محاسنه النبيلة و ظهور البركات و الكرامات عند ولادته الشريفة و معجزاته و آياته النظيفة فطوبى لمن صنف فيه و أجاد و هدى الناس طريق الحق و سبيل الرشاد و إن هو إلا المولى الكامل فخر الأماثل في الفروع و الأصول و صدر الأفاضل فى المعقول و المنقول عليم بأسرار الأحاديث النبوية خبير بدقائق المواعظ المصطفية مضابط الأحكام الشرعية جامع النكات الأصلية و الفرعية، فاتح المغلقات النقلية، كاشف المشكلات العقلية، مشكوٰة مصابيح البلاغة، ضياء مشارق الفصاحة و البراعة، سند الأعالي مستند أرباب المعالي، ذو المقام الرفيع المنيع المولوي **محمد عبد السميع** فإنه قد أورد كلها في رسالته اللامعة المسماة بالأنوار الساطعة لله دره حيث سعى في إسعاف مرام المتصوفين المقلدين و اهتم في رد شبهات المنكرين الضالين و أتى ما يناسبه المقام بأقوال العلماء الكرام و قدماء الأعلام بحيث لم يسمعها الآذان و لم يرها عيون الدهور و الأزمان فو الله لقد انبسطت

القلوب بمطالعتها و نورت العيون بمعانيتها ، ألفاظها بدور بازغة ، جملها شموس طالعة ، سطورها أنهار التحقيق ، جداولها بحار التدقيق ، فيا معشر الناظرين الطالبين الصادقين إن استطعتم أن تنتفعوا بها فشمروا عن ساق الجد و اشتروها فإنها خير لكم إن كنتم تعلمون .

تقریظ جناب مولوی محمد ابوالبرکات صاحب غازی پوری

ترجمہ: شکر و احسان خداے فتاح ومنان کا جس نے قرآن کو سورۂ فاتحہ سے مزین فرمایا، وہی انوارِ ساطعہ کا نور ہے، اجلیاں بکھیرنے والے چاندوں کا پروردگار جو سننے جاننے، خبر رکھنے، انعام کرنے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ درود کے گلدستے اس کی بارگاہ میں نذر ہیں جو بنی آدم میں سب سے معزز ومحترم، فصیحانِ جہاں سے کہیں زیادہ فصیح و بلیغ، نبیوں کے خاتم اور جن کی ولادت کائنات کے لیے رحمت سراپا ہے۔ ساتھ ہی ان کے بزرگ وخدارسیدہ آل اطہار اور کامل و پرہیز گار یارانِ جاں نثار پر بھی۔

حمد وصلاۃ کے بعد طالب رحمت پروردگار بندۂ فقیر محمد ابوالبرکات غفرلہ عرض گزار ہے۔ ابن فخر علما، صدر فضلا، بدر فقہا، قمر کملا، سند واعظین ومحدثین، ناصر مسلمین، مولانا الاعظم، مقتدانا الاکرم، بحر معانی، جنھیں جنید ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ لقب ان کی حدیث وتصوف کی سندوں میں ملتا ہے، امام ہمام حضرت مولانا عبدالحق محدث کانپوری کے ذریعہ عطا ہوا ہے یعنی مولانا الحاج محمد امانت اللہ حنفی فصیحی غازی پوری۔ جن کا درجود اشراف کرام کے لیے ہمیشہ وارہا، ان کی جناب ارباب شرف ومجد کی آماجگاہ رہی۔ بے شک نبیوں پر فضل وکمال رکھنے والے، ستھری شریعت اور روشن طریقت رکھنے والے صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ابدی سعادتوں میں سب سے افضل، سرمدی برکتوں میں سب سے مکمل، فیضان الٰہیہ میں سب سے مقدم اور ربانی کرامتوں میں سب سے مکرم ومحترم ہے۔ وقت ولادت مبارکہ برکتوں کا نزول، کرامات ومعجزات کا ظہور اور پاکیزہ ستھری نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور عظیم الشان فضائل ومحاسن میں سے ہے۔ یقیناً وہ اپنے مقدر کا دھنی کہا جائے گا جس اقبال مند کو اس سلسلہ خیر میں کچھ خامہ فرسائی کی سعادت نصیب ہوئی ہو، اس نے لوگوں کو حق وشریعت پر جادہ پیما کیا ہو اور راہ راست سجھائی ہو۔ اور یہ ذات کسی اور کی نہیں مولی کامل، فروع واصول میں فخر اماثل، معقول ومنقول میں صدر افاضل، آشنائے رموز احادیث نبویہ، خبیر دقائق مواعظ مصطفویہ، مضابط احکام شرعیہ، جامع نکات اصلیہ وفرعیہ، فاتح مغلقات نقلیہ، کاشف مشکلات عقلیہ، مشکوٰۃ مصابیح بلاغت، ضیائے مشارق فصاحت وبراعت، اعلیٰ لوگوں کے سند، بزرگوں کے مستند، ارباب معانی، صاحب مقام رفیع منیع مولوی محمد عبدالسمیع کی ذات گرامی قدر ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے یہ سب مضامین اپنے 'انوارِ ساطعہ' نامی روشن ومنور رسالے میں پیش کیے ہیں (ساری خوبیاں اللہ ہی کو زیب ہیں) انھوں نے مقلدین صوفیہ کے مطالب ومفاہیم پورے کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھی، ساتھ ہی منکرین وضالین کے شبہات کو بیخ وبن سے اُکھاڑنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ اور موقع کی مناسبت سے علمائے کرام اور قدماے اعلام کے ایسے ایسے اقوال بطورِ استشہاد پیش کیے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کانوں نے سنا اور نہ زمانے کی آنکھوں نے دیکھا۔ قسم خدا کی، اس کے مطالعہ سے دل، غنچوں کی مانند کھل اٹھا، اس کے معنی ومفہوم نے آنکھوں کی روشنی بڑھا دی، الفاظ کیا ہیں جیسے دودھیا چاندنی بکھیرتے چاند،

جملے ایسے کہ جیسے نکلے ہوئے آفتاب، سطریں تحقیق کی رواں دواں نہریں معلوم ہوتی ہیں اور اس کے جدول اسرار و دقائق کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر دکھائی پڑتے ہیں۔ تو اے طالبین صدق و صفا، مقدور بھر اس سے مستفیض و مستفید ہونے کی کوشش کریں، فوز و فلاح کی ساری آیتیں اس میں مضمر پائیں گے۔

چریاکوٹ

صورة ما رصعه الأديب اللوذعي و الأريب الألمعي غواص بحار التحقيق سباق غايات التدقيق عالم صنائع الكلام عامل بدائع النظام التقي النقي الزكي الضابطة المثبت الصدوق مولانا **محمد فاروق** مد ظله العالي مدى الأيام و الليالي

الحمد لله رب الأنوار الساطعة، و نور الأقمار اللامعة، و الصلوة و السلام على من أوتي الآيات الصاوعة، و الحجج القاطعة، و بعد فإن أحسن ما يقصد و يراد، و أطيب ما يرومه العباد، و يظمأ في هواجر طلبه الأكباد، و ليأوفي منازله الرواحل أشد أساد، و يؤطأ في مراحل سعيه القتاد، و يستوطن في هواه غوارب الرسم و ظهور الجياد، و يحتاب لأجله البلاد، الشاسعة النائية البعاد، ذكر سيد العباد و العُبَّاد، من ذكر نسبه خير الانساب، و آياته الحقة المدهشة للألباب، و إرهاصاته التي جاء ت عند مولده الشريف المستطاب، فإنه أجل ما يدخر ليوم الحساب، و أكرم ما يقتنى بحسن الثواب، فطوبىٰ لرجل ملأ و طابه، و كمّل نصابه، و إن هو إلا المولى الكريم، النبيه الفخيم، مولى البلاغة و البراعة، مالك أزمة الطرس و اليراعة، عالي الكعب كعبة المعالي، والي المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالي، صاحب المقام الرفيع و الجاه المنيع المولوى **عبد السميع** فإنه قد أتى برسالة في مجلس ذكر الميلاد، و سعى وجد فيها فأجاد و هدى الناس إلى سبل الرشاد و هاد فقاق أهل الآفاق و ساد، و سد موارد الغي و الفساد. اللهم بارك في رزقه و حسناته و انشر للناس بره و عوارفه و بركاته.

تقریظ جناب مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں جو انوار ساطعہ اور جگمگ کرتے چاندوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام اس پر ہو جسے کھول دینے والی نشانیاں اور کاٹ ڈالنے والی دلیلیں عطا کی گئیں۔

حمد و صلاۃ کے بعد، بلاشبہہ سب سے خوب تر و خوش تر چیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے۔ جس کا قصد و ارادہ کیا جائے، سب سے نفیس چیز جس کا بندہ قصد کرے، جس کی طلب میں دوپہروں کو کلیجے بھنے جاتے ہیں، جس کی منزلوں کی طرف سواریاں پوری رفتار سے دوڑائی جاتی ہیں، جس کے لیے دوڑنے کی راہوں میں کانٹے دار

درخت مسلے جاتے ہیں؛ جس کی فرطِ محبت میں اونٹوں کے کوہان اور عمدہ گھوڑوں کی کمریں وطن بنالی جاتی ہیں اور جس کے لیے بڑی مسافت والے دور دراز شہر طے کیے جاتے ہیں۔ بے شک حساب کے دن کے لیے وہ ایک بڑا عظیم ذخیرہ ہے' اور حسنِ ثواب کے لیے جو چیزیں جمع کی جاتی ہیں ان میں یہ بزرگ تر ہے۔ تو آفریں ہے ایسے شخص کے لیے جس نے اس کی مشکیں بھر دیں' اور اس کا حق پورے طور پر ادا کر دیا۔ اور یہ کوئی اور نہیں' المولی الكريم ' النبيه الفخيم ' مولى البلاغة و البراعة ' مالک ازمة الطرس و اليراعة ' عالي الكعب كعبة المعالي ' والي المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالى ' صاحب المقام الرفيع و الجاه المنيع المولوى عبد السميع کی ذاتِ گرامی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے' جس میں جی توڑ کوشش کی ہے اور خوب لکھا' اور لوگوں کو بھی منزلِ ہدایت تک پہنچا دیا' اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو آفاق میں سب پر فائق ہو گئے اور ان کی سیادت کی' اور فتنہ و فساد کے مراکز کا ہمیشہ کے لیے سدِ باب کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق و حسنات میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور ان کی نیکیوں اور برکتوں سے لوگوں کو مستفیض ہونا نصیب کرے۔

لکھنؤ

صورة ما جره زين العلماء سراج الأدباء الذي هو في عصره وحيد و في دهره فريد مولانا أبو الغناء محمد عبد المجيد أبقاه الولي الحميد و هو النجل السعيد الكريم لمولانا الحافظ شاه أبي الحياء محمد عبد الحليم ابن مولانا أبي البقاء محمد عبد الحكيم ابن مولانا أبي العيش محمد عبد الرب ابن ملك العلماء أبي العياش مولانا عبد العلى بحر العلوم اللكهنوي الفرنجي المحلي غفر الله لهم أجمعين و أعلىٰ درجاتهم في أعلى عليين .

بسم الله الرحمن الرحيم ' الله أكبر الله أكبر أنا أذل و إليه أفقر هو خالق العز و الغناء و أنا في غاية الذل و العناء تعالىٰ الله شأنه علوا كبيرا لا يستطيعون ثناء عليه و لو كان لبعضهم بعض ظهيرا يتوالى مراحمه علينا بلا وقت في الليل و اليوم يدبر الأمور كلها و لا تأخذه سنة و لا نوم دهشت اللباب عن عد نعمائه و طاشت الحلوم و برد العقل عن حد آلائه و تبلدت الفهوم 'نحن و همتنا قاصرون حد القصر و مكارمه فائقة من الحد و الحصر فكيف أحمده على شأنه و أطرح الأدب و كيف لا أحمد حال تواتر نعمه فيا عجبا بعد العجب و إن تعدوا نعمة الله لا تحصوها منها أنوار ساطعة و عجالة نافعة أعني هذه الرسالة العجيبة و الرقيمة الغريبة فحاويها لائقة و معانيها فائقة مضامينها من الصدق و السداد مملوء ة و ألفاظها سلسة نفيسة حلوة ' تهديد لمن غشى قلوبهم الكيد و الريب و هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب.

طريق الاستدلال فيها أحسن الأسلوب إثبات دعاويها قوت القلوب تميل إليها النفوس كما ترغب

إلى المآكل و الملابيس بل تجلبها جلب مقناطيس فلله در من صنفها و له حسن من صرف فيها الأوقات و ألفها لما جاء ت للمطالعة و رأيت منها أوراقا معدودة وجدتها مرغوبة الطبع و محمودة فنظرت نظرة بالإجمال و الاستعجال و منعتني من الإمعان العلل اللاحقة و الهزال فجعزت في المطالعة عن الاستيعاب و اكتفيت على عدة أوراق من الكتاب و عليه حمدت الله قاضي الحاجات و ليس حمدي إلا حركة الشفة و اللهدة و اعتذر إلى جنابه من التقصير اعتذار البائس العاجز على باب الأمير و أرجو منه أن يعيد علينا سوابق النعم و يزيد في لواحق الكرم و أصلي و أسلم على رسولنا و شفيعنا محمد الهادي إلى سبيل السلام و على آله رعاة الأنام و أصحابه حماة الإسلام .

و أنا الراجي رحمة ربه الوحيد أبو الغناء محمد عبد المجيد

ابن مولانا المولوي الحافظ شاه أبو الحياء محمد عبد الحليم عليه رحمة الله الرحيم

محمد عبد المجيد أبو الغناء

تقریظ نبیرۂ بحر العلوم حضرت مولوی عبد المجید لکھنوی

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، میں ذلیل اور اس کا محتاج ہوں۔ وہ عزت و تونگری کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور میں رنج وخواری میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اس کی شان نہایت عظیم ہے کوئی اس کی حمد و ثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا خواہ لوگ آپس میں مل مل کر مدد اور ہمت لگادیں، رات دن اس کی رحمتیں پے در پے ہوتی ہیں۔ وہ بہترین تدبیر فرماتا ہے، اسے نیند اور اونگھ نہیں آتی، اس کی نعمتوں کا شمار کرنے سے عقلیں تھک گئیں، ہماری ہمتیں انتہا درجے کی کوتاہ واقع ہوئی ہیں، اس کی بخشش بے حد و بے شمار ہے۔ پھر بھلا اس کے شایانِ شان میں کیسے اس کی حمد و ستائش کروں، یہ ترک ادب ہے، اور اس کی بے کراں نعمتوں پر بھلا کیوں نہ شکر ادا کروں، یہ تو تعجب بالائے تعجب ہے۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے۔ اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ گراں مایہ رسالہ مبارکہ ''انوارِ ساطعہ'' بھی ہے۔ اس کے مشمولات و معانی لائق و فائق، اس کے مضامین سچائیوں کے آئینہ دار، الفاظ سلیس، شیریں اور نفیس ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جن کے دل شک آلود اور فریب خوردہ ہیں۔ اور غیب پر ایمان رکھنے والے پرہیز گاروں کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے، طریقہ استدلال خاصا اچھوتا اور اپنے دعووں کو ثابت کرنے کا انداز دل چھوتا ہے۔ دیدہ و دل اس کی طرف ایسے ہی جھکے پڑتے ہیں جیسے لذیذ کھانوں اور عمدہ پوشاک پر ٹوٹتے ہیں بلکہ اس کی کشش مقناطیس کی سی ہے، سبحان اللہ ایسے مصنف کی کیا بات ہے جس نے ایسی کتاب لکھنے میں اپنا وقت لگایا جب یہ کتاب میرے سامنے آئی تو اس کے چند اوراق میں نے الٹ پلٹ کر دیکھے تو میں نے اسے مرغوب خاطر اور قابل تعریف پایا، پھر عجلت کے باعث میں نے اس پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی، تفصیل سے حرفاً حرفاً سب کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ

یہ ہے کہ مجھ کو بیماری اور ضعف وناتوانی لاحق تھی پس چند اوراق کی نظر تفصیل پر اکتفا کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اپنی تقصیر کا عذر اس کی جناب میں پیش کرتا ہوں اور اس کے انعامات کی امید رکھتا ہوں۔ درود وسلام بھیجتا ہوں اپنے رسول وشفیع حضرت محمد اور ان کی آل اصحاب پر جو خلقت کے نگہبان اور اسلام کے حامی ہیں۔ اور میں امیدوار رحمت خداوندی مولوی حافظ شاہ ابوالحیا محمد عبدالحلیم کا بیٹا ابوالغنا محمد عبدالمجید ہوں۔ اللہ ان پر اپنی خاص رحمت فرمائے۔

رام پور ضلع سہارن پور

جناب مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی فرنگی محلّی کا اس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ ان کے شاگرد مولوی سعیدالدین صاحب لکھتے ہیں۔

صورة ما رقمه التقي الزكي الفطين العالم العامل المنين الرزين المولوي سعيد الدين أحمد من نجباء بلدة رامفور ضلع سهارنفور و هو من أرشد تلامذة مولانا عبد الحي اللكنوي المغفور .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه الذي أنعم على الناس بما بعث محمدا خير العباد و جعل مقدمه قرة للعيون و مسرة للفؤاد و الصلوٰة و السلام عليه و آله و أصحابه صلاة و سلاما لا يحصيها أمد و لا عداد صلوٰة تنفعنا يوم لا تجزي الآباء عن الأولاد و لا يحمل الأبناء بأعباء آبائهم و الأجداد ، أما بعد فيقول أحقر العباد محمد المدعو بسعيد الدين –غفر له ربه يوم التناد ان من أطيب ما يستلذه الفؤاد و يلتاع إليه الأكباد ذكر سيد العباد و ما له من محاسن أخلاقه و معجزاته و إرهاصاته عند الميلاد ففاز من جرى عليه و والاه و خاب من جحده و عاداه فمن الذين أحبوه و أكرموه و استحسنوه و أبرموه المولى الفاضل البارع الكامل ذو الكعب العالي و البارع الرحيب المصقع الأديب الأريب صاحب الشرف الرفيع المولوي محمد عبد السميع قد أتى برسالة نافعة موسومة بالأنوار الساطعة فأكب العلماء على مدحها و تحسينها و أثبتوا على ما فيها من الثناء من كل سينها و شينها منهم أستاذنا المشهور المولوي محمد عبد الحي اللكنوي المغفور فإني قد عرضت تلك الرسالة عليه فاستحسنها و استجاد و أعلها محل الإرشاد و قال إن هذا الكتاب جامع جميع الأقوال في هذا الباب و سلك فيه مؤلفه مسلك الصدق و السداد و اجتنب عن سوء القول و العناد ، صلى الله على النبي و آله الأمجاد .

جناب مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلّی مغفور

کا اس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ مولوی سعیدالدین سہارن پوری کی تقریظ سے ظاہر ہے۔

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے حضرت محمد خیر العباد ﷺ کو بھیج کر ہم پر انعام کیا اوران کی تشریف آوری کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنایا۔ درود وسلام ہواُن پر اوران کی آل واصحاب پر اس قدر کہ نہ اس کی کچھ انتہا ہو اور نہ شمار۔ یہ درود ہمارے لیے اس دن نفع رساں ہو جس دن باپ نہ اولاد کے کام آئیں گی اور نہ اولاد اپنے باپ دادوں کا بوجھ اٹھائے گی۔ حمد وصلاۃ کے بعد عرض پرداز ہے احقر العباد محمد سعید الدین (اللہ اس کو روز قیامت میں بخشے کہ وہ بہت اچھی چیز ہے جس سے دل کو مزہ آئے) اور جگر جلتے ہوں جس کے ذوق وشوق میں وہ حضرت سید العباد ﷺ کا ذکر جمیل اور میلاد پاک کے وقت آپ کے حسن اخلاق اور معجزات وکرامات کا بیان ہے۔ پس مراد کو پہنچا جو اس پر چلا اور اس کو پے در پے کرتا رہا اور محروم رہا جس نے انکار کیا اور اس کا دشمن بن گیا۔ پس جن لوگوں نے اس عمل کو دوست رکھا، اس کا احترام واہتمام کیا اور اس کا خوب دلچسپی سے استحکام کیا ان میں سے ایک سردار فاضل بڑے درجہ والے کامل یعنی مولوی محمد عبد السمیع بھی ہیں جنھوں نے ایک رسالہ بنام انوار ساطعہ لکھا جس کی مدح وتحسین کرنے میں سبھی مشغول ہو گئے، اور اس کے حرف حرف کی تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے۔ ایسی ہی علماء میں میرے استاد عالی درجہ مشہور مولوی عبد الحیٔ صاحب لکھنوی مغفور بھی ہیں۔ جب میں نے یہ رسالہ ان کے سامنے پیش کیا تو آپ نے پسند فرمایا، اسے جیّد کہا اور اس کو محلِ ہدایت وارشاد ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔

إن هذا الكتاب جامع جميع الأقوال في هذه الباب و سلك فيه مؤلفه مسلك الصدق و السداد و اجتنبت عن سوء القول و العناد صلى الله على النبى و آله الأمجاد .

یعنی یہ کتاب اس سلسلے کے جملے دلائل واقوال کی جامع ہے اور اس کے مؤلف نے خوب راہ راست جادہ پیمائی کی ہے اور بدکلامی وعناد وغیرہ سے ہر طرح اپنا دامن پاک رکھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آل مقدس پر بارانِ رحمت برسائے۔

بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ

صورة ما طرزه رافع اعلام الدين أمام العابدين مؤيد أهل السنة و الجماعة مبدّد أهل البدعة و الشناعة مولانا القاضي **محمد عبد الغفور** أدام الله فيوضه مر الدهور .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي أيد أهل الحق و أنصاره و بزم أهل البطلان و أشراره و الصلوٰة و السلام على حبيبه الذي قلع اطلال الفساد و بنيانه و على آله و أصحابه الذين شيدوا قصر الرشاد و أركانه ، أما بعد فإني طالعت الكتاب المسمّى بالأنوار الساطعة في بيان الميلاد و الفاتحة الذي صنفه العالم الجليل و الفاضل النبيل عديم العديل فقيد المثيل مولانا القارئ الحافظ المولوي محمد عبد السميع (صانه الله تعالىٰ عن شر كل

غبي نزيع و غوي وجيع) فوجدته ظهيرا لأهل السنة و الجماعة و نصيرا لأصحابه الدراية و الهداية هادما لدار الضلالة و هاتما لأسنان أهل الغواية فجزاه الله سبحانه حسن الجزاء و وقاه جميع البلاء حيث أفهم الباغين أتم الإفهام و أفحم الطاغين أكمل الإفحام بلين الكلام و حسن النظام فمن اتصف و أقبل جل و من اعتسف فأدبر ذل فقط .

حرره الفقير

المشهور بمحمد عبد الغفور

المتوطن بقصبة بلنده ضلع فتح پور

تقریظ مولانا قاضی محمد عبد الغفور صاحب فتح پوری

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے جس نے حق کی مدد کرنے والوں کو قوت بخشی اور باطلوں اور شریروں کو شکست دی۔ اور درود وسلام ہو اس کے حبیب ﷺ پر جس نے فساد کے نشان و بنیاد کو اکھاڑ پھینکا۔ اور ان کے آل واصحاب پر کہ جنھوں نے قصر ہدایت اور اس کے ارکان کو بلند و مضبوط کر دیا۔ اس کے بعد عرض ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو بڑے عالم مولوی محمد عبد السمیع نے تصنیف کیا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں کج فہم و کج رد اور موذی کی ایذا سے بچائے) میں نے اس کتاب کو اہل سنت و جماعت کی پشت پناہی کرنے والی، اصحاب عقل وہدایت کی مدد کرنے والی، گمراہی کا گھر گرا دینے والی اور سرکشوں کے دانت توڑ دینے والی پایا۔ اللہ اس کے مصنف کو جزائے خیر دے، اور سب بلاؤں سے بچائے۔ اس لیے کہ انھوں نے باغیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا، اور سرکشوں کو اپنے نرم کلام اور دلائل کے حسن ترکیب سے پورے طور پر لاجواب کر دیا۔ اب جس نے انصاف کیا اور اچھی طرح پیش آیا اس نے بزرگی پائی، اور جس نے کجروی اختیار کی اور پشت پھیری وہ ذلیل ہوا۔

لکھا اس کو فقیر محمد عبد الغفور متوطن قصبہ بلندہ ضلع فتح پور نے۔

کان پور

صورة ما قرظه و نظمه مجمع الفواضل العالم العامل العارف الكامل الذاكر الشاغل المرتاض الفاضل مولانا شاه **محمد عادل** عم الله فيضه الشامل إلى يوم الرجف و الزلازل كان أخذ العلوم حين التعلم من عالم الحقائق و الأكناه مولانا شاه سلامت الله و هو من شمس العلماء مولانا شاه عبد العزيز الدهلوي رحمهما الله العزيز القوي.

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدا لمن وفق مجيء حبيبه الكريم الذي ولد في خير البلاد و هو شفيع الخلائق في الميعاد لعقد مجالس الميلاد و جعل لجحيم مأوى مبغضه اللئيم الذي هو معدن الشر و الفساد واعد لأعدائه سوء الأكباد شر مآب جهنم يصلونها فبئس المهاد انه تعالىٰ عزيز ملك بر رؤوف جواد الذي إنعامه على العباد غير معلول بعلل طاعات العباد و صلوٰة و سلاما على من هو باعث الإيجاد و مبعوث لهداية الثقلين إلى سبيل السداد و إرائهما طريق الرشاد سيدنا محمد أفصح من نطق بالضاد الذي هو للأنام هاد و أمره ثابت باتباعنا أعظم السواد و علىٰ آله الأحجاد و أصحابه أفضلى الزهاد إلى يوم التناد أولئک الذين رحماء بينهم و على الكفار شداد و هم بذلوا جهدهم في إشاعة دين الحق و صرفوا أموالهم و أنفسهم في الجهاد مع الكفرة الفجرة ذي النفاق و العناد و بعد فيقول العبد الخاطي الخامل محمد عادل (عامله الله سبحانه بفضله الشامل و جعله من الآمنين يوم الرجف و الزلازل و أصلح حاله بلطفه الكامل في العاجل و الآجل) إني قد رأيت مواضع شتى من هذا الكتاب المترجم بالأنوار الساطعة فوجدته أوفق لمعتقدات أهل الحق ما ذكر فيه فهو بالمتابعة أحرى و أليق لأن الحق بالاتباع أحقُ قرزت مطالبه بتقرير ألطف و أدق بينت مسائله ببيان شاف إلى الذهن أسبق كيف لا و قد رصفه من هو جامع بين المنقول و المعقول حاو للفروع و الأصول أسوة أصحاب النبي صاحب الدرجات العلي الذي قد خص بالعلم الوسيع و هو ذو الشان المنيع و المكان الرفيع أعني مولانا عبد السميع (سمع الله لمسئوله و استجاب بنعمته لمدعوه و متع أرباب الإسلام بطول بقائه و يسر متمننا بتيسير لقائه جزاه الله الوهاب عني و عن جميع المستفيدين من هذا الكتاب جزاءً أوفى) فجعل الجنة له المثوىٰ و خير مآب ثوابا من عند الله و الله عنده حسن الثواب هذا و الحمد لله أولا و آخرا و الصلوٰة على النبي و آله باطنا و ظاهرا .

تقریظ حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری

ترجمہ: تعریف ہے اس کو جس نے مجلس میلاد کرنے کی توفیق بخشی اپنے حبیب کریم کے دوستوں کو۔ایسا حبیب کریم جو تمام شہروں سے اچھے شہر میں پیدا ہوا' اور وہ بروز محشر ساری مخلوق کا شفاعت کرنے والا ہوگا۔ اور اس کے بغض رکھنے والے بد بخت شریر فسادی کا ٹھکانہ دوزخ بنایا اور اس کے دشمن سیاہ کلیجے والوں کے لیے بری جگہ جہنم بنائی۔ جس میں انھیں جانا ہے تو وہ کیا ہی برا بچھونا ہے۔ بے شک وہ خدا برتر عزت والا بادشاہ احسان کرنے والا مہربان بخشش والا ہے 'اس کا انعام بندوں کی عبادت پر موقوف نہیں' اور درود وسلام ہو اس پر جو باعث ایجاد ہر عالم ہے اور جسے لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے وہ ہمارے سردار محمد ﷺ ہیں جس نے خوب فصاحت سے ''ضاد'' ادا کیا اور سب خلق کا رہنما ہوا اور ہم کو یہ حکم دیا کہ اختلاف امت کے وقت اس کا اتباع کرو جس پر زیادہ علماء ہوں۔ اور تا قیام قیامت ان کی

آل واصحاب پر بھی درود وسلام ہو جو بڑے زاہد' آپس میں نہایت رحم دل اور کافروں پر بہت کڑے تھے۔ جنھوں نے دین پھیلانے میں بھر پور کوشش کی اور کفارِ نابکار کے ساتھ لڑنے میں جان و مال صرف کیا۔

اس کے بعد کہتا ہے بندہ محمد عادل (اللہ اس پر فضل کرے اور قیامت کو امان دے اور حال اس کا اچھا کرے اب اور آئندہ) میں نے اس کتاب انوار ساطعہ کے چند مقام دیکھے اعتقادات اہل حق کے بہت موافق پایا۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اتباع چاہیے' اس کے مطالب و مسائل بہت عمدہ تقریر اور بیان شافی سے بیان کیے گئے ہیں۔ اور ذہن کی طرف چلتے ہیں اور کیوں نہ ہو اس کا جامع وہ ہے جو جامع معقول و حاوی فروع و اُصول ہے یعنی مولانا محمد عبدالسمیع (اللہ اس کے ماں باپ کی مراد سنے اور اپنی نعمت سے اس کی دعا قبول کی' اس کو مدتوں زندہ رکھ کر اربابِ اسلام کو فائدہ پہنچائے' اور اس کی ملاقات ہم کو میسر کرے' اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور جو لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں' ان سب کی طرف سے اس کے مصنف کو پوری جزائے کامل دے) اور شکر ہے اس جناب میں اول و آخر اور درود نبی اور آل نبی پر باطن و ظاہر۔

اکبر آباد

صورة ما كتبه ذو المجد الظاهر و الفضل الباهر غائص بحار التحقيق فارس مضمار التدقيق المشتهر المدعو بالألسنة و الأفواه بمولانا **محمد عبد الله** أول مدرسين في مدرسة أكبر آباد صانه رب العباد عن شرور أهل الغنى و العناد .

بسم الله الرحمن الرحيم ' الحمد لله العلي الأعلى الذي خلق الأرض و السماوات العلىٰ و الصلوٰة و السلام الأتمان الأكملان على من دنى فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنىٰ و على آله الأبرار و أصحابه الأخيار إلى ما دار الدوار و سار السيار ' أما بعد فلقد رأيت كتاب الأنوار الساطعة مشتملة على تحقيقات غامضة و تدقيقات فائضة شموس براهينه على أفق التحقيق طالعة و أقمار حججه على فلك التدقيق لامعة و أنوار دلائله و أثاره على الأكناف و الأطراف ساطعة و مؤلفه البحر الطمطام و الحبر القمقام أجاد بما أراد و سلك مسلك السداد و أزحق الباطل و الزيغ و الإلحاد و هدى الناس إلى سبيل الرشاد إذ هو هاد لأنه لكل قوم هاد و الله أعلم بالصواب و إليه المرجع و المآب إذ عنده أم الكتاب .

نمقه و قرظه العبد الأواه

محمد عبد الله (عفا الله عنه ما جناه من الجناح في المساء ة و الصباح)

المدرس الأول للمدرسة الإسلامية الواقعة ببلدة أكبر آباد (صانها الله عن الشر و الفساد) فقط .

تقریظ حضرت مولانا محمد عبداللہ اکبر آبادی

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جو بلند و برتر ہے۔ اس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے اور کامل و اکمل درود و سلام ان پر جن کی شان یہ ہے " دنى فتدلى فكان قاب قوسين و أدنى " اور اُن کے آل و اَصحاب پاک پر جب تک پھرے پھرنے والا اور چلے چلنے والا۔ بعدہٗ عرض یہ کہ میں نے تحقیق و تدقیق پر مشتمل کتاب اَنوار ساطعہ دیکھی، جس کے دلائل کے آفتاب افقِ تحقیق سے طلوع ہوتے محسوس ہوتے ہیں، اور اس کی حجتوں کے چاند فلک تدقیق پر چمکتے نظر آ رہے ہیں۔ دلائل کے انوار ہر طرف بلند ہیں۔ اس کا مولف بڑا دانش مند اور بڑا بردبار ہے۔ اچھی طرح ادا کیا جو ارادہ کیا اور خوب درست راہ پر چلا، الحاد و باطل کے پرخچے اُڑا دیے، اور لوگوں کو نیک راستہ بتا دیا، اس لیے کہ وہ راہ بتانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک رہ نما ہوتا ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے۔ اور اسی کی طرف پھر جانا ہے اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

لکھا اس کو بندہ نرم دل محمد عبداللہ نے (اللہ تعالیٰ صبح و شام ہوئی اس کی تقصیر کو بخشے)
مدرس اول، مدرسہ اسلامیہ اکبر آباد (خدائے پاک اس مدرسہ کو نظر بد سے بچائے)۔

دہلی

صورة ما رقمه الثقيف الجلال و الجُلال و الحصيف الجال مروج عقائد الإسلام مفسر كلام الملك العلام مقدام فنون المناظرة و الكلام و المعاني المولوي **أبو محمد عبد الحق** مولف عقائد الإسلام و التفسير الحقاني (لا زال فائزا بالمآرب و الأماني).

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده و نصلي

میں نے رسالہ انوار ساطعہ کو دیکھا ہے اور اس کے چند ابحاث کو پڑھا ہے حقیقت میں مصنف ممدوح نے کمال متانت اور بڑی لیاقت سے بحث کی ہے اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مسئلہ میں یہ رسالہ بے نظیر ہے اور اس کی تحریر میں حق بجانب مصنف ہے، محفل میلاد خصوصاً اس پر آشوب زمانہ میں نہایت نیک کام اور باعث ترویج اسلام بین العوام ہے، اب جو لوگ اس محفل متبرک میں بعض بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ان کا قصور ہے اس الزام سے یہ کام برا نہیں ہوسکتا، بنائے مساجد و مدارس جو بالاتفاق امر مستحسن ہے اگر اس میں کوئی بدعات کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے کوئی اس نفس فعل کو برا کہہ سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میرے نزدیک جس فریق نے بدعت سیئہ کے معنی یہ لیے ہیں (کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد جو بات پیدا ہوئی ہے وہ بدعت سیئہ ہے) اس نے بڑی غلطی کی ہے پھر جس نے اس بنائے فاسد پر تفریعات کی ہیں اور اس کے پیرووں نے ان کو كالوحي من السماء سمجھ لیا ہے وہ اور بھی غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ و الله الهادي و بيده أزمة المقاصد و المبادي۔

ابو محمد عبد الحق

دہلی

صورة ما وشاه و نمقه الفاضل الخبير و الناقد البصير قدوة أرباب التدريس و التذكير أسوة أصحاب التحرير و التقرير الكريم ابن الكريم الحافظ لحدود الله و المتبع لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم مولانا **محمد يعقوب** ابن خازن العلوم مولانا محمد كريم الله الدهلوي التلميذ الرشيد لمولانا شاه عبد العزيز الدهلوي (خصهم الله بالفيض البهي و الأجر للسني) هو العزيز الكريم.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد على ما أنعم علينا ببعثة سيد الأنبياء محمد المصطفىٰ و الصلوٰة و السلام على رسوله المجتبىٰ و آله المرتضىٰ و أصحابه المهتدى و علىٰ الأئمة الكرام المتقدى و بعد فيقول العبد الراجي رحمة الله علام الغيوب محمد يعقوب (حفظ الله عن الكروب) فقد اطلعت على الرسالة الرشيقة و العجالة الكريمة المسماة بالأنوار الساطعة في بيان المولود و الفاتحة التي ألفها العلامة ذو المحامد و المناقب و الرأي الثاقب صاحب المقام المنيع مولانا محمد عبد السميع (صانه الله عن كل خصم شنيع) فوجدتها صحيحة و موافقة لمذهب أهل السنة و الجماعة و مملوة بالروايات المقبولة المرضية فمن وافقها فهو منا و من خالفها و ردها فليس أمره برشيد و ما قوله بسديد و كيف فانها مشحونة بالدلائل الساطعة و البراهين القاطعة و المطالب النفيسة و المآرب المنيفة المروية عن الفضلاء و الكبراء نسئل الله تعالىٰ أن يرزقنا اتباعهم و آخر كلامنا و ختم مرامنا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد خاتم النبيين و آله الطاهرين و أصحابه الظاهرين.

تقریظ حضرت مولانا محمد یعقوب دہلوی

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے کہ اس نے سید الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ہم پر انعام فرمایا۔ اور درود وسلام ہو اس کے رسولِ مجتبیٰ اور آلِ مرتضیٰ اور اصحاب مہتدی اور اماموں کے پیشوا پر۔ اس کے بعد یوں کہتا ہے بندۂ رحمت خدا کا امیدوار محمد یعقوب (خدا اس کو سختیوں سے بچائیو) میں نے عمدہ رسالہ انوارِ ساطعہ دیکھا جو علامہ فہامہ مولوی محمد عبد السمیع کا تصنیف کردہ ہے (اللہ ان کو ہر دشمن بد سے بچائے) میں نے اس رسالہ کو صحیح، موافق اہل سنت وجماعت اور مقبول روایتوں سے مملو پایا۔ پھر جو شخص اس کی موافقت کرے وہ ہم میں سے ہے اور جو اس کے مخالف ہو اور اس کی تردید کرے تو اس کا حال کچھ ٹھیک نہیں اور اس کا قول درست نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ رسالہ ایسے شواہد و براہین، دلائل قاطعہ، مطالب نفیس اور مقاصد بلند سے بھرا ہوا ہے جو فضلائے روزگار اور علمائے باوقار سے روایت کیے گئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان بزرگوں کا اتباع نصیب کرے اور انتہائے کلام پر ہم پڑھتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد خاتم النبیین وآلہ الطاہرین۔

رڑکی

صورة ما زبره الحبر السامي و البحر الطامي الفاضل الوقاد و الكامل النقاد الثقيف الشريف الحصيف اللطيف مولانا محمد عبد الحق سهارنفوري المقيم في رُڑكي للتدريس و نشر العلوم (سلمه الله القادر القيوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ۔ اما بعد احقر الخلائق عبد الحق (عفی عنہ) ملتمس خدمت اہل اسلام (ابقاہم اللہ إلی یوم القیام) ہے کہ کتاب لاجواب سراپا تحقیق وصواب مسمی بہ انوار ساطعہ مولفہ فاضل اجل عالم باعمل مولوی محمد عبد السمیع صاحب رام پوری (دام فیضہ) نظر احقر سے گزری۔ الحق مولف موصوف نے (جزاہ اللہ خیراحسبۃ للہ) بطور سعی فی الدین یہ کتاب ایسی تحریر فرمائی ہے کہ جس کے مطالعہ سے ایمان والوں کی آنکھوں میں نور اور دلوں میں ترقی ایمان کا سرور ہے ہاں جو معاندین حق اور پیروان باطل سے ہے وہ بلاشک اس سے متوحش اور نفور ہے سو ایسے شپرہ چشموں کی خواہش سے آفتاب کا سیاہ ہونا ممکن نہیں اگرچہ سطوعِ انوار ساطعہ سے ان کی آنکھوں میں خیرگی ہو اور خاصہ طبعی سے دلوں میں تیرگی آئے ۔

نورِ گیتی فروز چشمہ ہور
زشت باشد بچشم موشک کور

پس اگر چند فضول گو ہفوات وخرافات بکیں اور فضول باتوں سے اوراق سیاہ کرنے کو تحریر جواب نام رکھیں تو ان کی ناکامی اور عالم میں بدنامی خود ظاہر باہر ہے اہل نظر اور ارباب بصیرت کو ایسے بے بصروں کی شکایت نہیں کہ وہ نور کو ظلمت اور سنت کو بدعت اپنی کجی باطن اور جہالت سے قرار دیتے ہیں اور نورِ اسلام کو باطل اور حق کو عاطل کرنا چاہتے ہیں۔

والله متم نوره و لو كره الكافرون و صلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمدو آله و اصحابه اجمعين

میرٹھ

صورة ما قرظه الشيخ الحسيب الشاعر اللبيب الأديب المتمسك بعقائد أهل الفوز و الفلاح المتشبث بأعمال أهل الخير و الصلاح المشهور بالمولوي أبو محمد صادق على مداح (سلمه خالق الأشباح و الأرواح).

اے بہار آرائے چمنستان کون ومکان تیرا ہزار ہزار شکر اور لاکھ لاکھ احسان' انوار ساطعہ کی تجلی ریزی کی گل ہائے تر وتازہ سے مشام آرزوئے مشتاقان دوبارہ معطر ہوا اور اس تجلی زار کے جلوات خورشید اثر سے ایوان مراد عاشقان کا در و دیوار منور ہوا۔ اللہ اللہ کیا کتاب ہے جس کی ہر ادا لاجواب ہے' ہر لفظ کی پہن جلوہ ریز نور' ہر معنی کی تجلی تماشائی طور' ہر سطر اس کی سفہائے بے ادب کے لیے تازیانہ ہدایت ہے' ہر صفحہ اس کا صلحائے صافی مشرب کے واسطے آئینہ رونمائے سعادت ہے۔ یہ کتاب تعلیم غیبی کا وہ نادر سبق ہے جس کے فیوضات کا جوش آئینہ اسرارنہ طبق ہے' یہ اس شہسوار میدان دین وایمان کا عالی نشان ہے جس کی یکہ تازی سمند تحقیق سے

کشور وہابیت پامال و ویران ہے' وہ خضر وادی تحقیق ہادی منازل تدقیق بالانشین صدر رفیع جناب مولانا مولوی عبدالسمیع ہیں۔ سبحان اللہ' دلائل وہ مدلل کہ جائے گفتار نہیں براہین وہ مبرہن کہ مقام انکار نہیں' عاشقان رسول مقبول نے اسے آنکھوں سے لگایا' عالمان معقول و منقول نے مستند ٹھہرایا' سنیوں کا یہ مذہب صوفیوں کا یہ مشرب علمائے ہند سے تا مفتیان حرمین الشریفین سب اس کے قائل' ہر خانوادہ کا صوفی اس پر جان و دل سے مائل علی الخصوص وہ بلبل بستان حجاز یعنی مکہ معظمہ کا مفتی حنفی بلاغت طراز دیکھو کہ کس خوش آہنگی سے زمزمہ پرداز ہے۔

أنـزه ربـي عـن مقـالة كـاذب ◉ كـفـو ربـمـا سـمـى بـراهين قاطعة

و ما حكمه في ذا سوى ضربة امراء ◉ بسيف لـه في الحق أنوار ساطعة

يبـاعـد منها رأسـه عن مكانـه ◉ و تبقى لأهل الزيغ و الجهل قامعه

یہ اشعار ملیح بطرز تلمیح حضرت مفتی حرم محترم ان فتاوی کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں جو مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے درباب ردّ مسائل کتاب براہین قاطعہ مواہیر علمائے حرمین شریفین سے ۱۳۰۷ھ میں مستند کرائے ہیں اور یہ بات ان اشعار آب دار سے آشکارا ہے کہ مولف براہین قاطعہ بالکل کاذب و کفور اور اس کا گروہ اہل جہالت و اہل زیغ ہے اور کتاب انوار ساطعہ راہِ حق میں مخالفین حق کا سر کاٹنے کے لیے تیغ بے دریغ ہے۔ الٰہی اس کتاب مستطاب کی شہرت و مقبولیت جلوہ آرائے اوج کمال ہو اور اس کے ناظرین و سامعین کا دل لذت یاب کیف جلال و جمال ہو۔ آمین یارب العالمین۔

مولف کہتا ہے کہ تقاریظ نقل کرتے کرتے کافی طول ہوگیا ہے اور ابھی علمائے عصر کی بہت تحریریں آئی ہوئی باقی ہیں۔ جناب مولوی عبدالخالق صاحب اور عبدالمجید صاحب جو دونوں حضرت بحر العلوم قدس سرہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ مولوی عبدالوہاب صاحب خلف الصدق حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد ابراہیم صاحب' مولوی محمد عبدالباقی صاحب اور مولوی محمد عبدالعزیز صاحب یہ سب حضرات عالی درجات بلدہ لکھنو محلّہ فرنگی محل کے علمائے باوقار ہیں (رفع اللـه درجـاتهم ونـفـع الـمسلمين بحسناتهم) اور میرے مشفق کرم فرما مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی دام فیضہ اور مولانا شاہ محمد سکندر علی صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبدالسلام ان کے علاوہ مرادآباد' دہلی اور بمبئی وغیرہ کے علمائے کرام (جزاہم اللہ عنا خیر الجزا) نے اپنی تقریظوں سے اس ذرۂ بے مقدار کو مشرف فرمایا لیکن بعض اہل دانش اور دور اندیشوں نے یہ سمجھایا کہ ان سب کے مطبوع ہونے میں بہت طول ہوگا اور لمبی تحریروں کے دیکھنے سے ہر ناظر ملول و برداشتہ خاطر ہوگا لہٰذا میں ان حضرات کی خدمت والا درجت میں تقریظ شائع نہ ہوسکنے کا عذر اور ان کی توجہ اور بذل عنایت تقریظ نگاری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن ایک تقریظ جس کو خاتم التقاریظ کہنا بجا ہوگا اگرچہ وہ میرے پاس سب سے اخیر میں پہنچی ہے لیکن اس کو تقدم ذاتی کا شرف حاصل ہے وہ ضرور شائع ہونی چاہیے اور اس کی طباعت کو ہر ایک کا دل چاہے گا اور کیوں نہ ہو کہ تمام عرب و عجم' ہندوستان و قسطنطنیہ اور مصر و شام وغیرہ میں انھیں فضیلت شہرت حاصل ہے اور آپ کی عظمت و کرامت کا شہرہ دور دور ہے۔ حضرت سلطان روم نے بکمال اشتیاق و آرزو آپ کو مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا سے دوبار بلایا ہے اور آپ کا بھرپور اجلال و اعزاز کیا ہے۔ چنانچہ ممالک ہندوستان وغیرہ اخبار نگاروں نے

جا بجا اس خبر کو شائع کیا اور پھیلایا ہے۔ نیز حضرت سلطان نے جناب شیخ الاسلام مفتی الانام مولانا احمد اسعد آفندی کی تجویز سے پایہ حرمین شریفین آپ کا خطاب مقرر فرمایا ہے اور فرمان شاہی میں آپ کو ان الفاظ (اقضی قضاۃ المسلمین اولی ولاۃ الموحدین) وغیرہ القاب عالیہ سے یاد کیا جاتا ہے آپ میرے اساتذہ میں سب سے پہلے استاذ ہیں کہ درس علم عربی شروع آپ سے کیا اور تصحیح عقائد اہل سنت کا حصہ بھی آپ سے لیا' طرفہ تر یہ کہ اس دیس کے رہنے والوں میں جو صاحب میرے مقابل اور مجادل ہو کر میلاد مقدس حضرت محبوب رب العالمین کی توہین کرتے ہیں وہ بھی حضرت مولانا کو مانتے ہیں۔ ازاں جملہ کتاب براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ اٹھارہ کی چوتھی سطر میں حضرت کا نام اس ادب سے لیا ہے۔

ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ۔

پھر صفحہ ۲۷۶ کی دوسری سطر میں لکھا

اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق اور باقرار علمائے مکہ اعلم ہیں۔

بھلا یہ صاحب بھی جب حضرت کو اپنا شیخ الہند تسلیم کر چکے' اور عرب کے جملہ علماء پر فضیلت رقم کر چکے تو اب حضرت کی تصدیق کمال درجہ کو پہنچ گئی اور آپ کی فضیلت کیا ہندوستان اور کیا عرب سب جگہ کے علماء پر خود ہمارے معاصرین کے اقرار سے ثابت ہو چکی' لہٰذا ان کی تقریظ کا آخر تقاریظ میں چھاپ دینا مجادلین کے اوپر آخر وانتہا درجہ کی حجت سمجھتا ہوں علاوہ بریں حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مکہ زادہا اللہ شرفاً وتکریماً سے اس کو روانہ فرما کر مجھ کو مشرف فرمایا اور مخدومی مولوی منور علی صاحب مہاجر مقیم مکہ معظمہ کا یہ نوشتہ آیا کہ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ کتاب درمنظم اور کتاب انوارِ ساطعہ کا اصل مدعا اثبات مولد وقیام میں ایک ہے اس لیے میری طرف سے دونوں کتاب کی ایک ہی تقریظ ہے۔ تقریظ یہ ہے۔

تقریظ مجدد زماں پایہ حرمین شریفین شیخ العلماء حضرت مولانا

رحمت اللہ مہاجر مکی مد اللہ ظلہ العالی مدی الایام واللیالی

اس رسالے کو میں نے اول سے آخر تک اچھی طرح سنا' اسلوب عجیب اور طرز غریب بہت پسند آیا' اگر اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر حمل کریں گے اس لیے اسے چھوڑ کر دعا پر اکتفا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس کے مصنف کو اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا فرمائے' اس رسالہ کے ذریعہ منکروں کے تعصب بیجا کو توڑ کر ان کو راہِ راست پر لائے اور مصنف کے علم' فیض اور تندرستی میں برکت بخشے۔

میلاد شریف کے باب میں میرے اساتذۂ کرام کا اور میرا عقیدہ قدیم سے یہی تھا اور یہی ہے بلکہ بحلف سچ مچ ظاہر کرتا ہوں کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ع :

بریں زیستم ہم بریں بگذرم

اور عقیدہ یہ ہے کہ انعقاد مجلس میلاد بشرطے کہ منکرات سے خالی ہو جیسے تغنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بیہودہ نہ ہو بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا جائے اور اس کے بعد اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس زمانہ میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور اور بازاروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے آریہ لوگ (خدا ان کو ہدایت کرے) پادریوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ شور مچا رہے ہیں ایسی محفل کا انعقاد ان شروط کے ساتھ جو میں نے اوپر ذکر کیں اس وقت میں فرض کفایہ ہے۔ میں مسلمان بھائیوں کو بطورِ نصیحت کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف سے جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز التفات نہ کریں اور تعین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقت ذکر میلاد کے 6 سو برس سے جمہور علمائے صالحین نے متکلمین اور صافیہ اور علمائے محدثین نے جائز رکھا ہے اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کو ظاہر کیا ہے اور تعجب ہے ان منکروں پر جو ایسے بڑھے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں پرو دیا اور ان کو ضال مضل بتلایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں ان لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے مثلاً حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے نواسے حضرت مولانا محمد اسحٰق دہلوی قدس اللہ اسرارہم سب کے سب انھیں ضال مضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں۔ اُف ایسی تیزی پر کہ جس کے سبب جمہور متکلمین، حرمین، مصر و شام اور یمن کے صوفیہ و محدثین اور دیار عجیبہ میں لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ گنے چنے چند حضرات ہدایت پر۔ یا اللہ، ہمیں اور ان کو ہدایت فرما یا اور سیدھے راستہ پر چلا۔ آمین ثم آمین۔

اور وہ جو بعضے میری طرف نسبت کرتے ہیں کہ عرب کے خوف سے تقیہ کے طور پر سکوت کرتا ہوں اور ظاہر نہیں کرتا، بالکل جھوٹ ہے اور ان کا قول مغالطہ دہی ہے۔ میں بحلف کہتا ہوں کہ میں نے کبھی حضرت سلطان کے سامنے جو میرے نزدیک خلاف واقع ہو ان کی رعایت یا ان کے وزراؤ امرا کی رعایت سے کبھی نہیں کہا بلکہ دونوں دفعہ جو میں بلایا گیا ہوں تو صاف صاف کہتا رہا ہوں اور کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت سلطان المعظم یا ان کے وزراؤ امرا ناراض ہوں گے۔ اور میرا جھگڑا جو عثمان نوری پادشاہ سے ہوا (جو بڑے مہیب اور زبردست بادشاہ تھے اور اپنے حکم کی مخالفت کو بدترین امور سمجھتے تھے) اور مجلس عام میں ان سے جو میری گفتگو ہوئی وہ جملہ اہل حجاز بالخصوص حرمین کے بڑے چھوٹے سبھی بخوبی جانتے ہیں۔ بلکہ اگر میں تقیہ کرتا تو ان حضرات منکرین کے خوف سے تقیہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ جب ان کے ہاتھ سے امام سبکی، جلال الدین سیوطی، ابن حجر اور ہزار ہا علمائے تقویٰ شعار خاص کر ان کے استادوں اور پیروں میں شاہ ولی اللہ وغیرہ قدس اللہ اسرارہم نہ چھوٹے تو میں غریب (نہ تو ان کے سلسلہ اساتذہ میں شامل اور نہ ان کے پیروں کی فہرست میں داخل) کس طرح چھوٹوں گا، یہ تو ہر طرح سے تفسیق بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے لیکن میں ان کی ان حرکتوں سے نہیں ڈرتا اور میرے ان اقوال کی تائید اور سند مولف رسالہ نے جو جابجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہ، اتم فقط۔

أمر برقمه و قال بفمه الراجي رحمة ربه المنان

محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن (غفر لہما اللہ المنان)

محمد رحمت اللہ ۱۲۵۳

اختتام کتاب

یہ کلمات طیبات مرشد زماں ہادیِ دوراں حضور مرشدی، مولائی، ثقتی ورجائی، المشتہر بالالسنہ والافواہ الحافظ الحاج المہاجر مولانا شاہ امداد اللہ (متع اللہ المسلمین بامدادہ وارشادہ وتقواہ)

بعد حمد وصلاۃ فقیر حقیر امداد اللہ عرض می نماید کہ درینولا چیزے کیفیت اعتقاد مذہب ومشرب خود کہ جامع شریعت وطریقت میدانم بقلم آوردن مناسب افتاد باید دانست وبغور باید شنید کہ فقیر مدعی مذہب حنفی ومشرب صوفی است اگر چہ در دعویٰ خود کامل نہ باشد مگر خود را حنفی مذہب وصوفی مشرب می گویاند ومی شمارد زیرا کہ فقیر را از راہِ عقل ونقل محقق ومعلوم شد کہ ہر قدر کہ فہم معانی قرآنی و ادراک حقائق ومعارف کلام الٰہی (جل شانہ) وفہم وادراک حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایں دو گروہ یعنی علمائے مجتہدین احناف و مشائخ صوفیہ را حاصل ونصیب است دیگراں ایں درجہ ندارند کہ از یک مسئلہ مسائل کثیرہ استخراج کردہ اند وپشت وپناہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم گشتہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین لہٰذا فقیر بدل مقلد ہر دو فریق موصوف گشتہ مذہب ومشرب ایشاں اختیار کردہ است وفوائد بسیار ظاہری وباطنی حاصل کردہ است ومی کند (وہوالموفق وبہ نستعین) پس معتقد ومختار فقیر آنست کہ دراں مسئلہ کہ ایں ہر دو فریق متفق اند یعنی احناف وصوفیہ فقیر بے تکرار وبحث بدل نمودہ برآں کاربندمی شود دراں مسئلہ کہ فریقین موصوفین را اختلاف واقع شدہ درآں مسئلہ دیدہ خواہد شد کہ اگر آں اختلاف در حقائق ومعارف وتوحید بصوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کردہ خواہد شد زیرا کہ ایں گروہ محقق واہل کشف ہستند وفریق ثانی نظر وفکر عقلی را دخل می دہند واگر اختلاف در مسائل عبادات ومعاملات است دراں نیز غور کردہ خواہد شد پس اگر آں اختلاف در مسائل اعمال جوارح تعلق دارد باہل مذہب حنفی رجوع کردہ آید واگر اختلاف در اعمال قلبی ست رجوع بصوفیہ خواہد شد۔ (دستور العمل حضور مرقومہ ۱۳۰۶ھ)

فقیر حقیر امداد اللہ عرض گزار ہے کہ میں مشرباً اور مذہباً اپنے عقیدہ وعمل کو شریعت وطریقت کا سنگم سمجھتا ہوں، جسے اپنے قلم سے لکھ دینا مناسب ہے۔ ہوش کے کان لگا کر سنیں کہ یہ فقیر حنفی المسلک اور صوفی المذہب ہونے کا مدعی ہے گرچہ اپنے اس دعوے میں کامل نہیں مگر خود کو حنفی اور صوفی کہتا اور شمار کرتا ہوں کیوں کہ اس فقیر پر عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ جس قدر قرآنی علوم کے فہم ومعانی ادراک حقائق اور معرفت کلام الٰہی جل شانہ اور احادیث مصطفویہ کا فہم وادراک ان دو گروہوں یعنی علمائے مجتہدین احناف اور مشائخ صوفیہ کو نصیب ہوا ہے شاید ہی کسی اور کو اتنا حاصل ہوا ہو، کیوں کہ انھوں نے ایک ہی مسئلہ سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا ہے اور دین محمدی کی پشت پناہی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا ہے، اس لیے فقیر ان دو گروہوں کا تہ دل سے اتباع کر کے ان کے مذہب ومسلک پر جادہ پیما ہوا ہے۔ اور فوائد ظاہری وباطنی سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے۔ وہوالموفق وبہ نستعین۔ پس فقیر کا معتقد ومختار یہ ہے کہ جس مسئلہ میں یہ دو گروہ یعنی احناف وصوفیہ متفق ہیں فقیر اس کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تہ دل سے قبول کر کے اس پر کاربند ہوتا ہے۔ اور جس مسئلے میں مذکورہ گروہوں کا اختلاف ہو اس کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر یہ اختلاف حقائق ومعارف اور توحید سے متعلق صوفیہ کرام کا ہے ہو تو ممکن ہے کیوں کہ یہ محقق اور اہل کشف کی

جماعت ہے۔ اور دوسرا گروہ اپنے نظر وفکر میں عقل کا استعمال کرتے ہیں لیکن اگر اختلافات عبادت ومعاملات سے متعلق مسائل میں ہوں تو اس پر غور کیا جائے گا' پس اگر اس اختلاف کا تعلق اعمالِ جوارح والے مسائل سے ہو تو ان پر مذہب حنفی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اختلاف اعمال قلبی میں ہو تو صوفیہ کی طرف رجوع لایا جائے گا۔

(دستور العمل حضور مرقومہ ۱۳۰۶ھ)

و قال (دام إرشاده و إمداده)

ازفقیر امداد اللہ (عفا اللہ عنہ) بخدمت بابرکت جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب (سلمہ اللہ تعالیٰ) بعد وعلیکم اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نامہ مورخہ ۲۰ / رجب ۱۳۰۷ھ مع ایک پرچہ مطبوعہ مطبع محبوب المطابع شہر میرٹھ جو فقیر کے خط سے منسوب ہے جناب مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ہاتھ پہنچا' فقیر کا یہ مسلک ضرور ہے کہ اہل اسلام کی تکفیر پر جرأت نہیں کرتا بلکہ اس سے تنفر قلبی رکھتا ہے اور اس میں صرفِ اوقات کو حماقت بلکہ خسران وخذلان کا موجب سمجھتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تاویل کو محبوب سمجھتا ہے بشرطیکہ سوادِ اعظم کے خلاف نہ ہو۔ اور فقیر صلح بین المومنین کا بدل خواہاں ہے اور اپنے احباب کو بھی فقیر کی یہی نصیحت ہے کہ نزاع سے کنارہ کش رہیں اور مسائل مختلف فیہا میں سوادِ اعظم کا اتباع کریں' اگر چہ وہ مسئلہ اپنی تحقیق کے مخالف ہو کیوں کہ سوادِ اعظم علماء و مشائخ کا خلاف تنزل مرتبہ ایمانیہ کا موجب اور انحطاط کمالات کا مثمر ہے۔

اس خط میں یعنی خط مطبوعہ محبوب المطابع میں جو فقیر کے خلاف ہے اس کی تصریح کرتا ہوں:

جواب اول: میں امکان ووقوع کا فرق بتایا گیا ہے۔ فقیر کو اس سے اتنا معلوم ہوا کہ کذب کا نقائص میں ہونا متفق علیہ ہے پھر ذاتِ مقدس باری تعالیٰ کی طرف نقص کا استناد کس طرح جائز ہو سکتا ہے' گو بر سبیل امکان ہی سہی۔

جواب ثانی: میں آیت: **إنما أنا بشر مثلكم .الخ.** کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ہیں انکار اس بات کا ہے کہ کوئی بشر سمجھ کر بڑا بھائی کہنے لگے یا مثل اس کے اور کلمہ گستاخی زبان سے نکالے یہ البتہ موجب خذلان ہے' فقیر کے اعتقاد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں اور باعث ایجادِ کائنات ع :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جواب ثالث: فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع ہیئت کذائیہ معمولہ علمائے ثقات صلحا ومشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے اور اکثر اس کا عامل ہے جیسا کہ فقیر کی دیگر تقریرات وتحریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے فقیر کو اس مجلس شریف کے باعث حسنات وبرکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین ہے کہ اس مجلس مبارک میں فیوض وانوار ورحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

جواب رابع: فقیر کا یہ عقیدہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین کی توہین شمہ بھر جائز نہیں اور ان کا اتفاق کسی مسئلہ شرعیہ میں حجت سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ بزرگانِ سلف لکھتے آئے ہیں۔

جواب خامس: فقیر ہمیشہ سے حنفی المذہب صوفی المشرب ہونے کا مدعی ہے اگر چہ اپنے دعوے میں کامل نہ ہو۔ فقیر تقلید کو واجب

جانتا ہے اور اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ کوئی حنفی المذہب ہو کر ایسے مسئلہ کی تائید کرے جس میں حمایت لامذہبی پائی جائے اور عوام ضلالت میں پڑیں۔

(فقرات مندرجہ کرامت نامہ) حضور مرشدی اسمی مولوی نذیر احمد خاں صاحب مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات مرقومہ رمضان ۱۳۰۷ھ۔

و قال (دام إرشادہ و إمدادہ)

از: امداد اللہ (عفا اللہ عنہ)

بخدمت عزیزم پیر جی مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی و عزیزم مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی (سلمہما اللہ تعالیٰ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمام بلاد وممالک ہند مثلا بنگال، بہار، مدراس، دکن، گجرات، بمبئی، پنجاب، راج پوتانہ، رام پور اور بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبارات حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جس کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی ہی تحریرات ہیں، یہ آتش فتنہ انوارِ ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ تمام ممالک کے علماء ومفاتی نے ساری کتاب کو تہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا۔ دیکھو ہندوستان میں سیکڑوں مذاہب کفریہ وعقائد باطلہ مخالف دین و بیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور کیسے کیسے شبہات الزام واعتراض شہادت وشبہات وشکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں پس ایسے وقت میں آپس کی مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیے اور قرآن شریف کی خوبیاں و فضائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد ومکارم اخلاق ومحاسن اوصاف کو ہر مقام و ہر شہر وقریہ میں نہایت زور وشور سے مشتہر کرنا چاہیے ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد واوصاف ومکارم اخلاق کو مشتہر واشاعت عام کرنے کے لیے ہر مقام میں مجلس میلاد شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ ومستحسن وسیلہ ہے۔

فقرات مندرجہ کرامت نامہ حضور مرشدی اسمی پیر جی خلیل احمد صاحب
ومولوی محمود حسن صاحب مرقومہ ذی قعدہ (۱۳۰۷ھ)

و قال (دام إرشادہ و إمدادہ)

انوارِ ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت التجا و دعا کی یا اللہ اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں تو اس کتاب کو مقبول علمائے دیار وامصار واہل اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ تمام علمائے حرمین شریفین وبلاد اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں۔ اور خود کتاب کو بھی پسند کرتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(مرقومہ دہم رمضان روز سہ شنبہ ۱۳۰۷ھ اسمی راقم الحروف)

و قال (دام إرشادہ و إمدادہ)

میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں، اور ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا تب بیٹھا۔ (مرقومہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف)

و قال (دام إرشاده و إمداده)

انوارِ ساطعہ از اول تا آخر شنیدم و بغور وتدبر نظر کردم ہمہ تحقیق را موافق مذہب ومشرب خود و بزرگان خود یافتم۔

(مرقومہ یازدہم رجب ۱۳۰۴ھ راقم الحروف)

و قال (دام إرشاده و إمداده)

فی الحقیقت نفس مطلب کتاب انوارِ ساطعہ موافق مذہب ومشرب فقیر وبزرگان فقیر است خوب نوشتید (جزاکم الله خیرَ الجزاء) اللہ تعالیٰ ماوشماوجمیع مومناں رادر ذوق وشوق ومحبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کند آمین۔

(مرقومہ بست ودویم شوال ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف)

واضح ہو کہ اول انوارِ ساطعہ ۱۳۰۲ھ میں مطبوعہ ہوئی تھی، رفتہ رفتہ کچھ مدت کے بعد مکہ معظمہ پہنچی اور حضرت مرشدی ومولائی نے بتدریج اس کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نے جس قدر کرامت نامے مکہ معظمہ سے رقم فرمائے سب میں یہ مضمون تھا کہ اس کتاب کے مسائل میرے اور میرے مشائخ کے مشرب کے بالکل موافق ومطابق ہیں۔ پھر حضرت کے قبول فرمانے کی یہ برکت ہوئی کہ یہ کتاب مقبول عام ہوگئی، سب اس کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا، اور لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم کہ دور دور سے مطالبے کے خطوط آرہے ہیں، گلوگیری تمنائے مشتاقین نے مجبور کردیا کہ اسے پھر چھپوایا جائے تو حضرت مرشدی ومولائی کے ارشاد کے مطابق ۱۳۰۶ھ میں انوار ساطعہ کی نظر ثانی شروع کردی لیکن اتنی رکاوٹیں پیش آئیں کہ (العیاذ باللہ) دوروز کام ہوا تو دو مہینے ناغہ گئے، بہر کیف اس مولائے کریم کا شکر کہ انجام کار ۱۳۰۷ھ میں اس کام سے فارغ ہوا۔ و الحمد لله رب العالمين و الصلوة على شفيعنا خاتم النبيين.

اللّٰهم اجعلنا بذكرك و ذكر حبيبك متلذذين

و بآلائك و نعمائك في الدنيا و الأخرة متنعمين

توفنا مسلمين و الحقنا بالصالحين

و ارزقنا شفاعة سيد المرسلين

و ادخلنا الجنة بسلام فرحين

و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه

و نور عرشه محمد

و آله و أصحابه و أولياء أمته أجمعين.

اللهم ارحمنا معهم برحمتك يا أرحم الراحمين.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کتابیات

تخریج وتحقیق کے دوران حسب ذیل کتابوں سے بطورِ خاص مدد لی گئی

- قرآن کریم . ابتدائے نزول : ۶۱۰ء انتہائے نزول: ۹/ذی الحجہ۱۰ھ/ ۶۳۲ء
- شرح المواهب اللدنية : محمد بن عبدالباقی زرقانی [۱۲۲ھ]
- تفسير ابن مقاتل : سلمان بن بشرازدی [۱۵۰ھ]
- جامع معمر بن راشد : معمر بن راشدازدی [۱۵۳/۴ھ]
- مشيخة ابن طهمان : ابوسعیدابراہیم بن طہمان بن شعیب ہروی [۱۶۳ھ]
- مؤطا إمام مالك : امام مالک بن انس مدنی [۱۷۹ھ]
- مسند عبد الله بن مبارك : عبداللہ بن مبارک [۱۸۰ھ]
- الزهد و الرقائق لابن المبارك : عبداللہ بن مبارک [۱۸۰ھ]
- حديث إسماعيل بن جعفر : ابواسحٰق اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری زرقی مدنی [۱۸۰ھ]
- الآثار لأبي يوسف : امام قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری البغدادی [۱۸۲ھ]
- نسخة وكيع بن اعمش : ابوسفیان وکیع بن جراح بن ملیح بن رواس رؤاسی [۱۹۷ھ]
- جزء سفيان ابن عيينة : سفیان بن عیینہ کوفی [۱۹۸ھ]
- مسند الطيالسي : سلیمان بن داؤدطیالسی [۲۰۴ھ]
- جمهرة أنساب العرب : ہشام بن محمد بن سائب کلبی [۲۰۴ھ]
- فتوحات الشام : ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد [۲۰۷ھ]
- مصنف عبد الرزاق : ابوبکرعبدالرزاق بن ہمام صنعانی [۲۱۱ھ]
- مسند الحميدي : عبداللہ بن زبیر مکی [۲۱۹ھ]
- أخبار مكة للأزرقي : امام ابوالولید محمد بن عبدالکریم غسانی ازرقی [۲۲۳ھ]
- فضائل القرآن لقاسم بن سلام : ابوعبیداللہ قاسم بن سلام [۲۲۴ھ]
- معجم الأدباء : عبداللہ یاقوت حموی [۲۲۶ھ]
- جزء أبي الجهم : علا بن موسیٰ بن عطیہ باہلی بغدادی [۲۲۸ھ]
- مسند ابن الجعد : ابوالحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی [۲۳۰ھ]

* تاریخ یحیٰ بن معین : ابوزکریا یحییٰ بن معین [۲۳۳ھ]
* مصنف ابن أبي شيبة : ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]
* الفهرست لابن نديم : اسحٰق بن ابراہیم بن ماہان بن بہمن تمیمی ابن ندیم موصلی [۲۳۵ھ]
* مسند عبد بن حميد : ابومحمد عبد بن محمد حمید کشی [۲۳۸ھ]
* مسند إسحاق بن راهويه : حافظ اسحٰق بن راہویہ [۲۳۸ھ]
* مسند ابن أبي شيبة : عثمان بن ابوشیبہ کوفی [۲۳۹ھ]
* مسند ابن راهويه : حافظ اسحاق بن راہویہ [۲۳۸ھ]
* مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
* مسند سعد بن أبي الوقاص : ابوعبداللہ الدورقی احمد بن ابراہیم بن کثیر [۲۴۶ھ]
* سنن الدارمی : امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [۲۵۵ھ]
* الأدب المفرد للبخاري : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
* صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
* خلق أفعال العباد للبخاري : ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
* الأحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
* الأغاني : ابوالفرج علی بن حسین اصبہانی [۳۵۶ھ]
* مكارم الأخلاق للطبراني : سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* المعجم الكبير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* المعجم الصغير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* مسند الشاميين للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* الدعاء للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
* صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]
* سنن ابن ماجه : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]
* سنن سعيد بن منصور : سعید بن منصور خراسانی [۲۷۳ھ]
* أخبار مكة للفاكهي : محمد بن اسحٰق بن عباس فاکہی [۲۷۵ھ]
* سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
* الشمائل المحمدية للترمذي : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]

- جامع ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- مسند الحارث: الحارث بن ابواسامه [۲۸۲ھ]
- فضل الصلوٰة على النبي: قاضی اسماعیل بن اسحٰق بن حماد جہضمی ازدی مالکی [۲۸۲ھ]
- مسند عمر بن عبد العزيز للباغندی: ابوبکر محمد بن سلیمان حارث واسطی باغندی [۲۸۳ھ]
- غريب الحديث للحربي: ابواسحٰق ابراہیم بن اسحٰق حربی مروزی [۲۸۵ھ]
- غريب الحديث: ابواسحٰق بن ابراہیم مروزی [۲۸۵ھ]
- الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم: ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی [۲۸۷ھ]
- المذكر و التذكير لابن ابی عاصم: حافظ ابوبکر احمد ابن ابی عاصم عمر شیبانی [۲۸۷ھ]
- البحر الزخار مسند البزار: حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]
- صلاة الوتر لمحمد بن نصر المروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- قيام رمضان للمروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- تعظيم قيام الصلوٰة للمروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- دلائل النبوة للفريابي: ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۳۰۱ھ]
- الصيام للفريابي: ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۳۰۱ھ]
- السنن الكبرىٰ للنسائي: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- سنن نسائی: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- الغرباء للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- الشريعة للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- أخلاق حملة القرآن للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- أخلاق العلماء للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- معجم أبي يعلى الموصلي: احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- مسند الروياني: محمد بن ہارون رویانی [۳۰۷ھ]
- مسند أبي يعلى الموصلي: احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- المنتقى في الحديث لابن الجارود: عبداللہ بن علی جارود [۳۰۷ھ]
- تفسير طبري: ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری [۳۱۰ھ]
- التوحيد لابن خزيمة: ابوبکر محمد بن اسحاق بن مغیرہ بن صالح سلمی نیساپوری [۳۱۱ھ]
- صحيح ابن خزيمة: محمد بن اسحٰق بن خزیمہ [۳۱۱ھ]

- ❁ مستخرج أبي عوانة : یعقوب بن اسحاق اسفرائنی [۳۱۶ھ]
- ❁ الأوسط لابن المنذر : محمد بن ابراہیم بن منذر نیساپوری شافعی [۳۱۸ھ]
- ❁ طبقات ابن سعد : محمد بن سعد [۳۲۰ھ]
- ❁ مشکل الآثار للطحاوي : ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی [۳۲۱ھ]
- ❁ الضعفاء الکبیر للعقیلي : ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی مکی [۳۲۲ھ]
- ❁ مکارم الأخلاق للخرائطي : محمد بن جعفر خرائطی [۳۲۷ھ]
- ❁ تفسیر ابن أبي حاتم : ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی [۳۲۷ھ]
- ❁ شکر الله علی نعمه للخرائطي : محمد بن جعفر خرائطی [۳۲۷ھ]
- ❁ فوائد محمد بن مخلد : ابوعبداللہ محمد بن مخلد بن حفص دوری عطار [۳۳۱ھ]
- ❁ المسند للشاشي : ابوسعید ہیثم بن کلیب شاشی [۳۳۵ھ]
- ❁ الناسخ و المنسوخ للنحاس : احمد بن محمد اسماعیل مرادی ابوجعفر نحاس [۳۳۸ھ]
- ❁ معجم ابن الأعرابي : ابوسعید احمد بن محمد بن اعرابی [۳۴۱ھ]
- ❁ من حدیث خیثمه بن سلیمان : خیثمہ بن سلیمان بن حیدرہ قرشی طرابلسی مقری [۳۴۳ھ]
- ❁ معجم الصحابة لابن قانع : ابوالحسن عبدالباقی بن قانع [۳۵۱ھ]
- ❁ طبقات المحدثین : مسلمہ بن قاسم اندلسی [۳۵۳ھ]
- ❁ تفسیر نیسافوري : احمد بن محمد نیساپوری [۳۵۳ھ]
- ❁ صحیح ابن حبان : ابوالشیخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- ❁ ثقات ابن حبان : محمد بن حبان بن احمد بن حبان ابوحاتم لبستی [۳۵۴ھ]
- ❁ تهذیب الآثار للطبري : ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبری [۳۶۰ھ]
- ❁ عمل الیوم و اللیلة لابن السنی : حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق ابن السنی [۳۶۴ھ]
- ❁ الکامل لابن عدي : ابواحمد عبداللہ بن عدی [۳۶۵ھ]
- ❁ أحکام القرآن للجصاص : ابوبکر احمد بن علی جصاص [۳۷۰ھ]
- ❁ تنبیه الغافلین و إرشاد الجاهلین : فقیہ ابوالیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی [۳۷۳ھ]
- ❁ بحر الفوائد المسمیٰ بمعاني الأخیار : محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاری [۳۸۰ھ]
- ❁ بحر الفوائد المسمّی بمعانی الاخبار : محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاری [۳۸۰ھ]
- ❁ مفاتیح العلوم : محمد بن احمد بن یوسف خوارزمی [۳۸۰ھ]
- ❁ حدیث أبو الفضل الزهري : ابوالفضل عبیداللہ بن عبدالرحمٰن الزہری [۳۸۱ھ]

❁ علل الدار قطني : ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی [۳۸۵ھ]

❁ سنن الدار قطني : ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی [۳۸۵ھ]

❁ قوت القلوب : ابوطالب محمد بن علی مکی [۳۸۶ھ]

❁❁ الإبانة الكبرىٰ لابن بطة : ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان ابن بطہ حنبلی [۳۸۷ھ]

❁ سبعة مجالس من أمالي أبي الطاهر : ابوطاہر محمد بن عبدالرحمٰن بن عباس بغدادی [۳۹۳ھ]

❁ معجم الشيوخ : ابوالحسین محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن ابن جمیع غسانی صیداوی [۴۰۲ھ]

❁ المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]

❁ معرفة علوم الحديث : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]

❁ أمالي ابن مردوية : احمد بن موسیٰ بن مردویہ [۴۱۰ھ]

❁ آداب الصحبة لابی عبد الرحمن السلمی : ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی [۴۱۲ھ]

❁ فوائد تمام : تمام بن محمد بن عبداللہ حلبی [۴۱۴ھ]

❁ فوائد العراقيين لأبی سعيد النقاش : حافظ ابوسعید محمد بن علی مہدی نقاش حنبلی [۴۱۴ھ]

❁ شرح أصول اعتقادأهل السنةو الجماعة للألكائي : ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن [۴۱۸ھ]

❁ المجموع : حسین بن شعیب معروف بہ ابن سنجی [۴۳۰ھ]

❁ حلية الأولياء : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ الإصابة في معرفة الصحابة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ الأربعون على مذهب المتحققين من الصوفية : ابونعیم احمد ابن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ أخبار أصبهان : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

❁ أمالي ابن بشران : ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن بشران [۴۳۲ھ]

❁ قوت القلوب : مکی بن ابوطالب قیسی مقری [۴۳۷ھ]

❁ الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي : عبداللہ بن محمد ابراہیم شافعی [۴۴۰ھ]

❁ الاستيعاب في معرفة الأصحاب : ابوعمر یوسف بن عبدالبر [۴۵۳ھ]

❁ مسند الشهاب القضاعي : ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی شافعی [۴۵۴ھ]

- الأحكام في أصول القرآن : ابومحمد علی بن سعید بن حزم اموی ظاہری اندلسی [۴۵۶ھ]
- شعب الايمان : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- فضائل الأوقات للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- القضاء و القدر للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الأربعين الصغرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- دلائل النبوة للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الايمان للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- معرفة السنن و الآثار للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الآداب للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الأسماء و الصفات للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الاعتقاد للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- المدخل إلى السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- القضاء و القدر للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الصغير للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شرف أصحاب الحديث : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الكفاية في علم الرواية للبغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- تقييد العلم للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر : ابوعمر یوسف بن عبدالبر [۴۶۳ھ]
- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الأربعون للفسوي : ابوالقاسم زید بن علی فارسی فسوی [۴۶۷ھ]
- التوحيد لابن منده : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- فوائد ابن مَندة : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- الشرح الكبير لابن قدامة : ابوالمعالی بغدادی معروف بہ ابن قدامہ [۴۸۶ھ]
- جذوة المقتبس من ذكر ولاة الأندلس : محمد ابن ابونصر فتوح ازدی حمیدی [۴۸۸ھ]

- أصول السرخسي : ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی [۴۹۰ھ]
- المبسوط للسرخسي : ابوبکر محمد بن احمد سرخسی [۴۹۰ھ]
- إحياء علوم الدين : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- تفسير ابو السعود : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- تفسير معالم التنزيل : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- تفسير كشاف : ابوالقاسم محمد بن عمرو زمخشری [۵۲۸ھ]
- الفتاوىٰ الكبرىٰ : حسام الدین عمر بن عبدالعزیز حنفی [۵۳۶ھ]
- الفتاوىٰ الكبرىٰ : عمر بن عبدالعزیز حسام الدین حنفی [۵۳۶ھ]
- فتاوىٰ نسفية : نجم الدین عمر بن محمد بن احمد حنفی نسفی سمرقندی [۵۳۷ھ]
- الفائق في غريب الحديث و الأثر : جار اللہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری [۵۳۸ھ]
- تحفة الفقهاء : ابومحمد محمد بن احمد سمرقندی [۵۳۹ھ]
- الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ : ابوالفضل عیاض بن موسیٰ [۵۴۴ھ]
- غنية الطالبين : شیخ محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی [۵۶۱ھ]
- تاريخ مدينة دمشق : علی بن حق دمشقی معروف با بن عساکر [۵۷۱ھ]
- الأمثال للرامهرمزي : ابوالحسن بن عبدالرحمٰن بن خلا درام ہرمزی [۵۷۶ھ]
- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع : علاء الدین بن ابی بن مسعود الکاسانی [۵۸۷ھ]
- فتاوىٰ قاضي خان : فخر الدین حسن بن منصور قاضی خاں [۵۹۲ھ]
- الهداية : برہان الدین علی ابوالحسن فرغانی حنفی [۵۹۳-یا-۵۹۶ھ]
- الموضوعات : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- جامع الأصول لأحاديث الرسول : مبارک بن محمد ابن اثیر جزری شافعی [۶۰۶ھ]
- النهاية في غريب الأثر : محب الدین مبارک بن محمد جزری ابن اثیر [۶۰۶ھ]
- المحصول فی علم أصول الفقه : فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی [۶۰۶ھ]
- تفسير رازی : امام فخر الدین محمد بن عمر رازی [۶۰۶ھ]
- المغني في علم الحديث : عمر بن زید بن بدر بن سعید موصلی حنفی [۶۱۹ھ]
- معجم الشعراء : یاقوت بن عبداللہ حموی [۶۲۶ھ]
- إحكام الأحكام في أصول الأحكام : علی بن محمد سیف الدین آمدی شافعی [۶۳۱ھ]
- غاية المرام : سیف الدین علی بن ابوعلی آمدی [۶۳۱ھ]

* عوارف المعارف : شیخ شہاب الدین ابوحفص سہروردی بغدادی صوفی [۶۳۲ھ]
* جزء الألف دينار للقطيعي : احمد بن محمد ازجی بغدادی معروف بہ قطیعی [۶۳۴ھ]
* تاریخ بغداد : محمد بن محمود حسن بغدادی النجار [۶۴۳ھ]
* مرآة الزمان في تاريخ الأعيان : شمس الدین ابومظفر حنبلی بغدادی سبط الجوزی [۶۵۴ھ]
* الترغيب والترهيب : زکی الدین عبدالعظیم منذری [۶۵۶ھ]
* فوائد السالكين : فریدالدین گنج شکر [۶۶۴ھ]
* تفسیر قرطبي : ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر قرطبی [۶۷۱ھ]
* الأربعين النووية : حافظ ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی [۶۷۶ھ]
* شرح النووي على مسلم : حافظ ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی شافعی [۶۷۶ھ]
* رياض الصالحين : حافظ ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی [۶۷۶ھ]
* الاختيار لتعليل المختار : عبداللہ بن محمود ابن مودود الموصلی حنفی [۶۸۳ھ]
* أنوار البروق في أنواع الفروق : احمد بن ادریس شہاب الدین قرافی [۶۸۴ھ]
* تفسير أنوار التنزيل و أسرار التاويل : ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی [۶۸۵ھ]
* الرياض النضرة في مناقب العشرة : احمد بن محمد طبری مکی شافعی [۶۹۴ھ]
* منية المصلي : سدیدالدین کاشغری [۷۰۵ھ]
* تاج العروس : احمد بن محمد اسکندرانی [۷۰۹ھ]
* تفسير مدارك التنزيل : ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی [۷۱۰ھ]
* لسان العرب : محمد بن مکرم انصاری افریقی مصری [۷۱۱ھ]
* نصاب الاحتساب : ضیاءالدین محمد بن عمر سنامی [۷۲۵ھ]
* نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية : عبداللہ بن یوسف زیلعی [۷۲۶ھ]
* اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم : تقی الدین ابن تیمیہ [۷۲۸ھ]
* كشف الأسرار : عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری [۷۳۰ھ]
* نهاية الأرب في فنون الأدب : احمد بن عبدالوہاب بکری قرشی کندی [۷۳۲ھ]
* المورد في عمل المولد : عمر بن ابوالیمن تاج الدین ابوحفص فاکہانی مالکی [۷۳۴ھ]
* مدخل الشرع الشريف : محمد عبدری معروف ب ابن الحاج مالکی [۷۳۷ھ]
* تفسیر خازن : ابوالحسن علی بن محمد خازن بن عمر شیخی [۷۴۱ھ]
* تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف : ابوالحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن مزی [۷۴۲ھ]

- تهذيب الكمال : جمال الدین یوسف بن ترکی مزنی [۷۴۲ھ]
- مشكوة المصابيح : شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی عراقی [۷۴۲ھ]
- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق : فخر الدین عثمان بن علی زیلعی [۷۴۳ھ]
- الجوهر النقي لابن التركماني : احمد بن عثمان بن ابراہیم تاج الدین ترکمانی حنفی [۷۴۴ھ]
- تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ابن زکی ابوالحجاج جمال الدین یوسف مزی [۷۴۴ھ]
- تفسير البحر المحيط : اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی [۷۴۵ھ]
- شرح التلويح على التوضيح : صدر الشریعہ ثانی عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ [۷۴۷ھ]
- سير أعلام النبلاء : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- ميزان الاعتدال في نقد الرجال : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- تاريخ الإسلام للذهبي : شمس الدین محمد بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- الطرق الحكمية : محمد ابوبکر بن قیم الجوزیہ دمشقی حنبلی [۷۵۱ھ]
- إعلام الموقعين عن رب العالمين : محمد ابوبکر بن قیم الجوزیہ دمشقی حنبلی [۷۵۱ھ]
- زاد المعاد : شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن قیم جوزیہ حنبلی [۷۵۱ھ]
- الفتاوىٰ السبكي : شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی [۷۵۶ھ]
- روض الرياحين : عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی [۷۶۸ھ]
- المصباح المنير في غريب (الشرح الكبير) : احمد بن محمد بن علی فیومی [۷۷۰ھ]
- النهاية في الفتن و الملاحم : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- البداية و النهاية : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- تفسير ابن كثير : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- قصص الأنبياء : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- العناية شرح الهداية : اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی [۷۸۶ھ]
- شرح العقيدة الطحاوية : ابوالعز حنفی [۷۹۲ھ]
- شرح عقائد النسفية : سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی [۷۹۲ھ]
- البحر المحيط فى الأصول : بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی شافعی [۷۹۴ھ]
- جامع العلوم و الحكم : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]
- فتح الباري لابن رجب : زین الدین ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]
- الجوهرة النيرة شرح القدوري : ابوبکر بن علی بن محمد حدادی مصری [۸۰۰ھ]

* تحفة المحتاج في شرح المنهاج : عمر بن علی بن احمد الوادیاشی اندلسی [۸۰۴ھ]
* طبقات المحدثين : سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی [۸۰۴ھ]
* بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث : نور الدین ابو بکر بن سلمان ہیثمی [۸۰۷ھ]
* موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان : نور الدین ابو الحسن ہیثمی [۸۰۷ھ]
* مجمع الزوائد و منبع الفوائد : امام نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
* أصول حديث : علی بن سید محمد علی ابو الحسن معروف بہ میر سید شریف [۸۱۶ھ]
* المستخرج على المستدرك : حافظ عبد الرحیم العراقی [۸۲۶ھ]
* فتاویٰ بزازية : حافظ الدین محمد بن محمد شہاب کردری [۸۲۷ھ]
* معجم ابن المقرىء : اسماعیل بن ابو بکر بن علی شرجی زبیدی [۸۳۷ھ]
* عرف التعريف بالمولد الشريف : شمس الدین ابو الخیر محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]
* الفتاویٰ الرملي : احمد بن حسین رملی شافعی [۸۴۴ھ]
* فتح الباری : ابو الفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی [۸۵۲ھ]
* عمدة القاری : بدر الدین محمود بن احمد عینی [۸۵۵ھ]
* فتح القدير : کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام [۸۶۱ھ]
* دلائل الخيرات : ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان جزولی [۸۷۰ھ]
* التقرير و التحبير : محمد بن محمد بن محمد ابن امیر حاج حلبی حنفی [۸۷۹ھ]
* درر الحكام في شرح مجلة الأحكام : شیخ الاسلام منلا خسرو رومی حنفی [۸۸۵ھ]
* درر الحكام شرح غرر الأحكام : محمد بن فرامرز بن علی منلا خسرو رومی حنفی [۸۸۵ھ]
* تفسير نظم الدرر لتناسب الآيات و السور : برہان الدین محمد بن ابراہیم بقاعی [۸۸۵ھ]
* نزهة المجالس و منتخب النفائس : عبد الرحمٰن بن عبد السلام صفوری شافعی [۸۹۴ھ]
* شرح ملا جامي : عبد الرحمٰن ابن احمد جامی [۸۹۸ھ]
* المقاصد الحسنة للسخاوي : شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی [۹۰۲ھ]
* الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة : جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی [۹۱۱ھ]
* تفسير درّ منثور : جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
* الإتقان في علوم القرآن للسيوطي : جلال الدین عبد الرحمٰن ابو بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
* انتباه الأذكياء : جلال الدین عبد الرحمٰن ابو بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
* مهمات المعارف للسيوطي : جلال الدین عبد الرحمٰن ابو بکر سیوطی [۹۱۱ھ]

- الديباج على مسلم : جلال الدين عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- حسن المقصد في عمل المولد : جلال الدين عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الجامع الصغير للسيوطي : جلال الدين عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الحبائک في أخبار الملائک : جلال الدين عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- تاريخ الخلفاء : جلال الدين عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- المواهب اللدنية بالمنح المحمدية : شہاب الدين احمد بن محمد قسطلانی شافعی [۹۲۳ھ]
- فتح المعين في شرح قرة العين بمهمات الدين : زین الدین احمد ملیباری شافعی [۹۲۸ھ]
- سبل الهدىٰ و الرشاد : ابوعبداللہ محمد بن یوسف صالحی شامی [۹۴۲ھ]
- فص الخواتم فيما قيل في الولائم : شمس الدین محمد بن طولون حنفی دمشقی [۹۵۳ھ]
- جامع الرموز : شمس الدین محمد خراسانی قہستانی [۹۶۲ھ]
- البحر الرائق شرح كنز الدقائق : زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری [۹۷۰ھ]
- الأشباه و النظائر : زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری [۹۷۰ھ]
- غنية المستملي شرح منية المصلي معروف بہ کبیري : شیخ ابراہیم حلبی [۹۷۱ھ]
- المطالب العالية : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- فتح المبين : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- لسان الميزان : شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- كنز العمال : علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]
- الطريقة المحمدية : محمد بیر علی معروف بہ برکلی [۹۸۱ھ]
- ميزان الشريعة الكبرىٰ : شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی [۹۸۳ھ]
- كشف الغمة عن جميع الأمة : شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی [۹۸۳ھ]
- تذكرة الموضوعات : محمد بن طاہر صدیق فتنی گجراتی ہندی [۹۸۶ھ]
- مجمع بحار الأنوار : محمد بن طاہر پٹنی ہندی [۹۸۶ھ]
- نهاية المحتاج : محمد بن شہاب الدین احمد انصاری رملی [۱۰۰۴ھ]
- الموضوعات الكبير : علی بن سلطان ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ]
- مورد الروي في مولد النبي : علی بن سلطان ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ]
- مرقاة شرح مشكوٰة : علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی [۱۰۱۴ھ]

❁ زبدة النصائح لأرباب المصالح : جعفر بن ابراہیم سنہوری مصری [۱۰۲۰ھ]

❁ فیض القدیر : شمس الدین عبدالرؤف مناوی شافعی [۱۰۳۰ھ]

❁ مکتوبات إمام رباني : سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی [۱۰۳۵ھ]

❁ کشاف القناع عن متن الإقناع : منصور بن یونس البہوتی حنبلی [۱۰۵۱ھ]

❁ جذب القلوب إلی دیار المحبوب : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]

❁ أشعة اللمعات : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]

❁ شرح سفر السعادة : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]

❁ مطالع المسرات : ابو حامد بن ابوالمحاسن بن محمد فاسی [۱۰۵۲ھ]

❁ لوامع التنویر فی شرح الکوکب المنیر : قاضی عبدالباقی بن محمد منوفی مصری [۱۰۶۶ھ]

❁ کشف الظنون عن أسامي الکتب و الفنون : مصطفیٰ بن عبداللہ قسطنطینی رومی حنفی [۱۰۶۷ھ]

❁ مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح : ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی حنفی [۱۰۶۹ھ]

❁ مجمع الأنهر في شرح ملتقی الأبحر : عبدالرحمٰن بن شیخ محمد آفندی شیخی زاده [۱۰۷۸ھ]

❁ الدر المختار : علاءالدین محمد بن علی حصکفی دمشقی حنفی [۱۰۸۸ھ]

❁ فهرس الفهارس : شمس الدین محمد معروف بہ ابن ہمات زادہ [۱۰۹۱ھ]

❁ غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر : احمد بن محمد حموی مکی [۱۰۹۸ھ]

❁ قرة العیون بأنموذج الفنون : احمد بن سید محمد مکی حسینی حموی [۱۰۹۸ھ]

❁ شرح مختصر خلیل للخرشي : محمد بن عبداللہ بن علی ابوعبداللہ خرشی [۱۱۰۱ھ]

❁ الفواکه الدواني علی رسالة ابن أبي زید القیرواني : احمد بن غنیم نفراوی [۱۱۲۵ھ]

❁ نور الأنوار : ملا احمد جیون ابن ابوسعید حنفی امیتھوی [۱۱۳۰ھ]

❁ تفسیر روح البیان : ابوالفداء شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی [۱۱۳۷ھ]

❁ شرح سنن نسائي : ابوالحسن نورالدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]

❁ حاشیة السندي علی ابن ماجة : ابوالحسن نورالدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]

❁ کشف الخفاء و مزیل الألباس للعجلوني : ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی [۱۱۶۲ھ]

❁ شرح ابن بطال : عمرو بن زکریا بطال برہانی اشبیلی [۱۱۷۶ھ]

❁ حجة اللّٰه البالغة : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]

❁ الانتباہ في سلاسل اولیاء اللّٰه : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]

❁ تفہیمات إلٰهیّة : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]

- القول الجميل : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- إزالة الخفاء : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- عقد الجيد : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- الدر الثمين في مبشرات النبي الأمين : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- مصفیٰ شرح مؤطا : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- عقد الجوهر في مولد النبي الأزهر : جعفر بن حسن بن عبد الکریم برزنجی مدنی [۱۱۷۷ھ]
- حياة الأنبياء في قبورهم : احمد بن حسن عبد الکریم جوہری [۱۱۸۲ھ]
- حاشية البجيرمي على الخطيب : سلیمان بن عمر بن محمد بجیرمی مصری شافعی [۱۲۲۱ھ]
- حاشية البجيرمي على المنهج : سلیمان بن عمر بن محمد بجیرمی مصری شافعی [۱۲۲۱ھ]
- تفسير مظهری : قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]
- تذکرة الموتیٰ و القبور : قاضی ثناء اللہ پانی پتی [۱۲۲۵ھ]
- حاشية الدسوقي : محمد بن احمد بن عرفہ مصری مالکی [۱۲۳۰ھ]
- فتح العزيز معروف بـ تفسير عزيزي : شاہ عبد العزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- تحفۂ اثنا عشریہ : شاہ عبد العزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- وسيلة النجاة : شاہ عبد العزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- سوالات عشرۂ محرم : شاہ عبد العزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- حاشية الصاوي على الشرح الصغير : احمد بن محمد صاوی مالکی [۱۲۴۱ھ]
- تقوية الإيمان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- تذكير الإخوان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- صراط مستقیم : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- إثبات رفع يدين : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- حاشية العطار على جمع الجوامع : شیخ الازہر ابو السعادات حسن بن محمد شافعی [۱۲۵۰ھ]
- رد المحتار : سید محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]
- حاشية رد المحتار : سید محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]
- مائة مسائل : شاہ محمد اسحٰق دہلوی [۱۲۶۲ھ]
- أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب : درویش بیروتی حنفی [۱۲۷۶ھ]
- هدية العارفين : اسماعیل پاشا بن محمد امین بغدادی [۱۲۸۹ھ]

- ایضاح المکنون في الذیل علی کشف الظنون : اسماعیل پاشا بن محمد امین [۱۲۸۹ھ]
- مظاھر حق شرح مشکوٰۃ : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- تحفة العرب و العجم : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- تنویر الحق : قطب الدین خاں دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- شفاء السائل : شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی [۱۲۹۶ھ]
- شفاء الصدور : فیض الحسن سہارن پوری [۱۳۰۴ھ]
- إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين : ابوبکر بن سید محمد شطا دمیاطی شافعی [۱۳۱۰ھ]
- ضیاء القلوب : حاجی امداد اللہ مہاجر مکی [۱۳۱۷ھ]
- کنز الإیمان في ترجمة القرآن : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- نظم المتناثر من الحدیث المتواتر : محمد بن جعفر کتانی [۱۳۴۵ھ]
- الرسالة المستطرفة : محمد بن جعفر الکتانی [۱۳۴۵ھ]
- تفسیر أضواء البیان : محمد امین بن محمد مختار شنقیطی [۱۳۹۳ھ]
- المسند الجامع : ابوالفضل سید ابوالمعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]
- إنسان العیون في سیرة الأمین المأمون : علی بن برہان الدین حلبی [۱۴۰۴ھ]
- مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهىٰ : محمد امین بن ملا احمد آفندی داغستانی
- الإنصاف فیما قیل في المولد من الغلو و الإجحاف : ابوبکر جابر الجزائری
- تفسیر همیان الزاد إلى دار العباد : سحنون بن عثمان وہبی اباضی
- حواشي الشرواني : عبدالحمید الشروانی احمد بن قاسم العبادی
- خزانة الروایات مستند مائة مسائل : قاضی جگن حنفی گجراتی
- الفتاوىٰ الهندية : جمعیت علمائے اورنگ زیب عالم گیر
- نصاب الاحتساب : عمر بن محمد بن عوض شامی حنفی
- کتاب القواعد : عز الدین بن سلام
- دستور القضاة : صدر بن رشید تبریزی
- دلائل الأذکار : شیخ محمد تھانوی
- تمهيد : ابوشکور سالمی
- سبیل الرشاد : محمد عاشق پھلتی
- أنوار محمدي : شیخ محمد محدث تھانوی

- ﴿ حواشي مشكوٰة : سید جمال الدین
- ﴿ وصيت نامه : عبداللہ گجراتی
- ﴿ مكتوبات قدوسي : شیخ عبدالقدوس گنگوہی
- ﴿ مخزن أحمدي : سید محمد علی
- ﴿ منح الجليل شرح مختصر خليل
- ﴿ التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي
- ﴿ روضة المحدثين
- ﴿ حاشية الجمل
- ﴿ حاشيتا قليوبي و عميرا
- ﴿ تفسير أضواء القرآن
- ﴿ فضائل القرآن و تلاوته
- ﴿ فضائل القرآن
- ﴿ التغني بالقرآن
- ﴿ تاريخ القرآن الكريم
- ﴿ التبيان
- ﴿ جامع الرسائل
- ﴿ شرح الطحاوية
- ﴿ فضل حفظ القرآن
- ﴿ المعرفة و التاريخ
- ﴿ اكتفاء القنوع بما هو مطبوع
- ﴿ معجم المطبوعات
- ﴿ تكملة مجمع بحار الأنوار
- ﴿ دقائق الأخبار
- ﴿ المختصر في أصول الحديث
- ﴿ محبة الرسول بين الاتباع و الابتداع
- ﴿ شرح الطحاويه في العقيدة السلفية
- ﴿ تبصرة الحكام في أصول الأقضية و مناهج الأحكام

- الفقه و الشريعة
- بهجة قلوب الأبرار
- بريقه محموديه فى شرح طريقه محمديه
- أصول الايمان في ضوء الكتاب و السنة
- شرح الأربعين النووية في الأحاديث الصحيحة النبوية
- معجم أصحاب القاضي أبي علي الصدفي
- روضة النعيم
- تحقيق الحق
- تفيهم المسائل
- نصاب الفقه
- رساله قنوجيه
- مسائل بهيّه
- جامع الأوراد
- صمصامِ قادري
- تنوير الملك

يقول **محمّد افروز قادری جریاکوتی** (أدام اللّٰه له سلوک سبيل السنة و الجماعة) هٰذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالىٰ و أعانني عليه من وضع هٰذا الكتاب الذي دأبتُ في ترتيبهٖ و تسهيله و تجديده و تهذيبهٖ و تذهيبه و تحقيقه و تخريجه بكل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ٧]

و إني أسئل اللّٰه سبحانه و تعالىٰ أن يجعل عملي هٰذا و جهدي خالصا لوجهه الكريم و هدية الىٰ جناب سيدي رسول اللّٰه العظيم أنجو به من نار الجحيم و ما توفيقي إلا باللّٰه العظيم عليه توكلت و إليه أنيب . قد بدأت عمل التسهيل و التخريج يوم الثلثاء ' الرابع عشر من صفر المظفر عام ١٤٢٨ھ الموافق شهر مارس ٧ ٢٠٠ء و كان الفراغ منه (بفضل اللّٰه و منته و توفيقه و معونته) في منتصف يوم الخميس ' التاسع و العشرين من ربيع الآخر عام ١٤٢٨ھ من الهجرة النبوية علىٰ صاحبها السلام و التحية ' الموافق شهر مايو ٢٠٠٧ء من ميلاد المسيح عليه الصلوة و التسليم .

رَبَّنَا لاتُؤاخِذْنَا إنْ نَسِيْنَا أو أخْطَأنَا

﴿تمّت و بالخير عمّت﴾

کچھ میری بابت

یکم جنوری ۱۹۷۹ء کی کسی ساعت میں علم واَدب کے حوالے سے مشہور خطہ ''چریاکوٹ'' میں وارِدِ جہانِ رنگ وبو ہوا۔ ''محمد اَفروز احمد'' نام رکھا گیا، (پھر آگے چل کر یہی نام 'محمد افروز قادری چریاکوٹی' کے روپ میں ظاہر ہوا)۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل مقامی مدرسہ ''دار العلوم قادریہ'' میں طے کرنے کے بعد شوقِ تعلیم کشاں کشاں کھینچ کر اہلسنّت کی مرکزی درسگاہ ''جامعہ امجدیہ'' گھوسی لایا جہاں دورۂ عالمیت مکمل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر جنوبی ہند کیرالا کی بین الاقوامی شہرت یافتہ یونیورسٹی ''جامعۃ الثقافۃ'' سے فضلیت وتخصّص کیا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی تحصیل میں چند ایک سال ممبئی اور پٹنہ وغیرہ کے دورے کرنے پڑے۔ اسی بیچ مختلف قراے عظام سے تجوید وقراءت کے اَسرار ورموز بھی سیکھے۔ تدریس کا باضابطہ آغاز ''جامعۃ الرضا'' بریلی شریف سے کیا، جہاں حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری نے ناچیز کو خلافت واجازت سے مشرف فرمایا، اور قصیدہ بردہ ودلائل الخیرات شریف سمیت جملہ اوراد ووظائف کی تحریری اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ۲۰۰۶ء میں اِسلامک لیڈرشپ کے حوالے سے معروف دانش گاہ ''دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن'' کے شعبۂ اِسلامیات میں اُردو لیکچرر مقرر ہوا، اور الحمد للہ تاہنوز اسی پیغمبرانہ مشغلے سے وابستہ ہوں۔

کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ کا سفر کئی اِعتبار سے میری زندگی کا ایک انقلابی موڑ ثابت ہوا۔ یہاں سکھانے کا موقع کم اور سیکھنے کے مواقع زیادہ میسر آئے۔ دنیا جہان سے تشریف لانے والے علماء ومشائخ سے براہِ راست اِستفادہ کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہتی ہے۔ علمی ماحول کے زیر اَثر رہ کر یہاں بہت کچھ کرنے کا حوصلہ اور ذہن ملا۔ ''چراغِ اُردو'' کے نام سے تاریخ ساؤتھ افریقہ میں سب سے پہلا اُردو اَخبار جاری کیا، جسے بے پناہ مقبولیت ملی۔ خصوصاً یہاں کی یکسوئی نے تصنیف وتالیف کا سنہرا موقع فراہم کیا۔ سالِ رواں میری کوئی سات کتابیں مختلف مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں۔ وقت ہزار نعمت، مرنے کے بعد کیا بیتی؟، بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ چالیس حدیثیں، ابن جوزی کی نصیحت اپنے لختِ جگر کے لیے، موت کیا ہے؟ تحفہ رفاعیہ، انوارِ ساطعہ (تسہیل وتحقیق)۔ جب کہ فنِ تجوید وقراءت پر تصنیف کردہ میری ایک کتاب ''برکاتُ الترتیل'' ہندوستان کے بہت سے اِداروں میں داخلِ نصاب بھی ہے۔ مستزاد یہ کہ اُردو وعربی اور انگلش میں ابھی کوئی چار ہزار سے زائد صفحات منتظرِ اشاعت ہیں۔

اِدھر کئی سالوں سے آن لائن ترجمے کی خدمات بھی انجام دیتا آرہا ہوں۔ ڈاروِنزم کے پرخچے اُڑا دینے والے مشہورِ زمانہ قلمکار ہارون یحییٰ کی کئی ایک کتابیں میرے اُردو ترجموں کے ساتھ اِشاعت پذیر ہوئی ہیں، ان کے بہت سے آرٹیکلز کا ترجمہ بھی میں نے کیا ہے جو اُن کے ویب پیج پر موجود ہیں۔ ابھی حال ہی میں ترکی کے شیخ عثمان نوری توپ باش کی کچھ کتابیں بھی جامہ اُردو میں منتقل کی ہیں اور تاہنوز کام جاری ہے۔ نیز مختلف علمی وفکری، اَدبی وتنقیدی اور فقہی وتحقیقی موضوعات پر درجنوں مضامین ومقالات، تبصرے اور تجزیے بھی رقم کیے ہیں۔ سردست فروغِ دین ومسلک کی لگن میں جٹا ہوا ہوں، جتنا کچھ کرسکتا ہوں اس سے دریغ نہیں کرتا، بس دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو سلامت رکھے اور دارین کی سعادت کے کام کرنے کی توفیق میرے رفیقِ حال فرمادے۔

بقلم مؤلف

فہرست مضامین

لمعہ خامسہ،

لمعہ سادسہ،

لمعہ سابعہ،

لمعہ ثامنہ،

لمعه تاسعه،

بچوں کی اَخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ

چالیس حدیثیں

اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستانِ ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں، اُن کے اَخلاق پھول کی پتیوں کی طرح نازک ہوتے ہیں، اچھا اَدب اُن کے لیے بادِ بہار ہے جب کہ فحش لٹریچر بادِ خزاں۔ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں وہ بڑا ہی نازک موڑ ہوتا ہے۔ عادتیں وہیں سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ بیش بہا تحفہ دراصل اسی لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ ایک قابلِ رشک زندگی کی تعمیر میں وہ اس سے روشنی حاصل کرسکیں، اور قوم وملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ بچوں کے اَخلاق وکردار کی تعمیر وتطہیر کے حوالے سے یہ اَدنیٰ سی کوشش شاید آپ کے بچوں کی زندگی میں کامیابی کی للک پیدا کردے۔ یہ کتاب ہر گھر کے ٹیبل کی ضرورت ہے۔

مرنے کے بعد کیا بیتی؟

اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

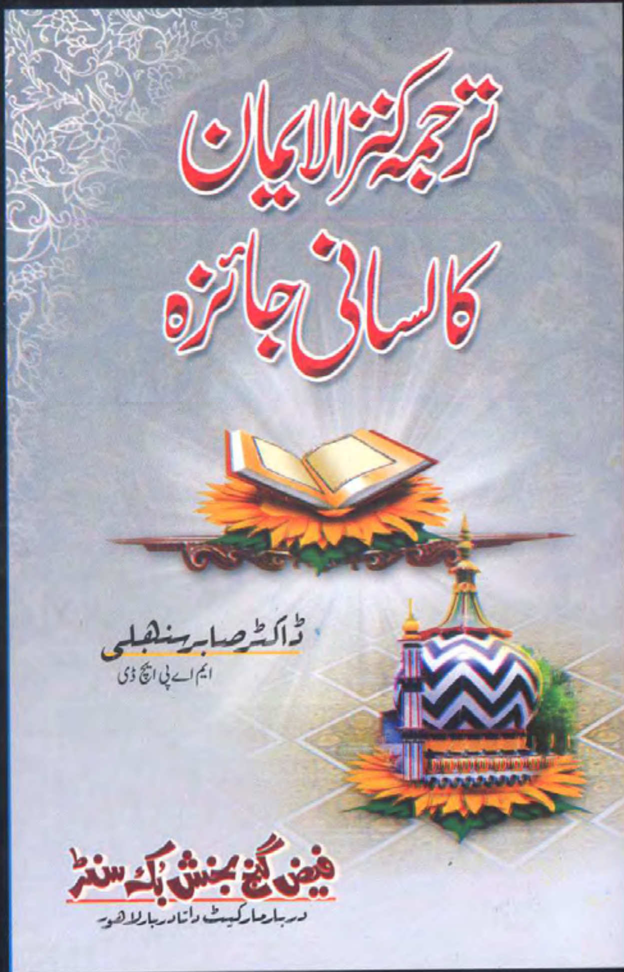
یہ کتاب دراصل پس اِنتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف واَحوال پر مشتمل ایک وجد آفریں مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات، جہاں عبرت آموز ونصیحت خیز ہے، وہیں ذہن ودماغ کو جھنجھوڑنے اور انقلاب لانے والی بھی ہے۔ پڑھتے پڑھتے کہیں کہیں آپ اَشک بار ہوجائیں گے تو کہیں تبسم زیرلب سے شادکام ہوتے نظر آئیں گے۔ یہ واقعات ہمیں اپنی اصلاح کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد بھی دلاتے ہیں، اپنے عمل کے محاسبے پر بھی اکساتے ہیں اور رحمت خداوندی سے مایوسی کے اَندھیروں سے بھی چھٹکارا دلاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سرخیل اَتقیا، حضرت جنید بغدادی -رحمہ اللہ- (متوفی:۲۹۷ھ) کو وصال کے بعد کسی نے عالم خواب میں دیکھ کر دریافت کیا: اے ابوالقاسم! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، نیز آپ ہمیں اُس جنس گراں مایہ کے بارے میں آگاہ فرمائیں جس کی مانگ، جہانِ برزخ میں زیادہ ہے؟۔ تو آپ نے فرمایا: رکوع وسجود، قیام وقعود، کشف وکرامات اور مراقبہ ومجاہدہ سب معدوم ہوگئے اور مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، بجز اُن چند رکعتوں کے جنہیں میں نے نیم شبی کی خلوتوں میں اَدا کیا تھا۔



علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیک یارسول اللہ ﷺ اور دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہا جائے اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھ کر کہے:
اللھم متعنی با اسمع و البصر کیونکہ بے شک ایسے کرنیوالے کو حضور ﷺ اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے" (ردالمحتار)

یہ ادا
یعنی انگوٹھے چومنا
ادائے صدیق اکبرؓ ہے
نسخہ الفت دلبر ہے
یہ عاشقوں کیلئے نور نظر ہے
جنت پانے کا اک ہنر ہے
یہ شفائے نور نظر ہے



فیض گنج بخش بک سنٹر
دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور
0321 4021 314